یااللہ مدد　　لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ　　حق چاریارؓ

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿القرآن﴾

شیعہ سنی مسائل پر تحفہ اثناعشریہ کے طرز پر جامع کتاب

تحفہ امامیہ

خلفاء راشدینؓ کی حقانیت اور اہل سنت والجماعت کی صداقت پر کتب فریقین سے سیر حاصل بحث کا مجموعہ شیعہ کے تمام مطاعن کے تحقیقی اور الزامی جوابات...

تحریر: مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی

❀❀❀❀❀❀

تیار کردہ: حق چاریارؓ میڈیا سروسز

Haq Char Yaar Media Services

www.kr-hcy.com

A Project of HCY-Global

فہرست مضامین

باب اوّل

سوال ۱ شعب ابی طالب میں محصوری ۱۷
شعب میں محصوری کی وجہ ۱۸
حضرت عمرؓ کا اسلام اور انقلاب ۱۹
تمام مسلمان بنو ہاشم کی طرح محصور تھے ۱۹
کوئی مسلمان خوراک کی امداد نہیں کر سکتا تھا ۲۰
مظلومین فی سبیل اللہ کے نام ۲۱
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے مصائب ۲۱
حضرت ابوالعاصؓ خوراک پہنچاتے تھے ۲۳
سوال ۲ حضرت فاطمہؓ کی تدفین ۲۵
آپ کی تدفین وصیت کے مطابق تھی ۲۶
غسل حضرت اسماءؓ زوجہ صدیقؓ نے دیا ۲۷
مدفن فاطمہؓ جنت البقیع میں ہے ۲۸
مدفن کے متعلق شیعہ کا اختلاف
روضہ میں عدم تدفین کے وجوہ ۳۰
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اجازت لے کر دفن کی نیت کی ۳۲
دفن شیخینؓ کا باطنی سبب ۳۳
شیخینؓ کی تدفین در روضہ اقدس بحضرت علیؓ کی رضا ۳۴
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا حضورؐ کی مٹی سے پیدا ہونا ۳۵
حضرت علیؓ سے شیخینؓ کے مناقب ۳۵
پیغمبرؐ کی صاحبزادیاںؓ چار ہیں ۳۶
قرآن سے ثبوت ۳۷
پیغمبرؐ اور حضرت علیؓ کے ارشادات ۳۸-۳۹
حضرت فاطمہؓ کا ارشاد اور منکرین دختران پر لعنت ۴۰
حضرت حسینؓ کا ارشاد ۴۰
حضرت باقرؒ و جعفرؒ کے ارشادات ۴۰
شیعہ مجتہدین کے فیصلہ جات ۴۲
شیعی وساوس کا ازالہ ۴۶
حضرت زینبؓ کی شان ۴۹
رقیہؓ و ام کلثومؓ کی شان ۵۰-۵۰
حضرت فاطمہؓ کی شان ۵۴
فضائل خاصہ کے اسباب ۵۵

باب دوم

سوال ۳ . دعوت ذی العشیرہ ۵۸
روایتی جرح . روایت سے ثابت ۶۰
چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں ۶۴
سوال ۴ . قصہ مواخات مضطرب ہے ۶۵
اجتماع اور مواخات کتب سیرت سے
اخوت حضرت ابوبکرؓ اور زیدؓ بن حارثہ ۶۷
کے لیے بھی ثابت ہے ۶۷
صرف نسبی فضیلت کارآمد نہیں ۶۸
حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر دلائل قاطعہ ۶۹

آپؓ صاحب پیغمبرؐ کے تابعدار ہیں	۶۹
واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں	۷۲
آپؓ صدیقین کے امام ہیں	۷۶
آپؓ مہاجرین میں سب سے اعلیٰ ہیں	۷۸
سب سے اتقیٰ اور ازکیٰ ہیں	۷۸
آپؓ بحکم نبیؐ امام نماز ہیں	۸۰
حضرت علیؓ آپ کے پیچھے مقتدی ہیں	۸۱
تمام امت کا آپکی افضلیت پر اتفاق ہے	۸۲
عہد نبوی ہی سے آپ افضل سمجھے جاتے تھے	۸۴
آپکے متعلق بشارت خلافت پہنچی ہوئی	۸۵
انبیاءؑ ہی تمام کائنات سے افضل ہیں	۸۸
سوال ۵: اہل سنت کے کثیر الروایہ حضرات	۹۱
اہل بیتؓ سے کمی روایت کے اسباب	۹۲
مکثرین سے کثرت کے اسباب	۹۳
شیعہ نے حضرت علیؓ سے علم کیوں روایت نہ کیا	۹۶
پیش کردہ حدیثیں موضوع ہیں	۹۷
باب سوم	
سوال ۶: قاتلین امام کون ہیں ؟	۹۷
قاتلین امام شیعان کوفہ ہیں	۹۷
امام کی امن پسندی اور سیاست سے کنارہ کشی	۹۸
شیعہ ہی نے آپ کو خط لکھ کر بلایا	۹۹
امامت کے متعلق آپ کا اور اہل سنت کا نظریہ	۱۰۰
امام سے برسرپیکار شیعہ ہی تھے	۱۰۱
خاندان اہل بیتؓ نے شیعہ ہی کو قاتل بتایا	۱۰۶
شیعہ خود اقبال جرم کرکے روتے ہیں	۱۰۸
شیعہ کا عذر لنگ بدتر از گناہ ہے	۱۰۹
صاحب تجلیات صداقت کی غلط بیانیوں کا محاسبہ	۱۱۰
اہل کوفہ کا تشیع	۱۱۲
عذر نفاق کی اہم وجہ	۱۱۴
اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی ؟	۱۱۵
شہداء کربلا کے اجمالی نام	۱۱۶
یزید کا اہل بیتؓ سے حسن سلوک	۱۱۷
سوال ۷: حضرت علیؓ کے خلفاء ثلاثہؓ سے تعلقات	۱۲۰
شیخینؓ کا اتباع	۱۲۱
حضرت علیؓ اور مدح شیخینؓ	۱۲۴
طبری کے مکالموں کی حقیقت	۱۲۸
سنداً لغو ہیں	۱۲۸
معناً شیعہ کو غیر مفید ہیں	۱۲۹
سوال ۸: قصۂ قرطاس	۱۳۰
حدیث قرطاس	۱۳۰
ردِ وحی کے الزام کے تین جوابات	۱۳۲
نسبت ہذیان کی حقیقت	۱۳۴
تحریر نہ لکھنے سے امت کی گمراہی کا افسانہ	۱۳۷
مقصد تحریر کیا تھا ؟	۱۳۸
مسئلہ کے متعلق چند سوالات	۱۳۹
ایک لغو رسالہ کا محاسبہ	۱۴۰

سوال ۹: قبلِ تدفین خلیفہ کا انتخاب	۱۴۵
سابقہ امم پر قیاس لغو ہے	۱۴۶
شیعہ کا امام قبل از موت ہی خلیفہ بن جاتا ہے۔	۱۴۷
جنازہ رسولؐ میں سب صحابہ کرامؓ کی شرکت	۱۴۸
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی صریح موجودگی	۱۵۰
باب چہارم	
سوال ۱۰: قصہ فدک	۱۵۲
مسئلہ فدک کیوں پیدا کیا گیا؟	۱۵۲
مسئلہ کی سادہ تفہیم	۱۵۳
ناراضی پر دس تمہیدی گزارشات	۱۵۶
مسئلہ کی علمی تنقیح	۱۶۱
مالِ فے اور فدک کی حقیقت	۱۶۲
اموالِ فے میں حضورؐ کا طرزِ عمل	۱۶۷
حضرت صدیق اکبرؓ کا اہلِ بیتؓ کو فدک دینا اور ان کا راضی ہونا	۱۷۰
حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشا کیا تھا؟	۱۷۳
حدیث لانورث متفق علیہ ہے۔	۱۷۷
کتبِ شیعہ سے ثبوت	۱۷۸
ایک شبہ کا ازالہ	۱۸۲
[illegible] راوی کا تعین ہے	۱۸۳
کتبِ اہلِ سنت سے سیدہؓ کی رضامندی	۱۸۵
شیعہ کے دلائلِ وراثت اور ان کے جوابات	۱۸۸
روایاتِ ہبہ کی حقیقت	۱۹۶

ایک لغو رسالہ کا جائزہ	۲۰۰
جنازہ سیدہؓ اور شیخینؓ	۲۱۰
آخری گزارش	۲۱۳
باب پنجم	
سوال ۱۱: عہدِ مرتضویؓ کی خانہ جنگیاں	۲۱۴
اہلِ سنت کا معتدل فیصلہ	۲۱۴
بطورِ الزام تحقیق و تشریح	۲۱۴
اہلِ نہروان کے قاتل	۲۱۵
شیعہ کا خارجی بن کر قاتلِ علیؓ ہونا	۲۱۶
اہلِ جمل کے قاتل	۲۱۸
حضرت علیؓ کا خلفاء ثلاثہؓ کی تعریف کرنا تاریخ سے	۲۲۰
حضرت عائشہ صدیقہؓ (ام المومنین) کے جاں نثار	
جاں نثاری اور جنگ کا خاتمہ	۲۲۲
پس منظر جنگِ صفین	۲۲۴
شیعہ پر حضرت علیؓ کی ناراضی	۲۳۱
ایک شبہ کا ازالہ	۲۳۲
عہدِ مرتضویؓ پر ایک نظر	۲۳۳
حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ	۲۳۶
سوال ۱۲: منافقین کی تحقیق	۲۳۷
صحابی کی تعریف اور ان کی تعداد	۲۳۸
منافق بہت کم تھے	۲۳۸
قرآن میں پیشین گوئیاں	۲۳۹
منافق مخذول و مردود ہوئے	۲۴۱

قرآن میں منافقوں کی علامات	۲۴۳
قرآن میں منافقوں کی علامات شیعہ پر منطبق ہیں	۲۴۵
سوال ۱۳: دلائل اربعہ	۲۴۶
مذہب اہلِ سنت کے چار دلائل ہیں	۲۴۷
قرآن و سنت کی صداقت	۲۴۷
اجماع و قیاس کی حجیت	۲۴۸
امت کا معصوم از گمراہی ہونا	۲۵۰
شیعہ دلائل اربعہ کے منکر ہیں	۲۵۲
قرآنِ کریم کا انکار اور مسئلہ تحریف	۲۵۳
ایک شبہ کا ازالہ	۲۵۶
حدیث مصطفیٰ کے منکر ہیں	۲۵۸
شیعہ اور اہلِ سنت میں فرق	۲۶۱
اجماع و قیاس کے کھلے منکر ہیں	۲۶۲
خلافتِ راشدہ پر ۱۲ قرآنی آیات	۲۶۵
احادیثِ مصطفیٰ اور خلافتِ راشدہ	۲۷۹
احادیثِ شیعہ	۲۸۰
اہلِ سنت کی بارہ احادیث	۲۸۲
خلافت اور اجماعِ امت	۲۸۷
بابِ ششم	
سوال ۱۴: خلیفہ کی مخالفت	
اُمّ المومنینؓ کا موقف	۲۹۱
حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا موقف	۲۹۲
شیعہ اکابر کے اختلافات	۲۹۴
الزامی جواب	۲۹۷
سوال ۱۵: تناقض کے لیے آٹھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے	۲۹۸
صحابہ کرامؓ کی ان جگہوں پر خطا و صواب کا معنیٰ	۲۹۹
کاملین پر سہو و نسیان کا وقوع	۳۰۰
شیعہ بزرگوں میں اختلافات کی چودہ مثالیں	۳۰۱
سوال ۱۶: امت و شیعت کا موضوع ہے	۳۰۷
بارہ ائمہ کے شیعوں کی تعداد	۳۱۰
فائدہ مہمہ	۳۱۲
شیعہ کی موضوع احادیث	۳۱۳
اہلِ سنت ہی فائز المرام ہیں	۳۱۶
سوال ۱۷: حضرت عائشہؓ کے حضرت عثمانؓ سے بہتر تعلقات	۳۱۹
حضرت علیؓ سے بہتر تعلقات	۳۲۰
اقتلوا نعثلا کا قصہ وضعی ہے	۳۲۲
سوال ۱۸: مسلمانوں کے ائمہ اربعہ کی امامت کی حقیقت	۳۲۴
امت محمدیہ گمراہی پر جمع نہ ہوگی	۳۲۷
چاروں ائمہ کے مقلدین ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرتے ہیں۔	۳۲۹
شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں	۳۳۰
پیغمبر پر حضرت علیؓ کو عملاً فضیلت	۳۳۱
پیغمبر سے باطنی دشمنی کی مثالیں	۳۳۲
وحدتِ قرآن سے دشمنی	۳۳۳

وحدت کلمہ سے دشمنی	۳۳۳
وحدت کعبہ سے دشمنی	۳۳۳
وحدت امت سے دشمنی	۳۳۵
سوال ۱۹: حضرت عائشہؓ کی تحقیق وفات	۳۳۵
ام المومنینؓ کے فضائل قرآن میں	۳۳۶
ام المومنینؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں	۳۴۰
ذاتی حالات وعلمی خدمات	۳۴۱
قتل کا سانحہ غلط ہے	۳۴۳
باب ہفتم	
سوال ۲۰: خلفاء راشدینؓ کے اوصاف کا تقابلی مطالعہ	۳۴۵
شیعہ کے ہاں افضلیت کا معیار	۳۴۷
افضلیت کے وجوہ چار ہیں	۳۴۷
مربی فیصلہ کردے	۳۴۸
مربی وہ کام لے جو سب سے افضل لیا جاتا ہے	۳۴۸
طلبا جماعت کسی کو مانیٹر بنالیں	۳۴۹
ذاتی اوصاف میں کوئی فائق ہو	۳۵۰
خلفاء اربعہ کا اوصاف میں موازنہ	۳۵۱
قوت ایمانی حضرت ابوبکرؓ کا ایمان	۳۵۲
حضرت عمرؓ کا ایمان	۳۵۶
حضرت عثمانؓ کا ایمان	۳۵۷
۲۔ کثیر الہدایت ہونا	۳۵۹
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے بڑے ہادی ہیں	۳۶۰

قرآن حکیم کی اشاعت	۳۶۰
سنت و فقہ کی اشاعت	۳۶۱
فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں	۳۶۳
حدودِ اسلام کی وسعت	۳۶۴
معرکہ جنگ میں تبلیغی فرائض	۳۶۵
خلفاء اربعہ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل	۳۶۶
شجاعت صدیقیؓ	۳۶۶
جرأت فاروقیؓ	۳۶۸
جرأت عثمانیؓ و مرتضویؓ	۳۷۰
شجاعت کے اثرات میں تقابل	۳۷۱
علم میں موازنہ	۳۷۲
علم صدیقیؓ	۳۷۲
علم فاروقیؓ	۳۷۴
علم عثمانیؓ	۳۷۶
علم مرتضویؓ	۳۷۷
عبادت میں موازنہ	۳۷۸
سخاوت میں موازنہ	۳۸۱
امانت	۳۸۵
حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اقتباس	۳۸۶
باب ہشتم	
مسئلہ امامت درپردہ انکار ختم نبوت ہے	۳۸۷
سوال ۲۱: بارہ خلفاء کی بحث	۳۸۷
اہل سنت کا معیار امامت	۳۸۷

شیعہ کے بارہ ائمہ ہرگز مراد نہیں ۳۸۸
مافوق البشر شیعی ائمہ کے خواص ۳۸۹
امام مثل نبی مرسل من اللہ ہے ۳۸۹
امام مثل نبی حجۃ اللہ ہے ۳۸۹
امام پر ایمان لانا اس کی طرف رجوع ضروری ہے ۳۹۰
امام کی اطاعت بھی فرض ہے ۳۹۱
وہ اللہ کی شریعت کا والی و خازن ہے ۳۹۱
ائمہ اللہ کا نور ہیں ۳۹۲
ائمہ نبوت کا درخت و مہبط ملائکہ ہیں ۳۹۲
ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں ۳۹۳
ائمہ عالم الغیب ہیں ۳۹۳
ائمہ موت و حیات میں مختار ہیں ۳۹۴
ائمہ پیغمبروں کی طرح علم میں مساوی ہیں ۳۹۴
ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں ۳۹۵
ائمہ حلال و حرام میں مختار ہیں ۳۹۵
ائمہ درجہ میں حضورؐ کے مساوی ہیں یا افضل ہیں ۳۹۶
حق صرف ائمہ کے پاس ہے ۳۹۷
ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے ۳۹۷
ائمہ سب انبیاءؑ سے افضل ہیں ۳۹۹
شیعہ در باطن، ائمہ کو انبیاء مانتے ہیں ۴۰۰
شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری جائزہ ۴۰۱
دعویٰ نبوت میں تضاد ۴۰۲
محدثیت کا دعویٰ ۴۰۳
بباطن نبوت کا اعتراف ۴۰۳
منکر جہنمی ہیں ۴۰۳
نقلی ختم نبوت کا اقرار ۴۰۴
مسلمانوں سے قطع تعلق ۴۰۴
معاملات میں قطع تعلق ۴۰۴
کلمہ میں علیحدگی ۴۰۵
تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں ۴۰۵
تمام مسلمان سور اور لعنتی ہیں ۴۰۵
تمام مخالفین مسلمانوں کے قتل کے منصوبے ۴۰۵
انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کی توہین ۴۰۶
مکہ و مدینہ کی توہین ۴۰۷
مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج ۴۰۷
قادیانیت کے متعلق قومی اسمبلی کا فیصلہ شیعہ پر بھی صادق آتا ہے ۴۰۸
شیعہ کے ائمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل ۴۰۹
حضرت علیؓ کا اپنی خلافت میں معذور رہنا ۴۱۰
ائمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل ۴۱۲
حدیث کا مفہوم ۴۱۲
حدیث کے مصداق کون سے بارہ افراد ہیں ۴۱۸
حدیث من مات کی بحث ۴۱۹

حدیث من مات کے معانی	۴۲۱
جاہلیت کی موت کیوں ہوگی ؟	۴۲۵
امامِ زمان کا ایک اور مصداق	۴۲۶
بابِ نہم	
سوال ۲۲ دین میں بدعت کا موجد کون ہے ؟	۴۲۷
اہلِ سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں	۴۲۷
عقائد و اعمال کا شیعی اضافہ	۴۲۸
حضرت عمرؓ کا دامن بدعت سے پاک ہے	۴۳۰
الصلوٰۃ خیر من النوم کا ثبوت	۴۳۱
تراویح کا ثبوت	۴۳۲
چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت	[illegible]
متعہ کی حرمت خود متعہ سے ثابت ہے۔	۴۳۵
شیعہ کے ہاں متعہ کے شرائط و ارکان	۴۳۶
حضرت علی المرتضیٰؓ سے ممانعت	۴۳۸
ایک شبہ کا ازالہ	۴۳۹
طلاقِ ثلاثہ معاً بائن ہیں	۴۴۲
قیاس شرعی حجت ہے	۴۴۳
قیاس کی حجیت کا شیعہ سے ثبوت	۴۴۵
سوال ۲۳ : اجماع سے انتخاب	۴۴۵
قرآن سے ثبوت	۴۴۶
تاریخ سے ثبوت	۴۴۷
ابنِ خلدون کا قیمتی حوالہ	۴۴۷
الزامی سوالات	۴۴۸
باب دہم	
سوال ۲۴ ، کلمہ طیبہ	۴۴۹
اسلام میں کلمہ طیبہ کی اہمیت	۴۴۹
کلمہ اہلِ سنت ہی قرآن نے سکھایا	۴۵۱
شیعی شبہات کا ازالہ	۴۵۵
آیت انما ولیکم اللہ کے تین جوابات	۴۵۶
آیت اولی الامر سے استدلال کا جواب	۴۵۸
کتب شیعہ سے کلمہ پر ۱۵ شہادتیں	۴۵۸
کلمہ اہلِ سنت ہی رسول اللہ نے سکھلایا	۴۵۸
صحابہؓ و اہلِ بیتؓ نے یہی کلمہ پڑھا پڑھایا	۴۶۰
حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے بھی یہی کلمہ پڑھایا	۴۶۱
ائمہ اہل بیتؒ نے یہی کلمہ ولادت کے وقت پڑھا	۴۶۲
سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے	[illegible]
اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ	۴۶۵
شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے	۴۶۵
شیعہ علما کا اعترافِ حقیقت	۴۶۷
شیعی شبہات کا ازالہ	۴۶۸
سبط ابنِ جوزی کی کتابیں واہی ہیں	۴۷۰
التحیات و ثناء بھی ثابت ہے	۴۷۱
نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے	۴۷۴
ترتیبِ وضو بھی قرآن سے ثابت ہے	۴۷۵
سنی بدعات کی وجہ	۴۷۶
کتبِ مراجع و مصادر	۴۷۸

نقشِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ امابعد

۱۹۷۰ء میں "تحفۃ الاخیار" ایک رسالہ راقم نے لکھا تھا جس میں ساہیوال کے ایک پٹواری نام نہاد نوشیعہ مجتہد کے شائع کردہ اشتہار کے چوبیس سوالات کا جواب خالص تحقیقی زبان میں دیا تھا اور وہ باربار چھپ کر اہلِ علم وسنت سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چونکہ بڑی بڑی اہم کتابوں سے مواد لیا تھا۔ تو جی چاہا کہ ان تمام مباحث کو اصل عبارات سمیت بالوضاحت اگر لکھا جائے تو اہلِ علم وفن کو بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ دوبارہ تحقیق کے ساتھ جب اسے مرتب کیا تو ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کا نام "تحفہ امامیہ" تجویز کر کے قارئین سے اشاعت کا وعدہ بھی کر دیا گیا جبکہ اس کا ضمیمہ "شیعہ حضرات سے ایک سو سوالات" پانچ مرتبہ الگ چھپ کر مذہب کا عالمی مبلغ بن چکا ہے۔ بحمد اللہ پانچ سال کے بعد مزید اضافوں اور جدید مباحث کے ساتھ حاضرِ خدمت ہے۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر تمام کتب قدیمہ وجدیدہ سے افضل ہے تاہم یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بحمد اللہ سنی شیعہ اختلافی مسائل پر سنجیدہ اور تحقیقی اسلوب میں عصرِ حاضر کی ناگزیر اور تشنگی بجھانے والی کتاب ہے۔ جس کا مطالعہ اہلِ سنت کے دین وایمان کے تحفظ کا باعث ہوگا تو فریقِ مخالف کے سنجیدہ اور معتدل افراد کو بھی غور وفکر اور اپنے نظریات پر نظرِ ثانی کی دعوت دے سکے گا کیونکہ خود ان کے ہی مسلمہ اصول "ثقلین کی اتباع" اور "آئمہ اثنا عشر" کے فرامین کی پیروی کی دعوت دیگا۔

تصنیف کے دوران یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ پاکستان میں جن شیعہ مؤلفین نے اختلافی مسائل پر طبع آزمائی کی ہے ان کے لایعنی دلائل کا توڑ تو کر دیا مگر تعارف کے ساتھ مفصل تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ الا ماشاء اللہ۔

یہ کتاب چونکہ مخالف کے پیش کردہ خاص مسائل کے دفاع پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاری کے ذہن میں کسی خاص مسئلہ کا حل یا جواب اس میں نہ ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشاجرات کی بحث

میں کتب شیعہ یا تاریخ سے الزامی اور دفاعی مواد دیکھ کر کہ "صحابہ پیغمبر" "حضرات اہلبیت کرام" کے حق میں قاصر بتا ئیں تو اس انشاء اللہ اس بدظنی سے بچیں، کیونکہ حضرت علیؓ اور آپ کے اہل بیت و رفقاء ہمیں اسی طرح پیارے اور سرمایۂ ایمان ہیں جیسے تمام عشرہ مبشرہ اور مہاجرین و انصارؓ ہمارے مقتدا، پیشوا اور آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہیں۔ صرف یہ نکتہ ذہن میں رکھیں کہ یہ کتاب اہل تشیع کے غلو و جارحیت کے دفاع میں ہے۔ ناصبیت و خروج اس کا موضوع نہیں ہے۔ ہاں بعض جزوی مقامات پر ان کی گمراہی کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان کا مفصل رد ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں ہوگا۔

اس کتاب کے دلچسپ اور قابل مطالعہ چند خاص مسائل یہ ہیں۔ فضائل خلفاء راشدینؓ۔ مسئلہ بنات۔ حضرت علیؓ کے خلفاء ثلاثہؓ سے بہترین تعلقات۔ قاتلان حسینؓ کا تعارف قرطاس۔ باغ فدک۔ خلافت۔ حادثہ جمل و صفین۔ تحریف قرآن۔ امامت و ختم نبوت میں تقابلی مطالعہ۔ ۱۲ خلفاء کی بحث۔ مذہب شیعہ کی تصویر۔ اصلی کلمہ طیبہ کا کتب شیعہ سے متواتر ثبوت ہر بحث قرآن و سنت اور امامیہ کی احادیث سے مزین۔ افراط و تفریط سے پاک اور دلنشین تحریر کا آئینہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ ہمارے عام سنی مسلمان ہمارے اس دفاعی اقدام کو بھی فرقہ واریت کہہ کر ناپسند جانتے ہیں جبکہ باقی تمام فرق باطلہ اپنے مقررین و مولفین کو نہ صرف سر آنکھوں پر بٹھاتے بلکہ باطل نظریہ کی اشاعت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ سوچ ہی آپ کے مخلص اور برحق مسلمان ہونے کی ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں فرقہ بندی کی مذمت آئی ہے ہم خود اسی نظریہ کے حامی ہیں کہ فرقہ وارانہ رسم اور گروہی امتیازہ کو روا نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہمارے اسلاف اہل سنت اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے امتیاز و پہچان کے لیے کسی مسئلے کو جولانگاہ اور ذریعہ امت نہیں بنایا جس کا ثبوت قرآن و سنت اور فقہ حنفیہ سے نہ ہو۔ اور کسی مسئلے کو اپنا مخالف جان کر اس سے اعراض و سکوت نہیں کیا جس کا ثبوت اخبار صحیحہ اور اقوال سلف صالحین میں صریح ملتا ہو۔

فرقہ دراصل "فرق اور فارقہ" سے مشتق ہے یعنی جو گروہ نیا مسئلہ نکال کر یا امت کے

معمولی سا مسئلہ کو نظرانداز کر کے ایک جداراستے پر چل پڑے اور باقی مسلمانوں کو گمراہ بتائے۔ یا فروعی فقہی مسائل کی آڑ میں اپنے مخالف تمام مسلمانوں کو نشانۂ طعن بنائے تو وہ فرقہ اور مذمت کا مصداق ہوگا۔ جیسے شیعوں کی ایجاد و ترویج سے صلاۃ وسلام کا اذان میں اضافہ نماز کے بعد ذکر بالجہر کی پابندی، نعرۂ حیدری کا رواج شیعوں کی طرح ماتم و تعزیہ داری اور مذہبی جلوسوں کی نمائش چند برسوں سے نام نہاد سنیوں میں چل نکلی ہے اور جو شریعت و سنت کا پابند قدیم طرز کا مسلمان ان کو ناپسند کرے تو فوراً اس پر "وہابی و گستاخ" ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے یعنی سنی شیعہ کے مقابل نہ رہا۔ اپنا قومی وجود و تشخص کھو بیٹھا۔ ہاں غیر شعوری طور پر شیعہ کا خاص اپنا کر خالص سنی مسلمانوں کو کافر و گمراہ بنانے میں سرگرم عمل ہے اور اپنے سادہ لوح عوام کو شیعیت کا شکار بلکہ ان کی ترقی کا میدان بنا رہا ہے۔ فوا اسفا۔

میں تمام سنی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسی مذہبی منافرت اور غفلت سے بچتے ہوئے مندرجہ ذیل طبقات سے اپنا جہاد جاری رکھیں ہا

۱۔ کمیونسٹ و بے دین طبقہ جو خدا کے وجود اور مذہب و عمل کی ضرورت کے بھی منکر ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث یعنی پرویزی قسم کے لوگ جو مسلمہ ضروریات دین کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔

۳۔ فرقہ مرتدہ مرزائیہ جو مرزا قادیانی کو (معاذ اللہ) نبی مجدد یا مسیح موعود مانتے ہیں۔

۴۔ اعدائے صحابہؓ روافض جو قرآن کو صحیح اور واجب العمل نہیں جانتے۔ سنت رسولؐ کو نقل و دم اور حجت دین نہیں مانتے۔ تمام تلامذہ نبوت صحابہ کرامؓ کو مرتد یا منافق کہتے ہیں۔ بختم نبوت و رسالت کے بجائے امامت کے قائل ہیں اور کلمہ۔ اذان۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ پیشوائے معصوم وغیرہ میں تمام ملت محمدیہ سے جدا مذہب رکھتے ہیں۔

ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں توحید، نبوت اور آسمانی کتاب و شریعت کی دعویدار تین قومیں ہیں مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ تینوں کا امتیاز کلمہ کے آخری جزء صاحب وحی معصوم ہادی اور جدا کتاب و قانون سے ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے "اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مسلمہ) ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا کارساز

و مشکل کتابچہ بنائیے (پ ۳ ع ۱۵) جبکہ یہی اصولی فرق و اختلاف شیعہ دوسرے مسلمانوں سے رکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

۱۔ مسلمان جو کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں یہی قرآن نے پ ۲۶ ع ۶ - ۱۲ میں سکھایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو لاکھ مسلمانوں کو پڑھایا مگر اس کے قائل کو شیعہ ہرگز مومن و ناجی نہیں مانتے۔ بلکہ وہ " علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل " سے کلمہ کی تکمیل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہ قرآن و سنت میں ہے نہ اہل بیت سے کسی معتبر کتاب میں ثابت ہے کسی دین و ملت کا کلمہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کفر ہے۔ ایک جزء کے اضافہ سے یا شیعہ مسلم برادری سے الگ ہو گئے یا اسے نہ ماننے سے ۹۵ فیصد سنی ان کے ہاں مسلمان نہ رہے۔

۲۔ پانچ نمازیں پانچ وقت میں فرض ہیں۔ جیسے ارشاد قدرت ہے "نماز مومنوں پر اپنے اپنے وقت میں پڑھنا لازم ہے۔" (پ ۵ ع ۱۲) مگر شیعہ صرف تین اوقات میں پڑھتے ہیں۔

۳۔ نماز کے بعد اسلام کا بڑا رکن زکوٰۃ ہے کہ سال گزرنے پر صاحب نصاب کو ۱/۴۰ حصہ نکالنا فرض ہے۔ مگر شیعہ بلا سکہ سونا چاندی کرنسی نوٹ اور مال تجارت پہ زکوٰۃ کے قائل نہیں۔ ہاں منافع کے بعد اس کی بچت پر عمر میں صرف ایک مرتبہ پانچواں حصہ امام کے نام پر نکالتے اور ذاکرین مجتہدوں کی مالی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ اور زرعی پیداوار کی کچھ اقسام پر عشر کے قائل ہیں۔

۴۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حج سب سے افضل عبادت ہے۔ مگر شیعہ عقیدہ یہ ہے: "جو مومن عید کے دن کے علاوہ حضرت حسینؓ کی قبر کی زیارت کرنے حق پہچان کر آئے اس کو ۲۰ حج مبرور اور ۲۰ مقبول عمروں کا ثواب ملے گا۔ اور ۲۰ ان حجوں کا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔

(فروع کافی ج ۱ ص ۵۸)

۵۔ تمام مسلمان از الحمد تا والناس ۱۱۴ سورتوں کے ۳۰ پارے قرآن کو تغیر و تحریف سے پاک اصلی کتاب اللہ مانتے ہیں مگر شیعہ اسے ناقص اور کمی بیشی والا مانتے ہیں جو مسلمانوں کا منسوخ تورات و انجیل کے متعلق عقیدہ ہے۔ شیعہ اصلی واجب الاتباع قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو ان کے عقیدہ میں حضرت علیؓ نے لکھی اور پیدائش سے آپ کو یاد تھی وہ ہر دور میں ہر امام کے

پاس رہی۔ اب وہ امام مہدی کے پاس غار میں ہے وہ جب ظاہر ہوں گے تو ۳۱۳ شیعوں کو وہ اصلی قرآن پڑھائیں گے۔ ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۳۴۵)

۶۔ شیعہ حضور خاتم النبیینؐ کے ہاتھ پر ۵۔۱۰ آدمیوں کو بھی ہدایت یافتہ و مومن نہیں مانتے وہ ہدایت وایمان کا منبع حضرت علیؓ و حسینؓ کو مانتے ہیں اور ان کو بلا واسطہ رسول عالم لدنی، امام اور ایک قسم کا رسول مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ اصول کافی ج ۱ ص ۱۱۱ لکھنؤ)

۷۔ شیعہ مجتہد سید محمد باور حسین جعفری سولہ مسئلے ص ۱۰۰۔۱۰۱ پر لکھتا ہے۔

"بہر کیف حضرت علیؓ رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں اور حضرت محمدؐ کے وزیر بھی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ۱۲ کے ۱۲ ہی رسول اور امام تھے (سولہ مسئلے مطبوعہ ادارہ علوم الاسلام سانده کلاں لاہور)

۸۔ تمام صحابہؓ کو مرتد کہتے ہیں۔ "امام باقرؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کے بعد تمام صحابہؓ مرتد ہو گئے سوائے تین کے۔ ابوذر، مقداد، سلمانؓ (رجال کشی ص ۴ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴ مجالس المومنین منتہی الآمال وغیرہ)

۹۔ چونکہ نور اللہ شوستری کا اعتراف ہے کہ "مکہ اور مدینہ کے باشندوں پر ابوبکر و عمرؓ کی محبت غالب ہے۔" (مجالس المومنین ص ۵۶) لہٰذا ان پر امام باقر و جعفرؒ نے فتویٰ یہ لگایا ہے "اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے ستر گنا زیادہ پلید ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹ طبع ایران)

۱۰۔ مرزا قادیانی کی طرح تمام مسلمانوں کو ولد الزنا کہتے ہیں کہ امام باقرؒ نے فرمایا۔

"اے ابوحمزہ اللہ کی قسم سب لوگ بغایا کنجریوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے (روضہ کافی ص ۲۸۵)

اندکے پیش تو گفتم حال دل ترسیدم | کہ آزردہ شوی ورنہ دلبرا سخن بسیار است

اب آپ ضمیر کو ٹٹول کر فیصلہ کیجیے کہ شیعوں کی ماتمی مجالس جلوس اور مذہبی تقریبات میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں اور یہ کہ آپ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ماننے کے باوجود کسی گرجا کی محفل میں شرکت نہیں کرتے مگر آپ حضرت علی و حسینؓ سے محبت کی آڑ میں ایسے لوگوں کی مجالس عزا میں شریک ہو جاتے ہیں، عقائد کے لحاظ سے دونوں میں کیا فرق ہے؟ ع عاقل را اشارہ کافی ست۔

خادم اہل سنت مہر محمد میانوالوی گوجرانوالہ۔ ۵ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ

حق چار یار

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین الذی اصطفی من خلقہ انبیاء رحمۃ للعلویین والسفلیین وجعلھم ذروۃ للمؤمنین وقادۃ ھداۃ للمسلمین فوقفھم لرفعۃ شان الدین والصلوٰۃ والسلام علی افضلھم واتمھم محمد سید المرسلین وخاتم النبیین الذی نزل علی قلبہ روح الامین بتنزیل رب العٰلمین وعلیٰ الہ العترۃ الطیبۃ والازواج الطاھرۃ واصحابہ الکرمۃ البررۃ المتقین سیما الخلفاء الراشدین المھدیین الذین انشاءھم المولیٰ لنصرۃ دینہ القوی المتین ورباھم الرسول علی الھدی والتقی والنقاء ھدایۃ لخیر امتہ الی یوم الدین وعلمھم الکتاب والسنۃ ازکی تعلیم من الاسلاف الی الخالفین وزکاھم احسن تزکیۃ من الاولین والاخرین فصاروا بتربیتہ شموسا ونجوما فی الھدایۃ والتعلیم والتزکیۃ لملتہ اجمعین فنصر اللہ من اتبعھم بالاحسان مرضیین وخذل من فی قلبہ زیغ وبغض لھٰؤلاء سادۃ المسلمین رضی اللہ عنھم اجمعین

سوال ۱ - تاریخ شاہد ہے کہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل طور پر بائیکاٹ کر لیا تھا اس بائیکاٹ کا عرصہ تین سال کا ہے۔ حضرت ابوطالب تمام بنوہاشم کو شعب ابیطالب میں لے گئے تھے۔ یہ تین برس کا عرصہ بنی ہاشم نے نہایت عسرت اور کٹھن تکالیف سے گزارا۔ ان تین سال کے دوران حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کہاں تھے اگر یہ بزرگ مکہ ہی میں تھے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ اگر یہ بزرگ شعب ابی طالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نہ جا سکے تو کسی وقت ان بزرگوں نے آب و دانہ ہی سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی ہو۔ جبکہ کفار مکہ میں سے زہیر بن امیہ بن مغیرہ نے پانی کھانا پہنچانے اور عہد نامہ کو توڑنے پر

دوستوں کو آمادہ کیا۔

جواب۔ چند باتیں پیشِ نظر رکھنے سے اعتراض کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

شعب میں قید کا یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ آیا غیر بنو ہاشم مسلمان بھی محصور تھے کیا غیر محصور مسلمان بنو ہاشم کو درہ میں کھانے پینے کی امداد پہنچا سکتے تھے؟ پہلی بات کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے اور دنیائے کفر و شرک میں زلزلہ برپا ہو گیا اور علی الاعلان تبلیغ اسلام سے کفار بوکھلا اٹھے تو سب نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ قتل کر دیا جائے۔ جناب ابو طالب نے دستورِ عرب کے موافق برادری سسٹم پر تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع کر کے شعب میں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ کفار دفعتہً حملہ نہ کر دیں تو کفار نے تمام قبائل عرب کے اتفاق سے ایک عہد نامہ تیار کیا۔ اور کعبہ شریف میں آویزاں کر دیا جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ لین دین۔ رشتہ ناطہ اور خور اک وغیرہ پر پابندی لگا دی۔

تاریخ کی مشہور کتاب طبری ج ۲ ص ۲۴۲ پر ہے۔

فلما اسلم عمر وجعل الاسلام یفشو فی القبائل وحمی النجاشی من صنوی الی بلدہ منہم اجتمعت۔ قریش فائتمرت بینہا ان یکتبوا بینہم کتابا یتعاقدون فیہ علی ان لا ینکحوا الی بنی ہاشم و بنی المطلب ولا ینکحوہم۔

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا جو مسلمان نجاشیؓ کے پاس پناہ گزین ہو گئے اس نے ان کی حفاظت کی تو قریش نے اجتماع کیا اور یہ طے کیا کہ ایک عہد نامہ لکھیں جس میں یہ شرط رکھیں کہ بنو ہاشم و بنو مطلب سے نہ کوئی رشتہ لیگا اور نہ کوئی ان کو رشتہ دے گا۔

نیز ج ۲ ص ۳۲۵ پہ ہے کہ "حضرت عمر بن الخطاب۔ اللہ کی ان پر ہزاروں رحمتیں ہوں جب اسلام لے آئے۔ آپ طاقتور، مضبوط اور پرشکوہ شخصیت تھے اور اس سے پہلے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب بھی اسلام لا چکے تھے تو صحابہ رسولؐ نے اپنے اندر بڑی طاقت دیکھی اور

اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہوگیا۔

حافظ ابن کثیرؒ المتوفیٰ (۷۸۰ھ) ابن اسحاق کے حوالے سے البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۹ پہ رقمطراز ہیں۔

"حضرت عمرؓ اسلام لے آئے آپ بڑے دبدبہ والے تھے۔ آپ کے آگے کوئی چون وچرا نہ کر سکتا تھا صحابۂ رسولؐ آپ کے ذریعے اور حضرت حمزہؓ کے ذریعے محفوظ ہوگئے۔ حتیٰ کہ قریش غضبناک ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ہم کعبہ شریف کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو کفارِ قریش سے جنگ کی اور کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے چلے گئے نیز فرمایا حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتحِ اسلام تھی۔ آپ کی ہجرت الی المدینہ نصرتِ اسلام تھی۔ آپ کی خلافت رحمت تھی۔ ہم پہلے کعبہ کے پاس نماز نہ پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو قریش سے جنگ کی۔ کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔

شیعہ کتاب روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۹ میں بھی قیدِ شعب کا یہی سبب لکھا ہے۔

"قواعدِ شریعت بمظاہرت حمزہ و فاروق اعظمؓ استحکام پذیرفت و طنطنۂ قوسِ نبوت بمسامع اقاصی وادانی قبائلِ عرب رسیدہ ہمت بر ہلاک حضرت مقدس نبوی معروف داشتند۔ وایں خبر با بوطالب رسیدہ بنی ہاشم و بنی مطلب راجمع فرمودہ و در حفظ حضرت رسالت پناہ از ایشاں معاونت خواست مومناں برائے رفع درجات آخرت و مشرکاں آں در قبیلہ بنا بر تعصب وحمیت کہ عادت عرب است کمر موافقت بر میاں بستند (بحوالہ کشف الاسرار ۱۵)

یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنالیا۔ ابوطالب کو پتہ چلا تو اس نے ہاشمی اور مطلبی گھرانوں کو اکٹھا کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ میں اعانت طلب کی۔ ان کے اتفاق کرنے سے سب شعب ابوطالب میں چلے گئے۔

سنی شیعہ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے

سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ قبائل میں ہمہ گیر تبلیغِ اسلام کو دیکھ کر کفار مشتعل ہو گئے اور یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ اب عقلاً بھی یہ بعید ہے کہ جس شخصیت کے اسلام سے کفار اتنے مشتعل ہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے ہوں خود اسے آزاد چھوڑ دیں۔ بلکہ صحیح بخاری جز ۲ صفحہ ۵۴۱ میں یہ تصریح ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ ابوجہل وغیرہ صنادید قریش کو اپنے اسلام سے مطلع کیا اور تنہا کفار سے جنگ کی تو سب کفار مکہ نے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر کا محاصرہ کر لیا جن سے جنگل بھرا ہوا تھا۔ آپ گھر میں روپوش ہو گئے۔ باہر سے آنے والے کفار کے ایک سردار عاص بن وائل سہمی نے آپ کو پناہ دی اور کفار کو گھروں میں واپس کیا۔

ہماری معلومات کے پیشِ نظر بالاتفاق تمام کفار نے یا شبِ ہجرت اور شعب سے قبل قتل کا منصوبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا بنایا۔

اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کفار کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح دشمنی تھی۔ وہ کیسے آپ کو آزاد چھوڑ سکتے تھے۔ اگر شعب میں ان کی محصوری تسلیم نہ کی جائے۔ تو گھر کی محصوری بدرجہ اولیٰ سخت تھی کہ ہر وقت تمام شہر کی تلواریں دروازے پہ چمکتی تھیں۔ امر دوم کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ بنو ہاشم کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی قیدِ شعب میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے از خود گھر میں محصوری کے بجائے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قید ہونے اور فقر و مصائب سہنے کو سرمایۂ افتخار جانا۔

اکبر خان نجیب آبادی نے بار بار یہ جملے اپنی تاریخ قصہ شعب میں لکھے ہیں۔

"جس قدر مسلمان تھے وہ بھی ان (بنو ہاشم) کے ساتھ ہی اس درے میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے چلے گئے۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۱۱۲) پھر رہائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعب ابی طالب سے تین سال کے بعد نکلے اور مکہ میں آ کر اپنے گھروں میں رہنے سہنے لگے۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کو بھوک سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا چمڑہ مل گیا تو اسی کو صاف اور نرم کر کے آگ پر رکھا اور بھون کر چبا یا۔ صفحہ ۱۰۴"۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں میں حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی ہیں۔ وہ بھی شعب میں ساتھ گئے اور

قید ہوئے۔ امامِ اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے خلفاء راشدین ص۳۰ مناقبِ صدیقی میں صراحۃً حضرت ابوبکرؓ کی حضورؐ کے ساتھ گھاٹی میں قید و معیت کا ذکر کیا ہے۔

وہ حضرت صدیقؓ از خود اس مصیبت میں شریک ہو گئے۔ آپ کے ساتھ وہ بھی شعب میں چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس مصیبت سے نجات دی تو انہوں نے بھی نجات پائی۔ ابوطالب نے اس واقعہ کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

وہم رجعوا سہل بن بیضاء راضیا   فسر ابوبکر بہا و محمد

انہوں نے جب سہل بن بیضاء کو (نقضِ معاہدہ پر) راضی کر کے بھیجا تو اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خوش ہو گئے۔ اور یہ واقعہ علامہ ابن عبدالبر کی الاستیعاب میں بھی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ابوطالب کے ہاں حضرت ابوبکرؓ مومن اور مخلص جاں نثار تھے تبھی تو دونوں

غیر ہاشمی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران — یعنی سعد بن مالک بن وھیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب جو از عشرہ مبشرہ اور بنو ہاشم وہ لوگ ہیں جو وھیب کے بھائی ہاشم کی اولاد سے ہیں۔ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا اسی کو پانی سے دھویا۔ آگ پہ بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا (رسولِ رحمت ص۱۰۹ اور روض الانف سہیلی بحوالہ سیرت النبیؐ ج۱ ص۲۱۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص۹۳ کے حوالے سے حیاۃ الصحابہ حصہ دوم ص۲۲۴ پر ہے۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر ہم لوگوں کو اور خود حضورؐ کو تنگیٔ معاش انتہا سے زیادہ پیش آئی جب ہم اس مشقت میں (قیدِ شعب کے موقع پر) پڑ گئے تو ہم لوگوں کو اس فقر و فاقہ اور سختی جھیلنے کی عادت پڑ گئی اور ہم لوگوں نے بڑے صبر اور تحمل سے کام لیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہتے ہوئے یہ بھی دیکھا کہ رات کی اندھیری میں پیشاب کے لیے اٹھا کچھ کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی تو اسے غور سے دیکھا وہ اونٹ کی کھال کا ٹکڑا تھا اسے اٹھایا اور اسے دھویا اور پھر اسے جلایا اور اسے دو پتھروں سے پیس کر سفوف سا بنایا اور اسے پھانک کر پانی پی لیا۔ اسی پر میں نے تین دن گزار دیئے۔

انتہائی متعصب شیعہ مورخ ملا باقر علی مجلسی بھی لکھتے ہیں۔

در تفسیر امام حسن عسکری منقول است   امام حسن عسکری کی تفسیر میں منقول ہے کہ

که چوں کفار قریش حضرت رسول را ملجا گردانیدند
که پناہ بشعب ابی طالب بردہ وایشاں را درآں
شعب محبوس کردند کہ مانع شوند از آنکہ
کسے بایشاں آزوقہ برساند وکار بر اصحاب
آنحضرت بسیار تنگ شدہ وبآنحضرت شکایت
می کردند از کمی آزوقہ حضرت دعا کرد تا حق تعالیٰ
بہتر از من وسلوی بنی اسرائیل برائے ایشاں
فرستاد وہر چہ ہر یکے از ایشاں آرزو میکرد
از انواع طعامہا ومیوہ ہا وحلاوات وجامہا
نزد ایشاں حاضر میشد (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۶۱)

جب کفار قریش نے حضورؐ کو مجبور کردیا کہ
آپ شعب ابی طالب میں پناہ لیں۔ اور
انہوں نے شعب کے دروازے پر ایک جماعت
پہریدار مقرر کردی جو اس بات سے منع کریں کہ
کوئی شخص شعب والوں تک خوراک پہنچائے
آنحضرت کے صحابہؓ وبنو ہاشم وغیرہ ہاشم پر
تنگی ہوگئی۔ انہوں نے آپ سے بھوک کی شکایت
کی آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل
کے من وسلوی سے بہتر ان کے لیے کھانا اتارا
اور ان میں سے جو کبھی جس قسم کے میوے کھانے
میٹھی چیزوں اور کپڑوں کی تمنا کرتا۔ ان کے پاس وہ چیز پہنچ جاتی۔

اس شیعی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسولؐ شعب میں فقر وتنگی برداشت کرتے تھے اور باہر سے رسد وخوراک ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ کفار نے پہرہ لگا رکھا تھا بالفرض کوئی مسلمان کوشش کرتا تو بھی ناکام ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ خرید وفروخت بھی ممنوع تھی۔ اہل سنت کی سیرت متعلق روضۃ الصفاء ج ۲ ص ۱۴۹ میں بھی یوں تفصیل لکھی ہے۔

"کہ شعب میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد ان پر بڑی مصیبت آگئی۔ اگر اہل اسلام میں سے کوئی ایک بھی اس جگہ سے قدم باہر نکالتا۔ کفار اشرار اسے خوب تکلیف پہنچاتے اور کسی قیدی کو مجال نہ تھی کہ موسم حج وعمرے کے علاوہ اس جگہ سے باہر قدم رکھیں اور موسم حج میں بھی ابوجہل۔ نضر بن حارث۔ عاص بن وائل۔ عقبہ بن ابی معیط اور ان جیسے سنگ دل مشرکین راستوں پر کھڑے ہو کر ان لوگوں سے کہتے جو اشیاء خورد نی بیچنے کے لیے مکہ لاتے کہ جو کوئی تم میں سے محمدؐ اور اس کے صحابہؓ کے ہاتھ کچھ فروخت کرے گا اس کا مال واسباب برباد کردیا جائے گا۔ اور اگر کبھی موسم زیارت وطواف میں دیکھتے کہ رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص خریداری کر رہا ہے تو وہ اس پر دام چڑھا دیتے حتی کہ مسلمان بیچارہ مایوس ہو جاتا تھا۔

اب انصاف سے آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں کوئی مسلمان کس طرح یہ قدرت پا سکتا تھا کہ وہ کوئی چیز خرید کر حضور تک پہنچائے اور کفار کی گرفت سے بچ نکلے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو بہودر د قسم کے کفار یہ کام سر انجام دیں جیسے سوال میں مذکور ہے۔ یا پھر چوری چھپے کا راستہ تھا بھلا مخفی عمل ہم تک روایت ہو کر کیسے پہنچ سکتا تھا۔ بالفرض اگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا کسی مسلمان نے کچھ دانہ پانی پہنچایا بھی ہو تو اس کی اطلاع ہم تک کیسے پہنچے۔ کفار کی ناکہ بندی کے علاوہ اس بنا پر بھی روایت کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ ہم مسلک و ہم مشرب ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہی ہیں۔ البتہ زہیر بن امیہ وغیرہ کا کھانا پہنچانا یا معاملہ ختم کرنے کی کوشش کرنا مخالفین کی ہی اور قابل روایت بات تھی اس کا تاریخی جز بنا امر معقول تھا۔ شیعہ کے نزدیک مومن صحابہ حضرت عمار یاسر مقداد اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم بھی غیر ہاشمی ہیں کیا ان سے بھی اس عمل کا ثبوت مل سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکر و عمرؓ سے ہی یہ مبنی بر تعصب مطالبہ کیسے؟ اصل بات یہی ہے کہ شعب میں تمام بنو ہاشم۔ ماسوائے ابولہب اور اس کے بیٹوں کے۔ قید تھے۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہؓ بھی بکثرت تھے۔ اور جو مسلمان اپنے گھروں میں تھے وہ بھی قید تھے۔ خرید و فروخت یا کاروبار میں کوئی بھی آزاد نہ تھا۔ نہ معلوم یہ لوگ اپنے بال بچوں کا گزارہ کیسے چلاتے ہوں گے۔ حضرات شیخینؓ شعب میں حضورؐ کے ساتھ گرفتار قید و مصائب تھے بالفرض گھر میں بھی ہوں تو بھی قید تھی۔ جب سیدھے منہ کوئی بات کرنا۔ نہ خرید و فروخت ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات پر سخت پابندی تھی۔ ان تکالیف کا تصور اصحاب عشق و درد ہی کر سکتے ہیں۔ بغض صحابہ و اہلبیت نبوی سے معمور کینہ میں اس کی رسائی کہاں۔ وہ تو صرف طعن پر طعن کرنا اور رسول خدا کا دل دکھانا ہی جانتے ہیں۔

حضراتِ شیخینؓ کے مصائب و آلام

شیعہ معترض یہ تصور دلانا چاہتے ہیں کہ مکہ میں مصائب بنو ہاشم نے اٹھائے اور حضرت ابوبکر و عمرؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم صحابہ کرام نے تکلیفیں نہیں پائیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ بنو ہاشم کے کم افراد آغازِ اسلام میں مشرف بایمان ہوئے اور وہ بھی بیشتر مواقع پر کفار کے مظالم سے اس لیے محفوظ ہے کہ جناب ابوطالب رئیس خاندان اور قریش کے ہم مذہب تھے۔ کفار ان کا احترام کرتے

ہوئے بنو ہاشم سے کم تعرض کرتے تھے۔ ضعفاء و غرباء صحابہؓ۔ اور غلاموں کا طبقہ مصائب کی بھٹی میں جھونکا گیا تھا۔ جیسے حضرت یاسر، عمار بن یاسرؓ، سمیہؓ۔ بلال۔ ابو فکیہ۔ زنیرہ۔ خباب بن الارت۔ حضرت ابوذر غفاری۔ حضرت زبیر بن عوام۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ سعید بن زید۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب۔ مصعب بن عمیر۔ عثمان بن مظعون وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے حضرت ابوذر و عمارؓ کے سوا شیعہ کو کسی سے کبھی ذرا عقیدت و الفت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما اگرچہ خاندانی معزز اور سرآوردہ قسم کے بزرگ تھے۔ تاہم اپنے محبوب و متبوع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع و غلامی میں ان کو بڑے بڑے مصائب کا نشانہ بننا پڑا۔ بطور نمونہ چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ و نوفل بن خویلد کان من اشد المشرکین عداوۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھوالذی قرن ابابکر بطلحۃ قبل الھجرۃ بمکۃ واوثقھما بحبل وعذبھما یوما الی اللیل حتی سئل فی امرھما (شیعہ کتاب کشف الغمہ ص۲۴۵)	کفار کا شیر نوفل بن خویلد حضورؐ کی دشمنی میں سب کفار سے سخت تھا۔ اسی نے ہجرت سے قبل مکہ میں حضرت طلحہ و ابوبکرؓ کو رسی میں باندھ کر پورا دن رات تک سخت سزا دی تھی حتی کہ ان کی گمشدگی کے متعلق پوچھ گچھ ہونے لگی تھی۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اڑتیس صحابہؓ ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اب آپ کھلم کھلا تبلیغ کیجیے۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہم لوگ تھوڑے ہیں مگر حضرت ابوبکر بار بار اصرار کرتے رہے چنانچہ حضورؐ نے علانیہ دعوت دینی شروع کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکر اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارا بھی اور روندا بھی۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق نے قریب آکر اپنے کئی تلہ والے جوتا سے حضرت ابوبکرؓ کو مارنا شروع کیا اور ان کو آپ کے چہرے پر مارتا تا آپ کے پیٹ پر کودا بھی۔ حضرت ابوبکرؓ اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ ان

کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ بے ہوش ہو گئے تھے۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے حضورؐ کی خیریت پوچھی تھی۔ (حیاۃ الصحابہ رضہ جزء ا صفحہ ۲۹۰)

۳۔ حضرت عمرؓ جب مسلمان ہو گئے تو کفار کے مجمعوں میں جا جا کر علی الاعلان بتایا اور کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ سب کفار آپ پر جھپٹے۔ حضرت عمرؓ خود تنہا ان سب سے لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور کہتے تھے جو تمہارے جی میں آئے کر دو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہو جائیں تو پھر یا ہم رہیں گے یا تم رہو گے۔ (حیاۃ الصحابہ رضہ جزء ا صفحہ ۲۹۶)

۴۔ اسلام عمرؓ پر جب سارا شہر آپ کو قتل کرنے اٹھ آیا اور آپ مجبوراً گھر میں پناہ گزیں ہو گئے تو آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل سہمی آیا اس نے کفار کو آپ سے ہٹایا (بخاری)

۵۔ محمد بن ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص بن امیہ نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو چھوڑنے والا نہیں۔ جب حکم نے ان کی پختگی دیکھی تو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد جزء ۳ صفحہ ۳۷)

سرورِ کونینؐ کے علاوہ حضرت علیؓ یا دیگر کسی ہاشمی بزرگ کے متعلق ایسے واقعات ہمارے علم میں نہیں۔

حضرت ابو العاصؓ خوراک پہنچاتے تھے

عناد اور تعصب کا برا ہو معترض زہیر بن امیہ وغیرہ مالی امداد پہنچانے والوں میں حضرت ابو العاص بن ربیع دامادِ رسولؐ کا ذکر نہیں کرتا۔ جو حضرت زینب بنتِ رسولؐ کے شوہر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھانجے تھے۔ مبادا ان کا ذکر ہو تو شیعہ مذہب خاک میں مل جائے۔

باقر علی مجلسی بھی قصہ شعب میں ان کا ذکر خیر یوں کرتے ہیں۔

والوالعاصؓ بن ربیع کہ داماد حضرت	اور ابو العاص بن ربیع جو حضورؐ کے داماد تھے
رسولؐ بود شتراں بدر شعب مے آورد گندم	گندم اور کھجوروں سے اونٹ لاد کر شعب کے

دروازے بار کردہ بود وصدا میزد آں شتراں کہ داخل درمہ شدند و برمیگشت لہذا حضرت فرمود کہ ابو العاص حق دامادی مارا نیکو رعایت کرد۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱)

دروازے پر لے آتے اور آواز دیتے تو اونٹ درہ میں داخل ہو جاتے (مسلمان حملہ آور ہوتے) تو حضرت ابو العاصؓ واپس ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں ابو العاصؓ نے ہمارے داماد ہونے کا بہت اچھا لحاظ کیا۔

شیعہ کتاب اعلام الوری ص ۱۲۱ مطبوعہ ایران میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

"دامادی" کے لقب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابو العاصؓ کو نوازا یا پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر رقیہؓ و ام کلثومؓ کے بعد میری کوئی اور بھی صاحبزادی ہوتی تو حضرت عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ اور چونکہ آنکھوں کی یہ ٹھنڈک حضورؐ کو نور چشم حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا وعلی ابیہا وزوجہا سے حاصل نہ ہوئی تھی۔ بلکہ دختر ابوجہل کی خواستگاری کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ناراض ہونے اور میکے چلے جانے پر حضورؐ کو یوں فرمانا پڑا تھا۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اذاھا فقد آذانی فاطمہؓ میرے گوشت کا حصہ ہے جو اسے ستائے گویا اس نے مجھے ستایا۔ اور یہ قصہ طرفین کی تاریخ وسیرت میں متواتر ہے۔ لہذا شیعہ حضرت علیؓ کے ماسوا کسی کو دامادِ رسولؐ ماننے سے بدکتے ہیں حالانکہ یہ متواتر حقیقت ہے۔ اس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور ہمارے علم میں کوئی مثال نہیں کہ کسی مستند شیعہ مؤلف یا مورخ محدث نے بناتِ رسولؐ اور آپ کے دامادوں کا انکار کیا ہو۔ جیسے اگلے سوال میں تمام عبارات مفصل آرہی ہیں۔

سوال ۲۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال بقولِ اہلسنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ۲½ برس رسولِ خدا کے بعد ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو انتقال فرمایا تو کیا وجہ تھی کہ دونوں بزرگوں کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کافی عرصہ کے بعد انتقال کرتے ہیں۔ روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے کے لیے جگہ مل گئی۔ اور رسولِ خدا کی اکلوتی بیٹی سیدہ طاہرہ مادرِ حسنینؓ کو باپ کے پاس قبر کی جگہ نہ مل سکی۔ کیا خود تبولؓ نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی یا حضرت علیؓ نے حکومت وقت کی پیشکش کو ٹھکرا

دیا تھا یا مسلمانوں نے بضعۂ رسولؐ کو قبرِ رسولؐ کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جواب۔ شیعہ دوست سخن سازی میں اپنے اسلاف کی طرح خوب ماہر ہے۔ اسے کہتے ہیں۔ دعویٰ سست گواہ چست۔ ورنہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی تجہیز و تکفین اور تدفین بلا اختلاف ان کی اپنی مرضی اور وصیت کے مطابق ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عباسؓ و دیگر صحابہ کرامؓ نے تمام امورِ وصیت کے مطابق سر انجام دیئے۔ طبقات ابنِ سعد ج ۸ تذکرہ حضرت فاطمہؓ سے ایک نظر میں تمام روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت فاطمہؓ سب سے پہلی خاتون ہیں جن کے لیے نعش دبا پردہ چارپائی) بنائی گئی جو اسماء بنتِ عمیسؓ زوجہ ابوبکر صدیقؓ نے بنائی تھی (از ابنِ عباسؓ)

۲۔ فاطمہؓ کے جنازے کی نماز عباسؓ بن عبدالمطلب نے پڑھائی اور انہیں قبر میں عباسؓ، علیؓ اور فضل بن عباسؓ نے اتارا۔ (از عمرہ)

۳۔ فاطمہؓ کی قبر میں علیؓ، عباسؓ اور فضلؓ اترے (از عائشہؓ)

۴۔ حضرت فاطمہؓ کی نماز علیؓ نے پڑھائی (از عروہؒ)

۵۔ فاطمہؓ پر ابوبکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔ (از شعبیؒ)

۶۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں (از ابراہیم نخعیؒ)

۷۔ حضرت فاطمہؓ کو رات میں علیؓ نے دفن کیا (از زہری)

عروہ محمد بن علی، حضرت عائشہؓ، یحییٰ بن سعید، حضرت ابنِ عباسؓ سے روایات ہیں کہ رات کے وقت حضرت علیؓ نے آپ کو دفنایا۔ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بلا نزاع و اختلاف ہوا اور بنو ہاشم کے ذمہ داروں نے تجہیز و تکفین کی تھی۔ ظنِ غالب یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے رات کو اپنا جنازہ اٹھانے اور جنت البقیع میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار تکبیروں سے آپ کا جنازہ پڑھایا۔

شیعہ کی معتبر کتاب اعلام الوریٰ با علام الہدیٰ ص ۱۵۰ پر تدفین کا ذکر یوں ہے۔

روی انہا توفیت لثالث من   روایت ہے کہ آپ ۳ جمادی الآخرہ ۱۱ھ میں

جمادی الآخرة احدی عشرة من الهجرة وبقيت بعد النبي خمسة و تسعين يوما وروی اربعة اشهر وتولی امیرالمؤمنين غسلها اسماء بنت عميس وانها قالت اوصت فاطمة ان لا يغسلها اذا ماتت الا انا وعلی فغسلتها انا وعلی وصلی علیها امیرالمؤمنین والحسن والحسين وعمار ومقداد وعقيل و الزبير وابوذر وسلمان وبريدة ونفر من بني هاشم في جوف الليل ودفنها علی امیرالمؤمنین سرا بوصيته منها فی ذٰلک۔

فوت ہوئیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ۹۵ دن یا ۴ ماہ زندہ رہیں حضرت علی رض و حضرت اسماء بنت عمیس رض زوجہ ابوبکر رض غسل دینے والے تھے۔ اسماء رض کہتی ہیں حضرت فاطمہ رض نے وصیت کی تھی کہ آپ کو غسل میں اور علی رض ہی دیں پس میں نے اور علی رض نے غسل دیا۔ اور جنازے میں یہ لوگ یقینی تھے۔ حضرت علی حضرت حسن حسین۔ عمار۔ مقداد۔ عقیل۔ زبیر۔ ابوذر۔ سلمان۔ بریدہ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جنازہ رات کو ہوا اور حضرت امیرالمومنین رض نے آپ کو وصیت کے مطابق پوشیدہ دفن کیا۔

اِس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت فاطمہ رض نے اپنے غسل اور تدفین کے متعلق وصیت کی تھی اور حضرت علی رض نے اسی پر عمل کر کے رات کو تدفین فرمائی۔ اگر روضۂ نبوی میں دفن کرنے کی وصیت کی ہوتی تو ضرور روایت میں تذکرہ ملتا اور پھر حضرت علی رض اس کی خلاف ورزی کر کے کبھی جنت البقیع میں دفن نہ کرتے۔ اگر شیعہ معترض کے پاس اس کا ثبوت ہوتا تو باحوالہ کتب تاریخ فریقین سے واضح کرتے یہ کس قدر بے تکی اور اصولِ مناظرہ سے جہالت پر مبنی بات ہے کہ خصم سے یہ ثبوت مانگا جائے۔ "کیا خود بتول نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی" یہ وصیت ایجابی امور میں ہوتی ہے کہ ایسا کرنا۔ سلبی امور میں تو اس وقت ہوتی ہے۔ جب متوفی کو ظن غالب ہو کہ میرے ورثاء یہ غلط کام ضرور کریں گے تو وہ اس سے روک جائے

۲۔ حضرت علی رض نے آپ کو وصیت کے مطابق ہی رات کے وقت اور پوشیدہ طور پر دفنایا اگر حجرہ عائشہ صدیقہ رض میں دفن کی وصیت ہو تو دونوں میں تضاد ہے۔ مسجدِ نبوی میں اور

روضۂ اقدس میں تدفین کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے۔ نمازیوں اور نفل پڑھنے والوں سے مسجد بھری رہتی ہے اور صلاۃ وسلام پڑھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

۳۔ رات کو اور پوشیدہ تدفین اس لیے نہیں ہوئی کہ حضرت ابوبکر و عمر اور صحابہ کرامؓ والعیاذ باللہ جنازہ میں شرکت نہ کریں جیسا کہ شیعہ کا باطل خیال ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض سترپوشی اور عوام کی نظروں سے سرِ مبارک کو بھی بچانا ہے۔ جیسے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳۳ پر ہے۔

ودفنت بالبقیع وھی اول من ستر — آپ کو جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا آپ وہ پہلی سوبوھا۔ — خاتون ہیں جن کا جنازہ ڈھانپا گیا۔

رات کو تدفین کی وصیت میں یہ تاثر بھی دلانا ہے کہ سیدۂ خاتونِ جنت دنیا کو شب تاریک میں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ اور اللہ کے مقربین بندوں کے علاوہ دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔

۴۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل کے لیے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو مقرر کیا اور حضرت علیؓ کو ان کا معاون نامزد کیا۔ یہ اسماءؓ خلیفۂ بلا فصل امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ محترمہ ہیں اور وفات صدیقی کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے عقد میں آئی تھیں۔

یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صدیقی گھرانہ کو خاندانِ اہلبیت کے ساتھ کس قدر محبت و وفاداری ہے۔ کہ حضرت اسماءؓ اپنے خاوند کی اجازت سے نہ صرف مدت دراز تک حضرت فاطمہؓ کی تیمار دار اور خدمتگار رہیں بلکہ غسل کا شرف بھی بنابر وصیت آپ کو حاصل ہوا جو سونے پہ سہاگہ کی مثل ہے اور خاندانِ اہلبیت کے گھرانہ صدیقی پر اعتماد کا اعلیٰ ترین ثبوت ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہیں سے شیعہ کے وہ ہفوات پادر ہوا ہو جاتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کو تو وفات فاطمہؓ و جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ خاتونِ جنت کی وفات و جنازہ ہو اور لوگوں کو پتہ نہ چلے بیوی غسل و تکفین تک کی خدمت سرانجام دیں اور خلیفۃ المسلمین خاوند بےخبر ہو۔ دراصل اس قسم کے باطل نظریات سے یہ مفاد پرست ٹولہ۔ اہل بیت نبوی کی عزت و توقیر کو خاک میں ملاتا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک جنازہ چوری چھپے نہ تھا۔ جیسے قاتل اپنے مقتول

کے ساتھ کرتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد شریک تھی۔ ہاں جنازہ کس نے پڑھایا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں آپ کے خاوند حضرت علیؓ کا نام ہے۔ ایک میں حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا ہے۔ ایک میں آپ کے نانا ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔ کوئی بھی ہو ہر ایک بزرگ اور متقی تھا۔ کیا ہی خوش قسمت جنازہ تھا اور کیا خوش بخت جنازہ پڑھنے والے تھے۔ صلوات اللہ علی نبیہم وعلیہم اجمعین۔

شیعہ عالم نجم الحسن کراروی آپ کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"جب رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا نماز پڑھی اور جنت البقیع میں لے جاکر دفن کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دفن کیا گیا۔ (چودہ ستارے ص۱۵۲)"

روایت ثانی پر تو اعتراض بنانے کی حاجت نہیں رہی۔ روایت اولیٰ پر ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ سب کام وصیت کے مطابق کیے۔ اگر حجرہ عائشہؓ میں دفن کی وصیت ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے۔ اس اقتباس میں حضرت علیؓ کے غسل دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پانی لانے بہانے میں معاون تھے۔ ہاتھوں سے غسل حضرت اسماءؓ زوجہ ابوبکرؓ دے رہی تھیں۔

مدفن فاطمہؓ میں شیعہ کا اختلاف

اہل سنت کے برعکس۔ مدفن فاطمہؓ میں شیعی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں جنت البقیع ہے جو دنیا کے سب قبرستانوں سے افضل ہے اور جہاں دس ہزار صحابہ کرامؓ۔ امہات المومنینؓ بنات رسولؐ اور آپ کے صاحبزادے ابراہیمؑ مدفون ہیں۔ یہی روایت سب سے اصح اور اہل سنت کا مذہب قوی ہے۔ معتمد علماء شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسے کراروی صاحب کا حوالہ گزرا۔ جنت البقیع میں آپ کی اور حضرت حسنؓ۔ عباس بن عبدالمطلب۔ زین العابدین۔ حضرت باقر وجعفر رضوان اللہ علیہم کی قبور صحیح سالم ایک گول احاطے میں ہیں۔ ہیران کے بڑے بڑے فاضل شیعہ کو راقم نے وہاں صلاۃ وسلام پڑھتے دیکھا ہے۔

دوسرا مقام بیت فاطمہؓ ہے جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا اور دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ تیسرا مقام آپ کی قبر اور منبر کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے۔ یہ دونوں مقام

اب مسجدِ نبوی میں شامل ہیں۔ یہاں بھی احتیاطاً صلاۃ وسلام پڑھ لینا چاہیے۔

اب شیعہ روایات ملاحظہ کریں۔

ثم قال علی یا اسماء اغسلیها وحنطیها وکفنیها قال فغسلوها وکفنوها وحنطوها وصلوا علیها لیلا ودفنوها بالبقیع وماتت بعد العصر قال ابن بابویہ جاء هذا الخبر هکذا والصحیح عندی انها دفنت فی بیتها فلما زاد بنو امیة فی المسجد صارت فی المسجد (کشف الغمہ ص۱۴۹)

پھر حضرت علیؓ نے اسماءؓ سے کہا فاطمہؓ کو غسل دے خوشبو لگا اور کفن پہنا۔ راوی کہتا ہے غسل دیا کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور رات کو سب نے جنازہ پڑھا اور جنۃ البقیع میں دفن کیا۔ آپ عصر کے بعد فوت ہوئی تھیں۔ ابن بابویہ کہتے ہیں یہ حدیث اسی طرح نقل ہو کر آئی ہے میرے ہاں صحیح یہ ہے کہ آپ اپنے گھر میں دفن کی گئیں جب بنو امیہ نے مسجد میں اضافہ کیا تو یہ حصہ مسجد میں آ گیا۔

۲۔ واما موضع قبرها فاختلف فیه قال بعض اصحابنا انها دفنت بالبقیع و قال بعضهم انها دفنت فی بیتها ۔۔۔۔ و قال بعضهم انها دفنت فیما بین القبر والمنبر (اعلام الوریٰ ص۱۵۹ بحوالہ کشف الاسرار ص۲۴)

آپ کی جائے قبر میں اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں جنت البقیع میں دفن ہوئیں بعض کہتے ہیں اپنے گھر میں دفن ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قبرِ نبوی اور منبر کے درمیان دفن ہوئیں جو جنت کا ٹکڑا ہے۔

پھر مصنف کہتے ہیں پہلا قول بعید ہے اور دوسرے دو اقرب الی الصواب ہیں۔

اس روایت کی رو سے اگر آپ واقعی اپنے گھر یا مسجدِ نبوی کے حصے "روضۃ من ریاض الجنۃ" (جنت کے باغوں میں سے ایک باغ) میں مدفون ہوئیں۔ تو پھر عزو شرف کا کیا کہنا؟ یہاں تدفین کسی صورت میں مخفی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ مسلمانوں کی خلافت کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہر وقت سینکڑوں مسلمان، نمازِ پنجگانہ۔ نوافل۔ صلاۃ وسلام کے لیے شب و روز موجود رہتے تھے۔ اصحاب صفہ کی رہائش گاہ یہی تھی اگر یہ مزاحمت کرتے تو تدفین کیسے ہو سکتی تھی۔ ان روایات اور اس مدفن کے پیش نظر خفیہ تدفین کا افسانہ، خلیفہؓ اور مسلمانوں پر سیدہ کی ناراضی کے وضعی قصے اور اس قسم کے تمام شیعی شبہات خود بخود دفن ہو جاتے ہیں۔

روضۂ پاک میں دفن نہ کرنے کی وجہ

یہاں تک تو سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دفن کا بیان ہوا کہ خود ان کی وصیت کے مطابق متبرک مقام پر تدفین ہوئی۔ اب رہا یہ امر کہ مسلمانوں نے روضۂ رسولؐ میں کیوں دفن نہ کیا تو وضاحت یہ ہے کہ ایک تو وصیت کے خلاف ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ قبرستان نہ تھا۔ نہ جائے وقف تھی۔ وہ تو بنص قرآنی وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (احزاب) اور اے نبی کی اہل بیت بیویو! تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کرتی رہا کرو۔ حضرت عائشہؓ کی ملکیت خاصہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کی جلالت عظمت کے پیش نظر اللہ پاک نے آپ کے حجرے و رہائش گاہ کو مدفن پیغمبر ہونے سے مشرف کیا۔ جس طرح آپ کی گود میں حضورؐ کی وفات ہوئی۔ آپ نے اپنے دانتوں سے چبا کر مسواک کرایا اور آخری دنوں میں تیمارداری و خدمت کا فریضہ سرانجام دیا۔ تو یہاں از خود دفن کرنے کا سوال نہ تھا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ منظور ہوتا کہ میری اور میری اولاد کی قبر یکجا ہو۔ تو آپ وصیت میں یوں فرما دیتے کہ مجھے جنت البقیع میں میری صاحبزادیوں اور صاحبزادہ ابراہیمؑ کے پاس دفن کرنا یا جب حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اپنے بعد جلدی ہی وفات اور ملاقات کی بشارت دی تھی تو فرما دیتے کہ انہیں میرے ساتھ دفن کرنا۔ اس قسم کی کوئی روایت سنی شیعہ ذخیرہ تاریخ میں سے نہیں مل سکتی۔

بالغرض اگر حضرت سیدہؓ وصیت فرماتیں تو بھی اپنی ماں اور مالکہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا و علی زوجہا سے اجازت درکار تھی۔ بالغرض اگر نہ ملتی تو بھی کوئی شرعاً و عرفاً ناروا بات نہ ہوتی۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنی صاحبزادی سے اجازت مانگی اور عند الرسول دفن کی وصیت کی (بخاری) اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اجازت مانگی پھر دفن کی وصیت کی (بخاری ج ۲ صفحہ ۱۰۹) بنابریں مسلمانوں کے ذمے ان حضرات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا لازم ہوگیا تھا۔ اور حضرت فاطمہؓ کے متعلق ایسی کوئی بات نہ تھی۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ کی تدفین در روضۂ اقدس کے موقعہ پر حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ، حضرت حسنین، عباس و دیگر سب اہل بیت و بنو ہاشم رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ وہی

رکاوٹ ڈال دیتے۔ کیا ذرا بھی اس کا شوشہ کہیں ملتا ہے؟ بلکہ وہ تو خود شریک عمل نظر آتے ہیں۔

دفنِ شیخین رضؓ کا باطنی سبب یہ تو ظاہری سبب ہوا اصلی سبب تدفین مع الرسول وہ انتظام خداوندی ہے جس پر سنی و شیعہ کا مشترکہ ایمان ہے جو کہ ہر شخص کی قبر وہاں بنتی ہے جہاں سے اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے۔"

شیعہ کے مستند مترجم مولوی مقبول صاحب دہلوی آیت منہا خلقناکم کے تحت لکھتے ہیں۔

"کہ کافی میں امام جعفر صادق ؒ سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے کہ اس مٹی میں سے جس میں یہ شخص دفن ہونے والا ہے تھوڑی سی لے آئے چنانچہ وہ فرشتہ لا کر نطفہ میں ملا دیتا ہے اور اس شخص کا دل ہمیشہ اس مٹی کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے (اس غیر حسی میلان کا ہر شخص کو پتہ نہیں لگ سکتا) جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے۔ (پ ۱۶ ص ۳۷۶)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن ہو جائے اور میں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے (المتفق والمفترق للخطیب)

۔ یہ حدیث فرقہ بریلویہ کے پیشوا مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ افریقہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ امام حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

ویاخذ التراب الذی یدفن فی بقعتہ وتعجن بہ نطفتہ فذالک قولہ تعالٰی منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم (فتاویٰ افریقہ ص۸۵)

جس جگہ کوئی دفن ہوگا فرشتہ اس جگہ سے مٹی لے کر نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے ہم نے مٹی سے تم کو پیدا کیا اور مٹی میں لوٹائیں گے۔

یہ حوالہ اس لیے دیا ہے کہ آج نادان بریلوی حضرات نور و بشر کا مسئلہ کھڑا کر کے آنحضرت

اور شیخینؓ میں غیر شعوری طور پر تفریق کرتے ہیں تو دوسری طرف نعرۂ رسالت کے متصل نعرۂ حیدری لگاتے اور اسے بمعہ جواب تین دفعہ دہراتے ہیں یہی خلفاء ثلاثہؓ کا انکار اور تبرا ہے جو رفض و تشیع کا شعار ہے مگر اب سادہ لوح سنی بھی شیعہ پروپیگنڈہ سے ان کی چالوں میں آرہے ہیں وہ اپنے امام کے نقل کردہ حوالہ بالا سے حضرات شیخینؓ کی حضورؐ سے جوہری وحدت اور مقام رفیع کا اندازہ لگائیں اگر نعرے لگانا کار ثواب ہے تو ان کا نعرہ بھی ضرور لگائیں تاکہ سنی ہونے کا ثبوت ہو۔

تدفین حضرت علیؓ کے ایماء سے ہوئی

حضرت ابوبکر و عمر رضؓ کی تدفین پر آج شیعہ کو حسد و اعتراض ہو تو ان کا مذہب ان کو مبارک مگر حضرت علی شیرِ خداؓ تو اس پر راضی بلکہ رائے دینے والے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ میں اس جماعت میں کھڑا تھا جو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔ جبکہ آپ کی میت چارپائی پر رکھی ہوئی تھی اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا میرے کندھے پر کہنی رکھی۔

یقول یرحمك الله ان کنت لارجوا ان یجعلك الله مع صاحبیك لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر وفعلت وابوبکر وعمر وانطلقت وابوبکر وعمر وان کنت لارجوا ان یجعلك الله معهما فالتفت فاذا علی بن ابی طالب۔

(بخاری ج۱ ص۵۱۹)

اور فرمانے لگا اے ابن خطاب تجھ پر اللہ رحمت کرے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تجھے اپنے ساتھیوں (حضورؐ و صدیقؓ) کے ساتھ جوڑے گا کیونکہ میں بہت دفعہ آپؐ سے سنا کرتا تھا کہ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ میں نے اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے یہ کام کیا۔ میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ چلے اور بلاشبہ مجھے امید ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ قبر و حشر میں ان کے ساتھ ملائے گا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ علیؓ بن ابی طالب تھے۔

معلوم ہوا کہ منشاءِ پیغمبرؐ کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قبر حضورؐ کے پاس بنانے کی اجازت دے دی۔

اس خطبہ کی تفصیل محب طبری نے ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں یوں پیش کی ہے ذرا غور سے پڑھیے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی وہ اس سے عیاں ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے جنازہ کے پاس آئے آپ کپڑے سے ڈھانپے ہوئے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے پسند نہیں کہ اس کفن میں لپٹے ہوئے شخص کے نامۂ اعمال سے زیادہ اچھے کسی کے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملاقات کروں (یعنی اس کا نامۂ اعمال سب موجودین سے بہتر اور یہ سب سے افضل ہے۔) اے ابن خطاب! اللہ کی تجھ پر رحمت ہو۔ آپ اللہ کی آیتوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ کے سینے میں اللہ کی بڑی عظمت تھی۔ آپ اللہ سے خوف کھاتے تھے۔ اور اللہ کے بارے میں لوگوں سے خوف نہ کھاتے۔ آپ حق کے لیے فیاض باطل کے لیے بخیل۔ دنیا سے بھوکے رہنے والے اور آخرت سے پیٹ بھرنے والے تھے۔

اوفر بن حکیم کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے۔ تو حضرت علیؓ بیماری کی حالت میں آگئے، سلام کہا رعدمت سے ہر جھکا یا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ عمرؓ پر رونے والی آنکھ کیا اچھی ہے۔ اوہ عمر! عمرؓ نے کجی کو سیدھا کیا۔ اور عمل کو مضبوط کیا۔ ہائے عمر! پاکدامن ہو کر فوت ہوا۔ کمتر عیب والا تھا۔ ہائے عمرؓ! سنت پر چلتا رہا اور فتنہ سے بچتا رہا۔ اللہ کی قسم ابن خطاب نے بھلائی پائی اور شر سے نجات پائی پھر فرمایا۔ وہ اپنی وفات سے قافلہ کو تاریکی میں چھوڑ گئے۔ کہ متعدد راستے ہو گئے۔ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ ہدایت یافتہ کو یقین ہوتا ہے (ریاض النضرہ ج۲ ص۱۰۲)

اسی قسم کا خطبہ نہج البلاغہ میں ہے جو اپنے موقعہ پر آئے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے دن آپ نے فرمایا۔

اسید بن صفوان عہد رسالت کو پانے والے کہتے ہیں جس دن حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو مدینہ چیخ و پکار سے لرز اٹھا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن لرزہ برپا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور فرمایا۔ آج خلافت نبوت ختم ہو گئی۔ پھر جنازہ صدیقؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص مونس و جائے آرام تھے رازدان مشیر اور قابل اعتماد تھے آپ سب سے پہلے مسلمان سب سے

خالص ایمان والے، سب سے بڑے یقین والے سب سے زیادہ خوف کھانے والے۔ اللہ کے دین میں سب سے بڑی دلچسپی لینے والے۔ سب سے بڑھ کر حضورؐ کی اور اسلام کی حفاظت کرنے والے آپ کے صحابہ پر سب سے زیادہ مہربان۔ سب سے بہترین صحبت والے سب سے زیادہ خوبیوں والے سبقتِ اسلام و ایمان میں سب سے افضل، سب سے بلند رتبہ سب سے زیادہ قریب والے۔ سب سے زیادہ خلق، عادت، رحمت اور فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ۔ مرتبے اور عزت میں سب سے اشرف۔ حضورؐ کے سب سے بڑھ کر قابلِ بھروسہ تھے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور پیغمبرؐ کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپ حضورؐ کے لیے بمنزلہ آنکھ اور کان کے تھے۔

اسی طرح طویل خطبے کے آخر میں ہے۔ رسول اللہ کے بعد آپ سے بڑھ کر مسلمانوں کو کسی موت کا صدمہ نہیں پہنچا۔ آپ دین کا وقار، امان، غار پناہ، جماعت، قلعہ اور فریاد رس تھے منافقوں پر شدید و سخت تھے۔ اللہ پاک آپ کو اپنے رسولؐ کے ساتھ ملائے۔ ہمیں آپ کے صدمہ وفات کے ثواب سے محروم نہ کرے۔ آپ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۲۳۹، ۲۴۰)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں چار ہیں۔

مسترض کا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو حضورؐ کی اکلوتی بیٹی کہنا قرآن کریم ارشاداتِ پیغمبرؐ اقوالِ آئمہ اہل بیتؑ کی کھلی تکذیب ہے۔ اور چودھویں صدی تک کے تمام علماء مجتہدین شیعہ کی تصریحات کا انکار ہے۔ ہمارے علم میں اس صدی سے قبل کوئی شیعہ عالم نہیں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کا انکار کیا ہو یا کسی مستند متداول کتاب میں اس موقف کو مبرہن کیا گیا ہو۔ چنانچہ متداول شیعی لٹریچر سے دسیوں حوالے صدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں جس سے قارئین کو یقین ہو جائے گا کہ قرآن کریم اور ارشادات نبویؐ سے

اپنے زعم کے خلاف انحراف تو شیعہ کا معمول ہے ہی پیغمبروں سے افضل اپنے آئمہ کی تصریحات اور شیعہ مذہب کے مؤسس و مجتہد علماء کے اتفاق کو بھی نہیں مانتے۔ ان کا مذہب بس اتنا ہی ہے کہ زمانے کی حالت اور رُخ کو دیکھ کر جس بات کو چاہا جزوِ دین بناؤ الا خواہ آئمہ سے اس کا ثبوت بالکل نہ ہو جیسے عزاداری کی تمام اقسام تعزیہ و ڈکیہ پرستی، اسپ نوازی وغیرہ اور جس موافقِ اہلسنت اپنے آئمہ و علماء سے ثابت شدہ حقیقت کا چاہا انکار کر دیا اور ادھر ادھر کی باتوں سے کج بحثی کرنے لگے۔ مسئلہ بنات اربعہ، حقانیت خلفاء راشدین، تکمیل شریعت بر پیغمبر آخر الزمان، صداقتِ مذہب اہلسنت وغیرہا مسائل اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بناتِ رسولؐ کا قرآن سے ثبوت

سورت احزاب ع ۸ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (پ ۲۲ ۵۶ پہلی آیت)	اے نبی تم اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ (ترجمہ مقبول ص ۵۱ لاہور)

اس آیت کریمہ میں ایک دوسرے پر معطوف تین لفظ ہیں۔ ازواج۔ بنات ان کی نسبت صرف حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ۳۔ مومنوں کی عورتیں تینوں جمع کے لفظ ہیں اور معنیٰ و ترجمہ بھی جمع والا ہے۔ عربی میں دو سے زیادہ افراد کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جیسے ازواجِ رسولؐ ۲ سے زائد ہیں جن کی تاریخ و سیرت میں تعداد متفقہ اور یقینی ہے۔ اسی طرح بناتِ رسولؐ بھی دو سے زائد ہیں جن کی تاریخ و سیرت کے اتفاق سے تعداد ۴ یقینی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک زوجہ رسولؐ کو مانے بقیہ کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر اور کافر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ایک صاحبزادی رسولؐ کو مان کر بقیہ کا انکار کرنے والا یا العیاذ باللہ اور باپ تجویز کرنے والا۔ قرآن کا منکر و کافر سمجھا جائے گا۔ اپنی بیوی کی پہلے خاوند کی لڑکیوں کو ربیبہ (پالی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ	اور تمہاری ربیبہ بیٹیاں جو تمہاری ان ازواج

نِسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (نساء ع ۴) کی گود میں ہوں۔ جن سے تم نے صحبت کی ہو۔

(ترجمہ مقبول)

لہذا بنات رسولؐ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی کے سابق خاوندوں کی پروردہ لڑکیاں مراد لینا۔ قرآن کے برخلاف ہوا۔ اسی طرح بنات سے نواسیاں مراد لینا بھی باطل ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں بنت صلبی بیٹی کو ہی بطور حقیقت ولغت کہا جاتا ہے۔ نواسی یا پوتی کو بنت البنت یا بنت الابن کہتے ہیں۔ ان کو بنت کہنا مجازی اور ثانوی ہے۔ نیز یدنین کا حکم جوان ہونے کا تقاضا کرتا ہے نزول آیت کے وقت نواسیوں کی پیدائش بھی یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ جوان اور خطاب پردہ کی اہل ہوں۔ پیغمبرؐ اور روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے امت کی لڑکیاں بھی مراد نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ ان کے لیے نساء المؤمنین کا مستقل تعبیر لفظ موجود ہے۔ الغرض قرآن پاک سے قطعی طور پر حضورؐ کی متعدد صاحبزادیوں کا ثبوت ہوا اور شیعہ کے لیے فرار کا موقعہ نہ رہا۔ بالفرض سارا شیعی لٹریچر ایک صاحبزادی ہونے کا ثبوت دے۔ حالانکہ وہ بھی چار ہی بتاتا ہے۔ تو بھی اس سب کا انکار کرنا اور قرآن کے آگے جھک کر کئی صاحبزادیاں ماننا فرض ہوا۔ بشرطیکہ شیعہ قرآن پاک کو مانتے ہوں۔

پیغمبرؐ کے ارشادات شیعہ کے خاتم المحدثین باقر علی مجلسی رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ و خدیجہ رضؓ خدا او را رحمت کند از من	اور خدیجہ رضؓ پر خدا رحمت کرے۔ میرے طاہر اور
طاہر و مطہر را بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و	مطہر اس سے پیدا ہوئے جس کا نام عبداللہ تھا
قاسم را آورد و فاطمہؓ و رقیہؓ و زینبؓ و	اور قاسم کو جنا۔ اور فاطمہ۔ رقیہ۔ زینب ام
ام کلثومؓ از و بہم رسید۔ (حیات القلوب ص ۸۹)	کلثوم میری صاحبزادیاں اس سے پیدا ہوئیں۔

۲۔ نیز بسند معتبر امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ کو لوگوں نے کہا کہ آپ فاطمہ رضؓ کو کیوں زیادہ چومتے ہیں اور گود میں اٹھاتے ہیں اور اپنے پاس بہت بلاتے اور اتنی شفقت فرماتے ہیں

کہ نسبت باسائرہ دختران خود نمینمائی	کہ باقی اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ یہ شفقت

نہیں کرتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے بہشت کا سیب کھایا۔ اس کا نطفہ بنا جس سے فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ (جلاء العیون ص۸۷)

۳۔ حضرت حسنینؓ کی فضیلت میں حضورؐ نے فرمایا۔۔۔ و خالہ ایشاں زینبؓ است و خالہ ایشاں زینب دختر رسولؐ خدا است (جلاء العیون ص۲۳۱۔ ۲۹۱) کہ ان کی خالہ رسولِ خدا کی صاحبزادی زینبؓ ہے۔

حضرت علیؓ کے ارشادات

حضرت علیؓ نے وزیر کی حیثیت سے حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ کو فہمائش اور مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

۴۔ وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما صحب۔ وما ابن ابی قحافۃ ولا ابن الخطاب باولی بعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیجۃ رحم منھما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا۔

(نہج البلاغۃ ص۴۹۲ مترجم مرزا یوسف حسین)

جس طرح ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ویسے تم بھی رہے ہو۔ اور حق پر عمل پیرا ہونے میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر بن خطابؓ تم سے اولیٰ ذمہ دار تھے جبکہ آپ خونی رشتہ کے لحاظ سے حضورؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ اور حضورؐ کی دامادی کا وہ شرف بھی پایا ہے جو ان دونوں نے نہیں پایا۔

حضورؐ کی غیر فاطمہؓ صاحبزادیوں، حضرت عثمانؓ کے دامادِ نبی ہونے اور شیخینؓ کی طرح عامل بالحق ہونے کا حضرت علی المرتضیٰؓ نے فیصلہ فرما دیا۔ گو اندازِ کلام میں بعض باتوں سے اختلاف اور اصلاح مقصود ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا ارشاد

آپ نے وفات کے وقت حضرت علیؓ کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بہن زینبؓ بنت رسولؐ کی صاحبزادی امامہ بنت ابو العاصؓ سے شادی کرنا۔

چوں مرض فاطمہؓ شدید شد علیؓ را طلبید و گفت وصیت میکنم ترا کہ بعد از من امامہ دختر خواہر من زینبؓ بخواہی۔

جب حضرت فاطمہؓ کی بیماری زیادہ ہو گئی علیؓ کو بلایا اور کہا میں تجھے وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد امامہؓ میری بہن زینبؓ کی لڑکی

(جلاء العیون ص ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۶) سے شادی کرنا۔

۶۔ حضرت فاطمہؓ منکرینِ دختران نبیؐ پر لعنت بھیجتی تھیں

اللھم صل علی رقیۃ بنت نبیك والعن من اذی نبیك فیھا اللھم صل علی ام کلثوم بنت نبیك والعن من اذی نبیك فیھا (تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۴۔ استبصار ج ۱ ص ۲۴۵۔ زاد المعاد مجلسی ص ۳۲ بحوالہ مسالہ داماد علیؓ و داماد نبیؐ ص ۱) ترجمہ: اے اللہ حضرت رقیہؓ و ام کلثومؓ حضورؐ کی صاحبزادیوں پر رحمت بھیج اور ان لوگوں پر لعنت فرما جو (ان کا باپ اور تجویز کر کے) تیرے رسولؐ کو ستاتے ہیں۔

۷۔ حضرت حسینؓ کا ارشاد

حضرت حسینؓ نے مدینہ سے کوچ کرتے وقت تمام بنو ہاشم کو صبر کی وصیت کی اور اپنے یومِ شہادت کو سابقہ ایامِ غم سے تشبیہ دے کر فرمایا۔

و مانند روز لیست کہ رقیہ و زینب و ام کلثوم وفات یافتند۔ (جلاء العیون ص ۲۵۲)

اور وہ دن اسی طرح مصیبت والا ہوگا جس دن کہ حضرت رقیہؓ، زینبؓ اور ام کلثومؓ (حضورؐ کی صاحبزادیوں) نے وفات پائی تھی۔

۸۔ و مانند روز لیست کہ امیر المومنین علیہ السلام و فاطمہ و رقیہ و زینب و ام کلثوم دختران پیغمبر از دنیا رفتند (منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ جاویدان ایران)

اس دن کی طرح ہے جس دن امیر المومنینؓ حضرت فاطمہؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ پیغمبرؐ کی صاحبزادیوں نے دنیا سے انتقال کیا۔

۹۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات میں آپؐ کی چار صاحبزادیوں کا صریح ثبوت موجود ہے۔ تحفۃ العوام ص ۱۱۲۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۴۱۹۔ اصول کافی ص ۲۷۸۔ صافی کتاب الحجہ ج ۲ ص ۱۴۰۔ مراۃ العقول شرح الاصول والفروع ج ۱ ص ۳۵۲۔ قول ابن عباسؓ در مراۃ العقول بحوالہ مذکورہ۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۴۔ استبصار ج ۱ ص ۲۴۵۔ تاریخ الائمہ ص ۶ بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک ص ۱۴۱

۱۰۔ امام باقرؒ و جعفرؒ کے ارشادات

دونوں میں سے ایک امام سے روایت ہے کہ "جب رقیہؓ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئیں

توحضورؐ نے فرمایا اے رقیہؓ ہمارے نیک صحابی عثمان بن مظعونؓ اور ان کے ساتھیوں سے مل جا حضرت فاطمۃ الزہراؓ قبر کے کنارے پر بیٹھی آنسو قبر میں گرا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کپڑے سے جبپٹ رہے تھے اور کھڑے ہوئے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں اس کی کمزوری کو جانتا ہوں تو اسے قبر کے جھٹکے سے بچانا (فروع کافی ج ۱ ص ۲۴۱ دنتران)

۱۱۔ باسند معتبر از حضرت صادقؓ روایت کردہ اند کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ را آنحضرت بامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تزویج نمود و ام کلثوم را با عثمان و بعد از وفات او حضرت رقیہ را باو تزویج نمود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸ ایران)

معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا کی حضرت خدیجہ سے یہ اولاد ہوئی۔ طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ، زینب رضی اللہ عنہم۔ فاطمہ کا نکاح حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اور ام کلثوم کا حضرت عثمانؓ سے کیا اور اس کی وفات کے بعد حضرت رقیہ کا نکاح عثمانؓ سے کیا۔

۱۲۔ نیز ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

و ابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا متولد شد از خدیجہ قاسم و طاہر و نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸)

ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضورؐ سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے رسولؐ خدا کی اولاد قاسم۔ طاہر جس کا نام عبداللہ تھا۔ ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہؓ ہوئی۔

۱۳۔ شیخ صدوق امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہؓ سے رسولؐ اللہ کی اولاد۔ قاسم طاہر یعنی عبداللہ اور ام کلثوم۔ رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوئیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ ابو العاصؓ بن ربیع بنو امیہ کے فرد نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ عثمانؓ بن عفان نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا...... وہ جب فوت ہو گئیں بدر کے موقعہ پر تو حضورؐ نے ان کو رقیہ بیاہ دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ شہر اللہ نے محبت کرنے والی اور بچے جننے والی میں برکت ڈالی ہے خدیجہ رحمہا اللہ نے مجھ سے طاہر یعنی عبداللہ

مطہر اور قاسم۔ فاطمہ، رقیہ، ام کلثوم اور زینبؓ جنی ہیں (خصال شیخ صدوق ج ۲ ص ۱۶۷)

۱۴۔ مصدقہ امام مہدی۔ کافی کلینی باب مولد النبیؐ میں ہے۔

وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه عليه السلام القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة عليها السلام وروى ايضا انه لم يولد له بعد المبعث الا فاطمة عليها السلام وان الطيب والطاهر ولدا قبل مبعثه (كافى ص ۴۳۹ ج ۱)

حضورؐ نے خدیجہؓ سے نکاح کیا جب آپ بیس سال سے زائد عمر کے تھے تو بعثت سے پہلے ان سے آپ کی اولاد حضرت قاسم۔ رقیہ، زینب اور ام کلثوم ہوئی اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام ہوئیں اور یہ بھی روایت ہے کہ بعثت کے بعد صرف حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں اور طیب و طاہر وغیرہ بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

حضرت رسولِ مقبولؐ اور عند الشیعہ آئمہ معصومین کے ان ارشادات سے آفتابِ نصف النہار کی طرح یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی اپنی صلبی بیٹیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں۔ اور ان کے نکاح خود آپ نے حضرت ابو العاص، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے کیے۔ اب ان کو سابقہ خاوند کی اولاد اور پروردۂ پیغمبر کہنا۔ رسولؐ و امام کا کھلا انکار ہے۔ اللہ شیعہ بھائیوں کو ہدایت دے۔

۱۵۔ قرب الاسناد میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد طاہر، قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینبؓ پیدا ہوئیں۔ فاطمہؓ کی حضرت امیر المومنینؓ سے اور زینبؓ کی ابو العاصؓ بن ربیع اموی سے اور ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ بن عفان سے شادی کی۔ پھر رقیہ کی ان سے شادی کی۔ پھر شیخ عباس قمی فرماتے ہیں کہ مشہور مؤرخین کا نوشتہ یہ ہے کہ ام کلثوم کی تزویج حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ۲ھ میں جنگِ بدر کے موقعہ پر ہوئی۔ (منتہی الآمال ج ۱ ص ۱۰۸)

شیعہ مجتہدین کے ارشادات

۱۶۔ ملا باقر علی مجلسی فرماتے ہیں۔

و ابو العاص کہ داماد حضرت رسولؐ … ابو العاصؓ حضرت رسولؐ

بود... لہذا حضرت فرمود کہ ابوالعاص حق دامادی مارا نیکو رعایت کرد (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۳۱ قصہ قید شعب)

کے داماد تھے (شعب ابی طالب میں غلہ پہنچانے کی وجہ سے) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ ابوالعاص نے ہماری دامادی کا اچھا حق ادا کیا

—چوں بخانہ عثمانؓ آمدند ام کلثومؓ دختر حضرتؐ رسولؐ نشان داد کہ او را در فلاں موضع پنہاں کردہ است (حیات القلوب ص ۳۹۲)

جب عثمانؓ کے گھر میں آئے تو بنت پیغمبر حضرت ام کلثومؓ نے بتایا کہ اس چیز کو فلاں جگہ چھپایا ہے۔

۱۷۔ حیات القلوب ص ۵۹۱-۵۹۲ پر حضرت رقیہؓ کے تفصیل حالات میں لکھا ہے۔

ابن ادریس بسند صحیح از حضرت امام محمد باقرؒ روایت کردہ است کہ رسول خدا دختر بدو منافق (العیاذ باللہ) داد کہ یکے ابوالعاص پسر ربیع و آں دیگرے کہ عثمانؓ بود... عیاشی روایت کردہ است کہ از حضرت صادق پرسیدند آیا رسولؐ خدا دختر خود را بعثمان داد حضرت فرمود بلے۔ راوی گفت... باز دختر دیگر باو داد حضرت فرمود بلے (حیات القلوب ص ۵۹۲)

ابن ادریس نے سند صحیح کے ساتھ امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے اپنی لڑکیاں (العیاذ باللہ) دو منافقوں کو دیں ایک ابوالعاصؓ ربیع کے بیٹے کو۔ اور دوسرا عثمانؓ تھا۔ عیاشی نے روایت کی ہے کہ حضرت صادقؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ رسولؐ خدا نے حضرت عثمانؓ کو لڑکی دی۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ راوی نے کہا پھر دوسری لڑکی بھی دی فرمایا ہاں

۱۸۔ شیخ طوسی در امالی روایت کردہ است کہ زفاف حضرت امیرؓ و فاطمہؓ شانزدہ روز بعد از وفات رقیہؓ بود بعد از رجوع جنگ بدر (جلاء العیون ص ۱۱۲)

شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی و ملاپ حضرت رقیہؓ کی وفات کے ۱۶ دن بعد۔ جنگ بدر سے لوٹنے کے بعد ہوا تھا۔

۱۹۔ اس سوال کے جواب میں۔ کہ حضرت حسینؓ باوجود اپنی شہادت کے علم کے کربلا میں کیوں گئے مجلسی فرماتے ہیں کہ امام ظاہر شرع و احکام کا مکلف ہے باطن کا ذمہ دار نہیں جب اہل کوفہ نے تشیع و ایمان کا دعویٰ کر کے بلایا تو جانا ہی تھا۔

اگر چنیں مے بود رسول خدا دختر بعثمان نمے داد

اگر اس طرح ہوتا (یعنی ظاہر اسلام و ایمان کا

وعائشہ وحفصہ را بحبالہ نکاح خود درمی آورد و ہرگاہ چنیں باشند پس امام بحسب ظاہر مکلف بود (جلاء العیون ص۱۸۰)

اعتبار نہ کیا جاتا تو رسول خدا عثمانؓ کو لڑکیاں نہ دیتے اور عائشہؓ وحفصہؓ کو نکاح میں نہ لاتے جب ایسا تھا تو امام حسینؓ بھی بحسب ظاہر منافقوں سے جنگ کے مکلف تھے۔

صد افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عثمانؓ وعائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہم کے ظاہری ایمان واسلام کا اعتبار کیا اور ان سے برضاء خداوندی رشتے کیے۔ مگر ان کو ان کے باطنی احوال کا علم نہ ہوسکا اور اب شیعہ کو ہوگیا کہ ان کے نفاق وبے ایمانی کا العیاذ باللہ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

۲۰۔ واز جملہ آنہا بودند عثمان ورقیہ دختر حضرت رسول کہ زن او بود۔ زبیر بن عوام عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف الخ (حیات القلوب ج۲ ص۳۴۵ ہجرت حبشہ۔ مفاتیح الجنان شیخ قمی وتحفۃ العوام ص۱۱۳)

مہاجرین حبشہ میں عثمانؓ اور آپ کی بیوی رقیہؓ بنت پیغمبر بھی تھیں۔ اور زبیرؓ بن عوام عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف (اکابر صحابہؓ) بھی تھے۔

۲۱۔ تزوج خدیجة وھو ابن بضع وعشرین سنة فولدت له قبل المبعث رقیة وام کلثوم وزینب۔ (تذکرة المعصومین ص۶)

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے ۲۰ سال سے زائد عمر میں شادی کی تو بعثت سے پہلے ان سے آپ کی اولاد رقیہؓ۔ ام کلثومؓ اور زینبؓ پیدا ہوئیں۔

۲۲۔ اگر نبی دختر بعثمانؓ داد ولی دختر بعمر فرستاد (مجالس المؤمنین ص۸۹)

اگر نبیؐ نے حضرت عثمانؓ کو صاحبزادی دی تو ولی پیغمبر (علیؓ) نے دبا تباع پیغمبرؐ حضرت عمرؓ کو اپنی لڑکی ام کلثومؓ بیاہ دی۔

۲۳۔ رقیہ وام کلثوم یکے بعد دیگرے در عقد نکاح عثمان بن عفان آمدند (تاریخ آل امجاد ص۹۔ شفاء الصدور والکروب ج۲ ص۳۰ منتہی الآمال ج۱ ص۱۰۸)

رقیہؓ اور ام کلثومؓ ایک دوسرے کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کے نکاح میں آئیں۔

۲۴۔ زوج النبی بنتیہ عثمان بن عفان (مسالک الافہام تنقیح شرائع الاسلام ص۵۳۲)

حضورؐ نے اپنی دو لڑکیاں عثمانؓ بن عفان کو بیاہ دیں۔

۲۵۔ شیعہ کی مشہور کتاب اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ از علامہ طبرسی میں ہے۔

یعنی زینب بنت رسول اللہ کی شادی ابو العاصؓ بن ربیع سے ہوئی اور ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئی جس کی شادی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی۔ حضرت زینبؓ کا انتقال مدینہ میں ۷ ہجری میں ہوا۔ رقیہؓ بنت رسولؐ کی شادی۔ یعنی صرف نسبت اور منگنی۔ آں حضرتؐ کے چچازاد عتبہ بن ابی لہب سے ہوئی لیکن اس نے خلوت سے پہلے طلاق دے دی حضورؐ نے اس کے لیے بد دعا فرمائی چنانچہ اسے شیر اٹھا کر لے گیا۔ پھر رقیہؓ کی شادی عثمانؓ بن عفان سے ہوئی اور ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا جو بچپن میں (چھ سال کی عمر میں) فوت ہو گیا۔ زمانہ بدر میں رقیہؓ کا انتقال ہوا ان کے مرض اور کفن دفن کے باعث حضرت عثمانؓ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ نے جب حبشہ ہجرت کی تھی تو رقیہؓ ساتھ تھیں پھر ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ہوا اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ فاطمہؓ کا ذکر مستقل آئے گا۔ (اعلام الوریٰ)

۲۶۔ امامۃ بنت ابی العاص وھی بنت بنت رسول اللہ تزوجہا بعد موت خالتہا البتول علی علیہ السلام (کشف الغمہ ص۱۳۲ العلی بن عیسیٰ اربیلی)

ابو العاصؓ کی بیٹی امامہؓ۔ یہ رسول اللہ کی نواسی ہیں۔ ان سے حضرت علیؓ نے ان کی خالہ بتول کے بعد نکاح کیا تھا۔

۲۷۔ کتاب المحبر لابن حبیب میں ہے۔

فولدت خدیجۃ للنبی القاسم وزینب و ام کلثوم و فاطمۃ و عبد اللہ وھو الطاہر والطیب اسم واحد (بحوالہ کشف الامر ص۲۰)

پس خدیجہؓ نے حضورؐ سے القاسم۔ زینب۔ ام کلثوم۔ فاطمہ اور عبداللہ جو طاہر و طیب کہلاتے ہیں، جنے۔

تیرھویں صدی کے محقق شیعہ شیخ عباس قمی نے معتبر کتاب منتہی الآمال ج ا ص۱۱۸ حضورؐ

کی اولاد امجاد میں یہ شعر بھی لکھا ہے کہ

۲۸. ابو نصر فرابی نے حضورؐ کی اولاد امجاد کی تعداد کے متعلق فرمایا ہے۔

فرزند نبی قاسم و ابراہیم است — پس طیب و طاہر زرہ تعظیم است
با فاطمہ و رقیہ و ام کلثوم و زینب — شمار تمام سر تعلیم است

یعنی اگر تعلیم پانیکا خیال ہے تو چار صاحبزادیوں کے نام یاد کر لو۔

شیعی وساوس کا ازالہ

حضرات! حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیوں کا ثبوت قرآن کریم کے علاوہ کتب معتبرہ شیعہ سے آپ کے سامنے ہے اس یہ تمام حوالہ جات کا تتبع کیا جائے تو ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ حضرت علیؓ۔ حسنینؓ۔ حضرت باقرؒ و جعفرؒ تمام شیعہ مجتہدین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں کسی ایک شخصیت کا انکار کفر ہے اور ان کی بات سے انحراف مذہب تشیع کا خاتمہ ہے۔ مگر ضد اور تعصب اور اسلام و خلفاء دشمنی کا ستیاناس ہو اس کی موجودگی میں آدمی حق کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ہر حوالہ قطعی الثبوت۔ ناقابل تردید مستند ترین شیعی مأخذ کا ہے۔ مگر میرا گمان نہیں ہے کہ عام و خاص شیعہ ان کو پڑھ کر رجوع الی الحق کرے گا اور چار صاحبزادیوں کو مان کر ان کے مثالی شوہروں کی تعظیم کرنے لگ جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا ایمان فاسق و فاجر بے نماز و بے شرع ذاکروں، گویوں اور قصیدہ خوانوں پر ہے یا شرعی چہرے اور وضع سے محروم نام نہاد مجتہدوں اور مولویوں پر ہے۔ ان لوگوں نے عوام شیعہ کو بتایا کہ نبیؐ کی صاحبزادی ایک تھی۔ اب ایک عامی پختہ شیعہ قرآن و سنت اور ارشادات آئمہ کی صریح تکذیب کر کے کھلا خلاف ورزی تو کر سکتا ہے۔ مگر اپنے ذاکر یا مفاد پرست شیعہ مولوی یا سید کی غلطی یا گمراہی تسلیم نہیں کر سکتا جن کے ہاتھ پر اس نے محمدی اسلام چھوڑ کر شیعی اسلام قبول کیا ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ شیعی ایمان اور اس کی پختگی کا معیار کیا ہے۔ یعنی جتنا کوئی شخص پختہ شیعہ ہو گا اسی قدر وہ اپنے قریبی دینی پیشوا ذاکر و مجتہد کو غلطی اور گمراہی سے پاک تصور کرے گا۔ اس پیشوا کے قول کے سامنے۔ بنات رسولؐ کا مسئلہ ہو یا مروجہ عزاداری وغیرہ کی حرمت کا۔ حرم نبوی امہات المؤمنین کی عزت کا سوال ہو یا حضورؐ کے خسروں دامادوں

اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مقام کا مسئلہ ہو سینکڑوں ارشادات قرآنی، فرامین نبوی، اقوال آئمہ اہل بیت، تصریحات اسلاف شیعہ پیش کر دیے جائیں بہر صورت شیعہ انکار پر انکار کرے گا۔ اور کبھی ان دلائل حقہ کو نہیں مانے گا۔ کیونکہ ان کے ماننے میں موجودہ ذاکر و مجتہد کی تغلیط لازم آئے گی اور یہ شیعہ کو کسی قیمت پر منظور نہیں۔ در اصل صاف لفظوں میں ایمان اس کے لیے قربانیاں، یہ صرف ذاکروں اور ان کی بدعات سے مختص ہیں۔ حضرات اہل بیت کا نام صرف جہلاء کو پھنسانے کا پھندا اور دام ہے۔ اب معلوم کیجیے کہ مسئلہ زیر بحث پر شیعہ کے پاس کون سی عقلی نقلی دلیل ہے جس کے سامنے قرآن حکیم، سنت و حرمت نبوی، ارشادات آئمہ اور اجماع مجتہدین کا خون کیا جاتا ہے۔ آپ یقین جانیے مسئلہ ہذا پر کسی بھی شیعہ کے پاس نہ قرآن کی آیت ہے، نہ ارشاد نبوی، نہ فرمان امام معصوم۔ لے دے کے چودھویں صدی کے ملاؤں کے چند مندرجہ ذیل ڈھکوسلے ہیں۔

شبہ نمبر ۱۔ اہل سنت اپنے خطبات میں صرف ایک صاحبزادی کا نام لیا کرتے ہیں۔

جواب۔ چونکہ بعض دلائل کی وجہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام باقی تین بہنوں سے اونچا ہے اور اہل سنت کا اس پر ایمان ہے لہذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام صراحۃً اور بقیہ کا دیگر بناتہٖ سے اشارۃً لیتے ہیں۔ خطبہ میں ان کا نام نہ لینا نفی کی دلیل ہرگز نہیں۔ بالاتفاق حضرت قاسم، طاہر، ابراہیم حضورؐ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مگر ان کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا۔ تاہم خطباء کو چاہیے کہ ایسے غلط فہمی کے مقام پر چاروں صاحبزادیوں کا نام لیا کریں تاکہ شعار تشیع نہ بن جائے۔

شبہ نمبر ۲۔ بعض ذاکرین کہتے ہیں کہ اگر چار بیٹیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور لاتے۔

جواب۔ مباہلہ ۹ھ میں پیش آیا جو بالآخر ہوا نہ تھا اور حضورؐ نے آل عبا کو شرکت کے لیے تیار کیا تھا جبکہ باقی صاحبزادیاں اس سے پہلے وفات پا گئی تھیں حیات القلوب ج ۲ ص ۹۱۴ میں ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ھ یا ۷ھ میں ہوئی۔ حضرت رقیہ جنگ بدر کے سال وفات پا گئیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۹ھ میں رحمت الٰہی سے واصل ہوئیں۔

شبہ نمبر ۳۔ جس زینب رضی اللہ عنہا کا نام بنات نبویؐ میں ملتا ہے وہ آپ کی پروردہ تھی۔

جواب۔ بالکل لغو مغالطہ ہے۔ حضرت زینب رضؓ کا حضورؐ کے صلب سے، خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے بطن سے ہونا اور حضرت ابوالعاص رضؓ بن ربیع کے نکاح میں آنا دسیوں حوالہ جات سے مبرہن کیا جا چکا ہے جس کا انکار امام معصوم و پیغمبر معصوم کا انکار ہے۔ آپ کی ربیبہ زینب رضؓ نامی اور لڑکی تھی جو آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضؓ کے بطن سے تھی۔ اس کے والد کا نام ابوسلمہ رضؓ تھا۔ اسی کو ہمارے علماء زینب ربیبۃ النبیؐ کہتے ہیں۔ اور زینب رضؓ بنت محمدؐ کی ماں کا نام خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ہے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۸) جو حضرت سیدہ خاتونِ جنتؓ کی ماں ہے۔ اسی زینب رضؓ بنت النبیؐ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے۔

ھی افضل بناتی اُصیبت فیّ (طحاوی ج ۲ ص ۵۰ ذخائر العقبیٰ ص ۱۶۸) یہ میری سب سے افضل بیٹی ہے۔ میرے لیے اس کو دکفار کی جانب سے مصیبت پہنچی۔

شبہ م ۴۔ یہ حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے سابق خاوند سے تھیں اور بعض کہتے ہیں ہالہ بہن خدیجہ رضؓ کی بیٹیاں تھیں۔

جواب۔ صریح جھوٹ ہے۔ آپ کی کوئی صاحبزادی سابق خاوند سے حضورؐ کے گھر میں نہیں آئی۔ صریح ارشاداتِ نبوی و فرامین جعفر صادقؒ پھر ملاحظہ کریں اور شیعہ کو جھوٹ کی مبارک دیں۔ الاستیعاب میں ہے کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان سب کی پیدائش بعد از نکاح خدیجہ رضؓ حضورؐ کے گھر میں ہوئی۔ پھر یہ معاذ اللہ سابق خاوند سے کیسے ہوئیں؟ علامہ مجلسی یہ دو قول نقل کر کے کہتے ہیں۔ (در نفی این دو قول روایات معتبرہ دلالت میکند۔ روایاتِ معتبرہ ان دو قولوں کو غلط بتاتی ہیں)

شبہ م ۵۔ اگر چار ہوتیں تو مرتبہ اور مقام میں برابر ہوتیں۔

جواب۔ خدا پنج انگشت برابر نہ کرد۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں کئی لحاظ سے فرق مشاہدہ کی بات ہے۔ حضرت فاطمہ رضؓ اگر بعض امور میں اپنی بہنوں سے ممتاز ہیں تو اس کا یہ معنی کہاں سے نکلا کہ باقی صاحبزادیوں کا وجود ہی نہیں۔ ایسے گمراہ قیاس سے خدا سے بچائے۔

شبہ م ۶۔ اگر پیغمبر کی صاحبزادیاں ہوتیں تو ان کے کچھ فضائل منقول ہوتے۔

جواب۔ فضائل میں کمی بیشی تو غیر اختیاری اور قدرتی عطیہ ہے۔ تاہم غیر کسبی فضائل

ان کے بھی منقول ہیں۔

حضرت زینبؓ کی شان

حضرت زینبؓ کو آپ نے سب سے افضل وہ بیٹی بتایا ہے جسے حضورؐ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے کفار نے ستایا یعنی ہبار بن اسود اور دوسرے آدمی نے ان کی اونٹنی کو بدکا یا بھگایا۔ آپ گر پڑیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ شدید بیمار ہو گئیں۔ اسی صدمے سے ۸ھ یا ۸ھ میں وفات پائی (الاستیعاب ج۴ ص۳۱۲ لاش الاصابہ)

ارشاد باری فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے۔ کا اولین مصداق ہیں۔ لَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ میں یقیناً ان کو ہمیشہ کے جنات میں داخل کر کے بہترین بدلہ دوں گا۔ کے تحت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ جنت والوں کی سرتاج نہ ہوں گی۔ حضرت زینبؓ مردانہ وار کفار کے ظلم و ستم سے حضورؐ کا دفاع کرتی تھیں۔ معجم طبرانی میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے حضورؐ کو گالیاں دیں۔ منہ پر تھوکا اور چہرے پہ مٹی ڈالی کہ منہ بھر گیا۔ ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور چہرہ مبارک اور ہاتھوں کو دھویا۔ یہ آپ کی صاحبزادی زینبؓ تھی۔ بخاری نے بھی اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اصابہ ج۴ ص۱۵۹ میں حضرت منیب غامدی کے ترجمہ میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپؐ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی! تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف مت کر رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی وابونعیم۔ ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (بحوالہ کنز العمال ج۶ ص۳۰۶ و سیرت المصطفیٰ ج۱ ص۱۵۵)

تعجب ہوتا ہے کہ بڑی ہستیاں بھی بسا اوقات عصبیتِ نسبی میں پھنس جاتی ہیں۔ میں نے مجمع الزوائد میں پڑھا ہے کہ حضرت عروہؓ ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کے متعلق حدیث بالا اور واقعہ مصیبت و شہادت بیان کر رہے تھے تو حضرت زین العابدینؒ نے ٹوک دیا کہ اس طرح مت بیان کیا کرو۔ ہماری اماں فاطمہؓ پر حرف آتا ہے۔ یہی وہ جگر گوشۂ پیغمبر اور اپنی ماں خدیجہؓ کی تصویر زینبؓ ہیں۔ کہ جب انہوں نے ابوالعاصؓ کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار فدیہ میں بھیجا تھا حضورؐ دیکھتے ہی رونے لگے۔ زینبؓ و خدیجہؓ کی تصویر آنکھوں میں پھرنے لگی ہار واپس کر دیا اور بلا فدیہ ابوالعاصؓ

کو چھوڑ دیا۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبوب تھیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم محبا فيها اسلمت وهاجرت حين ابى زوجها وولدت من ابى العاص غلاما يقال له على وجارية اسمها امامة (الاستيعاب)	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوب محبت کرتے تھے یہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کی جب کہ ان کے خاوند ابوالعاصؓ نے انکار کیا تھا بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، علی نامی لڑکا اور امامہ نام کی لڑکی جنی تھی۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جن کی صاحبزادی امامہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کندھے پر اٹھاتے جب سجدے جاتے تو اتار دیتے۔ جب اٹھتے تو اٹھا لیتے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک تحفہ دیا گیا جس میں موتیوں کا ہار تھا آپؐ نے فرمایا یہ تو میں اپنے گھرانے کی سب سے پیاری لڑکی کو دوں گا۔ پھر حضورؐ نے امامہؓ بنت زینبؓ کو بلایا اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیا حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں نجاشیؒ بادشاہ نے ایک زیور تحفہ بھیجا اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی عقیق کا تھا آپؐ نے وہ امامہؓ کو دیا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے بعد امامہؓ سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا۔ زبیر بن عوامؓ نے بیاہ کر کے دی کیونکہ اس کے والد ابوالعاصؓ نے اسے وصیت کی تھی۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۲۴۳)

یہی حضرت زینبؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی سالی ہو کر پھر خوشدامن بھی بنیں۔ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی ساس سے بھی نفرت و انکار؟ خدا ایسے مذہب و عقیدہ سے ہر مسلمان کو بچائے۔

حضرت رقیہؓ کی شان

حضرت رقیہؓ بھی قدیم الاسلام اور مہاجرہ فی سبیل اللہ ہیں جب اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں۔ حضورؐ کو کئی دنوں تک خبر نہ پہنچ سکی تو بیتاب تھے۔ تو حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا میں نے ان کو دیکھا ہے۔

فقالی صنحهما اللہ ان عثمان اوّل من ھاجر باھلہ من ھٰذہ الامۃ (الاصابہ ج ۴ ص ۳۰۵)

وفی روایۃ والذی نفسی بیدہ انہ اول من ھاجر بعد ابراھیم ولوط

اللہ پاک میاں بیوی پر انعام کی بارش برسائے بلاشبہ عثمانؓ اس امت کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔

اور ایک روایت میں ہے اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کے بعد عثمانؓ بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ ان کی تیمارداری کی خاطر آپؐ حضرت عثمانؓ کو مدینہ چھوڑ گئے۔ مگر حضرت رقیہؓ اس بیماری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ جب آپ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت حضرت زیدؓ بن حارثہ حضورؐ کی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر مشرکین کے قتل اور فتح اسلام کی بشارت لائے۔ جب حضورؐ واپس آئے تو آتے ہی حضرت رقیہؓ کی قبر پر اشکبارانہ حاضری دی اور دعا مانگی۔

فروع کافی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت رقیہؓ کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت فاطمہؓ کنارے پر بیٹھی رو رہی تھیں اور حضورؐ ان کے آنسو چھپٹ رہے تھے۔ مگر یہ واقعہ حضرت ام کلثومؓ کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ رقیہؓ سے چھوٹی ہیں اور بدر کے موقعہ پر رقیہؓ کی تدفین سے حضورؐ کی غیر حاضری واضح بات ہے۔

حضرت ام کلثومؓ کی شان

ابن سعد کہتے ہیں کہ ام کلثومؓ نے ہجرت الی المدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ وغیرہ عیالِ نبویؐ کے ساتھ کی نیز حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثومؓ کی قبر پر دیکھا آنسو بہہ رہے تھے اور فرمایا وہ شخص قبر میں اترے جس نے آج رات صحبت نہ کی ہو تو ابو طلحہؓ نے کہا میں ایسا ہوں۔ پھر حضورؐ نے ان کو اترنے کا حکم دیا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۸۹)

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

مجھے اس کے متعلق کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ حضرت زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ ہاں۔ رقیہؓ۔ فاطمہؓ۔ ام کلثومؓ رضی اللہ عنہن میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اسی

ترتیب سے قائل ہیں (یعنی سب سے چھوٹی حضرت ام کلثومؓ ہیں اور ان سے بڑی حضرت فاطمہؓ ہیں)

جرجانی سے منقول ہے کہ رقیہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ (الاستیعاب والاصابہ ج۴ ص۳۰۴)

سبقت ایمان، ہجرت، مکارم اخلاق کے علاوہ حضرت ام کلثومؓ کے مرفوع فضائل بھی منقول ہیں۔ ام عیاشؓ مولاۃ رقیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

یقول ما زوجت عثمان ام کلثوم الا بوحی من السماء وقال ابن مندۃ لا یعرف	فرماتے تھے میں نے عثمانؓ کا ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح آسمانی وحی سے کیا ہے۔

الا بھذا الاسناد بروایت ابن مندۃ)

۲۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ عثمانؓ کو ام کلثومؓ، رقیہؓ کے مہر کے برابر پہ بیاہ دیں اور اسی معاشرت پر دیں۔

(قال ابن مندۃ غریب الاصابہ)

شبہ: شیعہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رقیہؓ وام کلثومؓ پہلے عتبہ وعتیبہ پسران ابولہب سے بیاہی گئی تھیں تو پھر حضرت عثمانؓ کے نکاح میں کوئی فضیلت کی بات نہ رہی۔

جواب۔ یہ غلط ہے۔ قبل از دعوائے نبوت برادری سسٹم کے تحت حضورؐ کے چچا کے بیٹوں کے ساتھ نسبت اور منگنی تھی۔ اسی کو سیرت نگاروں نے عقد اور نکاح سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ باقاعدہ شادی اور رخصتی ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ بعثت کے تھوڑے دنوں بعد سورت تبت یدا ابی لہب کے نازل ہونے اور پسران ابولہب کے رشتہ سے انکار کے وقت ان کا جوان ہونا ہی یقینی نہیں۔ اکثر علماء حضرت فاطمہؓ کو ام کلثومؓ سے بڑا کہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کافی کے بیان کے مطابق بعثت کے بعد پیدا ہوئیں اور ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت علیؓ سے شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت ام کلثومؓ کنواری حضورؐ کے گھر میں تھیں اور کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دینا چاہتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر بیوی اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر خاوند دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ سے خود نکاح کر لیا

اور ام کلثومؓ۔ سب سے چھوٹی۔ صاحبزادی ۲ھ میں حضرت عثمانؓ کو بیاہ دی (الاستیعاب) اگر حضرت ام کلثومؓ فاطمہؓ سے بڑی ہوتیں تو حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوتا۔ بڑی بقول شیعہ کئی سالوں سے جوان کو بٹھلا کر چھوٹی کو بیاہ دینا تو دستور کے خلاف ہے۔ اس لحاظ سے حضرت ام کلثومؓ کی عمر ۳ نبوت نزولِ سورت تبت کے وقت ۳، ۴ سال ہی قرینِ قیاس ہے۔ اور حضرت رقیہؓ ان سے ۲ سال یا چھ سال بھی بڑی مانی جائیں تب بھی شادی و رخصتی کی عمر میں نہ تھیں۔ واقدی نے لکھا ہے "جب سورت تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا میرا سر تمہارے اندر حرام ہے اگر محمدؐ کی بیٹیوں کو چھوڑ نہ دو بس انہوں نے چھوڑ دیا۔ دخول اور رخصتی سے پہلے" حافظ ابنِ حجرؒ سے بہتر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ابن سعد کی اتباع میں ابن عبدالبرؒ کے اس بیان سے اعلیٰ ہے جس میں بعثت سے قبل رقیہؓ و ام کلثومؓ کی تزویج بتائی گئی ہے کیونکہ ابو عمر نے اس پر مؤرخین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ وہ بعثت سے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئیں تو ان سے بھی چھوٹیوں کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ عقدِ نکاح تا حصول البیت۔ یعنی صغر سنی کی منگنی۔ ہوگا تو شادی سے پہلے جدائی ہو گئی۔ ابنِ مندہ کہتے ہیں کہ عتبہ ام کلثومؓ کی رخصتی و دخول سے پہلے مر گیا۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۸۹)

اس تحقیق کی رو سے جب شادی و رخصتی ہوئی ہی نہیں۔ نہ طرفین نے ایک دوسرے کو دیکھا تو سیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ رضی اللہ عنہما کی شان میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے دامادی کا شرف اسی طرح حاصل ہوا جس طرح حضرت علیؓ کو ۹ سال بعد ۲ھ میں حاصل ہوا۔

اور اس سے شیعہ کا یہ شبہ بھی باطل ہو گیا کہ پیغمبر زادیاں ہو کر کافروں سے کیسے بیاہی گئی تھیں کیونکہ یہ کفر و اسلام کی تفریق بعثتِ نبوت کے بعد ہوئی اور اسی وقت منگنی والی پختہ بات چیت بھی خود کافروں کی طرف سے ختم کر دی گئی۔ جسے انہوں نے تغلیظ کے طور پر طلاق سے تعبیر کیا۔

علاوہ ازیں مسلم و غیر مسلم میں نکاح کی حرمت تو بہت بعد میں تقریباً ۶ھ کے لگ بھگ مدینہ میں اتری اس سے قبل کوئی تفریق نہ تھی۔ رشتے ناطے ہوتے رہتے تھے۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شان

سبقت ایمان۔ ہجرت۔ زہد و ورع۔ عبادت و سخاوت وغیرہ اوصاف میں اشتراک کے علاوہ بلاشبہ حضرت فاطمہؓ کے چند مخصوص فضائل بھی ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہؓ اصحاب کساء میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں داخل فرما کر ان کو اہلِ بیتؓ فرمایا اور ان کے تطہیر اور ازالہ رجس کی دعا فرمائی۔ (ترمذی)

بعض حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے کہ سند میں کوئی نہ کوئی راوی رافضی آجاتا ہے۔

۲۔ حضرت فاطمہؓ کو مرضِ وفات میں اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رو پڑیں پھر اپنے سے جلدی ملنے کی (یعنی فاطمہؓ کی جلدی وفات کی) خبر دی تو وہ ہنس پڑیں تاہم وہ غمگین رہتی تھیں تو حضورؐ نے یوں تسلی دی۔

یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اھل الجنۃ او نساء المؤمنین (بخاری و مسلم)	اے فاطمہؓ! تو اس پہ راضی نہیں کہ تو اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔
۳۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی (بخاری و مسلم)	فاطمہؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے اسے غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔

۴۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون پسند تھا

قالت فاطمۃ فقیل من الرجال قالت زوجھا (ترمذی) وفی روایۃ انہ کان ما علمتہ صوا ما قواماً۔	تو فرمایا فاطمہؓ تھیں پوچھا مردوں میں سے فرمایا ان کے خاوند کہ وہ میری دانست کے مطابق روزہ دار اور شب بیدار تھے۔

۵۔ شادی کے وقت وضو کر کے حضورؐ نے پانی حضرت علیؓ و فاطمہؓ پر چھڑکا اور یہ دعا دی۔

اللھم بارك فیھما وبارك علیھما وبارك فی نسلھما (الاصابہ)	اے اللہ تو ان میں اور ان پہ برکت بھیج اور ان کی نسل کو بھی بابرکت بنا۔

۶۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جہان کی عورتوں میں چار کامل ہوئی ہیں۔ مریم بنت عمرانؑ۔

آسیہؓ زوجہ فرعون۔ خدیجہؓ بنت خویلد۔ فاطمہؓ بنت محمدؐ (ترمذی)

بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۲ کی اس جیسی حدیث میں مریم بنت عمرانؑ۔ آسیہؓ زوجہ فرعون کے بعد یہ لفظ ہیں۔ اور عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر"

فضائل خاصہ کے اسباب اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فضائل خاص مواقع اور اسباب کے تحت ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر وہ مواقع اور اسباب بقیہ تین صاحبزادیوں کو درپیش آتے تو دریائے رحمت سے وہ بھی بہرہ ور ہوتیں۔ واقعہ مباہلہ اور کساء متعلقہ آیتوں کے نزول کے بعد تھا۔ اور یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا۔ اور حضرت رقیہؓ وام کلثومؓ وزینبؓ ۲ھ ۔ ۸ھ ۔ ۹ھ یا ۸ھ میں جنت میں پہنچ چکی تھیں۔

عورتوں کی سردار ہونے کا لقب بھی آخر عمر میں وفاتِ نبویؐ کی خبر کے صدمہ پر مرحمت ہوا۔ اور اس کی روایت ام المؤمنین عائشہؓ سے ہوئی اور ان کے ذریعے سب امت کو معلوم ہوا اور ہمارا اعتقاد بنا۔ ورنہ حضرت فاطمہؓ کو بطور راز تنہائی میں بتایا تھا۔ حضرت عائشہؓ و فاطمہؓ کی آپس میں الفت ومحبت واضح ہے۔ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اس ماں بیٹی میں بھی بغض وحسد کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

"فاطمہؓ کے جگر گوشہ" ہونے کا شانِ نزول تو کتب تاریخ وشیعہ میں متواتر ہے کہ حضرت علیؓ کے فاطمہ بنت ابی جہل سے ارادہ نکاح کے وقت اور دیگر حضرت فاطمہؓ کی گھریلو شکایات کے پیش نظر بار بار آپؐ نے فرمایا۔ بقیہ تین صاحبزادیاں بھی لخت رسولؐ تھیں۔ مگر اس کے بیان کی ضرورت خاوندوں کی پُرسکون معاشرتی زندگی کی وجہ سے نہ سمجھی گئی۔ حضرت ابوالعاصؓ کو بہتر داماد۔ دامادی کا حق ادا کرنے والا فرمانا اور حضرت عثمانؓ کے متعلق کہنا کہ اگر میری اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ سابقہ گزر چکا ہے۔

چوتھی روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، عائشہ، فاطمہ، علی حسنین رضی اللہ عنہم اسب ہی رسولِ خدا کو سب سے زیادہ محبوب تھے یہ لوگ اپنے متعلق محبوبیت الی الرسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے دوسرے ہی بیان کرتے ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ

وغیرہم نے حضرت عائشہؓ و صدیق اکبرؓ کی محبوبیت مرفوعاً بیان کی اسی طرح ام المومنینؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سیدہؓ کی محبوبیت بیان کی فی نفسہٖ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اہل بیت نبوی سے عظیم عقیدت تھی۔ اور یہ حدیث انہی تاثرات کا نتیجہ ہے۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی و خلش نہ تھی۔ وہ برملا آپ کو صائم اور قائم اللیل فرماتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا بقا اولادِ فاطمہؓ سے اللہ کے ہاں مقدر تھا تو آپؓ کی شادی کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ بالا دعا کرا دی۔ اگر دوسری صاحبزادیوں کے لیے بھی ایسی دعا ہو جاتی تو وہ بھی صاحبِ اولادِ باقیہ ہوتیں۔ کچھ لوگ حضرت زینبؓ کی اولاد کے قائل ہیں جیسی حدیث کا معارض موجود ہے۔ ورنہ چار کے بجائے ۵ سب جہان سے افضل اور کامل خواتین مانی جائیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ ہوں یا حضرت فاطمۃ الزہراؓ سب ہی حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور۔ کاشانہ کی زینت۔ دین کی معلمہ مربیہ۔ عزت نبوی کا خزانہ اور تمام مومنوں کی مائیں اور ان کے دل کا نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کی محبت نصیب فرمائے اور بدخواہوں و دشمنوں کو برباد کرے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھن اجمعین۔

ہم نے شیعہ کے قدیم و جدید لٹریچر سے کافی تتبع و تلاش جاری رکھی کہ حضور علیہ السلام کی ایک صاحبزادی یا اکلوتی ہونے پر کوئی آیت، فرمانِ پیغمبرؐ، ارشادِ امام یا کوئی فتویٰ مجتہدین ہی مل جائے مگر ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔ البتہ دو باتیں ملی ہیں سابقہ شبہات سے مربوط کر کے ان پر آپ غور فرمائیں۔

شبہ ۳ ارجح المطالب میں بحوالہ فردوس دیلمی اور مسند علی رضاؒ یہ روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے سے بھی بڑھ کر حضرت علیؓ کے فضائل میں فرمایا "اُوتیت صھرا مثلی ولم اُوت انا مثلی" کہ تجھے مجھ جیسا خسر ملا ہے اور مجھے مجھ جیسا خسر نہیں ملا۔ اس میں حضورؐ کے حضرت علیؓ کے بے مثال اور سب سے اعلیٰ شان والے خسر ہونے کا اقرار ہے مگر ایسا کوئی کلمہ حصر اور غیر کے لیے خسر نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور حضرت علیؓ کی خصوصیات میں اس کا ذکر باعتبار کثرت کے ہے کہ فاطمہؓ جیسی صدیقہ کا حضرت علیؓ کی زوجہ ہونا اور حسنینؓ کا فرزندِ رسولؐ

ہونے کے بجائے فرزندِ علیؑ ہونا حضرت علیؓ کا خاصہ ہے تو حضرت رسولؐ کو بھی اسی انداز سے ذکر کر دیا کیونکہ باقی دو خاص باتوں کے لیے علت اور وجہ یہی بنی تھی یہ روایت کو کچھ ماننے کے مفروضہ پر مبنی ہے ورنہ ایسی بوگس حوالوں کی بلا سند روایت قرآن وسنت کے صریح دلائل کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے ۔

شبہ ۹ ۔ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں تھیں ان کو قرآن نے بنات کہا تو اسی طرح ایک کو اجزاب میں بنات کہا ہے ۔

جواب اولاً قرآن وسنت اور تاریخی متواتر دلائل کے سامنے ایک اختلافی بات اور ذہنی استدلال پیش کرنا دیانت نہیں ۔ قرآن میں حضرت لوطؑ کی صاحبزادیوں کے لیے ۔ هٰؤُلَآءِ ۔ بَنَاتِیْ ۔ هُنَّ ۔ فِیْ بَنٰتِكَ ۔ سب جمع کے صیغے آئے ہیں ۔ ایک اختلافی تعبیری قول سے انہیں نظر انداز کر دینا اور دو کا قائل ہونا ۔ قرآن کے ساتھ ایسا ظلم ہے جو ہر گمراہ فرقے کو یہ موقعہ دے گا کہ واحد وجمع کی تمام اصطلاحات ختم کر دے اور ہر جگہ حسب منشا واحد سے جمع اور جمع سے واحد مراد لیتا پھرے ۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً ۔ اس قول کی غلطی کا سبب یہ ہوا کہ قوم لوط کے دو بڑے مطاع سردار جو دعویٰ نے ان کو دو بیٹیاں نکاح میں دینا چاہیں تا کہ ان کے برائی سے رکنے سے سب رک جائیں تو اس سے حصر کا مفہوم برآمد کرنا کہ لڑکیاں ہی دو تھیں غلط ہوا کیونکہ دو کی تصریح دو سرداروں کی تصریح کے ساتھ ملی ورنہ مجرم اور بھی تھے ۔ آپ ان کو بھی (مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے) بیٹیاں دینا چاہتے تھے ۔

ثالثاً مفسرین نے دو والے قول کا رد بھی کیا ہے ۔ تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری ۱۲ ؍ ۵۸ پر ہے ۔

" ایک قول یہ ہے کہ قوم کے مقتدا دو سردار تھے ۔ ان کو اپنی دو بیٹیاں دینی چاہیں ۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی بیٹیاں دو سے زیادہ تھیں ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹیاں حقیقتاً نکاح کے لیے پیش نہ کی ہوں بلکہ ان کو شرم وحیا دلانے کو یہ بات کہی ہو "

رابعاً ۔ بیٹیوں سے مراد جمع ہی ہے ۔ ہاں تفسیریں دو ہیں ۱ ۔ قوم لوطؑ کی منکوحہ بیویاں مراد ہیں کہ نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے ۔ ۲ ۔ اپنی صلبی بیٹیاں مراد ہیں ۔ یہ قتادہ کا قول ہے ۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۱۸۴)

باب دوم

سوال ۳ دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وعدہ نصرت کیوں نہ فرمایا کیا یہ دونوں بزرگ دعوت ذوالعشیرہ میں شامل تھے۔ اگر شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں؟

جواب ۔ شیعہ بے چارے گھٹیا لاوارث اور دلائل سے یتیم ہوتے ہیں اور انتہائی نکمے قسم کے تاریخی افسانے ان کے ہاں بہترین شاہکار ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی موضوع روایت ہے احادیث کا متفقۃ الطرفین یا مستند واقعہ نہیں ہے اس کی حقیقت درج ذیل ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ یہ روایت نہ سنن میں ہے نہ مغازی میں اور نہ مسانید میں ہے۔ یہ موضوع بات ہے۔ بنی عبدالمطلب کی تعداد نزولِ آیت کے وقت چالیس نہ تھی۔ آپ کی زندگی میں بھی وہ اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ (المنتقی ص۱۸۴ من المنہاج)

اس کے واضع کا نام عبدالغفار بن قاسم ابو مریم کوفی ہے۔ جو رافضی تھا شیعہ کی اکثر تصانیف میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مامقانی نے بھی تنقیح المقال ج ۲ ص۱۵۸ اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہ اجماعاً متروک راوی ہے۔ ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا نسائی اور حاتم نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات باطل ہوا کرتی تھیں۔ سماک بن حرب اور ابوداؤد نے اسے کاذب اور ابن حبان نے شرابی قرار دیا ہے۔

(حاشیہ المنتقی)

روایتی جرح کے بعد اب درایت کے لحاظ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

"جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں ددھیال) کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عبدالمطلب کی تمام اولاد کو بلا لاؤ تاکہ میں انہیں تبلیغ کروں۔ آپ بلا لائے۔ وہ چالیس آدمی تھے ان میں آپ کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہؓ۔ عباسؓ۔ ابولہب وغیرہم بھی تھے۔ پہلے دن دعوت کھلا چکنے کے بعد بات نہ ہو سکی۔ دوسرے دن اسی طرح دعوت کھلا کر فرمایا۔ اے عبدالمطلب

کی اولاد میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو دعوت الی اللہ دوں۔ اس بات پر کون تم میں سے میری مدد کرے گا۔ جبکہ وہی میرا بھائی، وصی اور تم میں میرا جانشین ہوگا۔ سب قوم خاموش رہی۔ حضرت علیؓ بولے۔ اے اللہ کے نبیؐ! میں آپ کا مددگار رہوں گا۔ حالانکہ میں سب سے چھوٹا۔ باریک آنکھوں والا۔ چھوٹی پنڈلیوں اور بڑے پیٹ والا تھا۔ آپؐ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا یہ میرا دینی بھائی اور وصی ہے اور تمہارے اندر میرا جانشین ہے۔ تم اس کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو اس کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے اور ابوطالب سے مذاقاً کہنے لگے کہ تمہیں محمدؐ نے بیٹے کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنو عبدالمطلب! میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور دیگر لوگوں کی طرف عموماً نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرا معجزہ اور عزم دیکھ چکے ہو۔ تم میں سے کون اس شرط پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی، ساتھی اور وارث بنے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ فقرہ دہرایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو میں سب سے چھوٹا تھا، اٹھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ تیسری مرتبہ میں نے بیعت کی۔ پس اسی وجہ سے میں چچا کے بیٹے کا وارث (علمی) ہوں اور چچا کا نہیں ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۰-۳۲۱ بلفظہ)

کتب شیعہ میں سے حیات القلوب ج ۲ ص ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱ پر اسے مفصلاً بیان کیا گیا ہے اور شیعی تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی میں بھی ہے۔ کہ یہ دعوت تین دن تک ہوتی رہی۔ بنو عبدالمطلب برادری سے کسی نے حامی نہ بھری تو تیسرے دن حضرت علیؓ نے اس پر لبیک کہی۔ حالانکہ آپ صغیر سن تھے۔ ابولہب مذاق اڑاتا تھا۔ غالباً دیگر حاضرین نے "خلیفتی فی اہلی" میرے گھر والوں میں میرا جانشین ہوگا۔ کے منصب کو اپنے شایانِ شان نہ جانا اور خاموش رہے۔"

یہی وہ واقعہ ہے جس پر اعتراض کی بنیاد ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ ایک طرح روایت ہے اور حضرت علیؓ کا علیہ و تعارف بھی مکروہ بتایا گیا ہے۔ اور اس سے بھی قطع نظر کہ آغاز دعوتِ اسلام سے ہی۔ جبکہ قریبی برادری بھی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ آپؐ کو اپنے وصی اور خلیفہ کا فکر کیوں دامنگیر ہوگیا تھا۔ اس وقت صرف آپؐ مامور بالدعوت الی الاسلام تھے۔ مستقبل دنیوی کے

قطعی انجام سے واقف نہ تھے۔ جیسے ارشادِ ربانی کے ذریعہ آپؐ سے یوں اعلان کرایا جاتا تھا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (احقاف ۲۶)

فرمایئے میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں انجامِ دنیوی نہیں جانتا کہ تمہارے میرے ساتھ کیا کچھ کیا جائے گا۔ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور اس سے بھی قطع نظر کہ آیت وانذر عشیرتک کے تحت آپ رشتہ داروں کو خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے کے ہی مکلف تھے۔ اعلانِ خلیفہ کا تو تصور و شائبہ بھی آیت میں نہیں ہے۔

روایت سے ثابت چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں اس قصہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ یہ صرف اپنی برادری بنو عبد المطلب کو دعوت تھی غیر بنو عبد المطلب حضرت ابوبکر تیمیؓ اور حضرت عمر عدویؓ کو بلانے کا سوال ہی نہ تھا تو اعتراض ہی لغو ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تین سال قبل آغازِ نبوت پہ ہی ایمان لا چکے تھے اور آپؐ کے معاون و دستِ راست بن کر دسیوں معزز افراد۔ جیسے حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم کو حلقہ بگوش اسلام کرا چکے تھے۔ (تاریخ طبری جز ۲ ص ۳۱۱ وغیرہ)

حضرت عمرؓ گو اس واقعہ کے تین سال بعد مشرف باسلام ہوئے مگر ان کے اسلام پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور اشاعتِ اسلام تیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے قدیم الاسلام اور فاضل صحابی کی شہادت اور حوالہ جات سابقہ مذکور ہو چکے ہیں۔

۲۔ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے حضرت علیؓ کے سوا کسی نے بھی اسلام اور حمایتِ پیغمبرؐ کا اعلان نہیں کیا۔ اور یہیں سے معلوم ہو چکا کہ سابقون الاولون ایک دو فرد کے ماسوا بنو عبد المطلب اور ہاشمی حضرات نہیں۔ یہ شرف اللہ نے غیروں کو ہی عطا فرمایا ہے۔ اور اس میں بھی خدا کی بہت بڑی حکمت اور صداقتِ نبوت پر عظیم عقلی دلیل ہے کہ برادری اور قریبی لوگ مخالفت کرتے ہیں مگر اغیار حضورؐ کے قدموں میں آگرتے ہیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں

کرتے جبکہ ان کو صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ کو پیغمبر ماننا۔ دنیوی وقار کے برخلاف ایک دریتیم کو اپنا آقا و سردار بھی ماننا ہے۔ اگر دعویٰ نبوت سیاسی سطح پہ یا دنیوی عزت کی خاطر (العیاذ باللہ) ہوتا تو سب سے پہلے آپؐ کی قوم لبیک کہتی کہ ان کا وقار بلند ہوتا اور غیر خود کو آپ کی غلامی میں دینے سے گریز کرتے۔

۳۔ اس سے جناب ابوطالب والد حضرت علیؓ کا کبھی مومن و مسلمان نہ ہونا اظہر من الشمس ہوگیا۔ اگر شیعہ خیال کے مطابق آپ مسلمان و مومن ہوتے تو ضرور اسلام اور وزارت پیغمبرؐ کا اعلان کرتے۔ حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے خلاف بعد میں بھی تو آپ سے کلمہ پڑھنا یا ترک دین قریش سے تبرا کرنا ثابت نہیں۔

۴۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے بھی تیسرے سال اسلام و ایمان کا اقرار و اظہار کیا۔ اس لحاظ سے تو آپ سابق الاسلام ثابت نہ ہوئے دوسرے حضرات ہی ہوئے۔ بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ پر ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما معه الا خمسة اعبد و امرأتان وابوبکر	میں نے آغاز اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو دیکھا آپ کے ساتھ پانچ غلاموں دو عورتوں اور ابوبکرؓ کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلے ہی ماہ میں ایمان لانے کا اعتراف کتب شیعہ میں بھی ہے۔ (یہ ماہ کی بھی روایت میں ایک تعبیر ہے ورنہ آپ پہلی ہی دعوت پہ گویا پہلے دن حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔)

شیعہ کتاب اعلام الوریٰ ص ۵۱ – ۵۰ میں ہے۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ بصریٰ گئے ہوئے تھے۔ ایک راہب نے پوچھا کیا کوئی مکہ کا آدمی تم میں ہے۔ میں نے کہا میں ہوں۔ اس نے کہا کیا احمدؐ ظاہر ہو گئے؟ میں نے پوچھا احمدؐ کون ہیں راہب نے کہا۔ احمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ اس نے اس ماہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہے حرم سے نمودار ہوگا۔ کھجوروں کی جگہ (مدینہ) ہجرت کر جائے گا۔ تو فوراً اس

کی خدمت میں جا طلحہؓ فرماتے ہیں میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی جلدی سے مکہ آپہنچا، پوچھا کیا نئی بات ہوئی لوگوں نے کہا۔

نعم محمد بن عبد اللہ الامین
تنبأ وقد تبعہ ابن ابی قحافۃ قال فخرجت
حتی دخلت علی ابی بکر فقلت اتبعت
ھذا الرجل قال نعم فانطلق الیہ و
ادخل علیہ فاتبعہ فانہ یدعو الی الحق
(بحوالہ کشف الاسرار)

ہاں محمد بن عبد اللہ امینؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابو بکرؓ نے آپؐ کی پیروی کر لی ہے۔ طلحہؓ فرماتے ہیں میں وہاں سے نکلا، حضرت ابو بکرؓ کے پاس آکر پوچھا کیا آپ نے اس شخص کی پیروی کر لی؟ فرمایا ہاں۔ تو بھی اس کے پاس جا اور تابعداری کر لے کیونکہ وہ صرف حق کی طرف بلاتے ہیں۔

پھر حضرت طلحہؓ نے راہب کا قصہ سنایا، حضرت ابو بکرؓ طلحہؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے وہ مسلمان ہو گئے اور راہب کی بات سنائی جب طلحہؓ بھی ابو بکرؓ کے ساتھ مسلمان ہو گئے تو نوفل بن خویلد قریشی شیر ان کو مارتا تھا۔

۵۔ اس خلافت اور وزارت کا مقصد (خلیفتی فیکم الیعنی بنو عبد المطلب پر نگرانی) اور خاندانی دیگر امور کے انتظام کو سرانجام دینا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ البالی سے منصب نبوت کا فریضہ ادا کریں۔ قید و بند، موت کی صورت میں۔ اہل و عیال کی ذمہ داری اور لین دین کے تفکرات سے آزاد ہوں۔ اسے خلافت کبریٰ اور تمام امت کی قیادت سے واسطہ نہیں کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی، نہ چند نفوس کے سوا امت کی وسعت کے انتظام کا مسئلہ درپیش تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ تمام خاندانِ بنو ہاشم سے آپ کو عزیز اور پر اعتماد ہیں۔ گھر کے فرد اور خانگی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔ قرضہ جات اور کفار کی امانتوں کا لین دین بھی بامرِ نبوی کرتے ہیں لیکن حضور علیہ السلام کے ساتھ دعوتی و تبلیغی میدان میں نہ ہمہ وقت ساتھ ہیں نہ تقریر و تائید کرتے نظر آتے ہیں نہ آپ کو کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک اور شخصیت سایہ کی طرح حضورؐ کی ہمدم و ساتھی ہے۔ آپ کے ساتھ تقریر و تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ کفار کا آپ سے دفاع بھی کر رہے ہیں۔ مار کھا کھا کر لہولہان بھی ہو رہے ہیں۔ بے ہوش بھی ہوتے ہیں۔

سخت گرمی اور دوپہر میں آرام کے لیے حضورؐ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ یہ ابوبکر صدیقؓ ہیں جن کی ترتیبِ خلیفتی فی اہلی کے تحت نہیں۔ بلکہ خلیفہ و مقتدا برائے جمیع امت کے لحاظ سے ہوئی ہے کہ ان کے متعلق یہ فرما کر رخصت ہوتا ہے۔ فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترمذی) میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا۔ ابوبکرؓ کی اور (پھر) عمرؓ کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث علمی ہوتی ہے اور حضرت علیؓ بھی اس کے وارث ہیں۔ حضرت علیؓ کا صاف فرمانا کہ میں اپنے چچا کا وارث نہیں، حالانکہ وہ اقرب رشتہ ہے۔ اور چچا کے بیٹے کا وارث ہوں۔ اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔

الحاصل۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کا یہ قصہ اگر ثابت ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد شیعہ حضرات وسعتِ ظرفی سے اس سے ثابت درج بالا ستہ امور پر بھی ایمان لائیں سنی شیعہ نزاع ختم ہو جائے۔

معترض کا یہ کہنا اگر دونوں بزرگ شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ روحِ اسلام سے ناواقفی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام میں قرابت نبوی فی نفسہا باعثِ فضیلت نہیں۔ بلکہ اتباع پیغمبرؐ کے ذریعے سے ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران)	بے شک سب لوگوں سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی (اور سگے) وہ لوگ ہیں جو آپ کے پیروکار تھے۔ اور اب یہ نبی اور مومنین اصحاب

اللہ ایسے مومنوں کا مددگار و سرپرست ہے۔

مشرکین قریش اور یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی نسل اور آل میں سے ہونے کی وجہ سے قرابت کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا رد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی اپنے وقت میں کی اور ہمارے پیغمبر بھی متبع ہونے کی حیثیت سے آپؑ کے قریبی ہیں۔ اور اس پر ایمان لانے والے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابوذرؓ، عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ، خبابؓ جو متبع ہونے کی حیثیت سے قریبی ہیں۔ اور ابولہب، عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ نافرمانی کی وجہ سے ابراہیمی نسل اور سادات میں سے ہونے کے باوجود ہرگز قریبی نہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ایمان ساز ہے۔

ان ولی محمد من اطاع اللہ و رسولہ وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصی اللہ ورسولہ وان قربت قرابتہ۔	حضرت محمدؐ کے قریبی دوست وہ ہیں جو اللہ و رسولؐ کے فرمانبردار ہوں اگرچہ خونی رشتہ دور ہو۔ اور حضرت محمدؐ کے دشمن وہ ہیں جو اللہ و رسولؐ کے نافرمان ہوں اگرچہ رشتہ قریبی ہو۔

بلاشبہ حضرت علیؓ قریبی بھی ہیں اور مومن و متبع بھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نسباً کچھ دور کے رشتہ دار سہی۔ مگر نسبتی رشتہ داری میں خسر ہونا بہ نسبت داماد ہونے کے زیادہ اعزاز رکھتا ہے کیونکہ خسر دینے والا اور خرچ کرنے والا ہے۔ داماد لینے والا اور اپنے اوپر خرچ کروانے والا ہے۔

اس سے قطع نظر اصولِ بالا کی رو سے حضرت علیؓ اور شیخینؓ کے ایمان۔ اتباع۔ ایثار بر پیغمبر۔ نشرِ اسلام۔ جانشینی میں امت کو افادہ وغیرہ امور میں موازنہ کیا جائے گا۔ جو ان امور میں بڑھے گا وہی آپ کا قریب ترین رشتہ دار سمجھا جائے گا۔

اہلِ سنت کی تحقیق و عقیدہ میں جب حضرات شیخینؓ امورِ مذکورہ میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر ہیں تو اصولِ بالا کی رو سے وہی سب سے افضل اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ترین رشتہ دار سمجھے جائیں گے۔ اس مسئلہ کی وضاحت سوال ۲۸ میں اور کامل تفصیل سوال ۳۰ کے تحت ان شاء اللہ آئے گی۔

سوال ۴ ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بقول اہلِ سنت تمام امتِ محمدیہ سے افضل ہیں تو بوقت مواخات یعنی جب رسولؐ اللہ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا حضرت ابوبکرؓ کو کیوں اپنا بھائی نہ بنایا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوتِ ذوالعشیرہ اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر فرمایا۔ یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ بعد از رسولِ خدا تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب ۔ دعوتِ ذوالعشیرہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے یہ دلیل بھی اسی جیسی ہے۔ اور تاریخی شہادت کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ حضرت علیؓ کے متعلق مواخات فی المدینہ کی روایات

مضطرب ہیں۔ بعض میں ہے کہ ہجرت الی المدینہ کے بعد مہاجرین کا معاشی مسئلہ حل کرنے کے لیے آپ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے مابین بھائی چارہ قائم کرایا۔ حضرت علیؓ کا سہل بن حنیفؓ کے ساتھ بھائی چارہ کرایا۔ (الاصابہ لابن حجر ج۲ ص۸۷) غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت سہلؓ کے ساتھ آپؓ کے تعلقات اچھے رہے۔ اپنے عہدِ خلافت میں ان کو گورنر بھی بنایا ہے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد کی طرف نسبت کر کے شیعہ علامہ حلی نے منہاج الکرامہ میں بھی نقل کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر نہیں کی بلکہ القطیعی کے اضافات میں سے ہے جو ساقط الاحتجاج ہیں۔ القطیعی نے زید بن ابی اوفیٰؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو رافضی قصداً حذف کر دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کیا ورثہ پاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول۔ یہ روایت باتفاق محدثین جھوٹ ہے۔ بلکہ مواخات پر مشتمل تمام روایات جھوٹی ہیں۔ یہ مواخات آپؐ نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے درمیان قائم کی تھی۔ (المنتقیٰ من المنہاج ص۴۷۸ اردو)

ماضی قریب کے مشہور سیرت نگار اور سنی شیعہ نزاع سے آزاد مولانا غلام رسول مہر مرحوم "رسولِ رحمت" ص۲۳۹ پر رقمطراز ہیں۔

اجتماع اور مواخات

مسجدِ نبوی کی تعمیر مکمل ہو چکی تو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں نوے یا ایک سو اصحاب موجود تھے جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تاخوا فی اللہ اخوین اخوین۔ اللہ کی راہ میں دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ۔ (ابن ہشام القسم الاول ج اول ص ۵۰۴)

پوری فہرست اسماء کہیں سے نہ مل سکی تو نام معلوم ہو سکے ہیں جو درج ذیل ہے۔

مہاجرین	انصار	مہاجرین	انصار
ابوبکر صدیقؓ	خارجہ بن زیدؓ بن الحارث	سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
عمر فاروقؓ	عتبان بن مالکؓ	مصعبؓ بن عمیر	ابو ایوبؓ
ابوعبیدہ بن الجراحؓ	سعدؓ بن معاذ	ابوحذیفہؓ عتبہؓ بن ربیعہ	عباد بن بشر
عبدالرحمنؓ بن عوف	سعدؓ بن الربیع	عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن الیمان العبسیؓ
زبیرؓ بن العوام	سلمہ بن سلام بن وقشؓ	ابوذر الغفاریؓ	منذرؓ بن عمرو
طلحہ بن عبیداللہؓ	کعبؓ بن مالک	حاطبؓ بن ابی بلتعہ	عویمؓ بن ساعدہ
عثمانؓ بن عفان	انسؓ بن ثابت	سلمان فارسیؓ	ابوالدرداؓ عویمر بن ثعلبہ
بلالؓ	ابورویحہ (عبداللہ بن عبدالرحمن الخثعمی)		

بعض ناموں کے متعلق روایات میں اختلاف ہیں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ھذا اخی (یہ میرا بھائی ہے) حالانکہ اسے مواخات کا جز قرار نہیں دیا جاسکتا جس کا انتظام مدینہ میں ہوا تھا۔ پھر حمزہؓ اور زید بن حارثہ کی مواخات کا ذکر ہے۔ یہ مکی مواخات ہو تو ہو مدنی مواخات نہیں ہوسکتی جس میں ایک فریق مہاجر دوسرا فریق انصاری تھا۔ جعفرؓ بن ابی طالب اور معاذؓ بن جبل کے بھائی چارے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حالانکہ مدنی مواخات کے وقت جعفرؓ بن ابی طالب حبش میں تھے۔ وہ چھ سات سال بعد مدینہ منورہ پہنچے اور خیبر میں حضور صلعم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے (انتہی بلفظہ ص ۲۲۲، ۲۲۹)

ہم نے یہ تفصیل آپ کی معلومات میں اضافہ کے علاوہ اس لیے نقل کی ہے کہ شیعوں کا "تاریخی شہادت" کا کمزور سہارا سامنے آجائے۔ اس فہرست میں حضورؐ اور حضرت علیؓ کی مواخات کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر ابن حجر کا بیان علامہ کے سامنے ہوتا تو حضرت علیؓ و سہلؓ بن حنیف کا نام بھی ملتا۔ بہرحال یہ روایت صرف ابن اسحاق سے ہے جس پر کڑی جرح کتب رجال میں موجود ہے۔ بالفرض اگر یہ واقع ہو تو اس کی وجہ حضرت علیؓ کی تسکین و تسلی اور معاشی تکفل کا سامان ہے۔ کیونکہ یہاں حضرت علیؓ جیسے غیر شادی شدہ نادار درویش کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

سوا کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ آپ کے بھائی عقیل اور طالب بحالت کفر مکہ میں تھے۔ سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب حبشہ میں تھے۔ جیسے حضورؐ نے مکہ میں آپ کی معاشی ذمہ داری خود لے رکھی تھی یہاں نئے دلیس میں بھی آپ کی اشک شوئی اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ مواخات فرما چکے حضرت علیؓ کو کسی کے ساتھ نہ ملایا تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ بقیہ کا بیان ملاحظہ ہو۔ جو کشف الغمہ ج ۱ ص ۹۲ پہ ہے کہ جب سب مہاجرین و انصار کی آپؐ مواخات کر چکے اور حضرت علیؓ کو کسی کے ساتھ نہیں کی تو وہ حضورؐ پہ (العیاذ باللہ) غصے ہو کر کہیں چلے گئے۔ حضورؐ نے انہیں تلاش کر کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا تو صرف مٹی والا (ابو تراب) بننے کے لائق ہے۔

اغضبت علی حین اخیت بین المهاجرین والانصار ولم اواخ بینك وبین احد منهم.. انت اخی فی الدنیا والآخرة (بلفظه)	کیا تو مجھ پہ ناراض ہو گیا جب میں نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کی اور تجھے کسی کے ساتھ نہیں ملایا۔ تو میرا بھائی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

اخوت حضرت صدیقؓ و زیدؓ

بشرط صحت روایت یہ فی الجملہ فضیلت کی بات ہے۔ مگر کلی افضلیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق بھی بروایت ابن عباسؓ یہی فرمایا ہے۔

لو کنت متخذا من امتی خلیلا لاتخذت ابابکر ولکن اخی وصاحبی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۶) وفی روایة لاتخذته خلیلا ولکن اخوة الاسلام افضل۔	اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو یقیناً بناتا۔ لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں اور ایک روایت میں ہے میں ان کو خلیل بناتا لیکن اسلام کا بھائی ہونا بہت شان کی بات ہے۔

چونکہ مقام خلت "دل میں صرف ایک کے سمانے" کا نام ہے۔ وہ صرف خدا کی ذات تھی اس لیے اس کی نفی کر کے اخوت کا اثبات فرمایا۔ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کے متعلق بھی آپؐ کا ارشاد ہے۔ انت اخونا و مولانا آپ ہمارے بھائی اور محبوب ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۲۹) احادیث صحیحہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں

کو دیکھ لیتا رجو میرے بعد پیدا ہوں گے اور بن دیکھے ایمان لائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ (سب مومن بھائی ہیں)

مواخات کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں تمام امور میں تماثل اور تشابہ پایا جاتا ہے۔ بھائیوں میں فرق مراتب اور اوصاف میں کمی بیشی مشاہدہ کی بات ہے۔ تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی فرمایا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ ہی سب سے افضل ہیں اور امام بلا فصل ہیں۔

اخوت نسبی مدار فضیلت نہیں

واضح رہے کہ اخوت نسبی ہی کو شیعہ حضرات مدار فضیلت کہتے ہیں لیکن اخوت اسلامی اور صحبت پیغمبری اس سے کہیں افضل ہے کیونکہ وہ آخرت میں بھی بدستور رہو گی۔ ارشاد ہے۔

۱۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (حجر ۴۷) — اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہو گا ہم اس کو نکال دیں گے۔ اور وہ تختوں پہ ایک دوسرے کے مقابل بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔

۲۔ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (زخرف ۶۷) — دوستی رکھنے والے اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ مگر متقی اس سے مستثنیٰ ہیں

(ترجمہ مقبول ص۹۱)

معلوم ہوا کہ اسلامی برادری اتنی پختہ ہے کہ دنیا میں فی الجملہ کدورت کے بعد بھی محبت و الفت سے قائم و دائم ہو گی۔ اور متقین بدستور ایک دوسرے کے دوست رہیں گے مگر اخوت نسبی وہاں کام نہ دے گی۔

فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (مومنون) — اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داری ہو گی نہ ایک دوسرے کا پوچھیں گے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس) — اس دن آدمی اپنے بھائی، ماں باپ بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔

جب یہ اخوت اسلامی حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ میں مشترک ہے تو

افضلیت پر استدلال درست نہیں ہے۔ اگر استدلال اخوت اسلامی ونسبی کے جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو یہ اجتماع حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر رضؓ و عثمان رضؓ و زبیر رضؓ میں بھی ہے۔ بوجوہ ان میں شیخین رضؓ کی افضلیت سوال ۳ کے آخر میں پھر ملاحظہ فرمالیں۔

بالفرض اس وصفِ مشترک کو شیعہ اگر حضرت علی رضؓ کی افضلیت پر یہی دلیل بنائیں تو یہ جزوی فضیلت ہوگی۔ جیسے قرآنِ حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے "اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا۔ (وہ بمنزلہ ایک امت کے خدا کے مطیع وموحد تھے) وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا (اور ہم نے ان کو دنیا میں چن لیا) ارشاد فرمائے ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے لیے ایسے صریح الفاظ نہیں ملتے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو احسن القصص فرمایا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کے متعلق ایسے الفاظ قرآنِ حکیم میں ہرگز نہیں ملتے۔ جیسے ان انبیاء علیہم السلام کو ان جزوی القاب وخصائص کے باوجود سید المرسل علیہ افضل الصلوات والتسلیم پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح حضرت علی رضؓ کو اخوتِ نسبی کی وجہ سے خلفاءِ ثلاثہ رضؓ پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ حضور کی افضلیت علی الانبیاء پر دلائل قاہرہ کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت پر بھی دلائل قاطعہ موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خصائص

۱۔ آپ رضؓ صاحبہ کے تاجدار ہیں قرآنِ حکیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو صاحب پیغمبر فرمایا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کروگے تو (کچھ پروا نہیں)
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ	اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جبکہ
هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ۶۴)	حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا

تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۲۳۰)

اس آیت کریمہ میں حضرتؐ کے ساتھ اللہ نے اس مدد کا ذکر کیا ہے جو صرف حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ فرمائی۔ یعنی اس انتہائی مشکل اور خطرناک مرحلہ میں آپؐ کے معاون و مددگار ساتھی حضرت ابوبکرؓ ہی تھے اس آلۂ نصرت بننے کے لیے سب صحابہؓ سے اللہ نے آپؐ کو چنا اور صاحبِ پیغمبرؐ کا ساتھی، فرما کر گویا ناصر النبیؐ فرمایا نیز ثانی اثنین فرما کر یہ بتلایا کہ وہ دونوں ایسے جڑواں اور مساوی در مزاج و مصائب ہیں کہ ہر ایک کو ثانی اثنین دو میں کا دوسرا اور ایک دوسرے کی صورت و یادگار کہا جائے گا۔ اگر پیغمبرؐ اول ہیں تو صدیقؓ ثانی ہیں۔ اور خلافت بلافصل کا فیصلہ علیم و حکیم نے اسی لفظ میں فرما دیا۔ اگر اس سفر میں محافظ و باڈی گارڈ کی حیثیت سے صدیقؓ اول و آگے ہیں تو سرورِ کائنات ثانی اثنین اور عقب میں محفوظ چلے آرہے ہیں۔ یہ دونوں وہ لقب ہیں جو صدیقِ اکبرؓ سے ہی مخصوص ہیں۔ کوئی صحابی ان سے مشرف نہیں کیا جا سکتا۔ مقامِ نصرت و مشکلات میں صاحبِ پیغمبرؐ ہونا بہت بڑا مخصوص اعزاز ہے جیسے عام مسافروں کے ساتھیوں پر قیاس کرنا اور مدارِ فضیلت نہ ماننا قرآنِ حکیم کی روح و اسلوب پر ظلم ہے جو ملحدین کا شیوہ ہے۔ لاتحزن (تو میرا) غم نہ کر، میں یہ بھی تبلا دیا کہ صدیقِ اکبرؓ کو دین و دنیا کی سب سے قیمتی متاع سید الرسلؐ کی سلامتی کا اس مشکل ترین گھڑی میں فکر تھا۔ کیونکہ حزن کا معنیٰ دوسرے کے لیے غم کھانا ہے جیسے لف ونشر مرتب کے طور پر حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ۔ اے لوط! نہ خوف کر نہ غم بے شک ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو نجات دیں گے۔

روافض کا اسے غمِ پیغمبرؐ سے اپنی ذات کے لیے ڈر میں تبدیل کرنا، لغت و قرآن کی بدترین تحریف ہے۔ اگر اپنی ذات کا ڈر ہوتا تو اس خطرناک مرحلے میں ساتھ کیوں ہوتے مدت سے اس سفر کی تیاری میں کیوں رہتے۔ جب یہ بزدلی اور اپنی جان کا ڈر نہیں۔ بلکہ محبوب پیغمبرؐ کے عشق میں دُنیائے غم واندوہ کا غوطہ تھا تو یہ محبت کی اور ایمان کی زبردست دلیل ہوئی۔ بالغرض اگر یہ غم، غمِ جاناں نہ ہوتا اور لاتحزن کا شیریں بول عاشقِ صادق کے گوشِ ایمان میں نہ ڈالا جاتا تو دنیا کو عشقِ صدیقؓ پر شبہ ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

"یہ تین راتیں حضرت ابوبکر رضؓ نے کہ شمعِ نبوت کے پروانے تھے جس عالم میں بسر کی ہونگی ان کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو۔ اللہ کا رسولؐ غار میں پوشیدہ تھا۔ دشمن سراغ میں تھے۔ ہر لمحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگی تھیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا۔ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسولؐ کا مددگار ہے لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضہ ہے کہ محبوب کو خطرے میں دیکھ کر اضطراب ہو اس سے وہ اپنے دل کو روک

نہیں سکتے تھے۔ اگر رک سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا رسول رحمت سے ۱۸۶

لیکن پیغمبر اسلامؐ کے سکونِ قلب کا عالم دوسرا تھا۔ وہ بھی غمناک ہوتے تو تسلی کون دیتا۔ اگر کیفیتِ قلبی دونوں کی یکساں ہوتی تو "نبوت" اور "صدیقیت" میں فرق کیا رہ جاتا شکل اور آئینہ میں اصل اور ظل میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا کیونکہ اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے مومن اکمل ہونے پر مہر لگا دی۔ کیونکہ اللہ کی معیت منافقوں، ظالموں، ریاکاروں اور نافرمانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ مومنوں، پرہیزگاروں محسنوں، نیکوکاروں اور صابروں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے دسیوں ارشاداتِ ربانی ہیں۔

وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (انفال)	بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (نحل)	اللہ متقی اور نیکوکاروں کے ساتھ ہیں۔
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ)	اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ۔ (پس اللہ نے اس پر اپنی رحمت و تسلی نازل فرمائی) یہ جملہ بھی کچھ مفسرین کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی منقبت میں ہے۔ کیونکہ حزن کے دفاع میں آپ ہی کو سکون و تسلی کی حاجت تھی۔

علی ابی بکر ابن العربی قال علمائنا — یعنی ابوبکر رضؓ پر رحمت نازل فرمائی ہے اور

هو الاقوی لانه خاف علی النبی صلی الله علیه وسلم من القوم فانزل الله سکینته علیه بتامین النبی صلی الله علیه وسلم فسکن جأشه وذهب روعه وحصل الامن (قرطبی ج ۸ ص ۱۴۸)

عربی نے کہا ہے۔ ہمارے علماء کہتے ہیں یہی قوی تر تفسیر ہے کیونکہ وہی مشرکین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نقصان کا اندیشہ کر رہے تھے۔ پس اللہ نے آپ پر تسلی نازل کی کہ حضور علیہ السلام محفوظ رہیں گے تو آپ کا اندیشہ ختم گیا۔ فکر دور ہو گیا اور امن حاصل ہو گیا۔

رہا یہ شبہ کہ آگے پیچھے کی ضمیریں پیغمبرؐ کی طرف راجع ہیں اس کو صاحبہ کی طرف لوٹانا انتشارِ ضمائر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت اس کی نظیر ہے۔

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

(فتح ۲۶)

ہم نے پیغمبر نذیر و بشیر بھیجا تاکہ تم اللہ و رسول پر ایمان لاؤ۔ پیغمبرؐ کی خدمت کرو۔ اس کی عزت کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام

پہلی دو ضمیریں رسولؐ کی طرف راجع ہیں تیسری اللہ کی طرف کیونکہ اسی کی تسبیح کا ذکر بار بار قرآن میں آیا ہے۔

واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں

قصہ ہجرت اور واقعہ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی کی معیت و رفاقت مقبول پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ کوئی متعصب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مندرجہ ذیل شیعہ علماء نے انتہائی دشمنی اور تعصب کے باوجود حضرت صدیق اکبرؓ کے یارِ غار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ملا کاشی در تفسیر صافی ص ۱۹۳۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱۔ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۰۹-۲۲۷-۲۰۲۔ تفسیر حسن عسکری ص ۲۱۳۔ مرزا باذل ایرانی غزوات حیدری ص ۶۵۔ تفسیر منہج الصادقین ص ۲۱۱-۲۷۱۔ مقبول دہلوی ضمیمہ مقبول ص ۲۹۔ تفسیر قمی ص ۲۷۶ اور ۲۹۰ جہاں حضورؐ نے آپ کو انت الصدیق بھی فرمایا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین ج ۱ ص ۲۱۔ حملہ حیدری ص ۶۵۔

نزولِ آیتِ بالا سے قبل بھی حضرت ابوبکرؓ کا صاحب النبیؐ ہونا اس قدر زبان زدِ خلائق تھا کہ کفار بھی آپ کو اسی لفظ سے یاد کرتے تھے۔ ملا باقر علی مجلسی نے بروایت شیخ طبرسی ابن شہر آشوب وغیرہ سب مفسرین عامہ و خاصہ سے نقل کیا ہے کہ ایک کافر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آگیا۔ اسماءؓ دختر ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور کافروں کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں۔) آیت تلاوت فرمائی جب وہ قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے صاحب تو تیرے ساتھی نے میرا گلہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا پروردگارِ کعبہ کی قسم تجھے برا نہیں کہا ہے۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ مطلقاً کفار کی نظر میں بھی حضورؐ صاحب صدیقؓ اور صدیقؓ صاحب رسولؐ تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ مکی زندگی کی تبلیغی جاں فشانیوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی رفیقِ خاص تھے۔ ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

"کہ ایک مرتبہ ام جمیل زوجہ ابولہب حضورؐ کے تعاقب میں نکلی جب مسجدِ حرام میں داخل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کی خدمت میں تھے۔ بولے آپ اوجھل ہو جائیں کہیں یہ بکواس نہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ جب قریب آئی تو آپ کو نہ دیکھ سکی۔ ابوبکرؓ سے پوچھا کیا تو نے محمدؐ کو دیکھا۔ آپ نے کہا ابھی نہیں۔ پھر وہ واپس ہو گئی۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴۷ نیز مجلسی باب ۵۴ میں لکھتے ہیں۔

"کہ متواتر معجزات میں سے جن کو سنی و شیعہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ قریش سے تنگ آکر حضورؐ نے مدینہ کا رُخ کیا راستہ میں ام معبد کے خیمہ میں پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ و عامرؓ بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارلقیط بھی آپؐ کی خدمت میں تھے۔ آپؐ نے خشک تھنوں والی بکری کا دودھ اتنا دوہا کہ سب نے سیر ہو کر پیا (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹)

ایک مرتبہ حضورؐ کو اونٹ نے سجدہ کیا حضرت عمرؓ ساتھ تھے۔ عرض کیا ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا بلکہ خدا کو سجدہ کرو۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۵

راوندی وابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک انصاری کے باغ میں چند بکریاں تھیں آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا غیر خدا کو سجدہ روا نہیں ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۶)

مگر ان واقعات میں حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ پر طعن بھی کیا گیا ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ آپ کے ہمدم ساتھی اور رفیق خاص تھے اور حضورؐ کی ذات بھی غیر خدا تھی۔ آپ خدا کا عکس یا اوتار نہ تھے تاکہ عیسائیوں کی طرح آپؐ کو اوصاف خداوندی کا مظہر قرار دیا جائے۔ اور شیخین رضؓ کو حضور علیہ السلام سے کمال عشق و عقیدت تھی۔

مکی تبلیغی زندگی میں بارہا ایسا ہوا کہ کفار حضور علیہ السلام پر حملہ کرتے تو ابوبکر صدیق رضؓ مدافعت کرتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط کو حضرت ابوبکر رضؓ نے حضورؐ سے دھکیل کر فرمایا۔ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۳ بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اسی مدافعت میں ایک مرتبہ آپ اتنے شدید زخمی ہوئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش آئی تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر و عافیت پوچھی (کتب تاریخ)

الغرض ایسے واقعات حد و حساب سے باہر ہیں جن میں خلفاء ثلاثہ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی مکی زندگی میں محبت نبوی اور نصرت دینی اظہر من الشمس ہے ان کا کفار کے ہاں معذب اور مظلوم فی سبیل اللہ ہونا تاریخی حقیقت ہے۔ مثلاً کشف الغمہ ص ۲۴۵ ملاحظہ ہو اس کے برعکس سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ کے مدنی زندگی میں مجاہدانہ کارناموں کے باوجود مکی زندگی میں ایسی قربانیاں کم ہیں۔ حتیٰ کہ ملا باقر علی جیسے متعصب شیعہ مؤرخ بھی حیات القلوب و جلاء العیون میں حضورؐ کی محبت میں کفار کے ہاتھوں ستم رسیدگی یا مدافعت عن الرسول کا ایک واقعہ بھی ذکر نہ کر سکے۔ گویا جو مقام حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے مدینہ میں حاصل کیا وہ شیخین مکی زندگی میں قبل از ہجرت حاصل کر چکے تھے۔

۲۔ آپ رضؓ صدیقین کے سردار ہیں | افضلیت کی دوسری وجہ آپ کا صدیق ہونا ہے۔ گو اور صحابہ کرام رضؓ بھی مرتبہ صدیقیت پر فائز ہیں۔

جیسے ارشادِ ربانی ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ (حدید ۴) کہ یہی لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اپنے رب کے ہاں۔ مگر بطور لقب حضرت ابوبکر صدیق رضہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ اس لقب سے تمام صحابہ کرام میں ممتاز اور پکارے جاتے ہیں۔

۱۔ صاحب رجال کشی شیعہ نے حضرت بریدہ اسلمی رضہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضہ آئے تو آپ سے حاضرین صحابہ رضہ نے کہا۔ آپ صدیق اور ثانی اثنین ہیں آپ ان تین آدمیوں کے متعلق پوچھیں کہ وہ کون ہیں۔ مگر آپ نے نہ پوچھا۔ پھر حضرت عمر رضہ آگئے تو ان سے حاضرین نے کہا آپ فاروق ہیں۔ فرشتہ آپ کی زبان پہ بولتا ہے آپ ان تین آدمیوں کے متعلق حضور سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں۔ مگر آپ نے نہ پوچھا، پھر حضرت علی رضہ آئے تو حاضرین نے کہا اے ابوالحسن آپ پوچھیں۔ تو حضرت علی رضہ نے فرمایا میں پوچھوں گا اگر ان میں ہوا تو بھی خدا کا شکر ادا کروں گا اگر نہ ہوا تو بھی۔ وہ تین شخص حضرت مقداد رضہ، سلمان رضہ اور ابو ذر رضہ تھے، اس روایت میں گو شیخین پر افترا بھی کیا گیا ہے کہ انھوں نے اس اندیشے سے نہ پوچھا کہ اگر ان تینوں میں ان کا نام نہ ہوا تو ان کی قوم انھیں عار دلائے گی اور یہ افترا کرنا ہی تھا ورنہ اتنی اہم فضیلت والی روایت کتب شیعہ میں کیسے آسکتی تھی۔ مگر اس سے روز روشن کی طرح یہ تو واضح ہو گیا کہ دربارِ نبوت میں بھی حضرت ابوبکر رضہ و عمر رضہ۔ صدیق ثانی اثنین۔ اور فاروق ناطق بالملک کے لقب سے مشہور اور پکارے جاتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضہ کو صرف ابوالحسن کہا جاتا تھا۔

۲۔ اور یہ لقب آپ کو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا۔ شیعہ تفسیر قمی مطبوعہ نجف اشرف صفحہ ۲۹۰ میں ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ ثور میں تھے تو ابوبکر رضہ نے فرمایا۔ میں بطور مکاشفہ حضرت جعفر طیار رضہ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی نشستوں پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضہ نے عرض کی مجھے بھی دکھا دیجیے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا تو انھوں نے بھی دیکھ لیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ انت الصدیق رضہ۔ تم صدیق ہو۔

۳۔ شیعہ کے پانچویں امام ابو جعفر الباقر رحمۃ نے بھی آپ رضہ کو صدیق فرمایا ہے۔ آپ سے

سوال کیا گیا کیا تلوار کا دستہ چاندی کا لگوانا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ اس پر راوی نے کہا آپ اسے صدیق کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں صدیق رضؓ ہے۔ صدیق رضؓ ہے۔ صدیق رضؓ ہے ومن لم یقل له صدیق فلا صدق الله قوله. جو شخص آپ کو صدیق نہ کہے خدا اس کی بات سچی نہ کرے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲ ص۲۲ بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک ص۳۰۵)

گو شیعہ مؤلف نے ابن جوزی کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے مگر اس پر تنقید نہیں کی۔ نہ غلط بتایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی صحیح روایت ہے۔ احتجاج طبرسی میں بروایت امیرالمؤمنین یہ حدیث ہے کہ ہم (ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و علی رضؓ) حضورؐ کے ساتھ پہاڑ حرا پر تھے۔ وہ کانپنے لگا تو حضورؐ نے فرمایا۔ تھم جا تجھ پر نبی۔ صدیق رضؓ اور شہید رضؓ موجود ہیں۔ (بحوالہ آفتاب ہدایت)

جب ان ناقابل تردید دلائل سے آپ کا علی الخصوص صدیق ہونا ظاہر ہو گیا تو اس امت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ ہی افضل ہیں کیونکہ نبیوں کے بعد صدیقوں ہی کا رتبہ ہے۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا.

(نساء ۹۶)

(جو خدا اور رسولؐ کی تابعداری کریں) وہ ان لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے اور وہ بالترتیب یہ چار گروہ ہیں) انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین۔ ان کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔

۳۔ آپ رضؓ مصدقین کے امام ہیں۔

افضلیت صدیق پر تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الزمر پ۲۴ ع۱)

وہ پیغمبرؐ جو سچ لے کر آیا اور وہ شخص جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

شیعہ تفسیر مجمع البیان طبرسی پ۲۴ میں ہے۔

قیل والذی جاء بالصدق رسول الله وصدق به ابوبکر۔

کہا گیا ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور تصدیق کرنے والے

سے مراد ابوبکرؓ ذیل۔

گو اہلِ تشیع اپنی اس تفسیر سے چیں بجبیں ہوں مگر اہلِ سنت کے لیے تو بہرحال قابلِ استدلال اور نورِ چشم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب شانِ نزول حضرت ابوبکرؓ کے حق میں ہے تو قرآن پاک بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے کہ مومنِ اول اور اسبق الاسلام خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ اور اب تو یہ قدیم سنی شیعہ نزاع خود شیعہ نے یوں ختم کر دیا کہ خاص و عام کہتے ہیں حضرت علیؓ کو پہلا مسلمان کیوں کہا جاتا ہے۔ کیا وہ پہلے کافر تھے۔ ہم ان کو ازلی پیدائشی مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ تو اب صدیق اکبرؓ بلا نزاع و معارضہ مسلمِ اول ہیں جس کا معنیٰ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کے دعوئ نبوت کی تصدیق کر کے آپ کی عملی اتباع کی۔ گو شیعہ و صدق بہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ ان کے اصول کے مطابق غلط ہے۔ اولاً اگلے لفظ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ جماعت مصدقین کا تقاضہ کرتے ہیں۔ علم نحو کی رو سے جمع سالم صرف بالام کا عدد کم از کم ۱۰ سے شروع ہوتا ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ کے ہم خیال اور مومن مصدق تا زیست نبوی بھی ساڈھے دس عدد نہیں ہوئے۔ چہ جائیکہ آغازِ اسلام میں ان کے ہاں اس وقت صرف حضرت علیؓ۔ عمار، یاسرؓ مومن تھے۔ جمع کا مفہوم ان سے پورا نہیں ہوتا اہلِ سنت کے ہاں ان حضرات سمیت اور بھی دسیوں صحابہ کرامؓ مشرف باسلام ہو چکے تھے جن میں حضرت عثمانؓ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہ۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن الجراح۔ ابوسلمہ عثمان بن مظعون۔ عامر بن فہیرہ۔ سعید بن زید۔ ارقم بن ارقم۔ عمار۔ یاسر۔ ام الفضل اہلیہ عباس۔ اسماء بنت ابی بکر۔ اسماء بنت عمیس۔ فاطمہ بنت خطاب (خواہر عمرؓ) رضی اللہ عنہم۔ سابقین اولین اور درخشندہ ستارے ہیں۔ کسی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔ (کذا فی رحمۃ للعالمین ج ا ص۵۵)

ثانیاً اگلی متصل آیت لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا (تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی سب سے بڑی غلطی معاف کر دے) سے ان مصدقین کے گناہوں کے کفارہ کا بیان ہے۔ جو مذہب اہلِ سنت میں درست ہے۔ لیکن شیعہ کے ہاں حضرت علیؓ بے شک معصوم ہیں لہٰذا

اس آیت کا مصداق اصول شیعہ کے مطابق ہرگز نہیں بن سکتے۔

۴۔ آپ رضؓ مہاجرین میں اعلیٰ ہیں

افضلیت صدیق رضؓ پر چوتھی دلیل یہ آیت ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ (الانفال ۶-۱)	اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیے اور جنھوں نے جگہ دی اور نصرت کی برحق مومن وہی ہیں بخشش اور عزت کی روزی انہی کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول)

اس آیت کی رو سے مہاجرین و انصار قطعی مومن اور جنتی ہیں چنانچہ مفسر صاحب مجمع البیان اور تفسیر صافی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لانھم حققوا ایمانھم بالھجرۃ والنصرۃ والانسلاخ من الاھل والمال۔	کیونکہ انھوں نے اپنے ایمان کو ہجرت، نصرت دین اور گھر بار سے علیحدگی اختیار کرکے سچ کر دکھایا ہے۔

اور یہ بلاشبہ یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تو ہجرت مع الرسولؐ کرکے وہ اعلیٰ شرف پایا کہ جن و بشر اس پر رشک کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ میں صرف ابوبکر رضؓ کی ایک رات اور دن کے بدلے میں سب عمر کے اعمال صالحہ دینے کو تیار ہوں۔ ہجرت کی رات اور مرتدین سے جہاد کا دن۔ اور بروایت حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹ حضرت عمرؓ نے بھی حضورؐ کے ساتھ (جزوی ہجرت) کا شرف پایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے براہِ راست تنہا حضور صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اور اس نصرت کو اللہ نے اپنی نصرت سے تعبیر فرمایا۔ لہٰذا وہ سب صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں۔

۵۔ حضرت صدیق رضؓ الاتقیٰ ہیں

پانچویں دلیل سورت والیل کی یہ آیت کریمہ ہے۔

وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہٖ	اور عنقریب اس سے وہ سب سے بڑا پرہیزگار بچا لیا جائے گا۔ جو مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے

الْأَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (پ ۳۰) اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے۔ اور آگے چل کر وہ ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔ (ترجمہ مقبول)

اہل سنت کی معتبر تفسیریں مثلاً ابو مسعود۔ روح المعانی تفسیر کبیر بیضاوی۔ ابن کثیر مدارک وغیرہ تو اس آیت کو حضرت صدیق اکبر رضؓ کی شان میں عبارت النص کے طور پر بتا رہی ہیں لیکن اہل تشیع کی معتبر و مہذب تفسیر مجمع طبرسیؒ میں بھی ہے۔

ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ	بلا شبہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضؓ کی شان میں
اشتری ممالیک الذین اسلموا	اتری کیونکہ آپ ہی نے ان غلاموں کو
مثل بلال و عامر ابن فہیرۃ و	خرید کر آزاد کیا جو مسلمان ہوئے۔ جیسے حضرت
غیرھما واعتقھم (بحوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۰۱)	بلال رضؓ، عامر بن فہیرہؓ وغیرہ۔

شیعہ کے خاتم المحدثین مجلسی نے بھی لکھا ہے کہ بلال رضؓ کو حضرت ابوبکر رضؓ نے دو غلاموں کے بدلے خریدا (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۴۳)

یہاں اسم تفضیل کا صیغہ الاتقیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حق میں استعمال فرمایا ہے اور سب سے بڑا پرہیز گار ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ کہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ شان والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیز گار ہو گا (حجرات ۲۶)

نیز سورت نور کی آیت کریمہ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ (کہ تم میں سے جو شان والے اور مالدار ہیں وہ (ایک صدمہ کی وجہ سے) اپنے قریبی رشتہ داروں کو مالی امداد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں) بھی بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حق اتری ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ۳ میں اس کا شان نزول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو بتایا ہے۔ تو ان آیات کریمہ کی رو سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سب سے افضل اور بڑی شان والے ٹھہرے۔

۶۔ آپ بحکم نبوی امام نماز ہیں

افضلیت کی چھٹی دلیل آپ کا امام نماز بر مصلے نبوی ہونا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو سب امت سے افضل تسلیم کر کے اپنے مصلی پر نماز کے لیے کھڑا کیا۔ اگر حضرت علیؓ یا کوئی اور صحابی افضل ہوتے تو ان کو امام بنایا جاتا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر آپ سب امت کو بقول شیعہ اشتباہ وگمراہی میں نہ ڈالتے۔ کیونکہ منجملہ دلائل جلی وخفی نصوص کے سب صحابہ کرامؓ نے اسی سنت کی اقتدا میں امامت کبریٰ (خلافت) کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی اور سب امت نے آپ کو افضل تسلیم کیا۔ ثبوت امامت پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سنی وشیعہ کی مشترک وقدیم تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۶ پر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ... کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نماز کا وقت ہو چکا ہے ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ نے مشورہ دیا کہ ابوبکرؓ نرم دل ہیں۔ عمرؓ سے آپ کہیں حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں ابوبکرؓ سے کہو۔ حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔ حضورؐ نے کچھ افاقہ محسوس کیا تو مسجد میں چلے گئے۔ جب ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھینچ کر پہلی جگہ کھڑا کر دیا۔ پھر آپ ایک طرف بیٹھ گئے اور وہاں سے قرأت شروع کر دی جہاں ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی۔ دوسری روایت میں حضرت ابوبکرؓ کو حکم نبوی دینے کے علاوہ یہ تصریح بھی ہے کہ انہوں نے حیات رسولؐ میں ۱۷ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔

(طبری ج ۳ ص ۱۹۷)

۲۔ شیعہ کی مستند مخصوص تاریخ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۵۲۵ کتاب دوم پر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اسی طرح نہج البلاغہ کی معتبر شرح درہ نجفیہ ص ۲۲۵ پر ہے۔

کان عند خفة مرضه یصلی	معمولی بیماری میں تو آپ خود نماز پڑھاتے
بالناس بنفسه فلما اشتد به المرض	تھے جب مرض میں اضافہ ہو گیا تو حضرت

امر ابابکر ان یصلی بالناس وان ابابکر صلی بالناس بعد ذٰلک یومین ثم مات

ابوبکرؓ نے اس کے بعد دو دن تک نمازیں پڑھائیں۔ پھر حضورؐ نے رحلت فرمائی۔

اور یہ مسئلہ تو سنی و شیعہ میں مسلم ہے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے۔ من لا یحضرہ الفقیہ باب الامامۃ میں ایسی کئی احادیث ہیں۔ مثلاً

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قوم کا امام ان میں سے افضل ہوتا ہے۔ تو تم اپنے افضل کو امام بناؤ۔ ص۱۰۳۔

۲۔ نیز فرمایا۔ اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ اپنی نمازیں ستھری پڑھو تو اپنے بہترین لوگوں کو پیش امام بناؤ۔ نیز حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کو نماز پڑھائی اور ان میں اس سے زیادہ عالم بھی تھا تو ان کا معاملہ قیامت تک نقصان میں رہے گا۔ ص۱۰۳۔

۷۔ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کے مقتدی تھے

حضرت علیؓ بھی بحکم نبوی امامتِ ابوبکرؓ کو بسر و چشم قبول کر کے آپ کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے رہے۔ شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر قمی اور احتجاج طبرسی ص۶۰ پر ہے۔

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف ابی بکر

پھر آپ اٹھے۔ نماز کی تیاری کی اور مسجد میں آ کر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

شیعہ مجتہد محمد باقر اصفہانی نے مشہور کتاب مرآۃ العقول ص۳۸۸ پر بعینہٖ یہ عبارت نقل کر کے حضرت علیؓ کے ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اعتراف کیا ہے۔

شیعہ مترجم مولوی مقبول نے بھی ضمیمہ ص۱۵ پر لکھا ہے۔ پھر وہ (حضرت علی المرتضیؓ) اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکرؓ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے۔

شیعہ کی اردو کتاب غزوات حیدری ص۶۲۷ پر حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق لکھا ہے۔

"پس بے اختیار اٹھے اور گزرنے وقت سے بہت گھبرائے۔ ناچار آں کر اقامت کہی اور جماعت اہل دین نے عقب ان کے صف باندھی۔ چنانچہ اس صف میں شاہ لافتی"

بھی تھے ۔ (بحوالہ رسالہ شان صدیق اکبرؓ ص۱۲ از علامہ تونسوی)

حضرت ابوبکرؓ کی امامتِ نماز ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ غالی سے غالی کینہ ور شیعہ ملا باقر علی مجلسی بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ "و دراں وقت ابوبکرؓ در جائے آنحضرت ایستادہ بود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص۵۹۶) کہ نماز کے وقت ابوبکرؓ حضورؐ کی جگہ (نماز پڑھا رہے تھے۔ مگر یہ کہہ کر بھی دروغ گوئی کی حد کر دی کہ ابوبکرؓ از خود مصلیٰ پر چڑھ گئے تھے۔ اور کئی لوگوں نے اقتدا نہیں کی تھی۔" بھلا بغیر اجازت حضرت ابوبکرؓ مصلیٰ نبوی پر کھڑے ہونے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔ جبکہ آج بھی مولی سے امام و خطیب کے مصلیٰ و منبر پر کوئی نہیں چڑھ سکتا ورنہ نمازی مانع ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو لوگوں کی مخالفت سے مسجد نبوی میں کہرام مچ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ ضمیمہ در عتاب ہوتے اور یہ تواتراً منقول ہوتا مگر شیعہ کی اتنی کذب بیانی سے ہمیں ذرا تعجب نہیں کیونکہ تقیہ کی آڑ میں بڑے حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا ہی ان کا عین مذہب و ایمان ہے اور بقاء شیعہ کا راز اسی میں مضمر ہے۔

۸۔ افضلیتِ صدیقؓ پر تمام امت کا اتفاق ہے

ساتویں وجہ افضلیت یہ ہے کہ آپ پر تمام امت کا اجماع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی) ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی برحق مومن ہیں) ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یہی سچے ہیں) ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ (یہی سیدھی راہ پر ہیں) کے منجانب اللہ تمغے حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور بیعت برضا و رغبت کی۔

۱۔ حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور یہ بیعت خلافت تھی۔ (احتجاج طبرسی ص۵۶)

۲۔ نیز احتجاجِ طبرسی ص۵۲ پر بھی ہے۔

ثم قام فتناول ید ابی بکر فبایعہ   پھر حضرت علیؓ اٹھے اور ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بیعت کی۔

۳۔ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور لوگوں کو بیعت سے نہ روکا تاکہ لوگ

مرتد نہ ہو جائیں۔ (کافی کتاب الروضہ ص ۱۳۹)

۴۔ یہی وہ تین حضرات میں (مقداد، ابوذر، سلمان فارسیؓ) جو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکاری رہے حتی کہ حضرت امیر المومنین علیؓ آ گئے تو انہوں نے بیعت کی (پھر ان تینوں نے بیعت کر لی) (کافی روضہ ص ۲۴۶)

۵۔ حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ بیعت ابوبکرؓ کریں۔

وبیعت کن با ابوبکر پس سلمان بیعت	آپ ابوبکرؓ کی بیعت کریں۔ پس سلمان (فارسی)
کرد۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷۶)	نے بیعت کی۔

۶۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ سب امت نے تو برضا ورغبت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی مگر حضرت علیؓ اور ان تین چار حضرات نے تقیہ کر کے با دلِ نخواستہ بیعت کی۔ جیسے طبرسی کہتے ہیں۔

ما من الامة احد بایع مکرھا	کہ امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس نے
غیر علی واربعتنا فانہ بایع مکرھا	مجبوراً حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی ہو بجز
حیث لم یجد اعوانا (احتجاج طبرسیؒ)	حضرت علیؓ اور ہمارے چار ساتھیوں کے

آپ نے مجبوراً اس لیے کی کہ اپنے مددگار کوئی نہ پائے۔

ان چار حضرات پر تقیہ کا بہتان غلط ہے کیونکہ انہوں نے صرف حضرت علیؓ کے حکم و عمل تک توقف کیا جب آپ نے کر لی تو انہوں نے برضا اتباع مرتضوی میں کر لی۔ (روضہ کافی ص ۲۴۶) حضرت سلمانؓ نے بامر مرتضوی کی۔ رہا حضرت علیؓ کا تقیہ تو شیر خدا پر اس سے بڑا بہتان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر میں کچھ ہوں اور باطن میں کچھ اور کیونکہ یہی منافقت ہے۔ کیا شیعہ نے حضرت علیؓ کا سینہ چیر کر دیکھا تھا یا کسی نئی آسمانی وحی نے ان کو بتایا؟ الغرض بیعت علوی اور تمام مسلمانوں کا اتفاق بر صدیقؓ ثابت ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ و ابوبکرؓ کے مرتبہ کا موازنہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک طرف سب امت اور تمام مہاجرین و انصار ہیں۔ دوسری طرف بقول شیعہ صرف چار حضرات ہیں۔

۷۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین ج ۲ ص ۵۶۶ میں روضۃ الصفا کے حوالے

سے تمام مہاجرین و انصار کے اتفاق کا ذکر ہے۔

۸۔ جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنودی با و سکون و اطمینان بسوئے اُنمودند۔ گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ است و خارج است از اسلام۔ (بحار الانوار مترجمہ شیعہ نعمیٰ بحوالہ اہلِ سنت پاکٹ بک ص ۳۱۲)	تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی۔ اور آپ سے رضا و خوشنودی کا برملا اظہار کیا اور آپ کے سکون و اطمینان سے تابعدار ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آپ کا مخالف بدعتی ہے۔ اور اسلام سے خارج ہے۔

نوٹ جن لوگوں نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ آپ سے جبراً بیعت لی گئی اگر آپ کے ساتھی ہوتے تو ابوبکرؓ کو خلیفہ نہ ہونے دیتے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ شیعہ خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ والدِ معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ خلافت قریش کے کمزور خاندان میں کیسے چلی گئی اگر چاہو تو میں تمہارے لیے ابوبکرؓ کے خلاف سوار اور پیادوں کا لشکر بھردوں۔ آپ نے اسے فرمایا تم کب سے اسلام کے دوست بنے ہو (کہ افتراق کی ترغیب دیتے ہو) ہم اگر حضرت ابوبکرؓ کو اس کام کا اہل نہ دیکھتے تو اسے کبھی خلیفہ نہ بناتے۔ بلکہ اہلِ بیت کے سرخیل زید بن علی بن حسینؓ اپنے آباء و اجداد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ آیا کوئی اس بیعت کو مکروہ سمجھنے والا ہو تو میں اسے واپس کر دوں۔ تین مرتبہ اسی طرح کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؓ کھڑے ہو کر یہ کہتے خدا کی قسم نہ ہم اس بیعت کو واپس کریں گے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس بیعت کو واپس کریں۔ وہ کون ہے جو آپ کو ہٹا سکے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مقدم کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۱ ابونعیم وغیرہ)

۹۔ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے افضل سمجھے جاتے تھے

گو سب صحابہ کرام رضؓ کے دلوں میں حضرت ابوبکرؓ کا معزز ترین ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر اتمامِ حجت کے طور پر یہ بتلانا مقصود ہے کہ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو یہ مقام حاصل تھا۔ اہلِ سنت والجماعت

کی صحاح کی یہ حدیث مشہور ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے برابر کسی صحابی کو نہ جانتے تھے (بخاری ج ۱ صہ ۵۲۳)

ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بروایت طبرانی آپ کے سامنے ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اس امت کے سب سے افضل فرد حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں اور حضورؐ اس کو رد نہیں فرماتے تھے (فتح الباری)

خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ جانتے اور بلاتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ کی شادی کے موقعہ پر حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی طلحہ۔ زبیر رضی اللہ عنہم کو اسی ترتیب سے بلایا۔ (کشف الغمہ وجلاء العیون کتب شیعہ قصہ تزویج)

شیعہ حضرات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے یوں مسخ کرکے پیش کیا ہے۔

۱۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ یہ جماعت صحابہؓ کے نامور قبیلوں اور ان کے اشراف و بزرگوں کی تھی اور اس جماعت میں سے کوئی ایک نہ تھا مگر بہت بڑی خلقت اس (ابوبکرؓ) کے تابع تھی اور اس کی فرمانبرداری کرتی تھی اور ان کے (العیاذ باللہ) خبیث دلوں کی گہرائیوں میں ان کی عمرؓ کی محبت جمی ہوئی تھی۔ جیسے بنی اسرائیل کے دل میں بچھڑے اور سامری کی محبت رچی ہوئی تھی۔ (حیات القلوب ج ۲ صہ ۵۶۱)

۲۔ حضورؐ نے غائبانہ ایک شخص کے امیر بنانے کا تذکرہ فرمایا۔ صحابہؓ میں سے ایک نے کہا وہ ابوبکرؓ ہیں۔ فرمایا نہ۔ اس نے کہا کیا عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہ۔ عرض کیا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو جوتا مرمت کر رہا ہے۔ وہ حضرت علیؓ تھے۔ (حیات القلوب صہ ۳۳۴ کشف الغمہ صہ ۲۸۱) صحابہؓ کے ذہن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سبقت واضح ہے۔

۳۔ حضرت مقداد کی طرف منسوب ہے۔ مجھے اس پر غم ہے کہ قریش نے اہل بیت کی وجہ سے سب لوگوں پر عزت پائی۔ پھر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے لے لیں۔ (حیات القلوب ج ۲ صہ ۶۷۶)

۴۔ اور وہ دو شخص (ابوبکرؓ و عمرؓ) جو قریش کے بت تھے اور وہ ان کو امیر المؤمنین

اور تمام صحابہ کرام رضی پر افضلیت دیتے تھے اور ان کا نام برائی سے لینے میں تقیہ کرتے تھے۔
(حیات القلوب ج۲ ص۴۷۵)

۵۔ شیعہ بر اس اعتراض کے جواب میں ۔ کہ اگر شیعہ مذہب حق تھا تو امام اول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو کیوں ظاہر نہ کیا؟ شیعہ کے علامہ نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین ص۷۵ پر لکھتے ہیں۔

"دیگر بات یہ ہے کہ حضرت امیر رضی نے اپنے عہد خلافت میں دیکھا کہ رعایا کی اکثریت (بلکہ تمام ہم) حضرت ابوبکر رضی و عمر رضی کی حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں۔ تو اس پر قدرت نہ پائی کہ ایسا کام کریں جس سے ان کی خلافت میں خرابی لازم آئے۔۔۔۔ اور قدرت کیسے رکھتے جبکہ اس زمانہ کی اکثریت (بلکہ سب ہم) کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت امیر رضی کی امامت خلفاء ثلاثہ رضی کی امامت پر مبنی ہے اور ان کی امامت کے فساد سے حضرت علی رضی کی امامت فاسد ہوگی۔ اور مشہور ہے کہ حضرت امیر رضی نے لوگوں کو نماز تراویح سے جو بدعت عمری ہے (معاذ اللہ) منع کیا۔ سب لوگ چیخ اٹھے اور آوازیں بلند کیں کہ واہ عمراہ۔ حتی کہ حضرت نے مصلحت وقت کے لیے ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امیر رضی کی خلافت بجز نام سے زیادہ نہ تھی۔" انتہی بلفظہ

"شیر خدا کے شیعہ مذہب ظاہر نہ کرنے" کا یہی جواب۔ دلدار علی نے اساس میں مولوی حامد حسین نے استقصار میں حتی کہ زمانہ حال کے مؤلف "تجلیات صداقت" محمد حسین ڈھکو وغیرہ نے دیا ہے اور دیتے آئے ہیں جس کی سخافت ظاہر ہے۔

الغرض حضرت ابوبکر رضی و عمر رضی کی محبت کو لوگوں کے دلوں سے کجا بلکہ اپنے دل سے بھی شیر خدا جیسی طاقت نہ مٹا سکی کیونکہ آپ سے خود علی الاعلان ان کی تعریفیں نہج البلاغہ میں مسطور ہیں۔ بلکہ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ میں ہے کہ حضرت علی رضی سے ۸۰ سندوں کے ساتھ برسر منبر یہ مقولہ مروی ہے۔

خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر ثم عثمان

پیغمبر کے بعد اس امت کے سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی و عمر رضی و عثمان رضی ہیں۔

شرم وحیا جیسے انسانی جوہر سے محروم باقر علی مجلسی جیسے متعصب اس حقیقت کو بے شک قریش کے بتوں یا بنی اسرائیل کے بچھڑے اور سامری سے تعبیر کریں۔ مگر یہ تو بتائیں کہ بت شکن سرورِ کائنات نے ان بتوں کو کیوں گلے لگایا۔ عمر بھر دربار میں اور پہلو میں جگہ دی۔ وفات کے بعد روضہ اقدس و برزخ میں کیوں کر رفاقت بخشی اور حشر کا اعزاز کس لیے بخشا۔ کیوں ان کی خلافت کی بشارت سنائی۔

ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی	ابوبکر رض میرے بعد متصل خلیفہ ہوں گے اس
ثم بعدہ ابوك فقالت من انبأك	کے بعد تیرے والد عمر رض ہوں گے۔ حفصہ نے آپ
هذا قال نبأنی العلیم الخبیر۔	کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم وخبیر نے خبر

دی ہے۔ (تفسیر قمی ص ۳۵۴ مجمع البیان ج ۵ ص ۳۱۴ تفسیر صافی ص ۵۲۳ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۰ باضافہ لفظِ عمر۔)

(مجلسی جیسوں کے جورکے اضافے ہم پر حجت نہیں اگر وہ یہ پیوند نہ لگائیں تو کتب شیعہ میں یہ بشارت کیسے راہ پائے؟)

سوال یہ ہے کہ حضور نے ان بتوں کو توڑا کیوں نہیں۔ اس سامری اور بچھڑے کو ریزہ ریزہ کیوں نہ کیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے عہد کا سامری اور بچھڑا ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا خلیفہ بنا رہا؟ اور کیا حضور نے سنتِ موسوی کو ترک کر کے اپنے مشن کو نقصان نہیں پہنچایا؟ ع بشرم شرم۔

حالانکہ آپ کے امام ہنجم حضرت باقرؒ نے فیصلہ فرما دیا ہے۔

لست بمنکر فضل ابی بکر و	میں نہ حضرت ابوبکر رض کی شان کا منکر ہوں۔
لست بمنکر فضل عمر و لکن ابابکر	نہ حضرت عمر رض کی شان کا۔ لیکن (اعتقاد یہ
افضل (احتجاج طبرسی ص ۲۳۰ بحوالہ آفتاب	ہے کہ حضرت ابوبکر رض سب سے افضل ہیں۔

ہدایت۔)

ازالۃ الخفاء کے حوالے سے حضرت علی رض سے تفضیلِ شیخین رض کا جو مشہور جملہ ہم نے نقل کیا ہے کئی سندیں راقم کی نظر سے مسند احمد مرویات علی رض میں سے گزریں۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶ پر چند سندوں میں سے ایک کا نمونہ یہ ہے۔

آپ نے اپنے ساتھی ابوجحیفہ سے فرمایا۔ کیا میں تم کو اس امت کے سب سے افضل بعد از پیغمبر حضرات نہ بتاؤں؟ اس نے کہا بتائیے۔ آپ نے فرمایا میرے اعتقاد میں ان سے افضل اور کوئی نہیں ہے۔ نبی ؐ کے بعد اس امت میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر رضؓ ہیں۔ ابوبکر رضؓ کے بعد عمر رضؓ ان کے بعد ایک اور تیسرے (عثمان رضؓ) ہیں جن کا نام نہ لیا۔ نیز نہج البلاغہ کی مصدق وہ کئی روایات بھی ہیں۔ جن میں شیخین رضؓ کی خلافت کی تصدیق ہے۔ مثلاً دو ملاحظہ ہوں۔

ا۔ حضرت علی رضؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق کوئی صریح چیز نہ دی تھی۔ جسے ہم لیتے۔ ہاں یہ چیز ہمارے اپنے مشورے سے ہوئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ بنے اللہ کی آپ پہ رحمت ہو تو آپ نے دین قائم کیا اور خود بھی دین پہ جمے رہے۔ پھر حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو تو دین قائم کیا اور مستقیم رہے حتیٰ کہ دینِ اسلام نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا (مضبوطی سے قائم ہوگیا) مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۴۔

دوسری روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضؓ خلیفہ ہو کر حضور ؐ کے عمل اور سیرت پہ چلے اور حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہو کر حضرت ابوبکر رضؓ کے عمل اور سیرت پر چلے حتیٰ کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی (مسندِ احمد ج ۱ ص ۱۲۸)

صدیقِ اکبر رضؓ کی فضیلت میں قلم کو یہاں بریک لگا کر مختصراً شیعہ دوست کے اس کفریہ جملہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو کہ "حضرت علی رضؓ بعد از رسول ؐ تمام کائنات سے افضل واکمل ہیں"۔

انبیاء علیہم السلام سب کائنات سے افضل ہیں

واضح رہے کہ یہ صرف غالی شیعہ کا اپنا کفریہ عقیدہ ہے جو مفوضہ کی ایجاد ہے اور ان کے خاتم المحدثین مجلسی نے تو اور ہی کمال کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر وسائر ائمہ افضلند از سائر پیغمبراں و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود دریں باب روایت کردہ اند (حیات القلوب ص ۵۲۶)

اکثر علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر اور باقی سارے ائمہ باقی سب پیغمبروں سے افضل ہیں اور احادیثِ مشہورہ بلکہ متواترہ اس باب میں اپنے پیشواؤں سے نقل کی ہے۔

مگر کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن و سنت اور احادیث اس کی اجازت دیتی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک رکوع میں ۱۸ انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کر کے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الانعام) — اور ہم نے ہر ایک کو تمام عالموں پر فضیلت دی (ترجمہ مقبول)

آگے فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔۔۔۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام ع ۱۰) — وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے۔ پس اے رسولؐ تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول)

جن نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضیلت بخشیں اور کتاب، حکومت اور پیغمبری عطا فرمائیں اور بواسطہ پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی ان کی پیروی کا حکم دیں۔ کتنے ظلم اور افسوس کی بات ہے کہ امت محمدیہ کے ۱۲ حضرات (شیعی ائمہ) انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کریں۔ حالانکہ وہ خود انبیاء کے مقتدی اور پیروکار ہیں۔ ان کی وراثت علمی سے خوشہ چینی کرنے والے ہیں۔ ان پہ نہ کتاب اتری۔ نہ ان کو شریعت اسلامیہ نافذ کرنے کی حکومت ملی۔ نہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر افضلیت کیسی؟ یہ دعویٰ تو چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کا مصداق ہے۔

اگر اپنی مخصوص موضوع روایت کے پیش نظر شیعہ کا یہ اعتقاد ہو کہ ان پر بھی کتاب اتری (دو صحائف ۱۲ آئمہ کے لیے۔) یہ بھی انبیاء کے مماثل و ہمسر معصوم۔ واجب الاتباع اور احکام شرع کے حلال و حرام بنانے میں خود مختار ہیں اور امت کے لیے براہ راست مقتدا اور پیشوا ہیں (جیسے کہ کافی سے تفصیل سوال نمبر ۲ کے تحت آئے گی) تو پھر کھل کر ان کو پیغمبر کہہ دیں اور ختم نبوت کا انکار کر کے ایک الگ امت کہلائیں اور مسلمانوں کا پیچھا چھوڑیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم کرنے کا یہی نسخہ اکسیر ہے (دیدہ باید)

تشیعی احادیث میں بھی انبیاءؑ افضل ہیں | آئمہ کی انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کا

عقیدہ شیعہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اصول کافی باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث (امام) میں رسول اور نبی کی تعریف کے بعد امام کی تعریف میں امام باقرؒ کا یہ ارشاد منقول ہے "کہ امام وہ ہوتا ہے جو نیند میں فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر نبی اور رسول کی طرح فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتا۔

۲۔ پیغمبر نبوت اور علم امامت۔ دو چیزوں کا حامل ہوتا ہے۔ مگر امام کو صرف علم امامت ملتا ہے (کافی ج ۱ ص ۱۷۶)

۳۔ امام جعفرؒ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاءؑ کو آتی ہے پھر ان کے بعد والوں کو۔ پھر ان کے بعد والوں کو۔ (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

۴۔ سب لوگوں سے زیادہ ابتلاء انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے پھر اوصیاء کو پھر ان کے بعد والوں کو درجہ بدرجہ ہوتا ہے (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

جب ابتلاء درجہ بندی کے تحت ہوتا ہے تو سب سے زیادہ ابتلاء والے اولاً مذکور انبیاء علیہم السلام تمام اوصیاء سے افضل ٹھہرے اور یہ بالکل واضح ہے۔

عقلاً بھی یہ عقیدہ لغو ہے۔ کیونکہ شاگرد استاذہ کی صف میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ نہ تابع متبوع سے بڑھ سکتا ہے۔ ہائی کلاسز کے درجہ اول کے طلباء خواہ وہ مانیٹر ہی کیوں نہ ہوں ادنیٰ کلاسوں کے معلمین کے برابر علم یا رتبہ میں نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افضل مانے جائیں۔ اس سے بعض شیعوں کے اس ڈھکوسلے کا جواب بھی ہو چکا جو کہتے ہیں "کہ جب حضورؐ کی نبوت ہمہ گیر اور وسیع ہے تو آپ کے ماتحت راہبروں کا مرتبہ بھی سابقہ انبیاء سے بڑا ہونا چاہیے"۔ کیونکہ کسی بڑی ترقی یافتہ مملکت کا ملازم درجہ اول ہی کا کیوں نہ ہو۔ ملازم ہی ہے۔ وہ اصولاً کسی صورت میں کسی چھوٹی حکومت کے سربراہ اور صدر کا اعزاز کبھی نہیں پا سکتا۔

سوال ۵۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ وغیرہم سے کثرت سے احادیث پیغمبرؐ مروی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ و حضرت امام حسن مجتبیٰؓ اور حضرت امام حسین علیہم السلام دیگر بزرگوں

سے علم میں کم تھے یا نہیں آنحضرت کے پاس رہنے کا ابوہریرہؓ وغیرہ سے کم موقعہ ملا تھا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرتے وقت حدیث نبوی۔ انا مدینة العلم و علی بابها و اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب زیر نظر رہے۔

الجواب۔ اللہ تعالیٰ خالق کارخانہ گوناگوں نے فطری اصول کے مطابق ہر ایک صحابیؓ کو ایک دوسرے سے مختلف اور متنوع قسم کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ خدا پنج انگشت یکساں نکرد۔ ہر فرد اور شخصیت کو ایک ہی پیمانہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کسی کو علم کم ملی کسی کو زیادہ۔ کسی کو وعظ و پند کی مجالس زیادہ نصیب ہوئیں کسی کو کم۔ کسی کو سیاست سے لگاؤ رہا کسی کو تعلیم و تعلم سے۔ کسی کو ہونہار اور لائق شاگرد اور پاکیزہ ماحول میسر آیا اور ان کے علمی حلقے اور درسگاہیں مشہور ہوئیں اور کچھ اپنے حبداروں کے ہاتھوں ہی اذیت ناک چرکے سہہ سہہ کر اپنے مولا سے جا ملے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل او را در دلش انداختند

بلاشبہ مذکورہ بالا تینوں حضرات اہل سنت کے ان مکثرین صحابہ میں سے ہیں جن کے نام مع مرویات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۸ھ۔ ۵۳۷۴۔ ۲۔ خادم رسولؐ انس بن مالکؓ المتوفی ۹۳ھ ۲۲۸۶۔ ۳۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ المتوفاۃ ۵۸ھ ۲۲۱۰۔ ۴۔ عبداللہ بن عباسؓ المتوفی ۶۸ھ ۱۶۶۰۔ ۵۔ عبداللہ بن عمرؓ المتوفی ۷۳ھ ۱۶۳۰۔ ۶۔ جابر بن عبداللہؓ المتوفی ۷۸ھ ۱۵۴۰۔ ۷۔ ابوسعید خدریؓ المتوفی ۷۴ھ ۱۱۷۰۔

ان حضرات سے اہل بیت کے تقابل کی کیا ضرورت ہے۔ خلفاء راشدینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہستیاں بھی اس جماعت میں نہیں حالانکہ وہ سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۴۹ اردو میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر اصحاب آپ سے حدیث بیان کرنے میں بہ نسبت اوروں کے بہت کم رہے۔ مثلاً ابوبکرؓ۔ عثمانؓ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ سعیدؓ بن زید بن عمرو۔ ابیؓ بن کعب۔ سعدؓ بن عبادہ وغیرہم ان لوگوں سے کثیر احادیث نہیں

آئیں جیسے نوجوان اصحاب مثلاً جابرؓ ۔ ابوسعیدؓ ۔ ابوہریرہؓ کے ہم پلہ لوگوں سے یہ سب کے سب فقہائے اصحابِ رسول اللہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ رسول اللہ کے ایسے بہت سے اکابر اصحاب آپ کی وفات سے قبل اور بعد آپ کا علم لے گئے۔ ان سے کچھ زیادہ منقول نہیں اور یوں کثرت اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی حاجت نہ ہوئی۔"

در اصل کثرت روایت کا مدار علو مرتبت نہیں بلکہ دیگر وجوہ ہیں کہ ان حضرات نے روایت حدیث اور تعلیم و تعلم کو ہی نصب العین بنایا۔ پھر عمریں بھی زیادہ پائیں اور ہزاروں ہونہار شاگرد نصیب ہوئے۔

نیز روایت و تحدیث کی عہدِ نبوی میں تو خاص حاجت نہ تھی۔ بعد میں جوں جوں تمدنی و معاشرتی مسائل کثرتِ فتوحات سے پیدا ہوتے گئے علمِ حدیث و فتویٰ کی روایت روز افزوں بڑھتی گئی۔ زیادہ عمر پانے والے صحابہ کو علم پھیلانے کا زیادہ موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑے عالم تھے۔ بخاری شریف جز اصلہٗ پر صحابہ کرام کا بیان ہے وکان ابوبکر اعلمنا۔ مگر حضورؐ کے بعد کمی عمر ۔ دو سال ۳ ماہ ۱۰ دن ۔ اور امورِ خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے احادیث کم مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور علی المرتضیٰؓ سے بالترتیب ۵۳۹ - ۵۸۶ احادیث اور حضرت عثمانؓ سے ان سے کم مروی ہیں۔ مگر ان کی علمیت کے پیشِ نظر یہ بہت کم ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ دیگر مکثرین کی نسبت عمریں کم اور اہم ملکی و سیاسی کاموں میں مصروفیت زیادہ تھی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے حضورؐ کے بعد صرف چھ ماہ خانۂ مرتضوی کو روشن کیا۔ کم گوئی اور شرمیلا پن اس پر اضافہ ہے۔ بقول شیعہ یہ چھ ماہ کا عرصہ خلافت اور باغ فدک چھن جانے کے غم میں گزرا۔ روایت کیسے سناتیں۔ حضرت حسنینؓ گو بڑی محترم ہستیاں ہیں اور عمریں بھی لمبی پائیں لیکن والد ماجد کے مقابلے میں علمی مزاج بہت کم رکھتے تھے۔ سیاسیات میں زیادہ مشغول رہے۔ تحدیث و افتاء کے حلقے اور مدارس قائم نہیں کیے۔ بقول شیعہ سبطِ اکبرؓ کی عمر کا اکثر حصہ شادیوں میں مصروف رہا۔ کل شادیوں کے متعلق مجلسی نے لکھا ہے قرب اسناد میں معتبر سند کے ساتھ حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت ہے اور ابنِ آشوب نے روایت کی ہے

کہ امام حسنؓ نے ۲۵۰ اور ایک روایت کے مطابق ۳۰۰ عورتوں سے نکاح کیا حتیٰ کہ امیرالمومنین نے منبر پر فرمایا کہ حسنؓ بہت طلاق دیتے ہیں اپنی لڑکیاں اس کو نہ دیا کرو۔ مگر لوگ کہتے کہ اگر وہ ایک رات بھی ہماری لڑکی سے شادی کرے (پھر طلاق دے دے) تو ہمارے شرف کے لیے کافی ہے (جلاء العیون ص ۲۷۶)

سبط اصغر رضی اللہ عنہ کم گوئی، عزلت پسندی اور خاموش تقویٰ میں اپنی والدہ ماجدہ (صلوات اللہ علیہا) کی طرح اپنی مثال آپ تھے۔ لہٰذا ان سے بھی شرف تلمذ اور تحدیث کا لوگوں کو کم موقع ملا، یہ وجہ قلت ان کی عظمت و شہرت کی وجہ سے ہے ورنہ فی نفسہ ان سے بلیسوں احادیث مروی ہیں کہ شیعہ نے اتنی روایت نہیں کیں۔ چونکہ وہ عہد نبوی میں بہت صغیر السن تھے صحبت کا موقعہ کم پایا تو اکثر احادیث حضورؐ کے بجائے صحابہؓ سے روایت کی ہیں۔

کثیر الروایہ حضرات سے کثرت کی وجہ

حضرت ابوہریرہؓ ۷ھ میں مسلمان ہوئے گو صحبت نبوی ۵ سال سے بھی کم پائی مگر وہ عاقل بالغ اور طلب علم میں شب و روز مصروف اور سفر و حضر میں حضورؐ کے ملازم خاص رہتے تھے۔ خود اسی اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

"کہ ہمارے مہاجر بھائی تجارت میں اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مشغول رہتے تھے۔ اور ابوہریرہؓ حضورؐ کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے۔ صرف روٹی آپ سے مل جاتی تھی اور ان اوقات میں حاضر ہوتے تھے جن میں دوسرے نہ ہوتے اور وہ کچھ ابوہریرہؓ یاد رکھتے جو دوسرے یاد نہ کر سکتے۔" (صحیحین)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بہت حدیثیں سن کر آپ سے بھول جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی آپؐ نے چلو بھر کر کچھ ڈالنے کا اشارہ کیا پھر فرمایا اپنے ساتھ ملاؤ۔ میں نے وہ چادر سینے سے لگائی۔ پھر اس کے بعد میں کچھ بھی (اسکو) نہ بھولا (بخاری ج ۱ ص ۲۲ کتاب العلم) ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حریص علی سوال الحدیث بتایا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ۹ سال ہدایت کے آفتاب عالمتاب کے پہلو میں گزارے۔ آپ کے متعلق ارشاد ہے۔

فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی الطعام (بخاری ج ۱ ص ۵۳۲) حضرت عائشہ رض کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (گوشت اور روٹی کا آمیختہ) کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

کثرت علم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے۔

خذوا ربع العلم من ھذہ الحمیراء (رجوع الی اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۳۹) سیدہ عائشہ رض سے چوتھائی علم حاصل کرو۔

حضرت عائشہ رض کا ذہن، حافظہ ضرب المثل تھا علم سے دلچسپی اور فراغت اس پر مستزاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رض کے متعلق حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

اللھم علمہ الکتٰب والحکمۃ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱) اے اللہ! ان کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض بلا کا ذہن و حافظہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علمی پہیلی پوچھی۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ ان کو سوجھ گیا تھا اس وقت ادباً نہ بولے۔ بعد میں اظہار کیا (بخاری ج ۱ ص ۱۴) اور آپ ﷺ نے ان کو مرد صالح فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالک رض خادم خاص اور بیت نبوی کے ایک فرد تھے دس سال حضور ﷺ کی اندر باہر سفر و حضر میں خدمت کی۔ ۱۰ سال کی عمر میں ماں نے حضور ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔ انتہائی ذہین اور علم دوست تھے۔ آپ نے ان کو دعا دی تھی اے اللہ اس کے مال، اولاد زیادہ کر اور جو کچھ (علم وغیرہ اوصاف) اس کو دیا ہے اس میں برکت عطا فرما (مشکوٰۃ ص ۵۷۵) حضرت جابر رض بن عبداللہ کے لیے آپ نے ۲۵ مرتبہ استغفار کی (ترمذی)

تو روایت علم و احادیث میں ان بزرگوں کی خصوصیت اور کثرت ایسی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے۔ جیسے حضرت علی رض کو آپ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے قضا نہ جاننے کا عذر کیا۔ تو آپ نے دعا فرمائی۔ "فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی دو آدمیوں میں فیصلہ کے متعلق مجھے جھجک نہیں ہوئی۔" (کتب احادیث)

الغرض تکثیر یا تقلیل روایات کی وجوہات ہر بزرگ کی اپنی دلچسپی۔ ماحول اور مخصوص حالات

پر منحصر ہیں۔ مگر یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کو اہلِ بیتؓ سے نفرت تھی اور دوسروں سے محبت اس لیے ان سے کم اور دوسروں سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ ہاں ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب امت کا باغی فرقہ قاتلانِ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کا تقرب حاصل کر کے غلو کرنے لگا۔ جیسے وہ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی مسلسل نافرمانی سے آپ کو تکلیف اور حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا حتی کہ بنصف دنیا کی یہ حکومت عہدِ مرتضوی کے آخر میں صرف حجاز و کوفہ تک محدود رہ گئی اور حضرت علیؓ ان سے جان چھڑانے کی آرزو کرتے تھے (اجبار العیون) اسی طرح وہ تقیہ کی آڑ میں آپ پر جھوٹی روایات کا طوفان عرصہ تک برپا کرتا رہا۔ حضرت علیؓ کے مخلص اور سچے ساتھی کم ہوتے گئے۔ اور افضلِ امت سے دین روایت کرنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ محدثین نے کڑی شرائط سے مرویاتِ علوی کو جمع کیا۔ اسی سلسلے میں حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

قاتل اللہ الشیعۃ قد اکثروا — اللہ شیعہ افضہ کو برباد کرے حضرت علیؓ
الکذب علی علی وای علم افسدوا۔ — پر خوب جھوٹ باندھا۔ اور کتنے بڑے علم کو
(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۱) — ضائع کر دیا۔

مسنداً حضرت علیؓ سے اہلِ سنت نے بکثرت احادیث روایت کیں مسندِ احمد میں ان کی تعداد ۸۱۰ بتائی ہے۔ تہذیب التہذیب آپ کے ترجمہ میں سے آپ کے شیوخ اور تلامذہ کی فہرست پیشِ خدمت ہے۔

حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابوبکر، عمر، مقداد بن اسود اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے آپ کی اولاد میں سے حسنؓ، حسینؓ، محمد اکبر (ابن حنفیہ) عمر، فاطمہ، محمد بن عمر اور زین العابدین نے مرسلاً روایت کی ہے۔ باندی ام موسیٰ، عبداللہ بن جعفر، ابن جعدہ (بھانجا) علیہ اللہ بن ابی رافع نے روایت کی ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، براء بن عازب، ابوہریرہ، ابو سعید خدری، بشیر بن سحیم الغفاری، زید بن ارقم، عمرو بن حریث، نزال بن سبرہ ہلالی، جابر بن سمرہ، جابر بن عبداللہ، ابو جحیفہ، ابو امامہ، ابو لیلیٰ الانصاری، ابو موسیٰ، مسعود بن الحکم، ابو الطفیل، عامر بن واثلہ رضی اللہ

عنہم نے روایت کی ہے۔

اور تابعین میں سے زر بن حبیش۔ زید بن وہب۔ ابوالاسود الدؤلی۔ حارث بن سوید تیمی۔ حارث بن عبداللہ اعور۔ حرملہ مولیٰ اسامہ بن زید۔ ربعی بن حراش۔ شریح بن ہانی۔ بشر بن النعمان۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ مروان بن الحکم اور بہت سی مخلوقات نے روایت کی ہے۔

شیعہ نے علم کیوں نہ روایت کیا

سنی اصول پر تحقیقی جواب کے بعد اب میں شیعہ حضرات کو چیلنج دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ کی کتب اصول اربعہ میں براہِ راست، بلا واسطہ علیؓ یا حضرت ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ، سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کتنی احادیث مروی ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ سے کتنی ہزار مروی ہیں اور کون کون سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ سے کتنے صد مروی ہیں۔

ارے آپ کی امامیہ جعفریہ شریعت (نہ کہ محمدیہ نہیں) کا ۹۵٪ ذخیرہ حضرت امام باقرؒ و جعفرؒ دو تابعی بزرگوں سے مروی ہے جنہوں نے حضرت رسول خدا و علی المرتضیٰؓ کو تو کجا حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ تابعیت کا شرف سنی اصول پر صرف ان صحابہؓ کو دیکھ کر پایا ہے جنہیں آپ مومن و مسلمان کامل نہیں مانتے۔ ان کی سب روایات اپنی فرمودہ ہیں، کچھ مرسل اور منقطع ہیں۔ ان سے شریعتِ محمدیہ کے ابطال پر تو استدلال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ باعتقادِ شیعہ احکام کے حلال و حرام کرنے میں مختار تھے۔ نیز واجب الاتباع معصوم اور صاحب الہام و کتاب شیعہ کے مثل نبی دینی پیشوا ہیں۔ مگر شریعتِ محمدی ان سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔

اب میں پلٹ کر سوال کرتا ہوں۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علی و حسنین رضی اللہ عنہم کا علم امام جعفر صادقؒ سے کم تھا یا اہلبیت صحابہؓ کو حضورؐ کی صحبت کم نصیب ہوئی۔ اور حضرت باقر و جعفر کو زیادہ ملی؟ حالانکہ وہ اصولِ تشیع پر تابعی بھی نہیں تبع تابعی ہیں کہ ایماندار صحابہؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ پھر کیوں نوجوانانِ جنت اور قاضی امت سے شیعہ کی شریعت منقول نہیں۔ اس سے یا تو یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ آلِ بیتؓ ہرگز شیعہ نہ تھے۔ شیعہ کے بانی و امام اول بقول شیعہ، حضرت باقر و جعفر ہیں یا یہ کہ جسمانی زندگی کے قائل ہونے کی طرح ان کی علمی و روحانی زندگی کے قائل بھی یہی شیعہ حضرات ہیں۔

دو غلط حدیثیں

رہی حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابہا اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ (یعنی نامقبول اور بہت کمزور ہے) علامہ سخاوی نے بھی یہی کہہ کر لکھا ہے کہ اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابوسعید اور یحییٰ بن سعید یہی کہتے ہیں۔ علامہ جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (موضوعاتِ کبیر از ملا علی قاری ؒ ص۴۰)

رہی اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب یہ پہلی سے بھی ساقط الاعتبار اور موضوع ہے۔ کتب حدیث تو کجا کتب موضوعات میں بھی نظر سے نہیں گزری اور معترض صاحب نے حوالہ اسی لیے نہیں دیا کہ مال مسروق پکڑا نہ جائے۔

الغرض شیعہ حضرات نے اپنا دین حضرت علیؓ سے روایت نہ کر کے ان جیسی احادیث کے موضوع ہونے پر خود ہی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

باب سوم

سوال ۲۶۔ ملاں لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شیعوں ہی نے قتل شہید کیا اور اب شیعہ اپنے ان مذموم افعال پر روتے پیٹتے ہیں تو سانحہ کربلا کے موقعہ پر اہلسنت نے امام مظلوم کی مدد کیوں نہ کی جبکہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اس وقت اہل سنت موجود تھے۔

الجواب۔ فرقہ شیعہ ہی کو غدار اہل بیت اور قاتل حسین بتانے والے معمولی ملاں نہیں بلکہ ان ملاؤں کے پیشوایان کرام ؓ جن کے جائز و ناجائز ذکر سے شیعہ ملاں و ذاکرین اپنے پیٹ کا دھندا کرتے ہیں۔ حضرات اہل بیت عظام ؓ ہی ہیں۔ اس مسئلہ پر چونکہ شیعہ کی گمراہی یا سچائی کو ہر عامی پرکھ سکتا ہے۔ لہٰذا قدرے مفصلاً چار شقوں میں ہم اس بحث کی تنقیح کرتے ہیں۔

(۱) کیا حضرت حسین ؓ عالی مقام کو بلانے والے شیعہ تھے؟

ب۔ کیا میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ کے مدِمقابل وہی شیعہ تھے؟
ج۔ کیا قافلہ اہلِ بیتؓ نے شیعہ کو اپنا قاتل کہا ہے؟
د۔ کیا وہ خود بھی اقبالِ جرم کر کے ندامت کے آنسو بہاتے ہیں؟

جب دنیا کے ہر قانون میں ثبوتِ قتل کے یہ چار طریقے قطعی طور پر قاتل کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ قاتل مقتول یکجا ہوئے ہوں، مارتے دیکھا گیا ہو، مقتول خود بیان دے دے۔ قاتل اعتراف بھی کر لے تو اب کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

ا۔ حضرت حسینؓ کا نظریہ اور امن پسندی

واضح رہے کہ شیعہ کے ہاں بھی۔ عام مورخین کے مطابق۔ یہ ایک سیاسی اور برائے طلب خلافت جنگ تھی۔ یزید کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد گورنرِ مدینہ ولید اور حضرت حسینؓ کا مکالمہ ملاحظہ ہو۔ شیعہ مؤرخ مجلسی رقمطراز ہیں۔

"جب ولید نے حضرت حسینؓ کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دی حضرتؓ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر ولید نے یزید پلید کا خط پڑھا حضرتؓ نے فرمایا میرا گمان نہیں ہے کہ تو مجھ سے یزید کے لیے خفیہ بیعت پر راضی ہو جائے گا۔ تو چاہے گا کہ سب لوگوں کے سامنے میری بیعت لے تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے ولید نے کہا ہاں۔ حضرتؓ نے فرمایا صبح تک انتظار کرو تاکہ میں غور کر لوں۔ اور آپ بھی غور کر لیں پھر ایک دوسرے سے مناظرہ کریں اور جو خلافت کا مستحق ثابت ہو دوسرا اس کی بیعت کرے۔ (جلاء العیون ص ۳۴۹ ومنتہی الآمال للعباس القمی ج ۱ ص ۲۹۸)

حضرت معاویہؓ کے متعلق بہتر رائے آپ کی وفات کو نقصانِ ملی جان کر استرجاع پڑھنا اور اپنی تمنا تو معلوم ہو گئی مگر حضرت حسینؓ اپنے دلائل ظاہر کر کے اہلِ مدینہ کو ہمنوا نہیں بنا سکتے تھے اور نہ اہلِ عراق پر اعتماد کر کے حصولِ مقصد کی کوشش کر سکتے تھے۔ لامحالہ غیر جانبداری اور گوشہ نشینی کا فیصلہ کیا۔ صبح دربارِ حاکم میں جانے کے بجائے اہل و عیال سمیت مکہ روانہ ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہاں آپ نے حکومت کے خلاف یا اپنے حق میں کوئی بیان نہیں دیا۔ شعبان تا ذی الحجہ تقریباً ۵ ماہ میں نہ حکومت کی طرف سے کسی نے بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ

آپ نے استحقاق خلافت پہ لوگوں کو دلائل سنائے۔ بڑی عافیت اور سلامتی کے ساتھ جوارِ کعبہ میں یہ دن گزارے۔ یہیں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر اہلِ کوفہ بعد اصرار اور ایک لاکھ تلواریں مہیا کرنے کے بہانے آپ کو نہ بلاتے تو کبھی سانحہ کربلا نہ ہوتا نہ امت دو گروہوں میں بٹتی۔ اب چار امور کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

ا۔ آپ کو بلانے والے شیعہ ہی ہیں

جلاء العیون میں مجلسی کے اعتراف کے مطابق کوفہ کے مومنین شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر وغیرہ نے حضرت معاویہؓ کو دشمن جبار کہہ کر پہلا خط لکھا

ایں نامہ الیست بسوئے حسین بن علی از سائرِ شیعان او واز مومنان و مسلمانان۔ یعنی یہ خط حضرت حسین بن علیؓ کی خدمت میں آپ کے تمام شیعوں مومنوں مسلمانوں نے لکھا ہے۔۔۔۔۔ کہ اس وقت ہمارا امام و پیشوا کوئی نہیں، ہمارے پاس آئیں ہم سب آپ کے مطیع ہیں آپ کے آنے پہ حاکم کوفہ نعمان بن بشیرؓ کو نکال دیں گے۔ والسلام (جلاء العیون ص۲۵۶ و منتہی الآمال ج۱ ص۳۰۳)

یہ خط عبد اللہ بن مسمع ہمدانی اور عبد اللہ بن دال لے کر حضرت کی خدمت میں چلے۔ پھر دو دن کے بعد قیس بن مصہر، عبد اللہ بن شداد، عمارہ بن عبد اللہ کو کوفہ کے بڑے بڑے رؤسا نے ۱۵۰ خط دے کر مکہ روانہ کیا۔ پھر دو دن کے بعد ہانی بن ہانی سبیعی، سعید بن عبد اللہ حنفی کو اہلِ کوفہ نے حضرت کی خدمت میں یہ لکھ بھیجا۔ تسمیہ کے بعد یہ خط حضرت حسینؓ کی خدمت میں ہے از شیعان و فدویان و مخلصانِ آنحضرت۔ آپ جلدی اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں میں پہنچیں۔ سب لوگ آپ کے منتظر ہیں۔"

پھر شبیث بن ربعی، حجار بن الابجر، یزید بن حارث، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمرو نے اسی مضمون کے خط آپ کی خدمت میں بھیجے (جلاء العیون ص۳۵۷ منتہی الآمال ج۱ ص۳۰۳)

حضرت حسینؓ ان خطوط کے جواب میں متردد تھے حتیٰ کہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط ان

لے معلوم ہوا کہ ان کے خیال میں بھی امام کا تصور سیاسی حاکم تھا اگر مثل نبی کا تصور ہوتا تو نفی نہ کرتے۔ یہ تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

غداروں کے حضرت کو پہنچے جب ان کا مبالغہ حد سے گزر گیا اور بہت سے قاصد آپ کے پاس پہنچے اور ۱۲ ہزار خطوط حضرت کو پہنچ چکے تب آپ نے یہ جواب لکھا۔

این نامہ ایست از حسین ابن علی بسوئے گروہ مومنان و مسلمانان و شیعیان	حسین بن علی رض کی طرف سے یہ خط تمام مومنوں مسلمانوں اور شیعوں کو بھیجا جاتا ہے کہ۔

آپ کے سب خطوط مجھے ملے۔ میں تمہاری طرف اپنے معتمد بھائی مسلم بن عقیل رض کو بھیجتا ہوں اگر وہ میری طرف لکھیں کہ عقلمند بزرگوں اور شریف و ذمہ دار لوگوں نے یہ لکھوائے ہیں تو میں ان شاء اللہ جلدی تمہارے پاس آجاؤں گا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

کہ امامے نیست مگر کسے کہ حکم کند درمیان مردم بکتاب خدا و قیام نماید درمیان مردم بعدالت و قدم از جادۂ شریعت مقدسہ بیرون نگذارد و مردم را بر دین حق مستقیم دارد۔ والسلام۔ (جلاء العیون ص۲۷۵ د منتہی الآمال ج ا ص۳۰۲)	کہ امام صرف وہی ہوگا جو لوگوں میں کتاب خدا کے مطابق فیصلے کرے لوگوں میں عدل قائم کرے اور شریعت کے طریقے سے باہر قدم نہ رکھے اور لوگوں کو دین حق پر جمائے رکھے۔

امامت کے متعلق آپ کا نظریہ

یہاں سے معلوم ہو چکا کہ حضرت حسین رض کو دعوت خلافت کا حکم دینے والے فقط شیعان کوفہ ہی تھے نیز یزید سے آپ کو اختلاف اموی اور ہاشمی قرابت پر نہ تھا۔ جیسے شیعہ خاندانی دشمنی کا اشتہار دیتے ہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کے نافذ کرانے اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر مبنی تھا۔ اس باب میں راقم الحروف کا بھی یہی نظریہ اور ایمان ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کو یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ ان کے عقیدہ عظمت و عدالت صحابہ و اہلبیت رض اور ہوی نفسانی سے پاکدامنی کا تقاضہ یہی ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت حسین رض نے یہ اقدام اپنے والد کا تخت خلافت حاصل کرنے کے لیے مناسب موقعہ جان کر کیا جو سقیفہ کے موقعہ پر آپ کے والد سے غصب کیا گیا تھا جیسے شیعہ کا باطل نظریہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسین رض سقیفہ کے دن ہی شہید ہو گئے تھے اور نہ اس کو محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے حصول کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

جیسے محمودؒ احمد عباسی کا غلط نظریہ ہے۔ دراصل رفض و خروج کے یہ خیال ایک ہی ہیں، صرف تعبیر کا فرق ہے۔

اور سنی نقطۂ نظر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اہل کوفہ اگر اپنے غلط پروپیگنڈہ سے یہ نظریہ حضرت حسینؓ کے ذہن میں نہ بٹھاتے کہ یزید بدعمل، نافرمان اور خلافت کا غیر اہل ہے تو آپ کبھی اس کے خلاف نہ اٹھتے خواہ طبعی ناگواری کی وجہ سے بیعت سے کنارہ کشی کرتے۔ لیکن جب آپ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ احکام شرعیہ میں لاپرواہ ہے۔ مملکت کا ایک بڑا حصہ (عراق) اس کو نہیں مانتا تو اس بنا پر آپ نے خروج جائز جانا۔ اور شرعاً آپ معذور ہی نہیں ماجور و مثاب بھی ہوئے۔ گو حقیقت اس کے خلاف تھی۔ اول سے آخر تک اہل کوفہ کا دھوکہ تھا۔ پھر واپسی بھی چاہی مگر مقدر نہ تھی۔

بہرحال اپنے نظریہ کے تحت حضرت حسینؓ نے یزید پر طعن کرتے ہوئے برحق امام کی تعریف میں بڑی وضاحت سے فرمایا۔

"کہ امام وہ مقتدر حاکم ہی ہوتا ہے جو لوگوں میں قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے۔ شریعت پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں کو بھی چلائے" اس تعریف نے شیعہ کی ایک خود ساختہ تاویل اور من گھڑت معنی کو باطل کر دیا کہ خلافت ظاہری اور ہے جو خلفاء ثلاثہؓ کو ملی۔ اور خلافت باطنی اور ہے جو ائمہ اہل بیت کو ملی۔ نیز حضرت شیر خدا سے بھی ان منافقوں کے الزام کا دفعیہ کر دیا۔ "کہ آپ خلافت ظاہری میں صحیح اسلام (بقول ان کے مذہب شیعہ) خلفاء ثلاثہؓ کے معتقدین کے ڈر سے نافذ نہ کر سکے۔" (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ص۵۶) کیونکہ معاذ اللہ اگر یہ الزام صحیح ہو تو حضرت علیؓ کی خلافت باطل ہو گئی۔

الغرض حضرت حسینؓ کی نظر میں خلیفہ پابند شریعت سیاسی حاکم ہوگا نہ کہ حکومت سے محروم اور غار میں چھپے رہنے والا۔

ب۔ امام سے برسرپیکار بھی شیعہ تھے

القصہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر علی اختلاف الروایات ۱۸ ہزار۔ ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار شیعانِ کوفہ نے برائے امام حسینؓ بیعت کی۔ انہوں نے خوشی سے (حلیہ بازی کرتے ہوئے،

صورتِ حال حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجی۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہیں شیعی امام نہیں ہوتے۔ آپ کوفہ چل پڑے سب دوستوں اور ہمدردوں نے کوفہ جانے کی مخالفت کی۔ مگر آپ نہ مانے۔

ے وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی نے مندرجہ ذیل حضرات کی مخالفت و ممانعت تفصیل سے لکھی ہے۔
۱۔ زرارہ بن صالح۔ ۲۔ محمد بن حنفیہ آپ کے بھائی۔ ۳۔ عبداللہ بن عباس آپ کے چچا ہوئے۔ ۴۔ عبداللہ بن زبیر۔ ۵۔ عبداللہ بن عمر۔ ۶۔ فرزدق شاعرِ اہل بیت۔ ۷۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ ۸۔ آپ کے بھائی یحییٰ۔ ۹۔ عبداللہ بن جعفر طیار۔ ۱۰۔ عون بن عبداللہ۔
۱۱۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار۔ (جلاء العیون)

جب آپ میدانِ کربلا میں پہنچ گئے اور حُر بن یزید کے ایک ہزار لشکر نے آپ کا گھیراؤ کیا تو اکثریت آپ کو خط لکھنے اور بلانے والوں کی تھی۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے ان سے فرمایا۔

" میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ تمہارے پے در پے وعدوں اور خطوط کے بھروسے پہ آیا ہوں۔ اگر اپنے عہد پہ قائم ہو تو پورا کرو اور اگر پھر گئے ہو تو میں واپس ہوتا ہوں وہ غدار خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا (جلاء العیون ص۳۷۶)

حُر سمیت سب لشکر نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حُر نے کہا مجھے خدا کی قسم ان خطوط اور قاصدوں کا علم نہیں۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان کے ہاتھوں بارہ ہزار خطوط کی تھیلی منگوا کر بکھیر دی اور خطوط سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا مگر سب خاموش رہے۔ (وکذا فی منتہی الآمال ج۱ ص۳۲۳)

حُر نے کہا بخدا مجھے خطوط کا علم نہیں تاہم میں آپ کو واپس نہیں جانے دیتا نہ لڑتا ہوں۔ حضرت قادسیہ کے راستے سے بائیں طرف چل پڑے وہ بدبخت آپ کو بلانے والا لشکر بھی ساتھ ہو گیا۔ حُر نے کہا ان سے نہ لڑنا ورنہ آپ قتل ہو جائیں۔ حضرت نے جرأت سے فرمایا میں خدا کے حکم سے ان منافقوں (دغا کر غداری کرنے والے شیعوں) سے ضرور جنگ کروں گا اور قتل ہونے سے نہیں ڈرتا۔ اس کے بعد بھی لشکر نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس موقع پہ حضرت حسینؓ کے ایک ساتھی ہلال بن نافع بجلی نے کہا اے حسینؓ! آپ کے والد ماجد نے بھی ان بیعت توڑنے والے ظالموں اور دین سے خارج ہونے والوں سے تا وفات زحمت اٹھائی۔ آج آپ بھی اسی گروہ کے ساتھ مبتلا ہو

ہو چکے میں جو بھی بدعہدی اور تیری بیعت توڑے گا خود نقصان اٹھائے گا (جلاء العیون ص۳۹۱
منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۴۲-۳۴۳)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے ناکثین، قاسطین اور مارقین بھی شیعانِ کوفہ ہی ہیں۔ بجز اغضی ان لفظوں کا مصداق حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور خوارج کو قرار دیتے ہیں وہ اپنے اسلاف کا جرم چھپانے کے لیے یہ ظلم کرتے ہیں۔ ان مارقین خوارج بھی ہیں جو خاص شیعانِ کوفہ تھے۔

جب عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لایا اور حضرت حسینؓ سے آنے کا مقصد پوچھنا چاہا تو جس سپاہی یا افسر کو بھیجا

باین علت ابا میکردند زیرا کہ اکثر از آنہا بودند کہ بحضرت نوشتہ بودند و حضرت را بعراق طلبیدہ بودند چوں قرہ بن قیس آمد و پرسید حضرت فرمود اہلِ دیارِ شما نامہائے بے شمار بمن نوشتند و بمبالغہ بسیار مرا طلب کردند اگر نمے خواہید برمیگردم۔

تو وہ سب اس وجہ سے انکار کر دیتے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرتؓ کو خط لکھ کر عراق بلایا تھا جب قرہ بن قیس آیا اور پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمہارے شہر والوں نے مجھے بہت سے خط لکھے اور بڑے مبالغہ اور اصرار کے ساتھ بلایا (تو آیا ہوں)

اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جاتا ہوں (جلاء العیون)

جب عمر بن سعد کو یہ پیغام ملا تو خوش ہو کر اس نے کہا کہ خدا حسینؓ کے ساتھ جنگ سے بچا لے گا پھر ابنِ زیاد کو حضرت حسینؓ کی واپسی کا ارادہ لکھ دیا۔ (منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۴۴) ایک روایت کے مطابق اس نے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا دوسری کے مطابق رہائی اور واپسی پہ راضی ہو گیا مگر حضرت علیؓ کا سالا اور جمل و صفین میں حضرت علیؓ کا دست و بازو (طبری ۵ ص ۴۱۸) شمر ذی الجوشن اڑ گیا کہ حسینؓ سے یزید کی بیعت لی جائے۔ ابنِ سعد نے مخالفت کی مگر وہ ابن زیاد کے پاس جا کر نئے احکام جنگ بصورت انکار لے آیا۔ ابنِ زیاد نے اہلِ کوفہ کو لالچ دیا۔ اکثر ان بے دینوں غداروں نے اپنے دین (بیعت امام حسینؓ) کو دنیا کے بدلے بیچ دیا کیونکہ ۹ حصے دین تقیہ پر عمل کیا۔ جیسے خلیل قزوینی نے لکھا ہے کہ حضرت کے قتل کا باعث شیعہ امامیہ کی کوتاہی ہے۔

تقیہ وغیرہ کی وجہ سے (صافی شرح کافی) اور اس بدترین کام (قتل حسینؓ) کے مرتکب ہوئے۔ سب سے پہلے شمر ذی الجوشن ۔۔۔ہم کافروں کے ساتھ باہر آیا (ابھی تک تو شیعہ مومن تھے اب کافر بن گئے م) امام حسینؓ کو بلانے والا شیث بن ربعی بھی چار ہزار کوفیوں پر امیر تھا (جلاء العیون ص ۲۸۲) مسیب بن نجبہ بھی عمر بن سعد کے ساتھ کربلا میں آیا ہوا تھا (مجالس المومنین) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اترا تھا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۳۰) عروہ بن قیس جو امام کے پاس دعوتی خط لکھنے کی وجہ سے ابن سعد کا قاصد بن کر بندامت نہ جاسکا تھا۔ مگر امام سے لڑنے کے لیے مقابل فوج کا سردار تھا (خلاصۃ المصائب) قیس بن اشعث فوج یزید میں شامل ہو کر حسینؓ سے لڑا حتیٰ کہ یہ ظالم بعد شہادت امام مظلوم کے جسم اطہر سے چادر مبارک بھی کھینچ کر لے بھاگا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۱۹۲)

الغرض فرزند شیعہ ابن زیاد اور حضرت علیؓ کا پروردہ متعہ شیعہ اور آپ کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا تادم زیست حضرت علیؓ اس پر خوش رہے مگر حضرت حسنؓ کے خلع خلافت کے بعد جب یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گیا تو شیعہ نے اس کو حرامی بنا دیا۔ نامعلوم کس مصلحت سے حضرت علیؓ نے بن باپ حرامیوں کے تعاون سے حکومت کی اور کے حکم سے شمر جیسے شیعہ کے مشورے اور نگرانی سے شیعان کوفہ نے حضرت حسینؓ سے جنگ کی ٹھان لی تو حضرت حسینؓ کے ساتھی بریر بن حضیر نے فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ اہل بیتؓ اپنے وطن واپس ہو جائیں۔ اے کوفیو! تم پر افسوس کہ قسمیں اٹھا اٹھا کر تم نے جو وعدے کیے تھے اور خطوط لکھے تھے تم ان کو بھول چکے ہو۔ تمہارے بے شرموں نے اہلبیت پیغمبر کو لکھا کہ ہمارے وطن آؤ ہم اپنی جانیں فدا کریں گے۔ اب جب کہ وہ آ چکے تم ان کو پانی سے بھی منع کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ زیاد بد اصل کے بیٹے کو ان پر مسلط کرو۔ تم برے لوگ ہو خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے (جلاء العیون ص ۳۹۱)

یہاں سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں آپ کے مقابل اور پانی بند کرنے والے کوفی شیعہ اور شیعہ ہی تھے۔ لیس فیہم شامی ولا حجازی بل کلھم من اھل الکوفۃ (خلاصۃ المصائب) ان تمام کوفیوں میں شامی اور حجازی ایک بھی نہ تھا) نیز یہ کہ حضرت حسینؓ

تو تین باتوں میں سے ایک پر ضرور عمل کرنا چاہتے تھے۔ ۱۔ دمشق جب یزید کے پاس زندہ روانگی اور مناسب تصفیہ۔ ۲۔ آزاد علاقے میں رحلت۔ ۳۔ مکہ مکرمہ کو واپسی۔ مگر اہل لشکر نے سب درخواستیں مسترد کر دیں (طبری) اور ذلت سے بیعت کرنے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اپنے آپ کو تمہارے ہاتھوں میں نہ دوں گا اور کمینہ ذلیل نہ ہوں گا اور غلامانہ طور پر اطاعت کا طوق گردن میں نہ ڈالوں گا۔ (جلاء العیون ص ۳۹۲۔ منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۴۱)

اب ہر منصف مزاج سے غور کی اپیل کی جاتی ہے۔ یہ جو شیعہ کا بلا سند و ثبوت پروپیگنڈہ ہے کہ حضرت اسلام کی خاطر بچے ذبح کرانے کو گھر سے ہی کفن باندھ کر چلے تھے اس میں کتنی صداقت ہے۔ اگر وہ لوگ آپ کو رہا کر دیتے اور آپ زندہ واپس آ جاتے تو کیا زندہ اسلام پھر مردہ ہو جاتا؟ اور آپ کے اہل و عیال سمیت سلامت بچ جانے پر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دراصل یہ لوگ اپنے اسلاف کے ذلیل ڈرامے پر پردہ ڈالنے اور حکومت کو بنی سانہ الزام دینے کے لیے یہ دروغ گوئی کرتے ہیں۔ اور عمداً اہل بیت کرامؓ کو خاک و خون میں تڑپا کر اور تڑپتا دکھا کر فخر کرتے اور اپنا معاشی و گروہی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ جہاں سانحۂ کربلا انتہائی المناک داستان ہے اور اپنے اندر صبر و استقامت، حق گوئی، تقیہ شکنی، جرأت مندی کے علاوہ بیسیوں عبرتوں کا مرقع ہے۔ وہاں اسلام کے لیے انتہائی ناقابلِ تلافی نقصان ہے کہ صرف تاریخ اسلام ہی بدنام نہیں ہوئی بلکہ امت مسلمہ سبط پیغمبر کے نور سے محروم ہو کر خطرناک اصولی گردش میں بٹ کر رہ گئی۔

شہادت حسینؓ کے نقصانات کے سلسلے میں مجلسی حضرت سجاد سے ترجمانی کر کے لکھتے ہیں

وکشتن او عالمیاں گمراہ شدند و دین خدا ضائع شد و سنن رسول خدا برطرف شد و بدع بنی امیہ ظاہر گردید۔ بایں جہات مگریست۔ (جلاء العیون ص ۵۴۳)

آپ کے شہید ہو جانے سے اہل جہان گمراہ ہو گئے۔ اور خدا کا دین ضائع ہو گیا اور رسولِ خدا کی سنتیں معطل ہو گئیں۔ اور بنی امیہ کی بدعتیں ظاہر ہو گئیں ان وجوہ سے حضرت سجادؒ روتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت حضرت سجاد زین العابدینؒ یہی ہے کہ سانحہ کربلا سے اسلامی نقصانات یاد کر کے غم و گریہ کرنا چاہیے نہ کہ اسلام زندہ شد کے نعرے لگا کر فخریہ جشن و جلوس نکالنے چاہئیں۔

۳۔ قافلہ اہل بیتؓ بھی شیعہ کوفہ کو اپنا قاتل بتاتا ہے | ا۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ اے کوفیو! تم پر لعنت ہو اور

تمہارے ارادوں پر۔ اے بے وفاؤ، ظالمو اور غدارو، تم نے مجبوری کے وقت اپنی مدد و نصرت کے لیے ہم کو بلایا جب ہم تمہاری ہدایت و نصرت کے لیے آگئے تو کینہ کی تلوار تم نے ہم پر کھینچی اور اپنے دشمنوں (آل زیاد) کی ہمارے خلاف مدد کی (جلاء العیون ص ۳۹۱)

۲۔ نیز فرمایا تم پر تباہی ہو کیسے تم نے بغیر دشمنی کینہ اور جھگڑے کے عداوت کی تلوار انتقام کے نیام سے نکالی اور بلا سبب اہل بیتؓ کے قتل پر کمربستہ ہو گئے۔ (ایضاً)

اِس سے معلوم ہوا کہ شیعہ ذاکرین، مجتہدین جو یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں بدر و احد و صفین وغیرہ میں بنو امیہ کے کفار آباء کے قتل کے انتقام میں بنو امیہ نے اہل بیتؓ کو کربلا میں شہید کیا۔ بالکل لغو ثابت ہوا۔ حضرت کو قتل کرنے والے نہ شام سے گئے ہوئے بنو امیہ تھے اور نہ وہ کسی بدلے سے لڑتے تھے۔ جیسے حضرت کی تقریر سے واضح ہے۔

۳۔ بالآخر آپ نے بددعا دی۔ اے اللہ زمین کی برکت کو ان سے روک لے اور ان کو منتشر کر دے۔ حاکموں کو کبھی ان سے خوش نہ رکھ کیونکہ انہوں نے ہم کو مدد کے لیے بلایا تھا مگر کینہ کی تلوار خود ہمارے اوپر چلائی۔ (ایضاً)

آج شیعہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام کی ہر حکومت کے مظلوم رہے ہیں اس کی اصلی وجہ حضرت کی یہ بددعا ہے۔

۴۔ نیز فرمایا۔ تم پر ہلاکت ہو حق تعالیٰ دونوں جہان میں میرا بدلہ تم سے لے گا..... وہ اس طرح کہ خود اپنی تلواریں اپنی ذاتوں پر اور مونہوں پر چلاؤ گے اور اپنا خون خود گراؤ گے اور دنیا سے نفع نہ اٹھاؤ گے اور اپنی امیدوں کو نہ پہنچو گے جب مر کر آخرت میں جاؤ گے ہمیشہ کا عذاب الٰہی تمہارے لیے مہیا ہے اور تمہیں تو بدترین کافروں والا عذاب ہوگا (جلاء العیون ص ۳۹۱)

آج زنجیروں، چھریوں اور تلواروں سے ماتم میں خود کو لہولہان کرنے والے عزاداروں پر حضرت امام مظلوم کی دنیوی بددعا صادق ہوئی اور یقیناً صادق ہوئی۔ آخرت والی بھی یقیناً سچی ہوگی (اللّٰھم آمین)

حضرت حسینؓ کی ان تقریروں اور بددعاؤں کو سننے کے بعد بھی جب ظالموں نے بے دردی سے آپ کو مع اہل وعیال ذبح کر کے اسلام زندہ کر دکھایا۔ تو خاتمہ جنگ کے بعد اسی قاتل لشکر نے حضرت کے خالی گھوڑے ذوالجناح کو آگے آگے چلا کر ندامت سے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اس سطح ارضی پر سب سے پہلا یہی ماتم حسینؓ کا جلوس تھا جس کی یاد آج بھی ان کی روحانی اولاد مناتی ہے۔

۵۔ اس جلوس کو دیکھ کر حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا تم ہم پر بین کرتے اور روتے ہو پس بتاؤ کس نے ہم کو قتل کیا ہے (الحمدللہ ماتمی جلوس کو دیکھ کر عند نہ کریںگے۔ انہی کو قاتل بتانے کی سنتِ سجادی پر آج اصلی سنی عمل کرتے ہیں)

۶۔ پھر حضرت زینبؓ نے بددعا دی۔ اے کوفی غدارو، مکارو تم ہم پر روتے ہو حالانکہ تمہارے ظلم سے ابھی ہماری آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوا اور تمہارے ظلم سے آہ ختم نہیں ہوئی تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگہ کاٹ کر توڑ دیتی ہے تم نے بھی ایمانی رشتہ کو توڑ دیا اور کفر کی طرف پلٹ گئے...... آیا تم ہم پر ماتم کرتے ہو جبکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے اور ہمارے غم میں روتے ہو اللہ کی قسم یہ ہوگا کہ تم بہت روؤ گے اور تھوڑا ہنسو گے عیب اور ذلت کو تم نے اپنے لیے خرید لیا۔ یہ ذلت کا داغ کسی پانی (آنسوؤں) سے زائل نہ ہوگا۔ (جلاء العیون ص۴۲۴) جگر گوشۂ فاطمہؓ سیدہ زینب مظلومہؓ کی بددعا اور پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوتی آرہی ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے فرمایا۔ تم نے ہم کو ایسے شہید کیا اور مال ومتاع لوٹ کر ہم کو قید کیا جیسے کل میرے دادا علیؓ کو تم نے شہید کیا۔ ہمیشہ سے تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے...... جلدی تم اپنے بدلہ کو پہنچو گے۔ تم پر ہلاکت ہو۔ منتظر رہو کہ خدا کے پے در پے عذاب اور لعنت تم پر برسیگی۔ آسمانی عذاب تمہارا استیصال کریں گے۔ دنیا میں اپنے کرتوتوں سے تم اپنی ہی تلواریں

اپنے اوپر چلا دُگے اور آخرت میں عذابِ الیم میں گرفتار ہو گے (جلاء العیون ص۴۲۵) الحمد للہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے م) ایرانی خونی انقلاب اور اس کا خوفناک حشر آپ کے سامنے ہے

۸۔ حضرت ام کلثومؓ بنت سیدۃ النساءؓ نے روتے ہوئے کجاوہ سے ندا دی کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا حال ہو۔ تمہارے منہ برے ہوں۔ تم نے کیوں میرے بھائی حسینؓ کو بلایا اس کی مدد نہ کی اسے قتل کر دیا ان کے مالوں کو لوٹ لیا اور پردہ دار حرموں کو قید کر دیا۔ تمہارے اوپر لعنت ہو تمہارے چہروں پر پھٹکار ہو۔ (جلاء العیون ص۴۲۶)

اس پر اہل کوفہ نے ہائے ہائے کر کے (مزید) رونا پیٹنا شروع کر دیا حسرت کی مٹی سر میں ڈالتے اور اپنا منہ نوچتے اور طمانچے منہ پر مارتے اور واویلا اور ہائے تباہی کہتے اتنا روتے تھے کہ کسی آنکھ نے اتنا بڑا ماتم نہ دیکھا تھا۔ اس منظر پر مشتعل ہو کر حضرت زین العابدینؒ نے لوگوں کو خاموش کرایا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

۹۔ اے لوگو! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھے اس کو دھوکہ دیا اور عہد و پیمان لکھے ان کے ساتھ بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی (ایضاً ص۴۲۶)

۱۰۔ ام کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا اے کوفیو! تمہارے مرد ہم کو قتل کرتے ہیں اور عورتیں تمہاری ہم پہ روتی ہیں خدا قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا (جلاء العیون ص۴۲۸)

تلك عشرۃ كاملة۔ قارئین کرام! آقائے اہلِ بیت کی زبانی ہم نے قاتلوں کی نشاندہی مفصل کرادی تاکہ کسی خونِ آشامِ اہلبیت کو آج نہ انکار کی گنجائش ہو نہ تاویل کا راستہ ہو۔ وللہ الحمد

ہم شیعانِ کوفہ جرمِ قتل کا اقرار کرتے ہیں

چوتھی بات یہ ہے کہ خود ان شیعانِ کوفہ نے اقبالِ جرم کر کے حسرت و ندامت کے وہ خونی آنسو بہائے جن کے دھبے صفحاتِ تاریخ سے آج تک نہیں مٹیں گے۔ اوپر کے حوالہ جات کے علاوہ چند اور بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کوفیوں کی ایک جماعت ایک غیبی آواز سے چونک اٹھی اور کہنے لگے اللہ کی قسم جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ ہم نے جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا۔ ابن زیاد ولد الزنا کے لیے۔ پس وہاں انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ابنِ زیاد پر خروج کریں لیکن

اس سے فائدہ کچھ نہ ہوا (جلاء العیون ص۳۴۴)

۲. نوراللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ شہادت حسینؓ کے بعد شیعوں کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے اپنے شیعوں کو جمع کر کے کہا ہم نے حضرت امام حسینؓ کو عہد و پیمان سے بلایا پھر بے وفائی کر کے ان کو شہید کیا۔ اتنا بڑا جرم معاف نہ ہو گا بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو قتل کریں چنانچہ بہت سے شیعہ فرات کے کنارے جمع ہوئے اور بنی اسرائیل سے متعلقہ آیت ہذا۔

فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ.

پس تم خدا کے دربار میں یوں توبہ کرو کہ اپنے آپ کو مار دیں تمہارے لیے خدا کے ہاں بہتر ہے۔ اپنے اوپر منطبق کی۔ پھر ایک دوسرے کی خونریزی کی۔ کتنے قتل ہوئے اور زخمی ہوئے یہ جماعت تاریخ میں توابین کہلاتی ہے (ایضاً) ۔

صد بار مانوں سے جس نے کہ مجھے ذبح کیا۔ قتل کے بعد کوئی دیکھے ندامت اس کی

شیعہ کا عذرِ لنگ بدتر از گناہ

آیئے ذرا اس بحث میں شیعہ کا جواب اور عذرِ لنگ بھی معلوم کرتے چلیں۔

حال ہی میں شیعانِ پنجاب کے ایک فاضل محقق نے "تجلیاتِ صداقت" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بزعم خویش شہرۂ آفاق کتاب "آفتابِ ہدایت" مصنفہ مناظرِ اسلام مولانا کرم الدینؒ دبیر جکوالی کا ۵۰ سال کے بعد جواب لکھا ہے جس میں شیعہ ہاتھ پاؤں مار کر برسوں کی محنت و تفتیش کو ترتیب دے کر قرصۂ آفتاب سے سبکدوش ہونے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ حقائق و دلائل کا جواب ان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہراتؓ، خلفاءِ راشدینؓ اور دیگر متعلقینِ رسالت کو جو غلیظ گالیاں سنائی ہیں وہ قابل دیدنی ہیں ایک شیعہ سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ مسئلہ زیر بحث میں ہم اس کتاب کے کچھ افکار آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

جناب محمد حسین ڈھکو صاحب نے "برعکس نام نہند زنگی کافور" کے مصداق قاتلانِ حسینؓ کے سنی مذہب ہونے پر پانچ تاریخی شواہد بتائے ہیں۔

۱۔ حکومتی شیعہ پارٹی نے یزید کو مسلم کی بیعت اور نعمان بن البشیر کی سستی کی اطلاع دی تھی۔
۲۔ ابن زیاد کے ایک قاصد نے حضرت عثمانؓ کو تقی زکی مظلوم امیرالمؤمنین کہا تھا۔
۳۔ عزرہ بن قیس احمسی (جس نے امام حسینؓ کو دعوتی خط لکھا تھا) نے رفیق حضرت حسینؓ زہیر بن قین سے کہا تھا۔
"ہمارے خیال میں تم اہلبیت کے جماعتی نہ تھے آپ تو عثمانی تھے۔ زہیر نے کہا کیا تم میرے ان کے ساتھ ہونے سے معلوم نہیں کر سکتے۔"
۴۔ نافع بن بلال جملی کے جواب میں ایک شخص مزاحم بن حریث نے انا علیٰ دین عثمان کا نعرہ لگایا۔
۵۔ ابن زیاد نے فاتحانہ خطبہ پڑھتے ہوئے یزید کی تعریف کے بعد کہا وقتل الحسین بن علی و شیعتہ خدا نے حضرت حسینؓ اور ان کی جماعت کو قتل کرا دیا (طبری) اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ امام حسینؓ کے ہمراہ شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کرنے والے وہ تھے جن کے مذہب میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفۂ وقت تھا (تجلیات صداقت ص۳۴۵)
الجواب۔ اولاً یہ نام نہاد پنج تنی ٹولہ صرف پانچ شواہد ہی دکھا سکا۔ حالانکہ ایسے عثمانی پانچ نہیں بلکہ ۵۰ اور ۵۰۰ بھی حضرت حسینؓ کے مقابل ثابت کر دکھائے جائیں تو علامہ مجلسی اور شیخ عباس قمی وغیرہ کی تحقیقات مذکورہ کی روشنی میں جواب نہیں بن سکتا کیونکہ جب مقابل امام بڑی اکثریت بلانے والے شیعہ اہل بیت ہی کی تھی۔ قافلۂ اہلبیت نے ان کو ہی قاتل و غدار بتایا جیسے تصریحات پھر ملاحظہ ہوں۔ تو پھر عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا کیا معنیٰ۔ زہیر بن قین واقعی مخلص عثمانی مسلمان تھا شیعہ کی سیاست سے اسے تعلق نہ تھا لیکن جب اس نے شیعانِ کوفہ کی غداری دیکھی تو حضرت عثمانؓ سے محبت کے باوجود حضرت حسینؓ مظلوم کے ساتھ مل گیا۔ جیسے خود حُر بن یزید عثمانی ہو کر شیعانِ کوفہ کے دعوتی خطوط سے بے خبر تھا۔ پھر جب اسے اس شیعی دھوکہ کا علم ہوا تو وہ حسینؓ کا ساتھی اور اپنے لشکر کا مخالف بن کر ان کے ہاتھوں شہید ہوا تو عثمانی اور حسینؓ کا جماعتی ہونے میں تضاد نہیں ہے۔
ثانیاً چونکہ شیعہ سیاسی پارٹی کو کہتے ہیں۔ جہاں سیاسی جماعت میں شیعہ علیؓ کی اصطلاح چلی وہاں حضرت معاویہؓ و عثمانؓ کے حامیانِ قصاص کو بعض دفعہ شیعہ معاویہؓ و عثمانؓ کہا جانے

لگا۔ جیسے پیپلز پارٹی بمعنی عوامی پارٹی کی آج کل اصطلاح ہے۔ اسی معنی میں شاید ابن حکومت کے طرفداروں کو شیعتی سے یزید نے تعبیر کیا ہے اور اسی معنی میں حضرت حسینؓ کے ساتھیوں پر شاید ۵ میں ابن زیاد نے شیعہ کا لفظ بولا ہے۔ ورنہ نہ تو یزید کے حامی اصطلاحی شیعہ تھے اور نہ حضرت حسینؓ کے ساتھی اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مخصوص شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ابن زیاد کی زبانی شیعتہ کے لفظ سے اصحاب حسینؓ کو مخصوص شیعہ رافضی ثابت کرنا اور شیعہ اہل بیت کہلانے والے لشکر مقابل امام کو صرف تین آدمیوں کے عثمانی ہونے پر سنی المذہب ثابت کرنا خالص سینہ زوری اور حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ حالانکہ آپ کا سر قلم کرنے والا شیعہ عقیدہ رکھتا تھا۔

سنان سر مبارکش را جدا میکرد و میگفت	سنان حضرت حسینؓ کا سر مبارک جدا کرتے وقت
کہ سرترا جدا میکنم و میدانم کہ تو فرزند رسول خدائی	یہ کہہ رہا تھا کہ میں تیرا سر جدا کر رہا ہوں حالانکہ
و مادر و پدر تو بہترین خلقند (جلاء العیون ص ۴۰۶)	اعتقاد رکھتا ہوں کہ تو رسول خدا کا فرزند ہے

اور تیرے ماں باپ سب خلائق سے افضل ہیں۔

اب بتلائیے کیا یہ خالص شیعہ بنیادی عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ و علیؓ تمام خلائق سے افضل ہیں۔ اہل سنت کا تو نہیں۔ ان کے ہاں سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں اور حضرت علیؓ درجہ چہارم میں سب امت سے افضل ہیں اور بنو امیہ تو بیٹی کی اولاد کو فرزند کا درجہ نہیں دیتے تھے۔

شبث بن ربعی کی شیعیت کسے معلوم نہیں۔ صفین میں حضرت علیؓ کا سفیر خاص تھا حضرت حسینؓ کے ساتھ تھا اب حضرت حسینؓ کو بلانے والا تھا۔ مگر امام کے مقابل ... ہم کے لشکر پر امیر بن کر آیا تھا (جلاء العیون) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اترا تھا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۳۰۲)

حضرت حسینؓ کے سالے قیس بن اشعث کا تشیع کسے معلوم نہیں اس نے لڑائی کے بعد جسد اطہر حسینؓ سے چادر بھی چھین لی۔ (خلاصۃ المصائب ص ۱۹۲)

امام کے بالمقابل صرف وہی بے حیا کوفی تھے جنہوں نے نامہائے پر دغا جناب امام حسینؓ کو لکھے تھے۔

؎ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے۔ نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں۔

اہلِ کوفہ کا تشیع

"اہلِ کوفہ کے تشیع پر تبصرہ" کے عنوان میں محمد حسین صاحب لکھتے ہیں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا اور وہ شیعانِ علیؓ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعانِ علیؓ کہلاتے تھے۔ وہ صرف اس معنیٰ کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیر کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفہ بلافصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علیؓ تھے وقلیل من عبادی الشکور (تجلیاتِ صداقت ص۵۴۲)

سبحان اللہ! یوں تو شیعہ بڑی چالاکی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی ابتدا امام اول حضرت علیؓ نے وفاتِ نبوی کے بعد ڈالی۔ مگر جب "قاتلِ حسینؓ" ہونے کی تلوار سر پہ پڑی تو فوراً مرکزِ خلافت علوی کے پاسبان خاص شیعانِ علی کو بھی خلیفہ چہارم ماننے والے اور خلیفہ بلافصل کے منکر بتلایا۔ شتر مرغ کی مثال اس پہ صادق آتی ہے۔ اگر واقعی شیعانِ علیؓ سیاسی طور پر حریف معاویہؓ اور حامیانِ علیؓ ہو کر آپ کو خلیفہ بلافصل نہیں بلکہ خلیفہ چہارم مانتے تھے تو اظہر من الشمس ہو گیا کہ رافضی فرقہ شیعہ جو اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مذہب رکھتا ہے بہت بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا۔ نہ ان کے شیعوں اور پیروکاروں کا۔ اور نہ ان آئمہ نے خلافت بلافصل کی ان کو تعلیم دی تھی۔ ورنہ وہ آپ کو چوتھا خلیفہ ماننے کے بجائے خلیفہ بلافصل مانتے۔ آئمہ کی شاگردی کے بعد یہ گمراہی کیوں لیا؟

اس اعترافِ حقیقت کے بعد صحیح معنوں میں شیعہ علیؓ کی بہت قلیل تعداد ہونے کا دعوٰے مضحکہ خیز ہی ہے آیت وقلیل من عبادی الشکور کو ہر گمراہ اقلیت پڑھتی ہے۔ وجہ ترجیح ہونی چاہیے۔ وہ قلیل صحیح معنوں میں شیعہ وہی عز بول جو حضرت علیؓ کو مشکل کشا، حاجت روا، عالم الغیب، مختارِ کل، پیکرِ انسانی میں نورِ خدا (یعنی الہ) مانتے تھے۔ اور یہ شتر اسی نفر تھے۔ حضرت شیرِ خدا نے گڑھے کھود کر زندہ جلا دیا تھا (رجال کشی ص۲)

دوسری بات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ دوسرے شیعانِ کوفہ جیسے کہ پہلے تھے معاویہؓ کو ان سے اصلی بغض تھا کہ انھوں نے اس کے مقابلے میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ جب معاویہؓ کو اسلامی ممالک پر تسلط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہلِ کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کان اشد الناس بلاءً حینئذ اهل الکوفة۔ پھر شیعہ پر مظالم کی وضعی کہانی لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ ان حالات میں بھلا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لیے بھی باور کر سکتا ہے کہ تیس ہزار کا لشکر جرار برائے نصرتِ امام شیعانِ کوفہ سے تیار کیا گیا تھا۔ پھر دعوتی خطوط لکھنے والوں کو بھیڑ چال سے تشبیہ دیتے ہوئے اور آلِ زیاد کے مظالم کا ورد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں "کوفہ میں ۱۸ بیس ہزار کی تعداد میں کیا شیعہ ہو سکتے تھے ہرگز نہیں، کسی آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ نہیں بن جاتا یہی وجہ ہے کہ امام کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا۔ جب ہی تو جنابِ مسلمؓ کو جانچ پڑتال کے لیے روانہ کیا۔ (تجلیات)

واہ واہ! کس چالاکی اور سخن سازی سے اہلِ کوفہ کے تشیع کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اسے کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

جنابِ من! جب شیعہ کہلانا صداقت کی دلیل نہیں، نہ اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے کوئی حقیقی شیعہ بن جاتا ہے تو پھر شیعہ کہلاتے کیوں ہو؟ شیعہ کہلا کر گروہ بندی کی تاسیس و تعمیر کیسے؟ ظاہر و باطن میں اہلِ بیت کی اتباع کر کے متبع اہلِ بیت کیوں نہیں کہلاتے۔ اگر حضرت علیؓ و حسینؓ کے اصحاب۔ ان کے مقتدی، شاگرد طرفدار بن کر آلِ زیاد کے ہاتھوں ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بھی کوئی حقیقی شیعہ نہیں بن سکتا۔ تو آج کل ظاہر شریعتِ جعفری کے بھی تارک صرف عشرۂ محرم میں ماتمی رسوم اور سیاہ پوشی کی وجہ سے شیعہ علیؓ کہلانے والے کیسے حقیقی شیعہ ہیں؟ ماتمی محافل و جلوسوں کا یہ انبوہِ کثیر بقول شما (بعشر یا دھیان)، ادھر ادھر ایک چلا ادھر سب کا مصداق کیوں نہیں؟ کیا ان میں اور قرنِ اول کے شیعانِ علیؓ و حسنینؓ میں یہی فرق ہے کہ یہ موجودہ حاضر کے شیعہ، قرآن کی تحریف اور کمی بیشی کے قائل۔ آئمہ اہلِ بیت کو حضورؐ کے درجہ و منصب میں شریک ماننے والے۔ امہات المومنینؓ اور خلفاءِ ثلاثہؓ پر تبرا کرنے والے اور صحابہ کرامؓ نیز تمام امتِ محمدیہ کو اپنے سوا دائرۂ ایمان و نجات سے خارج مانتے ہیں اور وہ اصحابِ ثلاثہؓ کو بالترتیب

برحق خلفاء تسلیم کرتے۔ حضرت امیر کو خلیفہ بلافصل کے بجائے رابع تسلیم کرتے تھے اور امیر معاویہؓ اور آپ کی آل کو خلافت کا مستحق تسلیم نہیں کرتے تھے اور حمایت اہل بیت کرتے تھے۔ جب یہ حقیقت ہے تو ہم بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت علیؓ و حسنینؓ کے شیعہ اولیٰ کو اپنا دینی بھائی اور مسلمان تصور کرتے ہیں۔ صدیوں بعد کی پیداوار روافض کو نہیں مانتے۔

غدر و نفاق کی اہم وجہ

اہل حق کے ساتھ اس قرب کے باوجود اہل بیت کے ساتھ ان کی غداری اور بے وفائی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں غالب عنصر نو مسلم یہود و مجوس کا منافقانہ رنگ میں آ گیا جن کا مقصد وحید تشیع اور سیاسی اختلافات کی آڑ میں مسلمانوں کے ملی اتحاد و اتفاق کو تہ و بالا کرنا تھا۔ شہادت عثمان ذی النورینؓ حادثہ جمل و صفین و نہروان انہی کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ وہ حب علیؓ نہیں بغض معاویہؓ کے تحت مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ حادثہ کربلا کے بعد بھی وہ اسی لیے متمنی تھے۔ ظاہر ہے کہ حب اہل بیتؓ سے محبت ان کے کمالات کی وجہ سے نہیں، بغض حضرت عثمانؓ۔ معاویہؓ اور یزید کے مقابل مستحق خلافت ہونے کی وجہ سے عقیدت ہو تو یہ مفادات کے تحت سیاسی محبت یہی رنگ لاتی ہے۔ نہ ادھر نہ ادھر اس میں وفاداری کیسی؟ لہذا ہم تاریخی مطالعہ میں بیانگ دہل اور علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ شیعہ علیؓ و حب اہلبیت کے دعویٰ کے ساتھ جو تحریک بھی اٹھی اور جو گروہ بھی آگے بڑھا وہ بالآخر غدار ہو کر ناکام ثابت ہوا۔ قدرت نے وفاداری کا مادہ ہی سلب کر لیا۔ شیعی آئمہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے آج شیعہ لاکھوں کروڑوں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنے امام عصر سے ایمان و وفا کا تصدیق نامہ تو لا کر دکھائیں۔ وہ تو ۱۲۰۰ سال سے نامعلوم غار میں ۳۱۳ مخلص مومنوں کی انتظار میں ہیں، مگر افسوس تاہنوز۔ ایران جیسی مستقل شیعہ ریاست اور خمینی کے اقتدار ہونے کے باوجود۔ ۳۱۳ مومن کامل بھی پیدا نہ ہو سکے اور نہ امام کو یہ یقین ہے کہ میرے ظاہر ہونے سے دار الخلافہ طہران مجھے مل جائے گا۔

آخر میں "لمحہ فکریہ" کے عنوان سے محقق صاحب کا وہ بڑا جھوٹ بھی ملاحظہ ہو جس سے شہداء کربلا کی ارواح مقدسہ کو بھی اذیت ہو گی۔

" یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی

شیعہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی بھی واقعہ کربلا میں امام کے مقابلہ پر ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے حبیب بن مظاہر، سعید بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن عبداللہ وامثالہم) امام کے ہمرکاب ہوکر شہید ہوئے۔ اور دوسرے بعض بعض موانع وعوائق کی وجہ سے نصرتِ امام کا فریضہ ادا نہ کرسکے۔ اور بعد میں انتقام امام کے جذبہ سے سرشار ہوکر اٹھے اور توابین کہلائے (تجلیات صداقت ص۵۲)

قارئین! چند ورق پیچھے الٹ کر حضرت حسینؓ کے لشکر مقابل سے مکالمے اور خطوط کے حوالے نام بنام ان کو پکارنا اور شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر جیسے لوگوں کو شرمندہ کرنا اور بددعائیں دینا ملاحظہ کرکے "محقق فاضل کو دروغ گوئی پر داد تحسین دیں۔ سہ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

محقق صاحب حقیقی شیعہ کی کوئی پہچان اور علامت تو بیان کردیتے۔ "توابین" کا لفظ ہی ان کو مجرم ثابت کررہا ہے۔ وہ خود قتل کا اعتراف کرتے ہیں، اپنے آپ کو قتل اور خون ریزی کرنے کے باوجود مجلسی صاحب فائدہ نبخشید (یعنی گناہ معاف نہ ہوا) کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ پھر بھی ان قاتل امام شیعہ کو لعنت کرنے کے بجائے لعن طعن سے بچاتے ہوئے بعض موانع وعوائق کا عذر کرنا اور بعض اعتبار سے مجبور و معصور ماننا فرقہ بندی کی بدترین مثال ہے۔ ان تحریروں سے محض رشتہ تشیع کی وجہ سے فریضہ دفاع ادا کرکے حضرت امام عالی مقام کو سلطان المحققین صاحب نے کیا انتہائی دکھ نہیں پہنچایا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اہلِ سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی؟

اب سوال کا آخری جز قابلِ جواب ہے کہ اس وقت کروڑوں اہلِ سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی۔ یہاں معترض نے پہلی صدی میں ہی کروڑوں اہلِ سنت کا وجود تسلیم کرکے ان کی قدامت وصداقت اور مذہب شیعہ کے جدید و بدعت ہونے پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ والفضل ما شهدت به الاعداءُ۔

رہا یہ امر کہ اہلِ سنت نے نصرت نہ کی۔ تو وضاحت یہ ہے کہ کوفہ شیعستان تھا۔ ملا نوراللہ شوستری رقمطراز ہیں۔

وبالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت
دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل محتاج
بدلیل است اگرچہ ابوحنیفہ کوفی باشد۔
(مجالس المومنین ص۵۶ بیان کوفہ۔)

خلاصہ یہ کہ تمام اہل کوفہ کا شیعہ ہونا دلیل دینے
کا محتاج نہیں ہے اور کوفی الاصل کا سنی ہونا
دلیل کا محتاج ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ کوفی
ہو۔

جب آپ لوگ کوفیوں کو سنی مانتے ہی نہیں پھر نصرت کا سوال کیا؟ اگر اپنی کتب سے خالص الاعتقاد سنی بتائیں تو جواب دیا جائے گا۔ بروایت مجلسی در جلاء العیون ص۳۴۷ ایک لاکھ تواریں مہیا کرکے حکومت کے لیے آپ کو بلانے والے شیعہ پر یہ یقین نہ تھا کہ وہ خود ہی امام مظلوم کو شہید کرکے اسلام زندہ کر دکھائیں گے۔ سب حضرات اہل مکہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کئی صاحبزادوں اور داماد وں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا جنکی تفصیل جلاء العیون ص۳۶۸ تا ۳۷۲ پر ہے اور نام ہم شروع بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر حضرت جانے پر اصرار کرتے رہے حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو صاحبزادوں کے ذریعے حاکم مکہ عمرو بن سعد سے امان نامہ لکھوا کر حضرت کو دیا اور حاکم مدینہ ولید نے از خود ابن زیاد کو لکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیری طرف آ رہے ہیں وہ رسول خدا کی صاحبزادی کے دلبند ہیں ان سے نہ الجھنا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ مگر اس خط کا اس پر اثر نہ ہوا۔
(جلاء العیون ص۳۵۲)

اس قدر ہمدردی اور سدِ باب کے باوجود بھی بطورِ احتیاط سنی اہل مکہ نے ۵۰۔۶۰ کے لگ بھگ نوجوان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیے جنہوں نے کبھی شیعہ بننے کا دعویٰ نہیں کیا مگر آخر دم تک شرطِ وفاداری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اہلسنت کے ارکن انجم لکھنؤ کے کربلا نمبر میں شہداء کربلا کی فہرست ۱۰۵ الفردی ہے۔ جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۰ عدد ان کے اعزہ کے نام ہیں۔ مثلاً ابوبکر بن حسن۔ عمر بن حسن۔ ابوبکر، عمر، عثمان صاحبزادگان علی رضی اللہ عنہم، باقی ۸۵ عدد غیر اہل بیت ہیں۔ ان میں حبیب بن مظاہر، سعید و عبدالرحمٰن بن عبداللہ مکی کے چند حضرات ہیں باقی سب سنی الاصل مکی ہیں۔ اور انصار صحابہ و تابعین کی اولاد ہیں۔ مثلاً محمد بن مقداد انصاری۔ سیف بن مالک انصاری محمد بن انس انصاری۔ قیس بن ربیع انصاری۔ عامر بن مسلم۔ جوہر بن مالک۔ قرعانہ بن مالک۔ نعیم بن عجلان۔ ابو ثمامہ۔ عمار بن

ابی سلامت۔ شیب بن حارث۔ مالک بن مسریع۔ عمار بن حسان۔ زبیر بن حسان۔ حماد بن انس۔ وقاص بن مالک۔ خالد بن عمر۔ مجمع بن عبداللہ عائذی وغیرہم ہیں۔ (کذا فی النجم لکھنؤ بابت محرم ۱۳۵۶ھ)
اس کھلی حقیقت کے باوجود شیعہ کے عناد اور کتمانِ حق۔ جوان کے ہاں بڑی عبادت ہے، کا یہ عالم ہے کہ ان بزرگوں کا نام لینا بھی شیعہ ذاکرین گناہ سمجھتے ہیں کیونکہ شیعتان ہونے کی وجہ سے اہلِ سنت کی نصرت کا یہاں سوال نہ تھا۔ ہاں جب قافلہ اہلبیت شہرِ دمشق میں پہنچا تو وہاں صدمہ سے ہر آنکھ اشکبار تھی۔ خود یزید نے شیعہ کی بڑی عبادت ماتم۔ جس کے ایک قطرہ آنسو سے سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ (جلاء العیون ص۳) ادا کی۔ طمانچہ بر رو ئے خود زد و گریست۔ منہ پہ طمانچے مار کر رونے لگا۔ حضرت حسینؓ کا سر لانے والے قاتل کو قتل کرا دیا (جلاء العیون ص۴۲۷) ابنِ مرجانہ پر لعنت کی اور انعام کے لالچیوں کو پھٹکار کا نمونہ دکھا کر دھتکار دیا۔ پھر اہلِ بیت سے حسنِ سلوک کرتا رہا، ان کو جگر کا غم نکالنے کی پوری اجازت دی۔ حضرت زین العابدینؒ کو کئی دن تک اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پہ کھانا کھلاتا رہا۔ آٹھ دن گزرنے کے بعد سب اہلبیتؓ کو بلایا اور معافی چاہتے ہوئے شام میں ٹھہرنے کی درخواست کی۔ حضرت زینبؓ خواہر حسینؓ تو وہیں رہ پڑیں اور وہیں وفات پائی۔ (دمشق شام میں آج تک ان کا مزار مرجع خلائق اور زیارت گاہِ انام ہے۔ باقی قافلہ کی روانگی کے لیے خوبصورت کجاوے تیار کرائے اور ان کو سفر خرچ دیا۔
"حضرت زین العابدینؒ کی طلب پر حضرت حسینؓ کا سر مبارک ان کو دے دیا۔ کوفی غنڈوں کے ہاتھوں لوٹے ہوئے سب مال کی ادائیگی کی اور وہ کپڑے بھی لوگوں سے وصول کر کے ادا کیے جو حضرت فاطمہؓ نے خود سوت کات کر بنوائے تھے۔ مستورات کے برقعے لباس اور ہار وغیرہ نیا بھی واپس کرائے۔ پھر دو صد سونے کے دینار حضرت زین العابدینؒ کو دیئے۔ حضرت نے وہ قبول کر کے فقراء پر تقسیم کر دیئے۔ پھر یزید نے دمشق ٹھہرنے کا اختیار دیا۔ حضرت نے مدینہ واپسی کو ترجیح دی۔ (جلاء العیون ص۴۱۹)
شیخ مفید اور دیگر شیعہ مورخین کی روایات کے مطابق یزید نے حضرت نعمان بن بشیرؓ صحابی کو بلا کر کہا کہ اہلِ شام کے نیک باعتماد اور امین و دین دار آدمی کو اس قافلہ کے ساتھ مدینہ بھیجو۔ ایک روایت کے مطابق نعمانؓ کو ہمراہ کیا۔ پھر امام زین العابدینؒ کو بلایا اور لوگوں

کی ملامت اٹھانے کے لیے کہا۔ لعنت ہو خدا کی ابن مرجانہ پر۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسینؓ جو کچھ مجھ سے مانگتے میں دے دیتا اور ان کے قتل پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔ اے زین العابدین! ہمیشہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہنا اور اپنی ہر ضرورت مجھے لکھا کرو پوری کی جائے گی پس جس آدمی کو ہمراہی قافلہ کے لیے تیار کیا تھا اسے بلا کر اہل بیت کے حق میں حسن سلوک کی خوب تاکید کی۔ (جلاء العیون ص۴۰۵)

سنی مورخین نے بھی بالکل اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً یہ اسی حسن سلوک کا اثر تھا کہ جب اس حادثہ کے تین سال بعد ۶۳ھ میں یزید کے فسق کی افواہ اڑنے پر اہل مدینہ نے بغاوت کر دی تو حضرت زین العابدینؒ نے اس میں کچھ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے متعلقین کو حضرت عبداللہ بن عمر کی طرح سختی سے روکا۔ یزید کی فوجوں کو بھی یہی حکم تھا چنانچہ انہوں نے حضرت سجادؒ و خاندان اہل بیتؓ سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

گو شیعہ مولفین نے اس حقیقت کو یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ حضرت نے یزید سے قتل کے ڈر سے خود کو یزید کا غلام کہا۔

فقال له علی بن الحسین قد	حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا جو چیز تو مانگتا
اقررت لك ما سالت انا عبد مکره	ہے میں نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا۔ میں تیرا
فان شئت فامسك وان شئت فبع	مجبور غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے
(روضہ کافی ص۲۳۵ ایران)	تو بیچ دے (العیاذ باللہ)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ حاطب اللیل مورخین کے بیان کے مطابق یزید نے سر مبارک کے ساتھ بے حرمتی کی اور مخدرات عصمت کے ساتھ نامناسب مکالمہ بھی کیا۔ قطع نظر اس کے ثبوت و عدم ثبوت کے یہ ایک حقیقت ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا صریح حکم ہرگز نہیں دیا۔ صرف نئے گورنر کا تقرر، اہل کوفہ کی بغاوت فرو کرنے کا حکم بالصورت انکار بیعت حضرت حسینؓ کو زندہ اپنے پاس پہنچانے کا حکم مورخین نے لکھا ہے۔ ہر حکومت اپنی مخالفت کو روکنے کے لیے ایسے احکام دیتی ہے خواہ مقابلے میں کوئی بھی ہو۔ اسے قتل امام حسینؓ کے متعلق مظنہ نہ تھا۔ مولانا سید معین الدین شاہ ندوی تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۶۸ پر رقم طراز ہیں۔

"یہ حادثۂ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا قتل کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا۔ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے (بحوالہ الطبری جز ۶ ص ۲۷۵ و اخبار الطوال ص ۳۴۲) الغرض یزید حضرت امام حسینؓ کے قتل پر راضی نہ تھا اس نے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن عمدہ سلوک کیا لیکن اس کے عہد میں اہل بیتؓ کی پامالی ہوئی خاندان رسول کے ساتھ شدید ظلم و تشدد ہوا اور ان کی ناقابل تلافی بے حرمتی ہوئی۔ اس حسن سلوک کے باوجود اہل بیت کی عزت کا مداوا اور بدنامی کا ازالہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔ یزید کی حماقت اور ابن زیاد کی رعونت و سرکشی نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو اور عزت اہل بیتؓ کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ہم دفاع یا طعن کے بجائے معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ جو ہر مسئی اور صالح کو بدلہ دے گا۔

الغرض قافلۂ اہل بیتؓ نے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کی یہاں کسی کی طرف سے اہل بیتؓ کو گزند نہ پہنچا۔ کیا اہل مکہ و مدینہ یعنی اہل سنت سے بڑھ کر بھی اہل بیت کے لیے کوئی محسن و خیر خواہ ہوا ہے؟ آخر حضرت حسنؓ حسینؓ، زین العابدین، محمد باقر و جعفر صادق (رحمہم اللہ) نے مسکن مدینہ، عراق و کوفہ چھوڑ کر مدینہ کی رہائش کیوں اختیار کی تھی؟ مکہ و مدینہ کے مراکز اہل سنت ہونے پر قاضی نور اللہ شوستری کی شہادت ملاحظہ ہو۔

اما مکہ و مدینہ محبت ابوبکر و عمر برایشان غالب است (مجالس المؤمنین ص ۵ حالی کوفہ)
مکہ اور مدینہ والوں میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت کا غلبہ ہے۔ (ان کو ہی افضل مانتے ہیں۔)

یہاں شیخینؓ کی محبت غالب کیوں نہ ہو۔ امام الانبیاءؐ کا مولد، مسکن و ماوٰی یہیں پہلی کی جگہ نمناک، آگ جلنے کی جگہ گرم ہوتی ہے، سایہ میں ظلمت اور دھوپ میں نورانیت ہوتی ہے۔ صداقت اہل سنت پر اس سے بڑی شہادت کیا چاہیئے؟

سوال ۷۔ اگر حضرت علیؓ کا حکومت وقت سے اختلاف نہ تھا تو ان تینوں کو مقتول

کے دور میں کسی جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے جب کفار سے جنگ کرنا بہت بڑی عبادت و سعادت ہے۔ اور اگر کثرتِ افواج کی وجہ سے ضرورت محسوس نہ ہوئی تو جنگِ جمل و صفین میں بنفسِ نفیس کیوں ذوالفقار کو نیام سے نکال کر میدان میں اترے۔ کیا خالد بن ولید حضرت علیؓ سے زیادہ شجاع تھے؟ یا حکومتِ وقت کے ساتھ حضرت علیؓ کے تعلقات اچھے نہ تھے کہ سیف اللہ کا خطاب خالدؓ بن ولید کو مل گیا۔ نیز تعلقات اچھے ثابت کرتے ہوئے تاریخ طبری سے جو دو مکالمے مولانا شبلیؒ نے کتاب الفاروق ص۲۸۵ پر نقل کیے ہیں پیشِ نظر ہیں۔ انصاف سے یہ دونوں مکالمے جو حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے مابین ہیں پڑھ کر فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ سوال بناتے وقت شیعہ معترض اپنی عقل کو بھی کھو بیٹھا ہے کہ متواتر حقائق کا انکار کر رہا ہے۔ خلفاءِ ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے بہتر تعلقات تاریخی حقیقت ہیں۔ شیعہ اگر منکر ہیں تو تاریخی طور پر ان کو وہ واقعات بتانے چاہییں جن میں صراحۃً حضرت علیؓ نے خلفاء پر تنقید کی ہو یا ان سے الگ تھلگ رہے ہوں جب ایسا ثبوت ناممکن ہو تو پھر شیعہ کا حسنِ تعلقات کا مطالبہ ہم سے ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا دوپہر میں سورج کے وجود پر دلیل مانگے۔ ظاہر ہے کہ جب اندھا دیکھ ہی نہیں سکتا ہم اسے سورج کا وجود کیسے باور کرائیں گے بعینہٖ خلافتِ راشدہ کی پوری تاریخ کے مطالعہ میں جب شیعہ کو اچھے تعلقات نظر نہیں آتے تو کیا ہمارے دو چار واقعات لکھ دینے سے وہ مان لیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ بنصِ قرآنی وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (ان مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں) کے تحت ان کی شوریٰ کے مشیر اور ممبر تھے۔ عدلیہ کے معتبر قاضی تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں نیابت و وزارت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ خلفاءؓ کی کسی پالیسی اور امر و نہی سے اختلاف نہ کرتے۔ بہت سے مسائل میں مفید مشورے دیتے جو عموماً قبول کر لیے جاتے۔ خلفاءؓ سے عطایا اور تنخواہیں وصول کرتے بلکہ ذریعہ معاش یہی تھا۔ حضرت حسینؓ کے لیے ایرانی باندی شہربانو قبول کر کے سب سادات کی ماں بنا دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی لختِ جگر ان کو بیاہ کر دے دی۔ اگر تبیّ دختر عثمانؓ داد ولی دختر پیمبرؐ فرستاد (مجالس المومنین ج ۱ ص ۲۰۴)

ان امور کی تفصیل اسی کتاب الفاروق سے واضح ہو جس سے طاعن نے یہ سوال اختراع کیا ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علی، عبدالرحمن بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) اس میں شامل تھے۔
(کنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۴ بحوالہ الطبقات لابن سعد الفاروق ص ۲۸۳)

۲۔ آپ قاضی و مفتی بھی تھے۔ مدینہ منورہ میں عہد خلافت راشدہ میں کتنے فیصلے دیئے۔ حضرت عمرؓ نے نامور مفتیوں میں آپ کا شمار کر کے فتویٰ پر مامور کیا۔ شبلیؒ نے مفتیوں کی فہرست یہ دی ہے۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت معاذ بن جبل، عبدالرحمن بن عوف۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرہ۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہم۔ (الفاروق ص ۳۴۳ ازالۃ الخفاء ص ۱۳۰)

۳۔ غیر موجودگی میں نائب خلیفہ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پر فتح بیت المقدس کا سفر خود کیا۔ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کر گئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۱)

علامہ شبلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کے جملہ بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (الفاروق ص ۲۶۵)

۴۔ شیخینؓ کا اتباع

خلفاء کے کسی امر و نہی سے اختلاف نہ رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے خلافت میں بھی تمام قضاۃ کو حکم دیا کہ جیسے پہلے دستور کے مطابق تم فیصلے کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرو کیونکہ میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں تاآنکہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں یا میں وفات پا جاؤں۔ جیسے مجھ سے پہلے میرے ساتھی خلفاء وفات پا گئے۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۲۶) یہی کچھ شیعہ کے شہید ثالث شوستری نے مجالس المومنین ج ۱ ص ۵۰ پر حضرت امیرؓ سے نقل کیا ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ کی شیخینؓ سے موافقت اور ان کے ہر کام کے اسلامی ہونے پر تصدیق

ایک تاریخی حقیقت ہے۔ "جنگ نہروان کے موقعہ پہ ربیعہ بن شداد نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کتاب اللہ و سنتِ رسول کے بعد سنتِ ابی بکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تو آپ نے فرمایا۔ بے وقوف اگر حضرت ابوبکر و عمرؓ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے برخلاف عمل کیا ہوتا تو وہ کسی بات میں حق پر نہ ہوتے (طبری ج ۵ ص۸۶) یعنی ان کی سنتِ طیبہ بعینہ سنتِ نبوی کے مطابق اور اس میں مدغم ہے جلیحدہ تصریح کی حاجت نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب حضرت عثمانؓ کے موقعہ پر طبری کی روایت سے شیعہ جو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی سیرت کو قرآن و سنت کے ساتھ الگ ذکر کرنا پسند نہیں کیا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ سیرتِ شیخینؓ قرآن و سنت سے الگ نہیں۔ اسی کی عملی تفسیر ہے لہذا علیحدہ ذکر سے اس کی علیحدگی کا گمان ہوتا ہے جو حقیقت کے خلاف ہوگا۔ ورنہ وہ مغایرت کے ہرگز قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیرِ خدا کے پروردہ و مزاج شناس حضرت حسن المجتبیٰ بھی شیخینؓ کی سیرت کو برحق اور مخالفت کو ناجائز کہتے تھے جب آپ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تو یہ شرط لگائی۔

متعرض او نہ گردد بشرط آنکہ او عمل کند
در میانِ مردم بکتاب خدا و سنت رسول خدا
و سیرِ خلفاء شائستہ (جلاء العیون ص۲۵۴)

کہ حسنؓ معاویہؓ کی مخالفت نہ کریں گے بشرطیکہ وہ کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ اور سنتِ خلفاء نیکوکار راشدینؓ کے طریقے پہ لوگوں میں عدل و حکومت کریں۔

زہد تقویٰ اور نظریہ میں حضرت مرتضیٰؓ کی تصویر حضرت ابوذر غفاریؓ بھی سیرتِ شیخینؓ کو واجب العمل جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔

ابوذر گفت تو بہ سیرت و سنتِ ابوبکر
و عمر رو تا فارغ باشی و کسے بر تو انکار نکند و
در آنچہ گوئی و کنی انگشت ننہند (مجالس المومنین
ج ۱ ص۲۲)

ابوذرؓ نے فرمایا اے عثمانؓ آپ ابوبکر و عمرؓ کی سیرت پہ چلتے رہیں تاکہ مطمئن ہوں کوئی آپ پہ اعتراض نہ کرے اور آپ جو کچھ کہیں اور کریں اس پہ انگلی نہ رکھے۔

معلوم ہوا کہ سیرتِ شیخینؓ ہر قسم کے اکابر صحابہؓ میں بھی مقبول و مسلم تھی۔ حضرت عثمانؓ سے کسی صحابی کو اگر پالیسی میں اختلاف ہوا تو اپنی دانست میں سیرتِ شیخینؓ کے خلاف جانا گیا

شیخینؓ کی صداقت اور ان سے حضرت علیؓ، حسنؓ، ابو ذر غفاریؓ کے حسن تعلقات میں اب بھی شبہ ہے۔

۶. خلفاء سے عطیات و وظائف پانا

جب اصحاب بدر کے وظائف مقرر ہوئے تو حضرت علیؓ کا بھی ان کے برابر ۵۰۰۰ درہم مقرر ہوا حضرت حسنؓ و حسینؓ گو بدری نہ تھے مگر قرابت نبوی کی وجہ سے ان کا بھی پانچ پانچ ہزار عطیہ مقرر کیا۔ (الفاروق ص۲ بحوالہ کتاب الخراج ص۲۴-۲۵)

(یہیں سے حضرت عمرؓ کی اہلبیت نبوی سے مودت و محبت کا اندازہ عقل سلیم لگا سکتی ہے۔)

۷. حضرت حسینؓ کے لیے یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی شہر بانوں کو حضرت عمرؓ کی اجازت پر قیدیوں میں سے قبول کیا۔ (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص۱۹۵)

اب اگر حضرت عمرؓ خلیفہ برحق نہ تھے اور ان کی جنگیں شرعی جہاد نہ تھیں (اس لیے حضرت علیؓ نے کسی جنگ میں شرکت نہ کی جیسے روافض کا خام خیال اس سوال میں بھی مذکور ہے) تو پھر ان فتوحات کے غنائم اور قیدی سب ناجائز ہاتھ آئے۔ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو یہ وظائف اور باندی ہرگز جائز نہ تھی۔ کیا یہ حضرات عمر بھر (معاذ اللہ) حرام کھاتے رہے اور سادات کا نسب بھی مخدوش ہوگیا؟۔

۸. حضرت علیؓ کے حضرت عمرؓ کے ساتھ حسن تعلقات کی حد یہ ہے کہ اپنی لخت جگر ام کلثومؓ بنت فاطمۃ الزہراؓ بھی نکاح کرکے دے دی۔ مجالس المومنین کا ایک حوالہ گزر چکا ہے ص۱۸۲ اور ص۱۸۸ میں بھی باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

مزید تصریح فروع کافی ج ۲ ص۱۴۱ باب تزویج ام کلثوم۔ تہذیب الاحکام ص۳۸۰ اور فروع کافی ج ۲ ص۱۳۱ پہ ملاحظہ کریں۔

اس برضا و رغبت نکاح کو شیعہ معاذ اللہ۔ اغوا و غصب فریب، جبر اور اکراہ سے تعبیر کرکے حضرت علیؓ کی غیرت کا جنازہ نکال دیں تو یہ انہی کا ایمان یا جگر گردہ ہے ایک مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

صرف عملی تعلقات ہی بہتر نہ تھے بلکہ اعتقادی اور لسانی طور پر آپ ان خلفاء کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔

حضرت علیؓ اور مدحِ شیخینؓ

نہج البلاغہ میں آپ کا یہ مشہور خطبہ ہے۔

لله بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنة وخلف الفتنة ذهب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرها وسبق شرها ادی الی الله طاعته واتقاه بحقه رحل وترکهم فی طرق متشعبة لا یهتدی فیها الضال ولا یستیقن المهتدی (نہج البلاغہ مع ش ح فیض الاسلام ج ۲ ص ۷۳۱)	بخدا فلاں آدمی (حضرت عمر یا ابوبکر) کتنی خوبیوں کا مالک تھا کجی کو سیدھا کیا، خرابی کی اصلاح کی، سنت کو لوگوں میں قائم کیا اور فتنہ کو بھگا دیا۔ دنیا سے پاک دامن رخصت ہوا، کم عیب والا تھا، خلافت کی بھلائی پائی اور اس کی برائی سے بچ نکلا۔ اللہ کی اطاعت پوری کی اور کما حقہ اس سے ڈرتا رہا۔ دنیا سے جب رخصت ہوا تو ان کو تاریکی کے مختلف راستوں میں چھوڑ گیا جن میں نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ کو راستے کا یقین ہوتا ہے۔ (گویا آفتاب تھا غروب ہوتے ہی دنیا تاریکی میں ڈوب گئی)

شارح نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی مدح ہے۔

امرِ خلافت منتظم بود و اختلالے در آں راہ نیافت طاعتِ خدا را بجا آورد و از نافرمانی او پرہیز کردہ حقش را ادا نمود۔	اس کی خلافت بالکل صحیح درست تھی۔ کوئی خرابی اس میں داخل نہ ہو سکی۔ خدا کی اطاعت بجا لایا اور نافرمانی سے پرہیز کیا اور خدا کا حق (پورا) ادا کیا۔

قدیم شارحین یہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق فرماتے ہیں اور متاخرین حضرت عمرؓ کے متعلق۔ کوئی بھی مراد ہو خلافتِ راشدہ کی تصدیق ہو گئی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو دین کا قائم کرنے والا، راست رو اور دین کو مضبوط کرنے والا بتایا۔ (نہج البلاغہ ص ۲۶۳) نیز شیخینؓ کے متعلق یہاں تک فرمایا۔

ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما اللہ وجزاهما باحسن ما عملا (شرح نہج البلاغہ
ج ۳ صـ۱۳۱ مؤشرح ابن میثم)

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بہت بڑا ہے اور ان کی وفات کا صدمہ اسلام میں بہت سخت زخم ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان کو بہترین کاموں پر جزائے خیر دے

قسم اٹھا کر اپنے عقاید اور حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔ الزامی باتیں یا مسلمات خصم یوں بیان نہیں کی جاتیں۔ نیز ایک اور طویل خطبہ میں حضرت عمرؓ کو آپ نے مسلمانوں کا مرجع۔ جائے پناہ اور مثابة المسلمین فرمایا (نہج البلاغہ ج ۲ صـ۲۴)

نیز آپ کی خلافت کو موعودہ خداوندی۔ آپ کے لشکر کو خدائی لشکر۔ آپ کی فتوحات کو اللہ کے دین کا غلبہ۔ آپ کو قیم الامر (خلیفہ) اور ہار کے دانوں کے لیے بمنزلہ دھاگہ اور قطب زمان وغیرہ فرمایا (نہج البلاغہ ج ۲ صـ۲۹)

ان تمام خطبات والفاظ میں شیخینؓ کی خلافت اور صداقت کی پوری پوری بلا شبہ تصدیق ہے۔ اب شیعہ کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو ان تمام تعلقات اور ارشادات کو مبنی بر صدق جان کر شیخینؓ کو برحق تسلیم کرلیں یا پھر ان کو (العیاذ باللہ) محض مدح کی وجہ سے ظالم وغیرہ ماننے کی صورت میں یہ اعلان کریں کہ امیر المومنین کا یہ رویہ منافقانہ تھا اور آپ اس آیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود ۱۰۶)

اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو آگ پکڑے گی۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے کا شبہ

رہا یہ شبہ کہ عہدِ راشدہ کے جنگ وجہاد میں کیوں شریک نہ ہوئے تو یہ غیبت اختلاف نہیں۔ سبب آپ وزارت افتاء مشاورت جیسے اہم عہدوں کی ذمہ داری لے کر خلافت راشدہ کی خدمت کر رہے تھے تو عام سپاہی کی حیثیت سے تلوار لے کر لڑنا کون سی فضیلت کی بات ہے۔ حضرت علیؓ اہم معروفیات کی وجہ سے خود کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو حقانیت خلافت راشدہ پر کوئی

حرف نہیں آتا کیونکہ حضرت حسن و حسینؓ نے خلافت حضرت عثمانؓ میں فتح افریقہ میں شریک ہو کر باقاعدہ جہاد کیا اور حصہ غنیمت پایا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں فتح قسطنطنیہ میں یہ دو حضرات عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے ہمراہ شریک ہوئے (طبری البدایہ ج ۸ ص ۳۲ وغیرہ) شیعہ کے معتمد بزرگ حضرت حسن البصری عہد معاویہؓ میں شریک جہاد ہوتے تھے (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۲)

اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ جیسی زاہد، متقی اور مومن عند الشیعہ شخصیت حضرت عثمانؓ کے دور میں مدائن کی گورنر رہی۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۲۵۱ پر لکھتے ہیں۔

زیرا کہ عمر اورا والی مدائن گردانیدہ بود ابتدا

کیونکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا حاکم بنا دیا

خلافت امیر المؤمنین والی بود

تھا آپ حضرت امیر المؤمنین کی خلافت تک والی رہے۔

حضرت مرتضیؓ کے رفیق خاص حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم بنایا تھا مگر کوفہ کے لوگ آپ کے قابو میں نہ آئے تو معزول ہو کر واپس آگئے۔ (کتب تاریخ)

جمل و صفین کی جنگیں جہاد نہ تھیں بلکہ بلوایان عثمانؓ کی سازش سے آپ کو لڑنا پڑا جس کی تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی۔ ہم یہاں مولانا محمد صدیق صاحب کا کشف الاسرار سے اسی بات کے جواب کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

"لیکن بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ذوالفقار کے نیام سے نکلنے کے باوجود ان میں سے کوئی چیز وقوع پذیر نہ ہوئی۔ داخلی محاذ پر اگرچہ باہمی جنگیں ہوتی رہیں لیکن حضرت علیؓ کے حامیوں کی تعداد کم اور حضرت معاویہؓ کے حامیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ حضرت علیؓ کے زیر اقتدار رقبہ کم ہوتا رہا اور حضرت معاویہؓ کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس پورے چھ سالہ دور میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں ایک انچ رقبہ بھی کفار کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوا اور وہ مسلمان جو قیصر و کسریٰ کے تخت روند رہے تھے ایک بار پھر قیصر کی دھمکیوں کا نشانہ بن گئے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں میں جس قدر انتشار اس دور میں ہوا اس سے قبل موجود نہ تھا۔ پہلے مسلمانوں کی جمعیت اور کلمہ واحد تھا۔ ایک ہی فرقہ تھا جسے مسلمان کہتے ہیں لیکن اب شیعہ کا وجود منظر عام پر آیا۔ خوارج معرض وجود میں آئے حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائلین دکھائی دیئے۔

حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ کافر قرار دینے والے ببانگِ دہل اپنے عقاید و افکار کا پرچار کرنے لگے۔۔

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ذوالفقار کا نیام کے اندر رکھنا امتِ مسلمہ کے لیے بہتر تھا اجیساکہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں ہوا، یا اس کا نیام سے باہر نکلنا۔ جبکہ ہم حضرت علیؓ کی وفات کے بعد دیکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ذوالفقار نیام میں ڈالی تو حضرت امیر معاویہؓ کی قیادت میں مسلمان ایک بار پھر متحد ہو کر کفار کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ جہاد کا آغاز کیا۔ نئے علاقے فتح ہونے لگے۔ مسلمان علمی تہذیبی اور ثقافتی طور پر پھر عروج کی طرف گامزن ہو گئے اور اس پورے دور (۲۰ سال) میں کہیں کوئی شورش یا فتنہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ سالِ ۴۱ھ کو مسلمانوں نے عام الجماعۃ کا نام دیا۔

مزید غور کیجیے کہ حضرت حسینؓ نے جب ذوالفقار کو ایک بار پھر نیام سے نکالا تو عالم اسلام کو دوبارہ خونی حوادث سے دوچار ہونا پڑا۔ کربلا کا سانحہ پیش آیا۔ مدینہ میں قتل و غارت ہوئی اور جب امام زین العابدینؒ نے ذوالفقار کو نیام میں ڈال دیا تو عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک وغیرہ خلفاء کی زیرِ قیادت مسلمان پھر متحد ہو کر کفار پر عذاب لے آئے۔ ان حقائق کی روشنی میں شیعہ حضرات سے ہی ہم فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ذوالفقار کو میان سے باہر نکالنا بہتر تھا یا اسے میان کے اندر رکھنا بہتر تھا۔" (کشف الاسرار ص ۹۵، ۹۶)

حضرت خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کا لقب خلفاء نے نہیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمایا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ ج ۲ ص ۶۱۱) جبکہ آپ نے غزوہ موتہ میں کمان سنبھال کر ۹ تلواریں توڑیں اور تین ہزار کے معمولی لشکر کو ایک لاکھ مسلح رومیوں سے مقابلہ کرا کر اور حکمتِ عملی سے بخیر و عافیت واپس لے کر آئے۔

حضرت خالدؓ گو حضرت علیؓ سے شجاع نہ ہوں مگر کفار ان کے ہاتھ سے زیادہ قتل ہوئے۔ عہد صدیقی میں۔ مرتدین، مسیلمہ کے پیروکار اور فتوحاتِ شام کے معرکوں میں حضرت خالدؓ کا بہت بڑا نمایاں حصہ ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۰)

شیعہ دوستو! یہی تو ہماری دلیل ہے کہ مدارِ فضیلت اخلاص کے ساتھ جہاد میں شرکت اور ثابت قدمی ہے۔ بالفعل تکثیرِ قتل تو اتفاقی بخت ہے۔ افضلیت کی دلیل نہیں۔ ورنہ خود اشجع الناس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت سلمانؓ۔ ابوذرؓ اور ابو الدرداءؓ (عند الشیعہ مسلمان)

سے مقتولین کی تعداد بتائی جائے۔ جیسے حضرت خالدؓ کثرت قتل کے باوجود ان بزرگوں سے افضل نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنگ میں شیرِ خدا ہونے کے باوجود حضرات خلفاءِ ثلاثہؓ سے افضل نہیں۔ فافہم۔

طبری کے مکالموں کی حقیقت

رہے بحوالہ الفاروق طبری کے دو مکالمے تو وہ اس لائق نہیں کہ ان پر بنیاد رکھ کر حضرات اہل بیتؓ اور خلفاءِ اسلام پر اقتدار طلبی اور حسد کا الزام مکروہ لگایا جائے۔

اولاً۔ اس لیے کہ ان کی سند مجاہیل سے ہے۔ پہلے مکالمہ کی سند میں عمر بن علیؒ۔ ابوالولیدؒ مکی۔ ولد طلحہؒ کا ایک آدمی از ابن عباس ہے۔ (طبری ج ۴ ص ۲۲۲) ان چاروں رواۃ کے تراجم کتب رجال تقریب۔ تہذیب۔ میزان الاعتدال میں نہیں ملے۔ جیسے عمر اور علی کا ولدیت و نسبت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی پتہ نہیں لگتا۔ اسی طرح اولادِ طلحہ کا ایک آدمی "ایں ہمہ خانہ مجاہیل است" کا مصداق ہے۔ دوسرے مکالمہ کی سند میں ابن حمیدؒ۔ سلمہؒ۔ محمد بن اسحاقؒ۔ ایک آدمی از عکرمہ از ابن عباس ہیں (طبری ج ۴ ص ۲۲۳) ایک آدمی از عکرمہ بالکل مجہول ہے۔ محمد بن اسحاق صاحب المغازی پر کڑی جرح موجود ہے لیکن اس کا راوی سلمہ بن الفضل الابرش تو شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں کچھ مناکیر ہیں۔ نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابوحاتم اسے ناقابل احتجاج کہتے ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس کے شہر رے کے باشندے اس کی بدعقیدگی اور ظلم کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ صرف ابن معین کہتے ہیں ہم نے اس کی باتیں لکھی ہیں مغازی ہیں اس کی کتاب خوب جامع ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲) ابن حمید کا ترجمہ ملا ہی نہیں بھلا ایسی لچر سند والی روایتوں سے اکابر صحابہؓ پر طعن کرنا شیعہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ثانیاً بشیعہ کو یہ مکالمے چنداں مفید بھی نہیں کیونکہ جب ان مکالموں کی رو سے حضرت علیؓ کی طرفداران کی قوم (بنو ہاشم) بھی نہیں ہوئی اور ان کو نبوت و خلافت کا ایک خاندان میں جمع ہونا گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات حسب تقیہ رکھنے کے باوجود ایک ہاشمی کی بھی اپنی کتب سے نشاندہی نہیں کر سکتے جس نے بقول شیعہ حضرت علیؓ کے حق خلافت کی تائید کی ہو جو الزامات سوال ۲ کے جواب میں گذر چکے ہیں پھر آپ کیسے دعویٰ خلافت کر کے لوگوں کی نظروں میں مطعون ہوتے

اور خلفاء سے کشیدہ و بیزار رہتے کیا قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ۔ کہیئے اے اللہ تو ہی بادشاہی کا مالک ہے جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے۔ کی شان اور وعدۂ خداوندی۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (اللہ ان صحابہ رضؓ کو یقیناً زمین میں خلیفہ بنائے گا۔) وغیرہ جیسی آیات حضرت علیؓ و ابن عباسؓ کے پیش نظر تھیں جب اللہ نے حسب وعدہ ایک حق حق دار کو پہنچا دیا اور آیت استخلاف کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر حضرت علیؓ نے ہی منطبق کیا (شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام تقی جزا ص۳۳۲) تو اس حقیقت کے باوجود تمنائے خلافت یا خلفاء پر حسد کیسا؟ افسوس کہ شیعہ حضرات اپنا باطل نظریہ ثابت کرنے کے لیے ان بزرگوں پر حسد اور طلب جاہ کا الزام لگا دیتے ہیں۔

مکالمہ میں حضرت ابن عباس کی زبانی بنی ہاشم کا مثل آدم محسود ہونا بتایا گیا ہے حالانکہ یہ حقیقت کے برخلاف ہے بعد ہمیشہ کم خوبیوں والا اعلیٰ خوبیوں والے پر کرتا ہے۔ بنو ہاشم میں سے نبوت تو صرف سرور کائنات علیہ افضل السلام والصلوٰت کا خاصہ تھی۔ قرابت نبوی گو ظاہری فضیلت اور ضرور قابل احترام ہے لیکن قرآنی تعلیم کے مطابق افضلیت کا معیار قرابت پیغمبر کے بجائے۔ ایمان، تقویٰ اور اعمال صالحہ میں سبقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سوائے حضرت علیؓ کے صغر سنی میں اور ابو عبیدہ بن الحارث، جعفر طیار پھر حضرت حمزہؓ کے کسی ہاشمی نے سبقت الی الاسلام والہجرت نہیں کی۔ غیر بنو ہاشم سابقون میں ہیں تو نبوت سے فیض یافتہ ہونے میں غیر ہاشمی یا بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں یا ان سے افضل ہیں۔ پھر شیعہ کے اعتقاد کے مطابق عام مسلمانوں کے دلوں میں بنو ہاشم کا وقار و اکرام ہی نہ تھا کہ سب ہی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر خلفاءِ ثلاثہ رضؓ پر متفق ہو گئے۔ پھر کس بات میں ان حضرات پہ کوئی حسد کرتا۔ بالفرض اگر کوئی محسود تھا اور آج تک ہے تو وہ خلفاء راشدین ہی ہیں کہ سب امت کے دلوں میں بس کر نیابت پیغمبر کا حق ادا کیا۔ خدا نے فتوحات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ نصف سطح ارضی پر توحید خداوندی اور رسالت محمدی کے پرچم لہرائے اور آج بھی کروڑ مسلمان خطبات و دعاؤں میں ان کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ روافض کی طرح اپنے ان بزرگوں کے نام پر گداگری کر کے کشکول خیرات نہیں نہیں بھرتے۔ (رضی اللہ عن جمیع الصحابہ رضؓ)

سوال ۹۔ قصہ قرطاس

اگر حسبنا کتاب اللہ ایک امتحان کا جواب تھا جو حضرت عمرؓ نے درست دیا تو اسی واقعہ قرطاس میں اس بزرگ نے کس سیاست کے تحت ارشاد فرمایا کہ ابن مرد کو ہذیان ہو گیا (دیکھو بخاری شریف الفاروق ص۱۱۲)

الجواب۔ یہ شبہ کا انتہائی گندہ اور معرکۃ الآراء طعن ہے، پہلے پوری حدیث ملاحظہ کریں تاکہ شیعی دھوکہ سامنے آجائے۔

قال ابن عباس اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ یوم الخمیس فقال ائتونی بکتب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا اھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ واوصی عند موتہ بثلاث اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم ونسیت الثالثۃ (بخاری ج۱ ص۴۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جمعرات کو (مرض وفات میں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف سخت ہو گئی تو آپ نے فرمایا ایک کاغذ لاؤ میں تم کو تحریر لکھ دوں تو ہرگز میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے بس حاضرین آپس میں بحث کرنے لگے۔ حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا۔ تو کہنے لگے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر جانے والے ہیں (ایک روایت میں ہے کہ آپ سے پوچھ لو) تو آپ نے فرمایا میرا خیال چھوڑ دو جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جدہر تم بلاتے ہو یعنی کتابت، پھر آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ وفود کو ٹھہرایا کرو جیسے میں ٹھہرایا کرتا تھا ابن عباسؓ کہتے ہیں میں تیسری بات بھول گیا۔

یہ حدیث ج۱ ص۴۲۹ اور ج۲ ص۶۳۸ پر تو انہی الفاظ کے ساتھ ہے مگر ج۲ ص۹۲۶ اور ج۲ ص۱۰۹۵ پر یہ الفاظ ہیں۔

قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد غلبہ الوجع وعندکم القرآن

حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس قرآن ہے،

حسبنا كتاب الله فاختلف اهل البيت واختصموا فمنهم من يقول قربوا يكتب لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده ومنهم من يقول ما قال عمر فلما اكثروا اللغط والاختلاف عند النبي صلى الله عليه وسلم قال قوموا عني وفى رواية أهَجَرَ استفهموه ۔

جو اصولاً ہدایت میں ہمیں کافی ہے پس اہلبیت نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے کچھ کہتے تھے کہ حضورؐ کو قلم دوات لا کر دو تاکہ آپ نوشتہ لکھ دیں تو اس کے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ اور کچھ حضرت عمرؓ کی بات دہراتے تھے جب شور اور اختلاف زیادہ کیا حضورؐ کے پاس تو آپؐ نے فرمایا مجھ سے اٹھ جاؤ اور ایک روایت میں ہے کیا آپ دنیا سے ہجرت کرنے والے ہیں پوچھ لو۔

روایت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت بیماری کی حالت میں ایک وصیت لکھوانے کے لیے قلم دوات مانگی۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی تکلیف اور درد کے پیش نظر حاضرین سے بطور ادب و مشورہ کہا کہ چونکہ ہمارے پاس کتاب اللہ قرآن کریم کافی ہے آپ کو لکھوانے کی تکلیف نہ دی جائے۔ حاضرین میں دو گروہ ہو گئے ایک نے لانے پر اصرار کیا۔ دوسرے نے حضرت عمرؓ کی تائید کی جس سے شور اور اختلاف بڑھ گیا۔ قلم دوات کسی نے نہ لا کر دی تو آپؐ نے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ پھر لکھوانے کا تقاضہ کرنے والوں سے کہا مجھے اپنے حال پر رہنے دو۔ پھر آپؐ نے تین باتوں کی زبانی وصیت فرمادی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ باہر سے آنے والے وفود کی میری طرح تعظیم اور خاطرداری کرو۔ تیسری راوی بھول گیا۔

یہ ارشاد آپؐ نے بطور امتحان فرمایا تھا حضرت عمرؓ نے اس کا صحیح جواب دیا چنانچہ تائید عمرؓ میں آپؐ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یا شفقت و ہمدردی کے تحت تھا مگر حاضرین کے شور کے پیش نظر اس پر عمل نہیں کروایا۔ وہ وحی نہ تھا اور نہ حکم ضروری تھا۔ ورنہ عمرؓ کا رد فرما کر ضرور لکھواتے اور حاضرین کے شور کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

ہمارے ہاں تو خاص اشکال نہیں۔ اتفاق سے مجلس میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا۔ مگر شیعہ حضرات جو جان نثاران نبوی پر اعتراض کرنے میں نہایت حریص و ہوشیار ہوتے ہیں اور اپنے واقعہ میں "پر کا کوا" اڑاتے ہیں۔ اس واقعہ میں خوب مسخ و تحریف کر کے حضرت عمرؓ کو نشانہ بنا کر

کہتے ہیں۔

۱۔حضرت عمرؓ نے فرمانِ نبوی رد کر کے گویا وحی الٰہی کو رد کر دیا۔

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف العیاذ باللہ ہذیان (نیند یا بیماری میں بے ارادہ نکلنے والی بات) کی نسبت کی۔

۳۔تحریر میں رکاوٹ ڈال کر امت کو گمراہی پر ڈال دیا۔

اب ان تینوں باتوں کی الگ الگ حقیقت ملاحظہ ہو۔

امرِ اول۔ نہ وحی تھی نہ خاص حضرت عمرؓ مخاطب تھے

اُئتونی جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ سب حاضرین کو قلم دوات لانے کا حکم تھا جس میں اہلِ بیت حضرات بھی شامل تھے بلکہ مسند احمد ج ۱ ص ۹۰ اور البدایہ ج ۵ ص ۲۲۸ پر یہ تصریح موجود ہے۔ "کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس کوئی چیز لاؤں جس میں آپ وہ ارشاد لکھوائیں کہ امت ان کے بعد گمراہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ حضورؐ میرے جاتے ہی فوت نہ ہو جائیں۔ تو میں نے کہا (آپ زبانی بتا دیں) میں محفوظ کر کے یاد رکھوں گا۔ پھر آپؐ نے نماز زکوٰۃ اور غلاموں کے حقوق کے متعلق وصیت کی"؛

واقعہ قرطاس کی اس میں ایک گونہ توضیح ہو گئی اور قرین قیاس یہی ہے کہ کاغذ قلم لانے کا حکم اپنے افراد خانہ اور قرابت داروں کو ہو نہ دوسروں کو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اس موقع پر موجود نہ تھے۔ تو کیا حضرات حسنینؓ، حضرت عباسؓ اور کوئی بھی ہاشمی نہ تھا؟ جب تھے تو انہوں نے قلم دوات لا کر کیوں نہ دی۔

۲۔ آپ نے یہ صرف اجتہاد سے فرمایا تھا۔ وحی نہ تھی۔ اگر وحی ہوتی یا ضروری تحریر ہوتی تو آپ جمعرات کے بعد پیر تک ۴ دن زندہ رہے۔ اس وقت یا بعد میں ضرور لکھوا دیتے۔ قول عمرؓ یا اہل خانہ کے شور کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ وحی الٰہی کا سنانا حاضرین کی مرضی پر موقوف نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وحی تو تھی لیکن بحکم وحی آپؐ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا اس سے تو حضرت عمرؓ کی تائید وحی الٰہی سے ہو گئی جو منقبت کی دلیل ہے۔ جیسے معراج کے وقت ۵۰ نماز کا حکم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے بار بار کمی۔ پھر وحی الٰہی سے پانچ پر فیصلہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے تفقہ کی دلیل ہے اور نسخ قبل الحکم کی یہی ایک مثال ہے فکذا ما نحن فیہ سنی علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

"تحریر لکھوانے کا ارادہ نبوی یا وحی سے تھا یا اجتہاد سے۔ تو اسی طرح نہ لکھوانے کا ارادہ بھی یا دوبارہ وحی سے ہوا یا اجتہاد سے ہوا۔" (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۱)۔ شیعہ علماء بھی ارادہ ترک کو وحی کے ذریعے مانتے ہیں۔ چنانچہ فلک النجات ج ۱ ص ۲۳۷ پر ہے۔

واما سکوته علیه السلام بعد التنازع ماکان عن عذر بل کان بوحی کما بین فی مقامه۔

اور حضورؐ کا حاضرین کے اختلاف کے بعد خاموش رہنا (یعنی تحریر نہ لکھوانا) اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ جیسا کہ اپنے مقام پہ واضح ہے۔

یہ حضرت عمرؓ کی کرامت ہے کہ کثر شیعی عالم نے یہ بات لکھ کر حضرت عمرؓ سے تمام الزامات کا صفایا کر دیا۔ بلکہ یہ رائے خدا اور رسولؐ کو پسند آ کر موافقات عمریہؓ میں شامل ہو گئی۔ جیسے ازواج مطہرات کے لیے پردہ کا مشورہ۔ مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھنے کا مشورہ اور اساریٰ بدر کو قتل کرنے کا مشورہ خدا کو اتنا پسند آیا کہ اس کا باقاعدہ حکم قرآن میں اتارا گیا اور شانِ فاروقی نمایاں کی گئی۔

۴۔ کسی خاص داعیہ کے پیش نظر ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا نافرمانی اور منافی ایمان نہیں ہوتا۔ حدیبیہ کے موقع پر صراحۃً حضرت علیؓ کو حضورؐ نے لفظ رسول اللہ مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مگر آپ نے قسمیہ انکار کیا۔ پھر حضورؐ نے وہ لفظ خود مٹایا یہاں شخصی حکم ہے آپ نے فرمانِ نبویؐ کی تعمیل سے قسمیہ انکار کیا حضورؐ نے اسے قبول نہ کر کے۔ وہ لفظ خود مٹایا۔ اگر یہاں حضرت علیؓ کی شخصیت کے پیش نظر محبتِ رسولؐ کے جذبہ سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور حضرت علیؓ کو نافرمان اور منافق نہیں کہا جا سکتا تو پھر واقعہ قرطاس میں قد غلبه الوجع آپ کو سخت تکلیف ہے حضرت ابن عباسؓ بھی۔ اشتد برسول اللہ حضورؐ کی بیماری سخت ہو گئی سے اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ سے حضرت عمرؓ کی محبت نبوی پر استدلال کیوں نہ کیا جائے (دلائل النبوۃ بیہقی) جبکہ آپ کو شخصی حکم نہیں اور نہ پھر آپؐ نے اس حکم ضروری سمجھ کر عمل کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سنت بھی حضرت

امیرؓ کے انکار کو ادب سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ہم تو اس سے کم تر واقعہ ہذا میں بھی ادب کا لحاظ کرتے ہیں۔ شیعہ ایک بزرگ سے محبت اور دوسرے سے دشمنی کی بنا پر تفریق کریں تو اس عند کا تو کوئی علاج نہیں۔ ہمارے یہاں دونوں بزرگوں کا ردِ عمل ایک ہی جذبہ سے ہے۔ کشف الغمہ ص۵۲ پر ہے کہ جب حضرت علیؓ کی کھڑکی کے سوا اور سب صحابہؓ کی کھڑکیاں مسجد کی طرف سے حضورؐ نے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہؓ نے غصہ میں حضورؐ سے فرمایا اے محمدؐ! آپ ہم کو نکالتے ہیں اور بنی مطلب کے لڑکوں کو ٹھہراتے ہیں؟ کیا شیعہ حضرت حمزہؓ پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔

قوموا عنی (میرے خیال چھوڑ دو) کا تذکرہ بھی حضرت عمرؓ پر تھوپا جاتا ہے۔ حالانکہ مفصل روایت میں اسی مطلب کو حضورؐ نے یوں واضح فرمایا ہے۔ دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ (مجھے چھوڑ دو میں جس مراقبہ الٰہی کی حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو یعنی تحریر) بظاہر یہ خطاب ان ہی لوگوں سے ہے جو قلم دوات تو نہ لائے مگر تحریر چاہتے تھے تو آپ نے فرمایا اس بات کو جانے دو۔ یہ قوموا عنی۔ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے فرمایا۔ قرآن اس وقت تک تلاوت کرو جب تک دل تمہارا خوش ہو اور فاذا اختلفتم فقوموا عنہ (جب زبان و دل میں اختلاف ہو تو تلاوت چھوڑ دو۔ بخاری ج ۲ ص۱۰۹۵) اس حقیقت کے باوجود صحابہ کرامؓ یا حضرت عمرؓ کو طعنہ بدرسول کہنا انتہائی خباثت ہے۔

امر دوم۔ نسبت ہذیان کی حقیقت۔ صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی جو اصولی کتابیں ہیں ان میں اس واقعہ کی بعض روایتوں میں حضرت عمرؓ کا قول اسی قدر ہے کہ آپ کو سخت تکلیف ہے۔ (اصولی طور پر) ہمیں قرآن کافی ہے۔ لفظ اَھَجَرَ۔ قالوا کے بعد آیا ہے۔ یعنی اور لوگوں نے یوں کہا جن بعض محدثین نے اسے مقولہ عمرؓ قرار دیا ہے۔ روایات صحیحہ کے مقابل ان کا قول معتبر نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے بھی تحفہ اثناعشریہ میں یہی لکھا ہے (تحفہ ص۳۶۳)

لغت و استعمال میں ہجر کے معنی۔ فراق ضد وصال، چھوڑنا اور ترک کرنا آتا ہے۔ کبھی نیند اور مرض میں بغیر ارادہ کلام پر بھی بولا جاتا ہے۔ مصباح اللغات ص۹۲۲ میں ہے۔ ہَجَرَ (ن) ہجرا و ہجرانا۔ قطع تعلق کرنا، چھوڑنا۔ ہجر الشیئ ترک کرنا۔ اعراض کرنا۔ زوجۃ۔ بغیر طلاق دیئے

ہوئے الگ ہونا اور فیروز اللغات جو ۲ ص ۵۵۲ میں ہے۔ ہجر جدائی کرنا کسی سے قطع تعلق کرنا۔ ہذیان کا معنیٰ تب ہوتا ہے کہ مصدر ھُجر ا، ہجرا۔ ہجیر امصدر سے استعمال ہو (حوالہ مذکورہ)۔ ورنہ ترک وجدائی کے معنوں میں آتا ہے۔ کبھی مفعول ذکر ہوتا ہے کبھی نہیں جیسے سٰمِراً تہجرون کی قرآنی مثال آ رہی ہے۔ جو لوگ کتب لغت سے صرف ہذیان والے معنیٰ پہ زور دیتے ہیں یہ ان کی بددیانتی محض تعصب اور علم دشمنی پر مبنی ہے۔ ورنہ لفظ مشترک کے معنیٰ سیاق و سباق۔ قائل اور مقول فیہ کے مناسب حال متعین ہوتے ہیں۔ اپنے باطل مقصد کے پیش نظر لغت سے محض مطلوبہ معانی چن لیے جائیں تو شریعت اسلامیہ کا کوئی عقیدہ اور عمل ثابت نہ ہو سکے گا۔ اسی تکنیک کے پیش نظر قادیانی ختم نبوت کے اور منکرین حدیث۔ حدیث نبوی اور نماز کی متفقہ ہیئت کے بھی منکر ہیں کیونکہ صلوٰۃ کا معنیٰ چوتڑ ہلانا لغت میں لکھا ہے۔

ہجر کے معنیٰ چھوڑنا اور ترک کلام لغت کے علاوہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ ایام (کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے) اور حدیث سوال فاطمہؓ میں ہے فھجرت ابابکر۔ پس حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس مسئلہ میں گفتگو چھوڑ دی۔ حدیث عائشہؓ میں ہے ما اھجر الا اسمک (بخاری) (حضورؐ! صرف آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں (دلی محبت بدستور ہے)، نیز فرماتی ہیں ولقد ھجرنی القریب والبعید (مجھے قریب و بعید سب نے چھوڑ دیا)

کیا یہاں بکواس اور ہذیان کے معنیٰ ہوں گے کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ گالی بکنا جائز نہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیں۔ یا حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے نام کو گالی دی یا ان کو قریب و بعید نے گالی دی؟ تو حدیث زیر بحث میں یہ معنیٰ کیوں درست نہیں۔ "کیا حضورؐ نے زبانی ارشاد فرمانا چھوڑ دیا ہے کہ لکھوانے کا حکم دیتے ہیں" لغت و استعمال کے لحاظ سے اس میں کیا خرابی ہے؟ چھوڑنے۔ اور جدائی کے معنوں میں کئی جگہ قرآن کریم میں بھی یہ صیغہ استعمال ہوا ہے۔

١۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ اور تکبر کر کے اس (ہمارے رسولؐ) کو مثل کہانی کہنے والے کے چھوڑ بیٹھا کرتے تھے۔

۲- اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (پ ۱۹ ع ۱۶)	میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا
۳- وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ (مزمل)	اور ان کو خوبی کے ساتھ چھوڑ بیٹھو۔
۴- وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر)	اور میل کچیل کو دھو ڈال۔
۵- وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (پ ۵)	اور ان کے بستروں پر ان کو چھوڑ دو۔
۶- وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (پ ۱۶ ع ۶)	اور ایک عرصہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جا۔ (تراجم منقول)

تو کیا ہجر کا معنی ہذیان ہو سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں یہ مطلب ہے کہ کیا آپ جدا ہو رہے ہیں یا دنیا کو چھوڑ کر جانے والے ہیں استفہموہ پوچھ تو لو۔ چنانچہ شارحین اس کے معنی یہیں لکھتے ہیں۔

هجر ای يهجر من الدنيا واطلق لفظ الماضی لما رأوا فيه من علامات الهجرة عن دار الفناء (کرمانی شرح بخاری)	یعنی آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے ہیں۔ لفظ ماضی کا بولا کیونکہ آپ میں دار الفناء سے کوچ کی علامات صحابہؓ نے دیکھیں۔

یہ مطلب بالفرض ہمزہ استفہام کے نہ ثابت ہونے پر ہے۔ ورنہ بخاری میں یہ چھ مرتبہ حدیث آئی ہے۔ تین جگہ تو ہجر کا لفظ ہی نہیں ہے اور تین جگہ آیا ہے تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے۔ ج۱ ص۴۲۹ . ج۱ ص۴۴۹ . ج۲ ص۶۳۸۔ استفہام کی صورت میں ہجر کا جتنا ہی نامناسب معنی تراشا جائے۔ بہرحال اس کی نفی ہو رہی ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔

اهجر هو بهمزة الاستفهام الانکاری ای انکروا علی من قال لا تکتبوا ای لا تجعلوا کامر من هذی فی کلامه (حاشیہ بخاری ص۴۲۹)	اہجر یہ استفہام انکاری ہے یعنی صحابہؓ نے ان لوگوں پہ گرفت کی جو یہ کہتے تھے کہ نہ لکھواؤ یعنی حضورؐ کا معاملہ ایسا نہ جانو جیسے مخبوط الکلام کا ہوتا ہے۔

نیز محدثین ہجر بمعنی ہذیان مریض کا مخلوط کلام، حضور علیہ السلام کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔

الهذيان الذی يقع فی کلام المريض الذی لا ينتظم وهذا مستحيل وقوعه ممن صحته	وہ بے تکی باتیں جو مریض سے صادر ہوتی ہیں اور بے ربط ہوتی ہیں معصوم علیہ السلام سے

ان کا وقوع صحت میں یا مرض میں محال ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اول تو اَهَجَرَ کے قائل حضرت عمرؓ نہیں ہیں۔ دوم یہ کہ ہجر کے معنی ہذیان لینا درست نہیں۔ قرآن و حدیث اس کی تائید نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ چہارم شارحین ہذیان والے معنی کو اس مقولہ میں مراد نہیں لیتے اب تو لامحالہ لغت کے ایک معنی کو لے کر۔ علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں اس معنی کو لکھ کر پھر تردید کی ہے نہ تائید۔ حضرت عمرؓ پر برسنا اور دیگر حقائق سے منہ موڑ لینا کیا یہی دیانت و انصاف ہے۔ اہل سنت کی ان تصریحات کی موجودگی میں۔ توجیہ الکلام بما لا یرضیٰ بہ قائلہ پر اصرار شیعہ ہی کا خاصہ ہے۔ لیکن کیا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام رہے) کی تشریح و تفہیم جو مسلمان کریں وہ معتبر ہوگی یا جو کافر لغت سے معین کریں وہ مراد ہوگی۔ بینوا!

امر سوم۔ تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تحریر میں کاوٹ ڈال کر امت کی گمراہی کا سبب بنے۔ اگر لکھ دی جاتی تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ نہ معلوم یہ لوگ اعتراض کرتے وقت عقل و خرد کا دامن کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک شخص کے حسبنا کتاب اللہ کہنے سے حضورؐ نے امت کو گمراہی سے بچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ خدا نے بھی وہ وحی واپس لے لی۔ عمرؓ کی بات ایسی غالب آئی کہ حضورؐ کی ۲۳ سالہ محنت اور قربانی بھی امت کو گمراہی سے نہ نکال سکی۔ اور آپ حسرت سے اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام ہو کر رخصت ہوئے غیر مسلم شیعہ کی اس بے تکی بات پر کیا مذاق اڑائیں گے کہ ایک شخص کے اختلاف کرنے پر خدا اور رسولؐ نے اصلاح امت کا فریضہ بھی چھوڑ دیا۔ واضح زبات ہے کہ آپ کی آخری عمر میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ ۶۱) (آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے) سے تکمیل دین کا اعلان ہو چکا۔ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ (زخرف) (جو وحی آپ کو ہو چکی ہے اسے تھام لیں) سے وحی الٰہی کا خاتمہ ہو گیا۔ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (اور تو دیکھے گا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔) کی بشارتیں بھی پوری ہو گئیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ھل بلغت۔ اللھم اشھد۔ فلیبلغ الشاھد الغائب بے شک میں نے احکام رسالت پہنچا دیئے۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ پس اب حاضر غائب تک یہ احکام

پہنچا دیے گئے مناظر بھی آسمان و زمین نے دیکھ لیے۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ اور امت کو بھی تکمیل دین کی بشارت سنا دی۔

بدرستیکہ شمارا گزاشتم بر راہ روشن	یقیناً میں نے تم کو روشن اور سیدھی راہ پر چھوڑا
راست و پنہاں واضح گردانیدم برائے شما دین	اور تمہارے دین کو تمہارے لیے البتہ نمایاں کیا
را کہ شبش مانند روزش روشن است پس	کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے پس
اختلاف مکنید بعد از من (حیات القلوب ج۲ ص۵۶۱)	میرے بعد اختلاف نہ کرنا (افسوس کہ شیعہ ہی نے امامت کا مسئلہ نکال کر سب امت سے اختلاف کیا)

نیز ایک فرشتہ نے اہلبیتؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

و حضرت رسولؐ از دنیا نرفت تا آنکہ دین	حضرت رسولؐ اس وقت تک دنیا سے رخصت
را از برائے شما کامل گردانید و راہ نجات را از برائے	نہ ہوئے جب تک تمہارے لیے دین کو کامل نہ
شما بیان کرد و از برائے ہیچ جاہلے حجتے نگزاشت	کر دیا اور نجات کا راستہ تمہارے لیے بیان کر دیا
(حیات القلوب ج۲ ص۸۳۲)	اور کسی جاہل کے لیے حجت نہیں چھوڑی۔

ان آیات قرآنیہ اور ارشادات مصطفویہ کی روشنی میں کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ ایک اصولی ہدایت یا بنیادی فیصلہ جس پر امت کے مومن اور خارج از ایمان ہونے کا مدار ہے ۔ بیان نہ کیا ہو۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ محض امتحان تھا۔ حضرت عمرؓ نے درست جواب دیا یا یہ ایسی بات تھی جس کا بیان بہتر تھا اور عدم تحریر مضر نہ تھی اور یا بعد ہو اس کا لکھوانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ چار دن مزید زندہ رہنے کے بعد بھی آپؐ نے نہیں لکھوائی نہ عدم تحریر کی کسی صدمہ یا نقصان کا اظہار فرمایا۔

مقصد تحریر کیا تھا

اب وہ کیا تحریر تھی ۔ روایت میں جن تین باتوں کا ذکر زبانی ہے۔ وہ مراد ہوں تو بہت بہتر ہے۔ زبانی امت تک پہنچ تو گئی ہیں۔ مگر سنی و شیعہ فریقین کا خیال ہے کہ خلافت کا فیصلہ کرنا تھا تاکہ نزاع پیدا نہ ہو۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں تحریر لکھ دوں تاکہ کوئی اور دعویٰ یا تمنا نہ کر سکے لیکن پھر آپؐ نے ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا۔ اللہ پاک اور مسلمانوں کو حضرت ابوبکرؓ کے بجائے دوسرا خلیفہ بنانے پر انکار ہو گا۔ (بخاری، مسلم، مسند حمیدی) چنانچہ یہی مضمون

کی ایک اور روایت ہے کہ میں نے ارادہ ترک کر دیا کیونکہ خدا اور مسلمان صرف ابوبکرؓ کو چنیں گے۔

شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت لکھنی تھی۔ مگر وہ تحریر نہ ہو سکی اور امت حضرت علیؓ کے بجائے ابوبکرؓ پر اتفاق کر کے گمراہ ہو گئی۔ لیکن شیعہ کا یہ خیال اگر درست مانا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بڑا حرف آتا ہے کہ آپ نے بہر صورت وہ لکھوا کر اتمام حجت کر کے گمراہی سے امت کو بچانے کا اہتمام کیوں نہ کیا۔ خصوصاً جب کہ سیرت، تاریخ اور شیعہ کی تحریرات (ملاحظہ ہو جواب سوال ۲) کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو مسلمان سب سے بہتر جانتے تھے۔ نہ لکھوانے کا نقصان شیعہ کو ہوا۔ اہلسنت کا نہیں کیونکہ شیخینؓ کے متعلق آپ کے خیالات پختہ ثابت ہوئے پھر آپ نے امام نماز بنا کر عملی تصدیق کر دی۔ اور خواص حلقہ میں ان کی خلافت کی بشارت بھی دے دی۔ شانِ نزول سورت تحریم (تفسیر قمی مجمع البیان)۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ پر ہذیان کا الزام لگا دیا گیا تو اگر لکھواتے بھی تو کوئی نہ مانتا۔ جواب یہ ہے کہ آپؐ اتمام حجت کا فریضہ تو ادا کر دیتے۔ کیا لوگوں کے ساحر و مجنون کہنے پر آپ نے تبلیغ توحید چھوڑ دی تھی یا آخر دم تک اتمام حجت کرتے رہے؟

اگر اب بھی معترض کی تسلی نہ ہو تو وہ مندرجہ ذیل امور پر غور کرے۔

چند سوالات

۱. اگر تو نبی کا امر استحبابی تھا تو ترک امتثال جرم نہیں۔ اگر وجوبی ہے تو سب حاضرین بشمول اہلبیتؓ مجرم ہیں۔

۲. اس پر کیا قرینہ ہے کہ حضرت علیؓ انتہائی تکلیف کے عالم میں حضورؐ کے پاس نہ ہوں۔ پھر حضرت ابوذرؓ، عمارؓ، سلمانؓ، مقدادؓ جیسے بزرگوں کی غیر موجودگی پر کوئی دلیل ہے۔ اگر نہیں تو تنہا عمرؓ پر طعن کیوں ہے؟

۳. شیعہ ہر جگہ اہل بیت سے مراد پنج تن مراد لیتے ہیں یہاں صرف دیگر حضرات ہی کیوں لیے جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ و حسنینؓ کا تو موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر کیوں وہ یہ خدمت بجا نہ لائے؟

۴. یہ معاملہ اجتہادی تھا یا بحکم وحی۔ اگر اجتہادی تھا تو استدلال غیر تام ہے کیونکہ اس سے رجوع ممکن ہے۔ اگر بحکم وحی تھا تو تعمیل ضروری تھی یا نہ۔ اگر ضروری تھی تو آپ نے تعمیل کیوں نہ کروائی۔ اگر وحی سے عدم تعمیل ہوئی تو عمرؓ اعتراضات سے بری ہو گئے۔

۵. اگر تحریر میں رکاوٹ پیش آ گئی تو زبانی ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

۶۔ جب بقول شیعہ خم غدیر میں خلافتِ علوی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو تحریر کا کیا معنیٰ ؟

۷۔ اگر حضرت عمرؓ حسبنا کتاب اللہ کہنے پر مجرم ہیں حالانکہ یہ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (پ ۲۱ ع ۱۶) کیا ان کو ہمارا کتاب نازل کر دینا کافی نہیں) کا ترجمہ اور جواب ہے۔ تو حضرت علیؓ نے قرآن پاک کے متعلق یہ کیوں فرمایا "کتاب اللہ تمہارے سامنے گویا ہے جس کی زبان گونگی نہیں، وہ مکان ہے جس کے ستون گرتے نہیں (یعنی ہر بات میں اور دنیا و آخرت کی ہر چیز میں راہ کھاتی ہے" (نہج البلاغہ شرح فیض الاسلام نقوی ج ۲ ص ۴۰۳) "قرآن کے ذریعے اللہ نے اپنا نور اور دین کامل کر دیا اور حضورؐ کو اس وقت وفات دی جب آپ مخلوقِ خدا کو احکام خدا پہنچا چکے۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۵۹۲ شرح فیض الاسلام)

علامہ نقی فیض الاسلام ج ۲ ص ۵۹۳ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

دین اسلام را بسبب آں کامل گردانید و پیغمبر تو دصلی اللہ علیہ وسلم را در حالے قبض فرمود کہ از تبلیغ احکام قرآن کہ موجب ہدایت و رستگاری است فراغ یافتہ بود۔	اور قرآن کے ذریعے اللہ پاک نے دینِ اسلام کو کامل کر دیا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں وفات دی کہ آپ قرآن کے احکام کی تبلیغ سے فارغ ہو چکے تھے جو ہدایت اور نجات کا سبب ہیں۔

شیعہ کے ہاں اہم خطبہ فدک میں حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں "خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے .... اسی قرآن کے ذریعے خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں بیان شدہ واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرکات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے اللہ کے مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں (بحوالہ وہی مصحف ص ۲۸)

کیا یہ عظیم تصریحات حسبنا کتاب اللہ کی تائید اور تصدیق نہیں۔ اور کیا حضرت علیؓ وغیرہ بھی حدیثِ نبوی کے منکر سمجھے جائیں گے۔ والله الهادی۔

ایک لغو رسالہ کا محاسبہ یہاں تک ہماری اس تقریر سے بحمد اللہ ہر قسم کے مطاعن کافور ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ترکِ تبلیغ وحی کے الزام سے اور حضرت عمرؓ کا دامن گستاخی بعد ردِ وحی کے طعن سے پاک و صاف ہو گیا۔ مزید کچھ گفتہ

کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ شیعہ عداوتِ عمرؓ کی آڑ میں اس "قرطاس" پر بہت کچھ فضولیات سے اپنے دل کی سیاہی کے دھبے ڈالتے ہیں اور در حقیقت وہ سینکڑوں وجوہ قرطاس سیاہ کر کے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ

۱۔ "حیاتِ پیغمبرؐ میں بسترِ علالت پر آقائے دوجہاں کے روبرو دینِ الٰہی کے نونہال کی بیخ پر پہلی کاری ضرب دیندارں کی ایک جماعت نے لگائی اور اسی صدمہ سے باغبانِ گلشنِ دین دنیائے بے مروت سے رخصت ہوئے۔"

۲۔ دفعۂ قرطاس ہی جس نے مسلمانوں کے لیے گمراہی و ضلالت کا وہ دروازہ کھول دیا جسے قیامت تک بند کرنا عام بشر کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۔ اسی وقت سے اسلام پر مصائب و فتنوں کی گھٹائیں چھانا شروع ہو گئیں اور ملت میں تنازعہ و انتشار کا بویا ہوا بیج دیکھتے ہی دیکھتے شاخوں سے بھرپور درخت بن گیا۔

۴۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے ..... لہٰذا امید برآری کے لیے ..... دعمر رضؓ نے اپنا مشن مکمل کر لیا۔"

یہ ایک حیا دار قلمکار کے الفاظ ہیں جس نے اس واقعہ قرطاس پر ۱۱ صفحے ایسے ہفوات سے سیاہ کر کے اپنے آقائے خمینی کی طرح حضور علیہ السلام کی ناکامی کا بار بار اعلان کیا اور حیاتِ نبوی میں اسلام کو قتل کر کے چپکے سے حضورؐ کو رخصت کر دیتا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کو ایک طے شدہ منصوبے میں کامیاب کہتا ہے اور سب امت کی گمراہی کا ذمہ دار آپ کو ٹھہراتا ہے۔ حالانکہ سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ منصوبہ و تدبیر میں خدا اور رسولؐ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ مخالف و منافق ہمیشہ ناکام رہے ہیں یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سازش کرنا چاہی مگر اللہ کی سازش کامیاب رہی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ قوم کی تدبیر ناکام ہوئی۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (انہوں نے ابراہیمؑ سے سازش کی ہم نے ان کو بڑے گھاٹے میں کر دیا۔ صالح علیہ السلام اپنی قوم پر غالب ہے وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ انہوں نے سازش کی ہم نے بھی سازش کی کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا۔ فرعون کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب رہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ فرعون

کی سازش تباہ ہوگئی
الغرض منکرین قرآن و رسولؐ کا یہ گروہ ایک طرف معاذ اللہ حضرت عمرؓ کو بقول مجلسی کافر منافق اور سازشی کہتا ہے۔ مگر خدا و رسولؐ کے بالمقابل ان کو تاقیامت کامیاب بھی کہتا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کا دراصل منکر ہے تبھی تو نہ کسی صحابی کو مانتا ہے نہ قرآن اور ۲۳ سالہ آپؐ کی تعلیم و تبلیغ میں کسی ہدایت کا قائل ہے۔ واقعہ قرطاس اور عمرؓ دشمنی کو تو محض ذاتِ رسولؐ سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا ہے۔

چند ناجائز باتوں پر تنبیہ۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید اور مروج الذہب مسعودی کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ عیادت کو آئے تھے تو یہ بات ہو گئی۔ ورنہ نہ آپ نے چھیڑی تھی، نہ حضورؐ کے دل کی بات جانتے تھے۔ پھر بالا دونوں کتابیں شیعہ کی ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی شیعہ ہیں اور شیعہ کتاب کی شرح لکھی ہے جبکہ مسعودی اثنا عشری شیعہ ہیں۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے خلاف ان کی کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶ کے حوالہ سے یہ عبارت مع ترجمہ لکھی ہے
فخالف علیہا عمر بن الخطاب حتی رفضہا کہ سامانِ کتابت لے کر جناب عمرؓ نے پھینک دیا۔ حالانکہ یہ صریح بددیانتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے (شفقت نبوی سے) اس تجویز سے اختلاف کیا حتی کہ حضورؐ نے چھوڑ دی۔

۳۔ صواعق محرقہ باب تاسع فصل ثانی کے حوالے سے حدیث ثقلین لکھی ہے۔ اور یہ استدلال کیا ہے کہ "حضورؐ اس صحیفہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت کا تعین فرمانا چاہتے تھے" حالانکہ حدیث ثقلین اگر صحیح ثابت بھی ہو تو اس کا مفہوم دوسرا ہے کہ قرآن و علیؓ دونوں سے پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے اس پر تا ہنوز بحمد اللہ امت کا عمل ہے مگر خلافت و امامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں ابن حجر مکی نے اس کی سند بھی نہیں بتائی اور ایک صفحے کی سند بتا کر ایک راوی کو ضعیف کہا ہے تو قابلِ استدلال نہ رہی۔

۴۔ حسبنا کتاب اللہ کا بار بار مذاق اڑایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مخالفت رسولؐ کی اور حجیتِ

حدیث کا انکار کیا۔ حالانکہ یہ مفہوم مخالف خود شیعہ ذہن کی ایجاد ہے ورنہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کہنے والوں کو رسول اللہ کا منکر تو نہ کہا جائے گا۔ حضرت عمرؓ ہر موقعہ پہ سختی سے سنت رسولؐ کے پابند تھے۔ پھر کمالِ ادب سے حضورؐ کو خطاب نہیں کیا بلکہ حاضرین سے کہا۔ عندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ اور اس سے اشارہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی طرف تھا۔ اس صفائی کے باوجود بھی اگر حضرت عمرؓ پہ یہ حکم رسولؐ کا الزام ہے حالانکہ آپ کو قلم دوات لانے کا خاص حکم نبویؐ نہ تھا تو پھر یہ الزام حضرت علیؓ پہ بھی آئے گا کیونکہ آپ اہلِ خانہ تھے۔ تحریر وصیت میں فائدہ بھی (بقول شیعہ) آپ کا تھا اور آپ کو لانے کا حکم خصوصی تھا۔ حضرت علیؓ کی غیر موجودگی کا شیعی عذر بالکل لغو ہے بلکہ آپ حاضر تھے۔ فرماتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ و سلم ان آتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ قال قلت انی احفظ واعی قال اوصی بالصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔

(دعینی جواہر ۱۳ ص ۹۳ مسند احمد ج ۱ ص ۹۰)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی خدمت میں ایک طشتری لاؤں جس پر آپ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہوا کہ آپ کی ذات مجھ سے جدا نہ ہو جائے اس لیے میں نے عرض کی کہ آپ زبانی ارشاد فرمائیں۔ میں حفظ رکھوں گا اور یاد رکھوں گا۔ تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو نماز کی اور اپنے ماتحت غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اس حدیث نے بخاری و مسلم کی روایات کے ابہام کو دور کر دیا کہ حکم کے اصل مخاطب حضرت علیؓ تھے۔ نیز یہ کہ آپ بھی قلم دوات نہ لانے والے گروہ میں تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ لا کر دراصل حضرت عمرؓ کی تائید کی اور دونوں کی رائے حضورؐ نے پسند فرما کر خاموشی اختیار کی۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوموا عنی کا مخاطب وہ گروہ تھا جو لکھوانے کے حق میں تھا مگر شور میں کچھ نہ لا سکا۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو میری (مراقبہ حق میں) حالت اس سے بہتر ہے جس (تحریر) کی طرف مجھے آمادہ کرتے ہو۔

۵۔ اگر شیعہ کو رد وحی پر اب بھی اصرار ہے تو مجبوراً یہ دو قصے ہم سناتے ہیں گو ایسا الزام تو حضرت علیؓ پر بھی یقیناً آتا ہے۔

۱۔ "حضور علیہ السلام ایک رات حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ نیند سے اٹھا کر تہجد کی پابندی کی تاکید فرمائی اس پر حضرت علیؓ نے کہا۔

واللہ لانصلی الا ما کتب اللہ لنا   اللہ کی قسم ہم تو فرضی نماز کے سوا اور کوئی ہرگز نہ پڑھیں گے۔ ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں اگر نماز تہجد کی توفیق دیتا تو پڑھتے جب آپ نے یہ جواب سنا تو ران پر ہاتھ مارتے ہوئے مکان سے لوٹے اور فرماتے تھے۔ انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے (بخاری)

۲۔ شیعہ کی اپنی روایت بھی سنیے جو محمد بن بابویہ نے امالی میں اور دیلمی نے ارشاد القلوب میں نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ کو ۷ درہم دیئے کہ علیؓ کو دو کہ اس رقم سے وہ اپنے اہل کے لیے غلہ خریدے کیونکہ ان پر بھوک غالب ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے وہ علیؓ کو دے کر حضور کا حکم سنا دیا جب حضرت علیؓ لے کر باہر نکلے تو ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کون ہے جو صحیح وعدہ پر قرض دے۔ حضرت علیؓ نے وہ درہم قرض دے دیئے (بحوالہ حدیث قرطاس از علامہ محمود احمد)

اس قسم کے متعدد واقعات کتب فریقین میں موجود ہیں اگر حضرت علیؓ کی شخصیت کا خیال نہ رکھا جائے اور شیعوں کی طرح خارجی ذہن سے سوچا جائے تو حضرت علیؓ پر سنگین الزامات قائم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضور کے حکم کے باوجود فاطمہؓ اور حسنینؓ کریمین پر خرچ نہ کیے آپ کو رنج پہنچایا۔ حکم عدولی کی۔ اپنے عیال کی حق تلفی کی۔ مال غیر میں تصرف کیا۔ اہل بیت کو بھوکا رکھا۔ یہاں اگر جذبہ ایثار کہہ کر اچھی تعبیر کریں تو حضرت عمرؓ کے لیے بھی حضورؐ کی سخت تکلیف اور بیماری کے پیش نظر حسبنا کتاب اللہ کو جذبۂ محبت نبویؐ سے تعبیر کریں۔

۶۔ امامت و خلافت بلا فصل کے خواب دیکھنے والے نبوت کی تمام تبلیغی زندگی کو اس کی بھینٹ چڑھاتے ہیں مگر پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔

"دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر اعلان خم غدیر تک بار بار رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا لیکن اب آخری تحریر کے ذریعے حضرت امیر ہی کی خلافت کا

تعین وصیت کے ذریعے کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے۔ مدتوں کی آس ٹوٹ جاتی۔ خوابوں کی تعبیر الٹ جاتی اور تمام کیے کرائے پر یکشت پانی پھر جاتا (لیکن اب عمر رضہ کے بول پڑنے پر حضورؐ کے سب کیے کرائے پہ پانی پھر گیا معاذ اللہ)
۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔ غیر مسلموں کی زبان سے اپنی نبوت دشمنی کا کیسے صاف اقرار کرتے ہیں۔ " جب وہ لوگ جن کے لیے وصیت کی جا رہی تھی اس کو معلوم کرنے کے روادار نہ تھے اور سننا تک نہیں چاہتے تھے تو پھر وصیت کیوں کی جاتی۔ اگر کوئی بعد میں تحریر ہوتی تو غیر مفید رہتی۔ مخالفین اسلام کو ہمیشہ کے لیے ایک بہانہ مل جاتا کہ دیکھو وحی و قرآن و نبوت تو تھیں ایک آڑ تھی محمدؐ تو محض دنیوی اقتدار کے خواہشمند تھے۔ آخر ان کا وہی انجام ہوا جو دنیا طلب لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان کے بستر مرگ کے گرد ان کے صحابہؓ میں اس حکومت دنیوی کے لیے تلوار چل گئی۔ یہی کچھ شیعہ آج صحابہ رضہ کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ شیعہ کی ان ہفوات کو اب بند کر کے قارئین سے معذرت چاہتا ہوں۔
سوال ۹۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر امت نے نبی کے جنازے پر خلیفہ کے انتخاب کو فوقیت دی ہو اگر ایسی کوئی مثال ماسلف میں نہ ملے تو امت مصطفےٰ نے ایسا کرنا کیونکر مناسب سمجھا۔
الجواب۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے عناد کی وجہ سے معترض نے کیا ہی نیا نکالا اعتراض تراشا ہے۔ تدفین سے قبل ہی ہر پیغمبر کے جانشین پر سب امت کا اتفاق ہوتا تھا۔ پیغمبر کے رشتہ دار خلافت کے لیے رسہ کشی یا نزاع پیدا نہ کرتے تھے۔ جانشین پیغمبر کی موجودگی میں تجہیز و تکفین کا اہتمام ہوتا تھا۔ تمام تواریخ اسی حقیقت کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر سائل اس کا منکر ہو تو وہی بات بتائے کہ کس پیغمبر کی تدفین خلیفہ کے تقرر و تعین کے بغیر عمل میں لائی گئی؟ عند الناس خلیفہ کے تقرر اور بیعت لینے کے وقت کا سوال اٹھانے کی حاجت نہیں۔ سوال دراصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آیا خدا اور رسولؐ کے ایماء اور مشیت یا نص سے خلیفہ قرار پائے یا امت نے خدا اور رسولؐ کے حکم کے برعکس زبردستی ان کی بیعت کر لی۔ سو اسی مفہوم کے سوال ۳۰ کے تفصیلی جواب میں ہم وضاحت کریں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ خدا کی مشیت، حضورؐ کے ایماء، بلکہ پیشگوئی سے خلیفہ بنے اور سب امت نے آپ کی بیعت کر لی۔ خدا کی مشیت اور وعدہ موعودہ اور پیشگوئی

پیغمبر کی تصدیق کی۔ خدا اور رسولؐ کے وعدوں اور خبروں میں ہرگز تخلف نہیں ہوتا۔ سوالِ بالا کا تحقیقی جواب اسی قدر ہے کہ سابقہ پیغمبروں کی مثال کی ضرورت نہیں۔ وہاں ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر ہی اس کا جانشین بنتا تھا۔ ان کی نبوت و خلافت پر نص جلی کا ہونا ضروری تھا۔ رب امت بیعت کا فریضہ سرانجام دے دیتی تھی۔ مگر شریعت محمدیہؐ کی اصول و فروع میں ان سے مختلف ہے۔ یہاں صاحب شریعت پر نبوت ختم ہو گئی۔ اس کا خلیفہ پیغمبر یا مثل پیغمبر معصوم اور خود مختار نہیں ہو گا لہٰذا نص جلی کی ضرورت نہیں۔ نص خفی اور پیشینگوئیؐ کے ساتھ امت کا اتفاق کافی ہے۔ گو سابقہ امم کی طرح یہاں بھی یہی قانون ہے کہ امت قائد و امام کے بغیر نہ ہو۔ چنانچہ مزاج شناسانِ رسولؐ اور فضلاء دبستان نبوت صحابہ کرامؓ نے قبل از تدفین چند منٹوں میں بیعت صدیقی کر کے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (کہ یقیناً اللہ ان کو خلافت ارضی دے گا) کا وعدہ خدائی سچ کر دکھایا۔

"تاریخ طبری میں ہے کہ "عمرو بن حریث نے حضرت سعیدؓ بن زید (یکے از عشرہ مبشرہؓ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ موجود تھے۔ فرمایا ہاں۔ عمرو نے کہا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کب ہوئی فرمایا حضورؐ کی وفات کے دن۔

کرھوا ان یبقوا بعض یوم ولیسوا فی جماعۃ (طبری) صحابہ کرامؓ نے اسے مکروہ جانا کہ دن کا کچھ حصہ بغیر جماعت ماتحت خلیفہ کے رہیں۔

کیا کسی نے مخالفت بھی کی؟ فرمایا نہیں۔ ہاں دین سے پھرنے والے نے یا جو پھرنے کے قریب ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو انصار سے نہ بچاتا۔ پوچھا کیا مہاجرین میں سے بھی کوئی الگ رہا۔ فرمایا نہیں۔ سب مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر از خود ٹوٹ پڑے۔ اگلی متصل روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ گھر میں تھے اور آپ کو اطلاع ملی کہ ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے بیعت لے رہے ہیں اسی طرح قمیص پہنے ہوئے حضرت علیؓ بیعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ تاخیر آپ کو ناپسند تھی۔ بیعت کر کے آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر کپڑے منگوا کر پہنے اور مجلس میں بیٹھے رہے (طبری ج ۳ ص ۲۰۷)

خود شیعہ کے یہاں یہ اصول مسلم ہے کہ نبی یا امام کا جانشین اس کے آخری لمحات میں بنایا جاتا ہے۔

متی ینتھی الیه الامر قال فی اخر دقیقه من حیاة الاول (اصول کافی ج ۱ ص ۲۷۵)	عہدہ امامت اسے کب ملتا ہے۔ تو امام جعفرؒ نے فرمایا پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحات میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی حضرت حسنؓ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

"لوگو! اسی رات قرآن نازل ہوا۔ اسی رات حضرت عیسیٰؑ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اسی رات حضرت یوشع بن نون شہید ہوئے اور اسی رات میرے والد امیرالمومنینؓ شہید ہوئے۔ گویا شہادت علی رضؓ مبارک دن میں ہوئی" پھر حضرت حسنؓ منبر سے اترے تو سب حاضر لوگوں نے آپ کی بیعت امامت کی۔ (جلاء العیون ص ۲۱۹)

عجب شیعہ مذہب ہیں۔ ہر شیعہ امام موت کے وقت ہی بن جاتا ہے۔ اور قبل از تجہیز وتکفین اس کی بیعت بھی ہو جاتی ہے تو سید الرسلؐ کا جانشین قبل از تدفین بنا دیا جائے تو کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی سنت اسلام وسنت انبیاءؑ ہے۔

مدینہ کے اس وقت نازک حالات سے قطع نظر۔ کہ اہل نفاق اور اسلام دشمن طاقتیں اسلام کو مٹانا چاہتی تھیں۔ عقلاً یوں بھی خلیفہ کا تعین ضروری ہے کہ امت کا ہر کام امام کی نگرانی میں ہو۔ اور کسی بات میں اختلاف یا پیدا نہ ہو یا پھر اسے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ دفن پیغمبرؐ کے لیے اختلاف آراء ہوا کسی نے جنت البقیع کا نام لیا۔ کسی نے حرم کعبہ کے جوار کا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ارشاد نبویؐ پیش کرنے پر آپ کو جائے ارتحال پر ہی دفن کیا گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۱۳)

حضورؐ نے آخری وصایا متعلقہ تجہیز وتکفین آپ ہی کو فرمائی تھیں اور یہ امر نبویؐ آپ نے اس کام کو دو مردوں پر تقسیم کیا (جلاء العیون ص ۷۲، کشف الغمہ، حیات القلوب ج ۲ ص ۶۹۵) کہلجاتا ہے کہ یہ روایت ثعلبی سے ہے جو سنی ہے حالانکہ ثعلبی شیعہ تھا اور تقیہ کرتا تھا۔ اس کی تالیف "مثالب صحابہؓ" شیعہ ہونے کی گارنٹی ہے۔ اس کے علاوہ صاحبان کتب مذکورہ نے روایت بالا کو توثیق وتائید کے لیے نقل کیا ہے۔ نہ تردید کے لیے

بیعتِ امام ایک اسلامی فریضہ تھا جو سر جالی اداکر نا تھا۔ اگر قبل دفن وجود میں آگیا تو شیعہ کو کیا دکھ ہے۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴۔ رجال کشی شرح روضہ کافی حیات القلوب کی روایات کی روشنی میں جب سوائے تین شخصوں کے حضرت علی رضہ کا طرفدار ہی کوئی نہ تھا تو اگر ایک جہینہ بھی بالفرض انتخاب مؤخر ہو جاتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو خلافت نہ ملتی اور جیسے بھی ملتی شیعہ تو اس کے دشمن ہی ہوتے۔ ہاں امت افتراق کا شکار ہو جاتی۔ منافق سازش کرتے۔ فتنہ ارتداد اور کفار کی یلغار کو دفعہ کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے ساتھ اسلام کا جنازہ بھی اٹھ جاتا تو آج شیعہ خوشی سے بغلیں بجاتے۔ جیسے آج بھی ان کا قطعی متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (روضہ کافی ص ۲۴۶-۲۹۶) یہ ہے ان کی اسلام اور پیغمبر اسلام کی محنت و قربانی اور تعلیم و تربیت سے محبت۔ تُف ایسے عقیدہ و مذہب پر اور امامت کے تکبر باز مسئلہ پر۔

جنازہ رسولؐ میں سب صحابہ کرامؓ کی شرکت

جھوٹ اور بہتان تراشی میں یہ ماہر فرقہ کہتا رہتا ہے کہ صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا اور خلافت کے جھگڑے میں لگے رہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

انتخابِ امام میں چنداں دیر نہیں ہوئی حضرت علی رضہ بحکم نبویؐ و صدیقی ابھی غسل سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ بیعتِ خلافت تام ہو گئی۔ مراۃ العقول ص ۳۷۱ احتجاجِ طبرسی ص ۵۴ اور کتاب الروضہ ص ۱۵۹ پر ہے۔

قال سلمان فاتیت علیا علیہ السلام وھو یغسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاخبرتہ بما صنع الناس وقلت ان ابابکر الساعۃ علی منبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں میں حضرتِ علی رضہ کے پاس آیا ابھی وہ غسل نبویؐ دے رہے تھے تو میں نے ان کو سب لوگوں کی کارروائی (بیعتِ ابوبکر رضہ) بتلائی اور کہا کہ ابھی ابوبکر رضہ منبرِ رسولؐ پر بیٹھے ہیں۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضہ سب مسلمانوں کے ساتھ جنازے پر جمع ہوئے۔ آگے حضرت امام جعفر رضہ کی حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت عباسؓ حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں آئے اور کہا تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضور رسولؐ کو بقیع میں دفن کریں اور حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھ کر حضورؐ پہ جنازہ پڑھائیں۔ پھر حضرت علیؓ پہنچ گئے تو فرمایا۔ لوگو! حضورؐ کی زندگی میں آپ کا امام کوئی نہ تھا۔ اب بھی کوئی امامت نہ کرے۔ فرداً فرداً لوگ دعا پڑھیں (حیات القلوب ص۶۶۲۔ جلاء العیون ص۴۸)

گو اس روایت میں غلط بیانی کر کے حضرت ابوبکرؓ پہ طعن مقصود ہے۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے پیش نظر امام نہ بنانے کی رائے حضرت ابوبکرؓ نے ہی دی۔ تاہم جنازہ الرسولؐ پہ حضرت ابوبکرؓ اور سب صحابہؓ کا اجتماع۔ اور صدیقؓ پہ سب کا اتفاق۔ شیعہ کے گھر سے معلوم ہو چکا۔ وللہ الحمد

مزید سب صحابہؓ کی شرکت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اصول کافی باب مدفنہ وصلاتہ میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلت علیہ الملائکۃ والمہاجرون والانصار فوجاً فوجاً (تفسیر صافی ص۲۷۶)

امام باقرؒ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو آپ پر سب فرشتوں نے سب مہاجرینؓ نے سب انصارؓ نے گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھی۔

شیعہ کی معتبر کتاب مرآۃ العقول ص۳۷۱ پر ہے کہ دس دس مہاجرینؓ اور انصارؓ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے اور باہر آتے تھے۔

حتی لم یبق احد من المہاجرین والانصار الا صلی علیہ

حتیٰ کہ مہاجرینؓ و انصارؓ میں سے ایک بھی نہ بچا جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

حیات القلوب ج ۲ ص۶۶۲۔ حق الیقین ص۱۳۲ پر ان احادیث کا فارسی ترجمہ موجود ہے اور یہ تصریح بھی ہے۔

"تا آنکہ خورد و بزرگ مرد و زن اہل مدینہ و اطراف مدینہ ہمہ برآں حضرت چنیں نماز کردند۔

حتیٰ کہ چھوٹے بڑے۔ مرد عورتیں مدینہ والے اور آس پاس کی بستیوں والے سب لوگوں نے حضرتؐ پر اس طرح نماز پڑھی۔

نیز حیات مقبول ترجمہ ص۵۹ اور احتجاج طبرسی ص۵۲ پر بھی جملہ مہاجرینؓ و انصارؓ کی شرکت در

جنازہ مرقوم ہے۔

ان صریح احادیث کے باوجود یہ کہنا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا۔ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ کیا مدینہ و اطراف مدینہ مہاجرین و انصار۔ مرد و زن۔ خورد و کلاں کے عموم سے یہ صحابہؓ خارج ہیں۔ پھر حضرت جعفر صادقؒ حصر کرکے کیوں بیان کرتے ہیں شیخینؓ کی استثناء کیوں نہیں کرتے آخر آپ کو ان سے کیا ڈر تھا؟

جب اپنے گھر کا جواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کتب اہل سنت میں ان کی شرکت جنازہ کی صراحت نہیں ملتی۔ حالانکہ کتاب کسی بھی مذہب کی ہو ہزاروں صحابہ کرامؓ کی شرکت بتانے کے لیے یہ سب مہاجرینؓ و انصارؓ۔ کل مرد و زن اور مدینہ و اہل مدینہ۔ خورد و کلاں جیسے عموی الفاظ بیان کیے جاتے ہیں نہ کہ شخصی نام۔ کیا دس دس آدمیوں کے جنازہ خواں گروہوں میں کسی بھی حضرت علیؓ اور دیگر چار مومن صحابہؓ کی بھی شرکت کی صراحت ملے گی؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیے یہ مطالبہ کیسے کیا جاتا ہے۔ عموم سے استثناء کے لیے خصوصی اور قوی ترین دلیل درکار ہوتی ہے۔ یہ ایک اصولی بات عرض کی ہے کہ شیعہ حضرات دو طرفہ بے انصافی کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے عمومی مناقب سے حضرات خلفاء و اکابرین امت کو بلا دلیل خصوص نکالنے اور دلیل خاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر اپنا مذہب کشید کرنے کے لیے عموم سے خصوص پر استدلال کرتے ہیں اور دلیل خاص کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اساطین امت ہیں۔ ان کا تذکرہ خصوصیت سے بھی یقیناً ملتا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وضع علی سریرہ دخل ابوبکر و عمر فقالا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومعھما نفر من المھاجرین والانصار قدر ما یسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر و عمر وھما فی الصف الاول حیال رسول اللہ صلی

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفن دیا جا چکا اور چارپائی پر آپ کو رکھا گیا تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے اور فرمایا سلامتی ہو آپ پر اللہ کی اور اس کی رحمتیں اور برکتیں اے اللہ کے نبیؐ۔ ان دونوں کے ساتھ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگ بھی تھے جتنے حجرہ میں آسکتے تھے پس انہوں نے بھی اسی طرح سلام پڑھا جیسے

الله علیه وسلم اللهم انا نشهد انه قد بلغ ما انزل الیه ... ثم یجئ رجل ویدخل آخرون حتی صلوا علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان (البدایہ ج ۵ ص ۲۶۵)

حضرت ابوبکر و عمرؓ نے پڑھا حضرت ابوبکر و عمرؓ صف اوّل میں حضورؐ کے سامنے تھے یہ یوں کہتے تھے اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ حق پوری پہنچائی جو آپ پر کی گئی... پھر نکلتے تھے اور دوسرے داخل ہوتے تھے حتیٰ کہ سب مردوں پھر عورتوں اور پھر بچوں نے نماز و سلام کا فریضہ ادا کیا۔

۳۹۴
جنازہ مبارک پڑھنے کی یہی کیفیت طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲ اور سیرت حلبیہ ج ۳ ص پر موجود ہے اور بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ کا گھر سے آتے ہی حضورؐ کا چہرہ کھولنا اور جھک کر بوسہ دینا اور رونا پھر مشہور خطبہ دینا مذکور ہے۔ سنی و شیعہ ان تصریحات کے باوجود کیا اب بھی کسی شخص کو یہ جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے کہ شیخینؓ شریک جنازہ نہ تھے۔ ان صحیح و معتبر روایات کی روشنی میں اس قسم کی ضعیف و شاذ کوئی روایت کیسے قبول ہو سکتی ہے جس میں لکھا ہو کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جنازہ و دفن میں موجود نہ تھے۔ جیسے کہ کنز العمال کی روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی جاتی ہے کہ جناب ابوبکرؓ و عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد لوٹے۔ حالانکہ ہشام تو عروہ کا بیٹا ہے۔ خود عروہ کی ولادت حضرت عمرؓ کی خلافت کے اخیر میں یا حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتداء میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۳) لہٰذا اس واقعہ میں خود عروہ کی موجودگی محال ہے۔ چہ جائیکہ اس کا بیٹا ہشام موجود ہو۔ بہرحال یہ روایت منقطع اور غیر معتبر ہے۔ نیز شاذ ہے تو روایات مسندہ صحیحہ کے مقابلہ میں مردود ہے۔ (رجوع الجنازہ الرسولؐ از علامہ تونسوی صاحب)

باب چہارم

مسئلہ باغ فدک

سوال نمبر ۱۰ - ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر ملال پر پیغمبر کی اولاد کو باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول زادی کو حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ماترکناہ صدقۃ۔ خلیفہ وقت نے سنا کر باپ کی جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ دیکھو بخاری ص ۱۹۱۔

الجواب۔ اولاد کے مالی وارث ہونے کے شیعہ مدعی ہیں اہل سنت منکر ہیں۔ مدعی کے ذمے ثبوت ہوتا ہے۔ شیعہ ایک مثال پیش کریں کہ کسی نبی کا اپنا کمایا یا ذاتی مال یا ترکہ ان کی سب اولاد میں بطور وراثت شرعی پورا پورا تقسیم ہوا ہو۔ جب ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تو منکر کا دعویٰ از خود بلا دلیل و مثال ثابت ہو جاتا ہے۔

مسئلہ فدک یہ سوال قصۂ فدک کی طرف اشارہ ہے جو شیعہ کا پیدا کردہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ بلکہ اہل تشیع کا بزعم خود سنگ بنیاد ہے۔ انقلابات زمانہ سے جب دسویں صدی ہجری میں صفوی خاندان ایران میں برسر اقتدار آیا اور شیعہ کا اصول تقیہ باطل ہو گیا۔ اور شیعہ ائمہ کے ارشادات۔ کہ شیعو! تم اس دین پر ہو جو اسے چھپائے گا عزت پائے گا اور جو ظاہر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔" نیز جوں جوں امام مہدی کے ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آئے گا تقیہ (اور کتمان دین) کی ضرورت اور سخت ہوتی چلی جائے گی (اصول کافی باب التقیہ)۔ خود شیعہ کے قول و فعل سے جھوٹے ثابت ہوئے۔ تو شیعہ مبلغ سب سے پہلے مسئلہ فدک سے بحث شروع کرتے تھے۔ کشف الغمہ کے مقدمہ میں مؤلف کے حالات میں ہے۔

"یہاں یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ شیعہ مذہب صفوی زمانہ سے ایران میں شائع ہوا۔ علامہ زواری، شیخ بہاء الدین اور ملا فتح اللہ کاشانی جیسے لوگ دولت صفویہ کے آغاز میں اہل بیت کا طریقہ پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔"

پھر اس اعتراض۔ کہ شیعہ مذہب فاتح ایران حضرت عمرؓ کے بغض کی وجہ سے ایران میں پیدا

ہوا۔ کے جواب میں کہتے ہیں۔

وما گوئیم این سخن غلط است وایشاں نمی دانند کہ تشیع از زمان صفویہ با ہزاراں رنج و دشواری رواج گرفت و پیش از آں تا ہزار سال کشور عجم مانند سائرہ ممالک اسلامیہ سنی بودند۔ (مقدمہ کشف الغمہ ص۱۳ از مرزا ابوالحسن شعرانی)	ہم کہتے ہیں یہ الزام غلط ہے۔ یہ سنی نہیں جانتے کہ شیعہ مذہب تو صفویہ خاندان کے زمانہ سے ہزار رنج اور مشکلات کے ساتھ شائع ہوا اور اس سے پہلے ہزار سال تک عجمی ممالک تمام دیگر اسلامی ممالک کی طرح سنی المذہب تھے۔

اب ایسے مذہب کی حقیقت و صداقت کا کیا کہنا جو ہزار برس بعد ہی پردۂ عدم سے ظہور میں آتا ہے۔ اور بنیاد عہدِ نبوی کے بعد فدک جیسے چند اختلافات پر استوار کر کے اتفاق ملی کو پارہ پارہ کرتا اور اپنے فرقہ کے سوا سب مسلمانوں کو دائرۂ ایمان سے خارج جانتا ہے۔ حالانکہ بالکل کھلی بات ہے جن اختلافی مسائل پر آج ملت اسلامیہ کو کفر و اسلام میں منقسم کیا جاتا ہے۔ عہد صحابہؓ و اہل بیتؓ میں ان کا وجود ایسے نہ تھا ہی نہیں جیسے باور کرایا جاتا ہے۔ یا بات کا بتنگڑ بنا کر تصویر ہی غلط پیش کی جاتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس وقت یہ مسائل اٹھے یا اٹھائے گئے حضرات اہل بیت سے عقیدت رکھنے والے بھی کروڑوں مسلمان تھے۔ ہزار برس تک ان میں سے کوئی فرقہ شیعہ اہل بیت نہ بنا اور نہ کسی نے ان اختلافات کو ہوا دے کر نیا مذہب تیار کیا مگر ہزار برس بعد یہود و مجوس کے طفیلیہ خاندان صفوی نے ان اختلافات کو مذہب کی شکل میں پھیلا دیا۔ تشیع کے اس اجمالی تعارف کے بعد اور مسئلہ فدک کی تفصیلات میں جانے سے پہلے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ یہودی بنی نضیر، قریظہ اور خیبر کے بعض قبائل نے اہل اسلام سے مرعوب ہو کر بلا جنگ جو جائیداد اہل اسلام کے سپرد کی قرآنی اصطلاح میں وہ مال فے کہلاتا ہے اور اس کے آٹھ مصارف سورت حشر میں مذکور ہیں۔ ان ہی میں فدک تھا۔ یہ جائیداد بس صرف حضورؐ کی تحویل میں تھیں کیونکہ کسی مسلمان مجاہد کا ان میں معین حصہ نہ تھا حضورؐ صرف اپنی صوابدید سے مذکورہ بالا مصارف پر کلاً یا جزاً کمی بیشی کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اپنا ذاتی خرچ۔ رشتہ داروں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے۔ اصول کافی میں

تصریح ہے کہ یہ جائیداد پیغمبر کے بعد امام جانشین کی تحویل میں چلی جاتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق ان میں عمل و تصرف کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسی حیثیت سے جانشین پیغمبرؐ ہوئے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے خلیفہ کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے بذریعہ قاصد یہ مطالبہ کیا کہ فدک نامی شہر کی جائیداد جس کی آمدنی ہم استعمال کرتے ہیں۔ براہِ راست میری تحویل میں دے دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یہ وراثت کی سی شکل ہے۔ جناب رسولِ مقبول علیہ السلام کا فرمان میں نے سنا ہے کہ پیغمبروں کا ترکہ عام صدقہ ہوتا ہے اس میں کوئی وارث نہیں بنتا۔ آپ کو توجہ کے لیے وہ سب آمدنی ملتی رہے گی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ملا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی رشتہ داری مجھے سب دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے لیکن میں بطورِ وراثت و تملیک وہ جائیداد آپ کے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ حضورؐ کی روش کے خلاف کروں تو گمراہ ہوں گا حضرت فاطمۃ الزہراء یہ معقول جواب سن کر خاموش ہو گئیں۔ پھر اس مسئلہ پہ آپ سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ۶ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

جناب رشید اختر ندوی "مسلمان حکمران" ص ۲۳،۲۲ پہ لکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کا مطالبہ تھا انہیں باغ فدک اور خیبر کی زمینیں دی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست تابع تھیں جن سے رسول اللہ اپنی بیویوں۔ اہل و عیال۔ عام مسلمانوں مسافروں اور عمال کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات پورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کی نظر منصبِ امامت اور اس کے فرائض پہ نہ تھی وہ اپنے باپ کو نبی مانتی تھیں مگر وہ انہیں عرب کا امیر بھی سمجھتی تھیں۔ . . . .

درحقیقت اسلام جس اونچے مقاصد لے کر اس دنیا میں آیا تھا۔ رسول اللہ نے جو طریقِ حکومت رواج دیا تھا اس میں امیرِ ملت یا حاکمِ اعلیٰ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ اپنے باپ یا دادا سے کوئی جائیداد پاتے اور یہ جائیداد نبی کی حیثیت سے نہیں ایک عام فرد کی حیثیت سے انہیں ملتی تو بات شاید الگ ہوتی تو شاید ابوبکرؓ فاطمہؓ کے مطالبہ کو رد نہ کرتے۔ بہت ممکن تھا بلکہ یقیناً ایسا ہوتا کہ رسول اللہ یہ جائیداد بیچ کر مستحق مسلمانوں کو کھلا دیتے اور وصال کے وقت اپنے پیچھے کچھ چھوڑ نہ جاتے اور باغ فدک اور خیبر کی بعض زمین تو رسول اللہ کو مسلمانوں کے حاکم

ہونے کی حیثیت سے ملی تھی اور اگر وہ زمینیں اپنی بیٹی یا اپنے نواسوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے مخصوص کر جاتے تو ان میں اور دوسرے حکمرانوں میں کیا فرق رہتا۔

سیدہ فاطمہ رضؓ نورِ ملت اور رجانِ ملت ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضؓ ہم سب کی آنکھوں کا تارا ہیں ان کی محبت جزوِ ایمان ہے لیکن اسلام کے عظیم مقاصد اس محبت کے باوجود مقدم ہیں اور اس لیے ابوبکر رضؓ نے فاطمہ رضؓ سے کہا تھا یہ باغِ فدک میرے تسلط میں اس طرح رہے گا جس طرح رسول اللہؐ کے تسلط میں تھا اور میں اسے اس طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہؐ اسے خرچ کرتے تھے (ابن کثیر جز ۵ صہ ۲۸۹)۔

اور تاریخ نے جو کسی کے عیوب و محاسن نہیں چھپاتی اور ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے ابوبکر رضؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے باغِ فدک یا کسی اور زمین کی پیداوار اپنے اوپر صرف کی ہو گو انہوں نے باغِ فدک اور دوسری زمینیں اپنے قبضے (و تولیت) میں لے لی تھیں لیکن ان کی پیداوار اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

وہ جس طرح کی زندگی گزارتے تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ابوبکر رضؓ نے رسول اللہ کی وراثت کے باب میں وہی مسلک اختیار کیا جو اسلام کا منشاء تھا انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو اسلام کے پہلے حاکمِ اعلیٰ کو منظور و محبوب تھی۔

اور یہ راہ اختیار کرتے وقت انہوں نے رسول اللہ کے ارشاد سے سند بھی لی تھی انہوں نے حضورؐ کا ارشاد حضرت فاطمہ رضؓ اور دوسرے لوگوں کو سنا دیا تھا اور ان سے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا فرویت ان ارده علی المسلمین (میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں کو لوٹا دوں) انہوں نے اپنا یہ خیال پورا کیا اور فدک اور خیبر کی مخصوص آمدنی مسلمانوں کے تصرف میں لائے۔ اور یہ باغِ فدک اور دوسرے اموال رسول اللہ کی زندگی میں حضورؐ کے ذاتی اور قومی تصرف میں آیا کرتے تھے۔ جن میں سے بنی نضیر کے اموال بھی تھے۔

مؤرخ ابوعبید نے اس سلسلہ میں حضرت فاروق رضؓ کی روایت درج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

كانت اموال بنی نضیر مما افاء الله علی رسوله مما لا یوجف المسلمون علیه بخیل ولا رکاب فکانت لرسول الله خاصة فکان ینفق منها علی اهله نفقة سنة

وما جعلہ فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللہ (مسلمان حکمران ص ۲۲-۲۳-۲۴ مؤلفہ رشید اختر ندوی مطبوعہ احسن برادرز لاہور)

(ترجمہ) کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی کے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بطور فے دیے تھے تو یہ حضورؐ کے خاص تصرف میں تھے آپ سال کا خرچ اپنے گھر والوں پر اس سے کرتے اور بقیہ کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری میں ہتھیار وغیرہ سامان پر خرچ کرتے تھے۔

شیعہ حضرات حضرت فاطمہؓ کی مفروضہ ناراضگی کو بہت اچھالتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی اپنی زبانی واقعہ کی تفصیل یا ناراضی کا اظہار اہلِ سنت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا چونکہ خوشی یا ناراضی دل کا فعل ہے۔ عام راوی اسے بطورِ ظن ہی بیان کر سکتا ہے چنانچہ بعض رواۃ اہلسنت نے خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اسی بنا پر ناراضی بعض روایات میں منقول ہے

۲. درس معیدانہ اس سے قطع نظر کہ غضبت جیسے مثبت ناراضی الفاظ راوی کے مدرج الفاظ ہیں جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ قابل توجہ بات اس قدر ہے۔ اولاً کہ قرنِ اول کے دو بڑے بزرگوں پیغمبرؐ کے خاص رشتہ داروں میں آتنا سا فکری یا نظریاتی اختلاف کیا اس بات کا جواز مہیا کر سکتا ہے کہ اس پر اصولی اختلاف کی طرح ڈال کر امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔ خود حضرات اہلِ بیتؓ نے تو حدیثِ میراث اور عمل صدیقی کی تغلیط نہیں کی۔ قصۂ فدک میں بدستور وہی طریقہ جاری رکھا جو پیغمبرِ اعظمؐ اور صدیق اکبرؓ نے قائم کیا تھا۔ پھر بعد میں آنے والے لوگوں کو انتشار و اختلاف برپا کرنے کا کیا حق ہے؟

ثانیاً حضرت فاطمہؓ جیسی عابدہ زاہدہ بتول سے عقلاً کیا ممکن ہے۔ کہ وہ صدیق اکبرؓ سے حدیثِ پیغمبرؐ سن کر ناراض ہو جائیں۔ یہ ادنیٰ مسلمان کی بھی شان نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر وہ حدیث آپ کے خیال میں درست نہیں تو برملا اس کا انکار کرکے اس کے برعکس قرآن و سنت سے ان کو قائل کریں اور اس کا ثبوت کتب معتبرہ فریقین سے ہونا چاہیے خاموشی تو علامتِ رضا ہی ہے۔

ثالثاً۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تو سب سے افضل صحابی ہی نہیں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے رشتہ میں نانا بھی ہیں۔ حضورؐ کے یارِ قدیم اور صاحب الغار بھی ہیں۔ عمر بھر جان و مال سے حضورؐ کی

خدمت و نصرت کی۔ حضرت فاطمہؓ کے حضرت علیؓ سے رشتہ کے محرک اوّل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی ہیں۔ آپ کا جہیز خرید کر لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ نکاح کے اہم شاہد بھی یہی حضرات ثلاثہؓ ہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ اور علیؓ کے گھریلو تنازعات کو نمٹاتے وقت بھی حضورؐ شیخینؓ کو شاہد بناتے تھے (سب امور کے لیے قصہ تزویج ملاحظہ ہو کشف الغمہ و جلاء العیون)

کیا حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے متعلق عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ آپ اپنے بڑے محسن رشتہ دار پر صرف تولیت فدک نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئی ہوں اور تا زیست کلام نہ کی ہو۔ فرض کیجیے آپ حساس اور نازک مزاج تھیں۔ خلاف مرضی حضرت ابوبکرؓ کا عمل و ارشاد سن کر طبعی ناراض ہوئیں۔ یا بقول شیعہ حضرت ابوبکرؓ جیسے بزرگ محسن کو اپنے حق کا غاصب سمجھ کر ناراض ہوئیں۔ تو کیا تین دن تک ناراضی کا جواز، پھر ناراضی اور ترک کلام کی حرمت کا متفقہ مسئلہ آپ کو معلوم نہیں۔ پھر اس کی خلاف ورزی کیسے؟ فدک کا مسئلہ مالی حقوق کے متعلق ایک دنیوی مسئلہ ہے عقیدہ اور فرائض شریعت کا مسئلہ تو نہیں جس کے خلل سے طویل ناراضی کا عذر لنگ تراشا جائے۔

نیز سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سیدۃ النساء ہیں۔ اعمال صالحہ و پرہیزگاری میں اعلیٰ اور معیاری مقام رکھتی ہیں۔ قرآن پاک میں اہل جنت کے اوصاف عالیہ میں وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور اہل جنت غصے کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) آیا ہے۔ گو برائی کا بدلہ اس کی مثل عام لوگوں کے لیے جائز ہے۔ مگر خواص کے لیے فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (پس جو معاف کر دے اور صلح کر لے پس اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے) اور وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (اور البتہ جو صبر کرے اور بخش دے تو یہ ہمت کی بات ہے) جیسے لوگوں کی سیرت اپنانے کی تعلیم نازل کی گئی ہے۔ رحیم محسم اور مہربان کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ پیغمبر نے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دینے کا اسوۂ حسنہ یادگار چھوڑا ہے اور صحابہ کرامؓ کے لیے تو خصوصی طور پر اپ رحیم کا حکم اور سفارش ہے۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (ان کو معاف کر دیں ان کے لیے بخشش مانگیں اور اہم کاموں میں ان سے مشورہ لیں) خود حضرت سیدہ کے مثالی شوہر اور سبط پیغمبر فرزندوں نے تکالیف سہہ کر صبر و عفو کی مثالیں قائم کیں۔ اب جو لوگ حضرت سیدہ کے ابوبکر صدیقؓ پر ناراضی کا افسانہ مشہور کرتے ہی رہتے ہیں وہ رضامندی یا عفو کی

کوئی روایت تسلیم ہی نہیں کرتے۔ وہی بتائیں کہ مذکورہ بالا آیات کے مصداق سے حضرت سیدہؓ کیوں خارج ہیں۔ آلِ عباؑ کے مثالی طرزِ عمل کی خلاف ورزی حضرت سیدہؓ کیوں کرتی ہیں۔ کیا سیدہؓ کی پاکیزہ سیرت پر شیعہ کی طرف سے خوارج سے بڑھ کر یہ ناپاک حملہ نہیں۔ جس کا مقصد وحید صرف حضرت ابوبکرؓ پر طعن اور تشیع کے سنگ بنیاد ہی کو مضبوط کرنا ہے۔

سادساً۔ اگر کوئی بزرگ کسی صاحب سے بلاقصد وارادہ طبعاً ناراض ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ ناراض کرنے والے کے ذمہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ ان سے معذرت اور دلجوئی کرلیں۔ اعتذار اور معافی چاہنے والوں کو معاف کرنا سنتِ خدا و رسولؐ کے علاوہ اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ اگر بقول شیعہ یہ طبعی ناراضی تسلیم ہی کی جائے تو شیعہ روایات میں ہی یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے جا کر معافی مانگی۔ حالانکہ یہ دونوں ناناجی نتھے۔ اولوالعزم تھے اور حضرت فاطمہؓ سے افضل تھے مگر پھر بھی قرابتِ نبوی اور تعظیم فاطمہؓ کے جذبہ سے آپ کے گھر چل کر گئے۔ ملاحظہ ہو۔

"حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ حال (خفگی فاطمہؓ) دیکھا تو خدا سے عہد کیا کہ وہ چھت کے نیچے نہ جائیں گے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی نہ کرلیں۔ پس ایک رات وہ آسمان کے نیچے سوئے۔ پھر عمرؓ امیر المومنینؓ کے پاس آئے اور کہا ابوبکرؓ بوڑھے آدمی ہیں نازک دل ہیں۔ رسولِ خداؐ کے غار میں ساتھی تھے اور حضورؐ سے پرانی صحبت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ آئے ہیں اور حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کی اجازت مانگی ہے مگر وہ مانیں۔ اگر آپ مفید جانتے ہیں تو ہمارے لیے رخصت مانگیں ... پس امیر المومنین نے فاطمہؓ سے کہا میں ضامن ہوا ہوں کہ ان کے لیے اجازت چاہوں۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ آپ کا گھر ہے اور آپ کو اختیار ہے۔ عورتیں مردوں کے آگے نہیں آتیں۔ میں کسی بات میں آپ کی مخالفت نہیں کرتی جس کو چاہیں اجازت دیں ... پس حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آگئے۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ اے رسولِ خداؐ کی صاحبزادی! ہم تیرے پاس آپ کی رضا چاہنے اور ناراضی سے پناہ مانگنے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے (بروایت شیعہ) کوتاہی ہوئی اسے بخش دیں۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ میں ایک بات تم سے نہیں کرتی حتیٰ کہ اپنے والد ماجد سے ملاقات کروں اور تمہاری شکایت کروں۔ (جلاء العیون ص ۱۵۲)

شیعہ روایت کے آخری جملے غلط ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ تو حق پر تھے۔ مطابق شرع اپنا

فرض ادا کر چکے۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے اور غصہ ختم کرنے والے ہیں) یہ عمل حضرت فاطمہؓ کو کرنا چاہیے تھا جب حضرت علیؓ راضی اور اجازت دے کر گویا ایک قسم کے سفارشی ہیں۔ پھر ناراضی پر اصرار کیوں؟ اگر حضورؐ زندہ ہوتے اور آپؐ سے فاطمہؓ شکایت کرتیں تو کیا آپ صلح صفائی نہ کروا لیتے؟ جیسے حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی اور شکایت کو آپ ختم کرا دیتے تھے۔ تو ابوبکرؓ کے ساتھ بھی (بالفرض ناراضگی ماننے میں) آخرت میں یہی امید ہے کیونکہ جن پر خدا اور رسولؐ راضی ہوں ان پر بعض دوستوں کی ناراضی کا دفعیہ دوسرے ذریعہ سے ہو جائے گا۔ قرآن وسنت میں یہ مسئلہ مصرح ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (اور جو کچھ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے متعلق کدورت ہوگی ہم دور کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (پ ۱۴ الحجر)

سابعاً۔ یہ حقیقت ہے کہ فدک کے سوال پر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا ساتھ دینے میں پس وپیش کی تو آپ کو اتنا سخت سست سننا پڑا۔ "مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ ومثل خائناں در خانہ گریختہ (حق الیقین ص۱۲۵)۔ (ماں کے رحم میں بچے کی طرح پردہ نشین ہو گئے ہو اور خائنوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے ہو) اور ابھی ہم واضح کریں گے کہ حضرت علیؓ نے بھی باغ فدک ورثاءِ فاطمہؓ کو نہ دیا اور عمل صدیقی جاری فرمایا۔ کیا شیعہ کا مشہور اصول۔ الحق مع علی حیث دار (حق علیؓ کے ساتھ ہے جدھر بھی جائیں) کے تحت تائید علوی کی وجہ سے حضرت علیؓ برحق نہیں۔ خانگی تنازعات فاطمہؓ وعلیؓ میں اگر حق حضرت علیؓ کے ساتھ ہوتا تھا تو یہاں کیوں ساتھ نہیں۔

ثامناً۔ حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی کے واقعات کئی ہیں۔ مثلاً جلاء العیون ص۱۲۳، ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۲۹، ۱۳۲ طبع ایران ملاحظہ ہو۔

اور شیعہ روایات کی روشنی میں آپ کی خانگی معاشرت اتنی تلخ تھی کہ حضور علیہ السلام کو یوں تہدید وسفارش کرنی پڑی۔

ومہربانی کن با زوجہ خود بدرستیکہ فاطمہؓ پارہ تن من است ہر چہ او را آزردہ دارد مرا آزردہ میآورد (جلاء العیون ص۱۲۳)

اے علیؓ اپنی زوجہ پر رحم کھایا کرو بلاشبہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے تکلیف پہنچاتی ہے مجھے بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔

اس حدیث کو اپنے شانِ نزول سے کاٹ کر حضرت ابوبکرؓ پر منطبق کرنے والے دیانتدار فرقہ سے ہم پوچھتے ہیں کہ ان مسلسل ناراضیوں سے حضرت علیؓ کے دین پر حرف آیا یا نہ۔ اگر نہیں آیا۔ تو اصول کہاں گیا؟ اور اگر آیا تو تمہارا موجودہ مذہب ہی ناسخ ہوا بنا۔

اگر یہ کہو کہ یہ وقتی ناراضی ہوتی تھی بعد میں صلح صفائی ہو جاتی تھی تو سوال یہ ہے کہ صفائی سے قبل دو چار گھنٹے کے وقت ناراضی میں حضرت علیؓ کے حبطِ اعمال پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں دیا جا سکتا تو ابوبکرؓ پر بھی دو ڈھائی ماہ کی ناراضی سے کبھی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

ثالثاً۔ فقد اغضبنی (پس اس نے مجھے ناراض کیا) کیا بنا بر حقیقت ہی ہے یا دھمکی اور اغضاب فاطمہؓ سے روکنا مقصود ہے۔ اول بات پر اصرار ہو تو مندرجہ ذیل آیات کا جواب دیں۔ سود خواروں کے متعلق ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اگر تم سود خوری سے باز نہ آؤ تو خدا اور رسولؐ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرو۔ کیا محاربِ خدا اور رسولؐ سود خوار پر آپ حقیقتہً کفر کا فتویٰ لگائیں گے؟ غیبت کرنے والوں کے متعلق ہے اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (کیا کوئی تم سے پسند کرتا ہے کہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے) کیا غیبت کرنے والا واقعی مردار خور ہے۔ یتیم کا مال ناجائز کھانے والوں کے متعلق ہے۔ اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (بے شک وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں) کیا اب وہ حقیقتہً آگ ہی کھاتے ہیں۔

اگر یہاں حقیقت مراد نہیں بلکہ ان گناہوں کی شناعت کے لیے تمثیلات ہیں اسی طرح غضبِ فاطمہؓ پر غضبِ رسولؐ بیانِ شناعت کا ایک طریق ہے اور اغضابِ فاطمہؓ سے روکنا مقصود ہے۔ حقیقت مراد نہیں ہے تو حضرت ابوبکرؓ پر ناراضی رسولؐ ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ سادہ بیان مسئلہ کی حقیقت ایک خالی الذہن عامی کے ذہن نشین کرنے کے لیے قلمبند کیا گیا۔ علمی موشگافیوں کے دلدادہ اور ردّ و قدح کرنے والوں کے لیے تحقیقی بیان یہ ہے۔ صحیح بخاری ج۲ صفحہ ۹۹۵ سے حدیثِ میراث ملاحظہ ہو۔

"امام زہری بروایت عروہ از عائشہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس حضورؐ کا ترکہ مانگنے آئے۔ اور وہ فدک اور خیبر کے حصے کی زمینیں مانگتے

تھے پس حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

یقول لانورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمدؐ من ھذا المال۔

حضورؐ فرماتے تھے۔ ہمارا وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمدؐ بلاشبہ اس مال سے کھاتے رہیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں وہ طریق کار نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے۔ مگر میں اسے ضرور کروں گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے گفتگو چھوڑ دی۔ اور تا وفات بات نہیں کی۔"

بخاری ج ۱ ص۴۳۵ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں۔ کہ آپ اس ترکہ کی وراثت مانگتی تھیں جو اللہ نے آپ پر بطور فے لوٹایا تھا"۔۔ نیز بر خیبر فدک اور مدینہ منورہ کے وقف صدقات تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دینے سے انکار کیا اور فرمایا میں اس طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے مگر میں اسے ضرور کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے حضورؐ کا طرز عمل چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔" ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: "کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری سب سے زیادہ محبوب ہے۔ بخاری ج ۲ ص۵۷۰-۹۹۶) مگر میں مال نے کی میراث دینے سے معذور ہوں) میرا مال آپ کے لیے حاضر ہے۔"

مسئلہ کی علمی تنقیح

طعن فدک کا سارا دار و مدار اسی حدیث پہ ہے۔ چند تنقیحات کی شکل میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ مال فے اور فدک کی آمد و خرچ کی کیا پوزیشن ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کس کے تصرف میں آتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور دیگر خلفاء اسلام اہل بیت کا راشن ان اموال سے دیتے تھے۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشا کیا تھا؟

۴۔ حدیث لانورث متفق علیہ ہے تمام صحابہؓ اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

۵ راوی کے الفاظ غضبت الخ مدرج اور اپنے ظن پہ مبنی ہیں۔

۶۔ حضرت سیدہؓ ابو بکرؓ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔

۸. شیعہ کے دلائل وراثت پر تبصرہ

۹. روایات ہبہ کی حقیقت

۹. جنازہ فاطمہؓ میں شیخینؓ کی شرکت

۱. مال فے اور فدک کی حقیقت ۔ مسلمانوں کو کفار کے جو اموال ملتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ۱. انفال یعنی غنیمت ۔ ۲. فے ۔ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی فضل و انعام کے ہیں۔ یہ لفظ سورت انفال کے شروع میں استعمال ہوا ہے۔ جب جنگ بدر کی غنیمت کی تقسیم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر مستحق ہونے کا سوال اٹھا تو اللہ پاک نے فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ آپ فرمایئے انفال کی تقسیم اللہ اور اس کے رسولؐ کے اختیار میں ہے۔ اس سے مراد مال غنیمت ہی ہے جو کفار سے بصورت جنگ حاصل ہوا تھا۔ فے مراد نہیں کیونکہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دینا قبول کریں اور نفل نفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لیے بولا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیے ہیں (ابن کثیر) اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لیے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعے جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا۔" (تفسیر معارف القرآن ج۴ ص۱۷۱)

علماء لغت اور مفسرین کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ انفال بطور جنگ و قتال سے حاصل ہونے والے مال کو کہا جاتا ہے اور اسی کو مال غنیمت کہتے ہیں خواہ ایک ہی چیز کے دو نام ہوں یا عام خاص کا فرق ہو۔ جیسے اسی سورت میں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ مصارف

انفال کا بیان ہے۔ لیکن مالِ فے کی حقیقت اس سے جدا ہے کہ وہ بغیر جنگ کے محض رضامندی یا رعب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف قرآن حکیم نے ہی سورت حشر میں کی ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ان لوگوں سے بغیر لڑے عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ .. لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ .. وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ.

دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بدون جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسولؐ کا اور رسول کے قرابت مندوں کا اور انہی کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال غنیمت) تمہارے دولتمندوں کے مابین چکر کھاتا نہ پھرے .. نیز یہ (مال فے) ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورتمندوں کا بھی حق ہے .. اور ان کا بھی حق ہے جو ہجرت کرنے والوں کے پہلے سے دار ہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں (ترجمہ مقبول ص۶۵۲)

انفال و غنیمت اور مال فے کے درمیان اس مابین فرق سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات جو انفال کو بلا جنگ حاصل شدہ مال سے تعبیر کرتے ہیں جیسے "تحفات صداقت ، ص۱۱۸ پر ہے۔" اور اگر صرف تیاری جہاد کرنے، گھوڑے دوڑانے اور کچھ عملی تگ و تاز کرنے سے (لیکن جہاد کے بغیر) ملے جیسے اموال و املاک بنی النضیر تو اسے فے کہا جاتا ہے اور اگر ہر قسم کی سعی و کوشش کے بغیر دستیاب ہو جائے تو اسے انفال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے جائیداد فدک۔"

قرآن کے بیان کے برعکس صریح دھاندلی اور باطل مفسدہ برآری ہے۔ شایدان کے پیش نظر اپنے پیشوا علامہ کلینی کا یہی غلط بیان ہوگا۔ "جو خلفاء پیغمبرؐ کو جنگ اور غلبہ سے مال واپس ملے وہ فے ہوتا ہے اور اس کا حکم واعلموا انما غنمتم میں مذکور ہے (یعنی غنیمت

و فے ایک مال کے نام ہیں) اور جو ان کے پاس بغیر گھوڑے دوڑانے اور لشکر کشی کے حاصل ہو وہ "انفال" کہلاتا ہے جو خدا و رسول کا خاص ہوتا ہے کسی کی شرکت نہیں ہوتی (اصول کافی ص۳۳۶ باب الفیٔ والانفال)

حالانکہ۔ قرآن پاک نے جنگ بدر سے حاصل شدہ اموال و غنائم کو۔ انفال۔ اور بلا جنگ و لشکر کشی اموال بنی نضیر کو مال فے سے تعبیر کیا ہے جن میں جائیداد فدک بھی شامل ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جائیداد فدک۔ انفال و غنیمت کے طور پر اہل اسلام کے قبضے میں آئی یا بطور فے بلا جنگ حاصل ہوئی۔ سو تمام سنی شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ فدک مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے وہاں کے یہودنے از خود صلح میں نصف جائیداد دینے کی حضور کو پیش کش کی آپ نے منظور فرمالی۔ چنانچہ مولف تجلیات صداقت محمد حسین صاحب نے اپنی مختار کے موافق۔ معجم البلدان ج۶ ص۲۲۳ تاریخ طبری ج۳ ص۹۵۔ کامل ابن اثیر ج۲ ص۱۰۹ فتح الباری کے حوالہ جات سے فدک کی تعریف کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وکانت فدک خالصة لرسول الله لانهم لم یجلبوا علیها بخیل ولا رکاب	فدک خالص رسول اللہ کے قبضے میں تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس پہ گھوڑے اور سواریاں نہیں دوڑائیں۔

معلوم ہوا کہ فدک مال فے کی قسم ہے جس پہ گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی نہیں کی گئی۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اموال فے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں فرمایا ہے۔ کہ خالصتہً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور قبضے میں ہوگا۔ اور آپ حاکمانہ حیثیت سے مذکورہ بالا آٹھ مصارف اپنی صوابدید سے خرچ کریں گے۔ اور عام مسلمانوں کو اس تقسیم پہ چون و چرا کا حق نہ ہوگا کیونکہ ان کی جنگ اور لشکر کشی سے یہ حاصل نہیں ہوئے۔ بلکہ منصب نبوت اور حاکمانہ رعب داب سے سپہ سالار اسلام کے قبضے میں آئے ہیں

"فدک خالصہ رسول" تھا۔ اس سے حضور علیہ السلام کی شخصی تملیک پہ استدلال کرنا منصب نبوت پہ صریح حملہ اور قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف سے استہزاء کے مترادف

ہے زینبیہ ہما سب تجلیات اور دیگر شعبہ کرتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ منصب نبوت سے حاکمانہ حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئے۔ اس کے نرتج میں آپ خود مختار ضرور ہیں مگر خاص ملکیت کی طرح نہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

١۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔	آپ فرمایئے۔ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں۔
٢۔ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ (سبا)	آپ فرمایئے جو کچھ میں تم سے اجرت مانگوں وہ تم اپنے پاس ہی رکھو میرا ثواب میرے رب کے ذمہ ہے۔
٣۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (انعام)	آپ فرمایئے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔

کسی منصب کی رو سے جو چیز ملتی ہے۔ وہ عام عطیہ ہے اسی منصب کا گویا اجر یا قدر و قیمت ہے۔

سنی شیعہ کتب میں کتاب القضاء کے تحت یہ حدیث آتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک شخص کو ہم حاکم مقرر کرتے ہیں وہ جب بہت سے مال جمع کر لاتا ہے تو کہتا ہے "یہ مجھے ہدیہ ملا اور یہ عطیہ اور یہ بیت المال کے لیے ہے۔

هلا جلس فی بیت امه فینظر ایهدی الیه ام لا (کما قال)	وہ اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ اسے ہدایا ملتے (ابوداؤد ج ٢ ص ٥٣)۔

معلوم ہوا کہ منصب نبوت اور حاکمانہ حیثیت سے فدک وغیرہ جو جائیدادیں اللہ نے آپ کو قبضہ میں دیں وہ محض رفاہی امور اور مصارف ہشت گانہ مذکورہ پر خرچ ہوں گی۔ اگر آپ اسے محض ذاتی تملیک قرار دیں تو شیعہ ہی بتائیں کہ نبی کی حیثیت سے طلب اجر اور تکلف کی اس سے بڑی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں مربع ایکڑ کی اتنی بڑی جائیدادیں آپ نبوت و حکومت کے رعب سے حاصل کر کے تنہا اپنی صاحبزادی کو میراث بنا کر دیں یا ہبہ کر دیں تو لوگوں کے سامنے آپ یہ اعلان کر سکیں گے کہ نہ میں اجر مانگتا ہوں۔ نہ تکلف کرتا ہوں۔ اس صورت میں ہم داعی اسلام کی کفار کے سامنے کیا بے لوثی۔ للہیت اور زہد و قناعت کی بات کر سکیں گے۔

تاریخ و سیرت کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ جناب حضور علیہ الصلاۃ والسلام سب لوگوں سے بڑھ کر زاہد تھے۔ فتوحات اور کثرت غنائم کے باوجود آپ کے گھر میں لیالی اوقات دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی۔ ازواج مطہراتؓ پیوند لگے کپڑے پہنتی تھیں آپ خود اور آپ کے اہل بیتؓ فاقوں سے رہتے اور روزہ رکھ کر پانی یا کھجور سے افطار کرتے تھے۔ خود سیدہ فاطمہؓ نے گھریلو خدمت کے لیے خادم مانگا مگر آپ نے سب لوگوں میں تقسیم کے باوجود سیدہؓ کو خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا۔ اور تسبیح و تہلیل اور تحمید کی ۱۰۰ مرتبہ تعلیم دی۔ بروایت شیعہ محدث ابن بابویہ بسند صحیح حضرت فاطمہؓ کو آپؐ نے زیور پہنے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور اتار نے کا حکم دے کر فرمایا۔

بدرش فدائے او باد دنیا از محمد و آل محمد اس کا باپ اس پر قربان دنیا محمدؐ اور آل محمدؐ

غیبت (جلاء العیون ص ۹۴-۱۰۰) کے لیے نہیں ہے۔

روضہ کافی ص ۱۳۱ پر ہے حضورؐ نے فرمایا۔ میں مکہ کے پہاڑوں کا سونا ہونا نہیں چاہتا بلکہ ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر رہنا چاہتا ہوں تاکہ سیری پر شکر اور بھوک پر ذکر و دعا کروں۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مال خمس میں سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے باوجود حق دار ہونے کے خدمت کے لیے خادم مانگا تو آپ نے یہ عذر فرما کر انکار کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ اصحاب صفہ کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں۔ ان کو چھوڑ کر میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ بخاری ص ۴۳۰ پر ہے کہ حضورؐ کی وفات ہوئی میرے گھر میں ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا حیوان کھاتا بجز لفف ساع جو کے۔ حضرت عمرو بن الحارث کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صرف ہتھیار، سفید خچر اور کچھ صدقہ کی زمین ترکہ میں چھوڑی۔

کیا اس سیرت اقدس کی روشنی میں اتنے بڑے بہتان کی گنجائش ہے کہ حضورؐ نے فدک وغیرہ مال فے کو ذاتی ملکیت بنا لیا ہو اور حضرت فاطمہؓ کو سب میراث بنا دی ہو یا ہبہ کر دیا ہو۔ شیعہ کتاب علل الشرائع میں امام حسنؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ماں سے کہا کہ آپ نماز کے بعد مومنین و مومنات کے لیے دعا مانگتی ہیں اپنے لیے کیوں نہیں؟ فرمایا یا بنی الجار ثم الدار اول ہمسایہ کا کام کرنا ہے پھر اپنا ایثار۔ آپ کو حضورؐ نے ہی سکھلایا تھا تو ہبہ فدک اس سیرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

شیعہ کتاب عیون الاخبار میں حضرت زین العابدینؒ از اسماءؓ بنت عمیس راوی ہیں کہ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا جو حضرت علیؓ نے مال فے سے خریدا تھا تو آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؓ! کیا لوگ یہ کہیں گے کہ فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی جبابرہ و متمردین امیروں کا سا زیور پہنتی ہے حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت اسے توڑ کر بیچ ڈالا۔ اور اس سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔ (بحوالہ باغ فدک از نواب مہدی علی خان)

اموالِ فے میں حضورؐ کا طرزِ عمل

اس تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ اموال فے کو جناب حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآنی آیۃ مصارف یعنی خدا۔ رسولؐ رشتہ دار۔ یتامیٰ۔ مساکین۔ مسافر۔ فقراء مہاجرین۔ فقراء انصار میں حسب صوابدید خرچ کرتے تھے۔ اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے اور اہم ملی کاموں میں اسے صرف فرماتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اسی سنت نبویؐ پر عمل پیرا تھے۔ لہٰذا مطالبہ کے باوجود حضرت سیدہؓ کو قبضہ مالکانہ نہیں دیا۔ جیسے خود حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیا تھا اور نہ ان کے لیے پسند ہی کرتے تھے۔

اس پر چند شیعہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت سیدہؓ نے ارض فدک کا سوال خود آنحضرتؐ سے بھی کیا تھا مگر آپؐ نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ غالباً اسی واقعہ کی مؤید یہ شیعی روایات بھی ہیں۔

اتت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في شكواه الذي توفي فيه فقالت يا رسول الله هذان ابناى فورثهما شيئاً فقال اما الحسن فله هيبتي واما الحسين فله جرءتي.
(خصال ابن بابویہ ص ۳۹ طبع ایران)

حضرت فاطمہؓ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں حضورؐ کے پاس آئیں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو فرمایا یا رسول اللہ یہ میرے دو صاحبزادے ہیں ان کو کچھ وراثت دے جائیں تو آپؐ نے فرمایا حسنؓ کی میراث میری ہیبت و رعب اور حسینؓ کے لیے میری بہادری ہے۔

نیز شیعہ کے محدث فرات بن ابراہیم بن فرات کوفی تفسیر فرات مطبوعہ نجف اشرف ص ۹۲ پر لکھتے ہیں جو علی بن ابراہیم قمی کے استاذ اور کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں کہ حضرت علیؓ کو طلب وراثت کے سوال پر آپؐ نے کتاب اللہ اور سنت نبویؐ میراث بتائی۔ صحیح بخاری میں قصہ کئی دفعہ آیا ہے کہ فدک

وغیرہ بعض اموال فے پر حضرت عمرؓ نے حضرت علی وعباسؓ کو متولیانہ قبضہ دے دیا۔ کچھ عرصہ تو وہ اتفاق سے رہے مگر بوجہ طبائع کے اختلاف سے جھگڑا پڑ گیا اور ہر ایک نے حضرت عمرؓ سے علیحدہ تقسیم کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے وراثت کا سا مطالبہ سمجھتے ہوئے تقسیم سے انکار کیا اور فرمایا۔

فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اھلہ من ھذا المال نفقة سنة ثم یاخذ مابقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل بذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ حیاتہ انشدکم باللہ ھل تعلمون ذالک قالا نعم ثم قال لعلی وعباس انشدکما باللہ ھل تعلمان ذالک قالا نعم فتوفی اللہ نبیہ (بخاری ج ۲ ص ۵۷۶-۹۹۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں پہ پورے سال کا خرچہ اس مال سے نکال لیتے تھے پھر بقیہ کو اللہ کے مال کی جگہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں یہی عمل کیا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ کیا تم اسے جانتے ہو سب نے کہا ہاں پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علی وعباسؓ سے کہا۔ میں تم کو بھی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ بات جانتے ہو۔ کہنے لگے ہاں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو وفات دے دی۔

فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹ اور ۳۱ پر ہے۔

فکان نصف فدک خالصا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یصرف ما یاتیہ منھا الی ابناء السبیل وفی روایة ان فدک کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ینفق منھا ویاکل ویعود علی فقراء بنی ھاشم ویزوج ایمھم۔
(ازالۃ الفاروق ص ۵۴)

نصف فدک خالص حضورؐ کے قبضے میں تھا اس جو آمدنی آتی اسے مسافروں پہ خرچ کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ فدک حضورؐ کے قبضے میں تھا آپ اس سے خود خرچ کرتے کھاتے اور فقراء بنی ہاشم کو دیتے اور ان کے بے نکاحوں کی شادیاں کرتے وغیرہ۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مال فے میں طریق کار معلوم ہو چکا اور واضح ہو گیا کہ اس مال کی آمد پر قبضہ نبوی سب متولیانہ تھا۔ نہ خالص مالکانہ۔ اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ مال

حضورؐ کے بعد کس کے قبضے اور تولیت میں جانا چاہیے۔ اصولِ سیاست اور طریق تمدن سے آجکل یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا۔ کہ سربراہ مملکت کو جو اموال و جائیداد حکومت کی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ان میں ذاتی ملکیت نہیں چلتی۔ وفات کے ساتھ شخصی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ کتب شیعہ میں بھی یہ مسئلہ واضح ہے۔ اصول کافی جز اصفحہ ۳۴۶ باب الفیٔ و الانفال کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ان الله تبارك وتعالى جعل الدنيا كلها باسرها الخليفته حيث يقول للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة فكانت الدنيا باسرها لآدم وصارت بعده لابرار ولده وخلفائه۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے سب زمین خلیفہ کے لیے بنائی ہے جیسے فرمایا فرشتوں سے بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانیوالا ہوں۔ پس روئے دنیا سب حضرت آدمؑ کے لیے تھی اور اس کے بعد آپ کے نیک صاحبزادوں اور خلیفوں کو ملی۔

معلوم ہوا کہ وہ زمین آدمؑ کی سب اولاد میں بطور میراث تقسیم نہ ہوئی۔ بلکہ صرف نیک جانشین صاحبزادوں کو ملی۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔

الانفال ما لم يوجف عليه بخيل ولا ركاب او قوم صالحوا او قوم اعطوا بايديهم وكل ارض خربة وبطون الاودية فهو للرسول صلى الله عليه وسلم وهو للامام من بعده يضعه حيث يشاء۔

انفال وہ مال ہیں جن پر گھوڑا اور لشکر کشی نہ کی جائے یا کوئی قوم صلح میں دے دے یا اپنے ہاتھوں کوئی قوم مرعوب ہو کر دے دے اور ہر خراب زمین اور وادیوں کے پیٹ سب رسول اللہ کے قبضے میں ہوں گے پھر اس کے قبضے میں جو آپ کا جانشین ہو گا جہاں چاہے گا خرچ کرے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا اور رسولؐ کا حصہ۔ اولی الامر کو بطور وراثت ملے گا اور ایک اس کو اپنا حصہ منجانب اللہ ملے گا۔ (اصول کافی ص ۵۳۹) ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو خوراک دکھلانے کے لیے دیتے ہیں۔ فھو للذی یقوم من بعدہ تو اس میں تصرف کا حق اس خلیفہ کو ہے جو اس کا قائم مقام ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ مال فے یا باصطلاح شیعہ انفال بلا جنگ حاصل ہونے والا مال حضورؐ کے بعد آپؐ کے خلیفہ کے قبضے میں آئے گا تو آپ کا اس پر قبضہ متولیانہ وحاکمانہ ہوا نہ مالکانہ۔ فہو المقصود۔ ورنہ رشتہ داروں کو ملنا چاہیئے۔ ہمارے اعتقاد میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول ہیں تو اس متفقہ بین الفریقین اصول کی رو سے فدک وغیرہ کے متولی آپ ہوئے۔ اور یہ تولیت بطور میراث کسی کا حق نہ ہوا۔ فہو المقصود۔

ابوداؤد کتاب الخراج الفئ ج ۲ ص۵۹ (مالک بن اوس الحدثان سے) روایت ہے کہ حضرت علی وعباسؓ حضرت عمرؓ کے پاس (اموال فدک سے علیحدہ علیحدہ متولی بننے کا) جھگڑا لے کر آئے حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور حضرت عثمانؓ بھی پاس بیٹھے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل مال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی علیہ السلام کا ہر مال (متروکہ) صدقہ ہوتا ہے
صدقۃ الا ما اطعمہ اھلہ وکساھم انا	مگر جو کچھ اپنے گھر والوں کو کھلا پہنا دیں۔ ہم کسی کو
لا نورث قالوا بلیٰ	وارث دنیوی نہیں چھوڑتے سب نے کہا جی ہاں

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے اور بقیہ صدقہ کر دیتے تھے۔ اللہ نے جب اپنے نبی کو وفات دے دی تو دو سال حضرت ابوبکرؓ والی بنے وہ بھی وہی عمل کرتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے (میں بھی ایسا کرتا رہا۔ پھر تم کو تقسیم بین المسلمین کا متولی بنایا اب تم علیحدہ تقسیم کا مطالبہ کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تا قیامت ایسا نہ کروں گا تم اگر (مشترکہ تولیت سے) عاجز ہو تو مجھے یہ اموال واپس کر دو۔ (الکافی ج ۲ ص۵۰)

۲۔ حضرت ابوبکرؓ سنت نبوی کے مطابق اہل بیتؓ کو خرچ دیتے تھے

جب فدک کا مال فے ہوتا۔ آٹھ مصارف میں قابل تقسیم ہونا۔ حضورؐ کا ذاتی ملکیت نہ ہونا پھر جانشین پیغمبرؐ کا اس پر قابض ہونا اور مالکانہ حقوق وتقسیم کسی کو نہ دینا تنقیح اول سے معلوم ہو چکا۔ تو اب واضح ہو کہ حضرت ابوبکرؓ اور اسی طرح حضرت عمرؓ، عثمانؓ۔ علی، حسن رضی اللہ عنہم بھی سنت پیغمبرؐ کے مطابق خرچ کرتے اور اہل بیت کو راشن دیتے تھے صحابہؓ سے بھرے مجمع میں قسم دے کر حضرت عمرؓ کا حاضرین سے پوچھنا

اور حضرت علیؓ و عباسؓ سے پوچھ کر ان سب سے اس بات کی تصدیق کرانا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سال کا خرچ اپنے اہل بیت کو اس مال سے دیتے تھے اور بقیہ بکیر اللہ کی خرچ کی جگہوں میں خرچ کرتے تھے۔ گزر چکا ہے اور اس میں یہ تقدیم ہے۔

فقال ابوبکر انا ولی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقبضتها فعمل بما عمل به رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم توفی الله ابابکر فقلت انا ولی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقبضتها سنتین اعمل فیها بما عمل فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم وابوبکر۔
(بخاری ج ۲ ص ۹۹۶)

پس حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں حضورؐ کا خلیفہ ہوں۔ میں نے ان مالوں کو لے کر وہی عمل کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو وفات دے دی تو میں نے کہا کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں پس دو سال تک ان مالوں پر قابض ہو کر وہی کرتا رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے۔

عام مورخین کے علاوہ شارحین نہج البلاغہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے نفقہ اہل بیت کو دینے کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ ابوبکرؓ غلہ و سود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہلبیت علیہم السلام مے دادہ خلفاء بعد از وہم براں اسلوب اقتفا نمودند تا زمان معاویہ (ج ۵ ص ۹۶۰ فیض الاسلام از سید علی نقوی)

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ غلہ اور دیگر آمدنی ان مالوں کی لیکر اہل بیت کو پورا خرچ کی مقدار دے دیتے تھے اور دیگر خلفاء بھی اس کے بعد عمرؓ عثمانؓ علیؓ۔ معاویہؓ اسی طور پہ کرتے رہے۔

علامہ میثم بحرانی بھی حضرت ابوبکرؓ کے اعتذار اور رضاء فاطمہؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

وذلك ان لك ما لابيك كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ياخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقي ويحمل منه في سبيل الله ولك على الله ان

اور وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ ملے گا جو رسول اللہ سے ملا کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے تمہاری خوراک لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے تھے اور جہاد میں سواریاں فراہم کرتے تھے نیز

اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك
واخذت العهد عليه به وكان
يأخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما
يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده
كذلك (و مثله فى درة النجفية شرح نهج البلاغه ص ۳۳۲)

لیے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں فدک
میں وہی کروں گا جو رسول خدا کیا کرتے تھے.
حضرت فاطمہؓ اس معاہدہ پر خوش ہو گئیں اور
وعدہ پختہ لے لیا. حضرت ابوبکرؓ فدک کا غلہ لیکر
اہلبیت کو اتنا دے دیتے جو ان کو پورا ہوتا پھر
دوسرے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے.

صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶ پر ہے. حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مال فے کے صدقات حضرت علیؓ کے ہاتھ میں رہے. حضرت عباسؓ کو تصرف کرنے سے روکا اور ان پر غالب ہوئے پھر یہ حضرت حسن بن علیؓ کے پاس پھر حضرت حسین بن علیؓ کے پاس یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد (مذکورہ) کے صدقات تھے. عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان صدقات کو شیخینؓ کے طرز سے بدلا یا نہیں پھر اس کے بعد حضرت حسنؓ حسینؓ علی بن حسینؓ کے ہاتھ میں آتے رہے کسی سے مروی نہیں کہ اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا ہو.

قارئین کرام! غور فرمائیں جب حضرت ابوبکرؓ شیعہ سنی روایات کی روشنی میں سنت نبوی کے مطابق حضرات اہل بیت کو پورا خرچ دیتے تھے اور حضرت فاطمہؓ اس پر راضی بھی ہو گئی تھیں اور معاہدہ بھی ہو گیا تھا اور سنی شیعہ روایات کے مطابق یہ اموال حضرات اہل بیت ہی کے تصرف و ولایت میں رہے. نہ معلوم اب ۱۴۰۰ سال تک جھگڑا کس بات پر ہے. "مدعی سست گواہ چست" کی مثال اس پر صادق آتی ہے. کیا یہ سب کچھ فرقہ پرستی اور ابوبکرؓ دشمنی کا آئینہ دار نہیں. ان حقائق سے قاضی نور اللہ شوستری (مجالس المومنین ص ۵۳) جیسے لوگوں کے اس سوال کا بھی جواب ہو گیا: "کہ ابوبکرؓ نے بطور تبرع ہی دے کر حضرت فاطمہؓ کیوں خوش نہ کر دیا."

اگر حضرت ابوبکرؓ اموال فے (فدک خیبر. صدقات مدینہ) حضرت فاطمہؓ کو سب دے دیتے تو خلاف اصول ہوتا. کیونکہ دیگر جملہ مصارف کا بھی حصہ تھا نیز حضرت ابوبکرؓ پر جانبداری اور خویش نوازی کا الزام آتا. کہ مسلمان خلیفہ نے اپنے پیغمبرؐ کی صاحبزادی کا لحاظ کیا. یا اپنی نواسی کو اتنی جائیداد دے دی جانبدارانہ سب مسلمانوں سے کاٹ کر. یہاں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا

کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے جب یہ دعویٰ کیا کہ مجھے حضورؐ نے کچھ مال دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو تین دفعہ مٹھی بھر کر دراہم دیئے (بخاری) اس لیے کہ بر عکس حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ فدک، خیبر اور مدینہ کے صدقات پر تھا۔ کما فی بخاری۔ اور شیعہ روایات کی روشنی میں تو بہت بڑی جائیداد تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ بڑا شہر تھا۔ جہاں کھجوروں کے بہت باغات تھے (شرح ابن ابی الحدید ج ۷، ص ۲۳۹ مناقب فاخرہ ص ۱۷۸) اصول کافی ص ۲۵۵ کی روایت کے مطابق حد اول عریش مصر۔ حد دوم دومۃ الجندل۔ حدِ سوم تیما۔ حدِ چہارم جبل احد گویا سب مملکت اسلامیہ، یہ حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ تھا۔ تفسیری روایت کے مطابق (امام موسیٰ کاظمؒ نے ہارون الرشید کے دربار میں جو حدود فدک بیان کی تھیں) حد اول عدن۔ حد دوم سمرقند۔ حد سوم افریقہ اور حدِ چہارم سیف البحر یعنی جزر اور آرمینیہ تمام ملک، گویا سب خلافت عباسیہ ہے۔

ان هذا كله مما لم يوجف على أهله رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيل و لا ركاب فقال كثير انظر فيه (اصول کافی ص ۳۵۶ باب الفئ)

(دیکھو امام موسیٰؒ نے فرمایا) یہ سب وہ (فدک) ہی جائیداد ہے جس پر حضورؐ نے گھوڑ دوڑ اور لشکر کشی نہیں کی۔ ہارون نے کہا یہ تو بہت ہے۔ اچھا میں غور کروں گا۔

حضرات! یہ شیعہ تصریحات کی روشنی میں بنام حق فدک سب ملت اسلامیہ کے رقبہ پہ دعویٰ ہے اس کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے خلیفہؓ سیدہؓ کے نام حکومت کا سب رقبہ انتقال کرا دے۔ اور زمام خلافت آپ کو دے دے اور سب مسلمان مصارف حکومت کے لیے دریوزہ گری کریں۔ کیا اس کا حضرت جابرؓ کے تین مٹھی دراہم پہ دعویٰ سے موازنہ کرنے کا کوئی تک ہے (جو تجلیات صداقت میں کیا گیا ہے)

حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا

یہ سوال واقعی اہم ہے ہم شیعہ دماغ سے اس کا جواب نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے ہاں جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منصب نبوت اور شاہانہ رعب سے یہ صوبے کفار سے لے کر (العیاذ باللہ) خود اپنی ملکیت خاص بنا لیے اور پھر لخت جگر فاطمہؓ ہی کو ہبہ کر دیئے تو حضرت فاطمہؓ نے ۶ ماہ ۵ دن کی زندگی کے لیے۔ اتنی بڑی جائیداد۔ دنیا کو بلا شرکت غیر اپنا ہی حق سمجھ کر مطالبہ کی

زحمت اٹھائی۔ گواہ بھی دربارِ خلافت میں پیش کیے۔ جب نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے رد ہو گئے۔ تو لوگوں کے سامنے فریاد کرتی پھریں۔ حسنینؓ وغیرہ معصوم بچوں کو خچر پہ بٹھا کر لوگوں سے استغاثہ اور ہمدردی چاہتیں۔ مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔ غصبِ فدک کے غم میں رو رو کر جان نڈھال کر دی۔ پھر اسی صدمہ سے جاں بحق ہو گئیں۔ "شیعہ ذاکرین بالکل اسی انداز میں مظلومِ فاطمہؓ" کی یہ صورت وہیئت فخر بطور پر پیش کر کے ہزاروں روپے کے نذرانے پنج تن کے نام پہ بھکاری کی طرح قوم سے وصول کرتے ہیں۔ "جیسے امام ویسے مقتدی" کتب اہلِ سنت میں مطالبہ کی صورت بظاہر حضرت فاطمہؓ کی زاہدانہ سیرت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اہلِ سنت والجماعت چونکہ اپنے مذہبی اصول کی رو سے بزرگانِ دین خصوصاً صحابہ کرامؓ و اہلِ بیت سے دفاع باعثِ سعادت جانتے ہیں لہٰذا بظاہر قادح یا منافی سیرت اعمال میں مناسب توجیہ و تاویل کے قائل ہیں۔

۱۔شیعہ اعتقاد کے علی الرغم ذاتی حق یا دنیوی لالچ کے پیشِ نظر یہ مطالبہ نہیں کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ مالِ فے کی جن جائیدادوں سے پہلی آمدنی ملا کرتی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحویل میں تھیں اب بطورِ وراثت و قرابت میری تحویل میں آجائیں تو میں رفاہی اور ملی کاموں میں صرف کر کے خدمتِ اسلام بجا لاؤں۔ چونکہ یہ منصب جانشین پیغمبرؐ کا تھا جیسے امام جعفر صادقؒ کے ارشاد (وھو للامام من بعدہ کا یضعہ حیث یشاء) وہ امام کے قبضے میں رہے گا جہاں چاہے رکھیگا، اور فرمانِ نبوی بروایت صدیقؓ گزر چکا ہے۔ لہٰذا آپ نے معذرت فرما دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ بھی آپ کے ساتھ مطالبہ میں شریک تھے۔ اور یہی جائیدادِ فدک کا مطالبہ نہ تھا بخیبر، فدک، مدینہ تینوں مقامات کے صدقاتؐ کی تولیت کا مسئلہ تھا۔ بقول شیعہ اگر حیاتِ نبویؐ میں ہبہ ہو چکا ہوتا۔ تو نہ عباسؓ ساتھ ہوتے نہ میراث کا سوال اٹھتا اور نہ خیبر و مدینہ کے صدقات کی صراحت ملتی۔ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے عرف الشذی ص۴۹۵ پر علامہ سمہودیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا سوال صرف ان اموال فے میں بطور قرابت و رشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔

۲۔میراثِ فدک و فے کا سوال اس وجہ سے اٹھا کہ ان اموال کی حیثیت ذوالوجہین تھی اس لحاظ سے کہ یہ حضور علیہ السلام کی تحویل اور قبضے میں تھے اور کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا۔ ملکیتِ خاصہ کا شبہ ہوتا تھا اور اس لحاظ سے کہ یہ قرآن کے آٹھ مصارف اور دیگر رفاہی و ملی کاموں

میں آپ صرف فرماتے تھے۔ یہ اموالِ خالصہ در تصرف پیغمبر بیت المال کا حق معلوم ہوتے تھے بحضرت فاطمہؓ کے ذہن میں یہی وجہ آئی تو آپ نے دعوٰی فرمایا۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۲ ص ۱۹۳ پر رقمطراز ہیں۔

مال فے ایک ایسی ملک تھی جس کا حکم دوسری املاک سے مختلف تھا۔ اموال کی یہی وہ قسم ہے جس میں بعد وفات نبوی نزاع پڑا اور آج تک ختم نہ ہوا اور اگر صحابہ کرامؓ پر بھی اشتباہ نہ ہوتا تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپ کے ترکہ سے میراث نہ مانگتیں اور یہ گمان نہ کرتیں کہ دوسرے مالکوں کی طرح یہ بھی ملکیت پیغمبر ہے جس میں وراثت چلے گی اور سیدہ رضی اللہ عنہا پر اس ملکیت کی یہ حقیقت مخفی رہ گئی کہ اس قسم کی ملکیت میں وراثت نہیں چلتی رہے یہ اصول کافی کی ایسی حدیث گزر چکی ہے، یہاں یہی سوال ہوتا ہے اور شیعہ تب سے طمطراق سے اچھالتے بھی ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ جیسی عالمہ فاضلہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ یا ان کو وراثت انبیاء کا مسئلہ معلوم نہ تھا تو جواب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب حقہ اہل سنت والجماعت میں جملہ کلیات و جزئیات کے ظاہر و باطن سے واقف اور عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ کی ذات ہے۔ شریعت کے اصول و ارکان کا علم تو ضروری ہے مگر غیر محدود فروع اور ضمنی جملہ مسائل کا ہر وقت نہ کاملین کے لیے علم شرط ہے نہ اس کا استحضار ضروری ہے ۲۳ سال بتدریج نزول قرآنی اسی پر دال ہے۔ حسب منشاء خداوندی ان میں اضافہ یا ذہول ہوتا رہتا ہے جیسے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ شاہد ہے اور بسا اوقات کاملین سے اصابت فہم میں چوک ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علی نبینا الصلوٰۃ والسلام سے شجرہ منہی عنہ کی تعیین میں چوک ہوئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ آل کے مفہوم میں حضرت نوح علیہ السلام نے صلبی بیٹے کو سمجھا۔ مگر قرآن پاک نے اس کی نفی فرما دی۔ حضرت ہارونؑ کو خلافت موسیٰؑ کا حق ادا کرنے میں حضرت موسیٰؑ نے خاطی سمجھا اور سختی کی مگر حضرت ہارونؑ بے قصور تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے زعم میں تادیب کی خاطر قبطی کو مکا مارا۔ مگر فی نفسہ قتل جیسا فعل سرزد ہو گیا۔ پھر آپ نے معافی مانگی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کمال حلم اور ایفائے عہد کے لیے والد کے لیے دعاء مغفرت کی۔ مگر بعد میں بیزاری اختیار کرنی پڑی۔ خود سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام (روحی فداہ ابی و امی) نے اپنے خیال کی رو سے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر۔ بہانہ ساز منافقین کو شرکت نہ کرنے کی چھٹی دے دی۔

نابینا صحابی کے اچانک آنے پر ناگواری ظاہر فرمائی۔ اسارٰی بدر کو اپنے خیال میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام واقعات میں قرآن حکیم نے اس کے خلاف فیصلہ دے کر آپ کی رائے کی تصویب کی، حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں مجھے حق مشورہ دینے سے نہ رکو کیونکہ میں اپنے نفس میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں (روضہ کافی صفحہ ۳۵۲ نہج البلاغہ صفحہ ۳۳۶ ج ۱ خطبہ صفین)۔ خود سیدہ فاطمہ رضؓ نے کئی مرتبہ غلط فہمی کی بنا پر دربار رسالت میں حضرت علی رضؓ کی شکایت کی، مگر آپ نے یکطرفہ وکالت کرنے اور معاملہ کو طول دینے کے بجائے صلح صفائی ہی کرائی۔ کیا ان تمام واقعات و شواہد کے پیش نظر ہم اس مسئلہ میں حضرت علی رضؓ، صدیق اکبرؓ اور جملہ صحابہ کرام رضؓ کے موقف کی تائید کریں اور نیک نیتی کے باوجود حضرت فاطمہ رضؓ کے خیال کو درست قرار نہ دیں۔ جس سے بصورت خاموشی آپ نے رجوع کر لیا۔ تو کیا کفر کی بات ہو جائے گی۔ سنت نبویؐ کے دلدادہ اہل اسلام کے سینے در درکھنے والے تو ان بزرگوں کے اجتہادی اختلاف میں طرفین کے کمال ادب کے باوجود مصالحت اور قطع نزاع پر ہی صرف ہمت کریں گے۔ مگر روز اول سے تا ہنوز مسلمانوں میں جنگ و جدال اور اصولی اختلافات کو ہوا دے کر ملت اسلامیہ میں انتشار پھیلانے والے آج بھی ان مسائل میں تمام تر توانیں صرف کر دیں گے۔

۴۔ میراث کا سوال اٹھانے کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت نفی میراث انبیاءؑ کے مسئلہ کو واقعہ کے ضمن میں مشہور کرنا چاہتی تھی کیونکہ انبیاء کی بہ نسبت واقعات دیرپا نقوش چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے سیدہ فاطمہؓ کا باطن یہی مقصود ہو۔ جیسے حدیبیہ کی بظاہر عاجزانہ مصالحت سے اسلام کو در اصل غالب اور شائع کرنا مقصود ایزدی تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کی شاگردی اختیار کرنا پیغمبرانہ نہ ہو سکتا اس سے امور تکوینیہ کے اسرار کو کھولنا مقصود تھا۔ دنیائے امن کے محسن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور بیعت در دست معاویہ رضؓ شیعہ کے علی الرغم بہت بڑی خدمت اسلام اور مسلمانوں کے خون کا تحفظ مقصود تھا۔ جیسے علی العکس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بچوں تک کو قربان کرا دینا شیعہ کے خیال میں ہزار برس بعد میں پھیلنے والے شیعی اسلام کے ایجنم کار کا سبب تھا کیونکہ منافقین کوفہ کے ہاتھوں سانحہ کربلا سے اہل بیتؓ اور محمدی اسلام کی عزت و عظمت کی بنیادیں حسب اعتراف حضرت سجادؒ اور ملا مجلسی صاحب پیوند خاک ہو گئی تھیں۔

حدیث لانورث متفق علیہ ہے

شیعہ حضرات بلادلیل اس حدیث کو قول صدیقؓ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرمانِ نبویؐ ہے اور صحابہ کرامؓ کا گویا اس پر اجماع ہے۔ کتب شیعہ میں بھی یہ قطعاً ثابت ہے۔ حافظ محب الدین طبری ریاض النضرۃ میں لکھتے ہیں کہ نفی میراث کی حدیث کو جماعت صحابہؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہؓ بھی ہیں جن کے مرفوع الفاظ یہ ہیں۔

لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فھو صدقۃ (ابوداؤد ج۲ ص۵۹)	میرا ورثہ نہ دینار تقسیم ہوں گے نہ دراہم میری بیویوں کے خرچ اور خادموں کے نفقہ سے جو بچے وہ صدقہ ہوگا۔

اس کی امام بخاری نے ج ۲ ص ۹۹۶ پر اور مسلم نے ج ۲ ص ۹۱ پر تخریج کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن عوامؓ، عباسؓ بن عبدالمطلب نے روایت کیا ہے۔ تفسیر معارف القرآن ج ۶ ص ۳۱ پر ہے۔ "اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر رواہ ابوداؤد واحمد وابن ماجۃ والترمذی)	بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ بلاشبہ انبیاء نہ دینار کا وارث بناتے ہیں نہ دراہم کا وہ تو صرف علم کا وارث بناتے ہیں جو اسے لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ کما لیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تولیت صدقات میں حضرت علیؓ و عباسؓ کا نزاع ختم کرتے وقت سب صحابہؓ سے فرماتے ہیں۔

انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض ھل تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لانورث ما ترکنا صدقۃ یرید بذٰلک نفسہ قالوا	میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث کسی کو نہیں بناتے جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا

قد قال ذالك فاقبل عمر الی علی وعباس فقال انشدکما باللہ هل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ذالک قالا نعم (بخاری ج ۲ ص ۹۹۶-۵۷۵)

ہے اس سے حضورؐ کی اپنی ذات مراد تھی۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے ایسا فرمایا ہے وہ کہنے لگے ہاں۔

ان ہی صفحات میں دوسری سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔ مذکورہ بالا مصدقین صحابہؓ میں حضرت عثمانؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ زبیرؓ۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضرت عمرو بن حارث خزاعی سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موافقت حضرت عمر عثمان۔ علی۔ عباس۔ عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ بن عبیداللہ۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ اور حضرت عائشہؓ (یعنی دس صحابہؓ) رضی اللہ عنہم نے کی ہے اگر ابوبکر صدیقؓ تنہا بھی ہوتے تو سب اہل زمین پر آپ کی روایت کو ماننا لازم تھا (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)

کتب شیعہ سے ثبوت

حدیث نفی میراث انبیاءؑ کتب شیعہ میں بھی موجود ہے۔

۱۔ محمد بن یحییٰ سلمۃ بن خطاب سے وہ عبداللہ بن محمد سے وہ عبداللہ بن القاسم سے وہ زرعہ بن محمد سے اور وہ مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے اور محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس علم تورات، انجیل اور زبور کا ہے اور الواح موسیٰؑ کا علم بھی ہے۔

۲۔ احمد بن ادریس محمد بن عبدالجبار سے وہ صفوان بن یحییٰ سے وہ شعیب بن الحداد سے وہ فریس الکنانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابوعبداللہ (صادقؒ) کے پاس تھا اور ابوبصیر بھی بیٹھا تھا کہ امام جعفر نے فرمایا کہ داؤدؑ تمام انبیاءؑ کے وارث ہوئے سلیمان داؤدؑ کے وارث بنے اور محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس صحف ابراہیم اور الواح موسیٰؑ ہیں۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۲۲۵ طبع ایران باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء)

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

۳۔ ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (اصول کافی ص۳۲)

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے لیکن وہ علم کا وارث بناتے ہیں جو وہ لیتا ہے وہ بڑی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

باب ثواب العالم والمتعلم میں ایک لمبی حدیث کے آخر میں روایتِ بخاری کی طرح نفی میراث کی حدیث موجود ہے۔

۴۔ عن ابی عبد الله عليه السلام قال ان العلماء ورثة الانبياء وذالك ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا وانما اورثوا احاديث من احاديثهم فمن اخذ بشيء منها فقد اخذ حظا وافرا فانظروا علمكم عمن تأخذون (باب صفة العلم ص۳۲)

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں اس لیے کہ انبیاء درہم و دنانیر کا کسی کو وارث نہیں بناتے۔ بلاشبہ وہ احادیث ہی وراثت میں چھوڑتے ہیں جو ان میں سے کچھ لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ لے لیتا ہے تم اپنے علم میں غور کرو کن لوگوں سے لے رہے ہو۔

۵۔ حضرت علی رضؓ نے اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

وتفقه في الدين فان الفقهاء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكنهم اورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر (من لا يحضره الفقيه ج ۲ ص۳۴۶)

اور دین میں سمجھ حاصل کر اس لیے کہ فقہاء ہی انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ انبیاءؑ درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے لیکن صرف علم کی وراثت چھوڑتے ہیں جو اس سے حاصل کرتا ہے وہ بڑا حصہ حاصل کرتا ہے

۶۔ خصال ابن بابویہ ص۳۹ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں خود حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ سے حسنینؓ کے لیے میراث کا مالی مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا حسنؓ کے لیے میرا رعب اور حسینؓ کیلئے میری شجاعت میراث ہے۔

۷۔ حضرت سلیمان کے وارثِ داؤد۔ اور حضور کے وارث سلیمان اور حضرت یحییٰ کے وارث زکریا ہونے کی اصول کافی کی احادیث عنقریب آجائیں گی جن میں صراحتًہ مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی میراث کا اثبات ہے۔ محدث شیعہ فرات بن ابراہیم الکوفی جو علامہ کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں اور علی بن ابراہیم قمی کے استاذ ہیں اپنی تفسیر فرات ص۸۲ مطبوعہ نجف اشرف پر یہ حدیث لکھتے ہیں۔

۸۔ قال علی ما ارث منك یا رسول الله قال ما ورثت الانبیاء من قبلی قال وما ورثت الانبیاء من قبلك فقال النبی علیه الصلوٰة والسلام کتاب ربهم وسنة نبیهم (بحواله عبقات ص۲۲۰ از علامه خالد محمود) (کشف الغمه ج ۱ ص۴۸۲)

حضرت علی رضؓ نے پوچھا میں آپ سے کیا میراث پاؤں گا آپؐ نے فرمایا جو مجھ سے پہلے پیغمبروں نے میراث دی۔ پوچھا آپ سے پہلے انبیاءؑ نے کیا میراث دی تو حضورؐ نے فرمایا اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت میراث میں دی۔

۹۔ فضیلؒ بن عیاض حضرت امام باقرؒ سے سماعی حدیث بیان کرتے ہیں۔

یقول لا والله ما ورث رسول الله العباس ولا علی ولا ورثته الا فاطمة علیها السلام (من لا یحضره الفقیه ج ۲ ص۲۱۱)

امام باقرؒ فرماتے تھے اللہ کی قسم رسول اللہ کے وارث نہ عباسؓ بنے نہ علیؓ اور نہ دیگر وارث بنے بجز فاطمہؓ کے۔

اس حدیث سے وراثت علمی و خلقی کا ثبوت اور مالی کی نفی معلوم ہوئی کیونکہ مالی وراثت کی رو سے ازواج مطہراتؓ بھی وارث تھیں پھر اس حدیث میں ان کی نفی درست نہیں۔

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقہ جعفری میں عورتوں کو جائیداد کا ترکہ نہیں ملتا تو نفی درست ہے حالانکہ قرآنی ارشاد فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ترکہ عقار کو بھی شامل ہے تو خلاف قرآن فقہ جعفری کو کون مانتا ہے اگر کسی اپنی روایت سے تخصیص کرتے ہو تو ہم بجا کہتے ہیں کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ حدیث میراث سے مخصص اور حضورؐ کو شامل نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث صیغہ حصر و استثناء

سے ساقط۔ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی وراثت پر قطعی دال ہیں۔ لہٰذا صاحب تجلیات جیسے لوگوں کا یہ کہنا کہ انبیاء کے وارث دو قسم کے ہیں۔ مالی کے رشتہ دار اور علمی کے علماء۔ یہاں علمی وراثت اور علماء کا ذکر ہے مالی وارثوں کی نفی نہیں" صراحتہً جہالت اور سینہ زوری ہے کیونکہ وانما اورثوا العلم ولکنهم اورثوا العلم کا معنی ہی علم نحو کے مطابق لم یورثوا شیئا الا العلم والاحادیث ہے۔ خصوصاً جبکہ ما قبل ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما (بے شک انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے) سے مالی وراثت کی نفی کی گئی ہے۔

پیش کردہ احادیث میں سے بعض شیعہ حدیث نمبر ۳ پر طعن کرتے ہیں کہ اس کا راوی ابو البختری کذاب ہے۔ تو قابل استدلال نہیں۔ مگر یہ بوجوہ باطل ہے۔ (۱) دیگر صحیح اسناد والی احادیث جب کتب شیعہ سنی میں موجود ہیں تو ایک سند کے کذاب راوی سے اس حدیث پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ ان کی مؤید سمجھی جائے گی

ب۔ اصول کافی کو مصدقہ امام مہدی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ غیر موافق مذہب حنفہ اہلسنت احادیث کو غلط بھی۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے یا امام کی تصدیق پر اعتماد کرو یا پھر کافی میں موضوع احادیث کا وجود تسلیم کر کے اہلسنت کی تصدیق اور امام کی تغلیط کرو۔

ج۔ اصول جرح و تعدیل اور کتب رجال شیعہ کی رو سے بھی۔ اصول کافی کا شاذ و نادر راوی تنقید سے محفوظ ہو۔ ورنہ ابو بصیر، زرارہ۔ ہشام جیسے ہزاروں احادیث شیعہ کے مرکزی رواۃ بھی نہایت مطعون بلکہ آئمہ کی زبانی کذاب ملعون اور بد عقیدہ بتائے گئے ہیں۔ تو ان کو اپنی سب احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور یہ سودا شیعہ کو مہنگا پڑے گا۔

۱۰۔ حضور کی نفی میراث کے متعلق آخر میں ایک اور اہم حدیث بھی ملاحظہ کر لیں۔ شیعہ کتاب قرب الاسناد حمیری صفحہ ۴۴ پر ہے۔ امام باقرؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت میں نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ باندی نہ غلام نہ بکری نہ اونٹ آپ کی روح اس حالت میں قبض ہوئی کہ آپ کی زرہ مدینہ کے یہودی کے پاس ۲۰ صاع جو کے بدلے میں گروی تھی جو آپ نے اہل و عیال کے خرچ کیلئے ادھار لیے تھے۔ تلاث عشر نہ کاملة

ایک شبہ کا ازالہ

سب ناقابل انکار دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ حدیث لانورث لفظاً یا معناً قطعی اور متفقہ الفریقین ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور ہر شیعہ اسے اٹھاتا ہے کہ کیا مائی صاحبہ کو اس حدیث کا علم نہ تھا حالانکہ وہ قریب ترین رشتہ دار اور اس حدیث سے متعلقہ تھیں ان کو تو ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب تو تقریباً گذر چکا ہے کہ کسی غیر اصولی مسئلے کا علم یا اس کے متعلق حدیث کا علم نہ ہونا کمال علم کے منافی نہیں ہزاروں باتیں ایک شخص کے علم میں ہوتی ہیں مگر دوسرا ان میں سے بعض نہیں جانتا۔ علی العکس دوسرے کی معلومات میں سے پہلے کو کئی باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر کسی کو ناقص العلم نہیں کہا جاتا اغلب یہ ہے کہ مردوں کے مجمع میں حضرت رسول خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا۔ حضرت علی المرتضیٰ صدیق اکبرؓ جیسے حضرات کو معلوم ہو گیا۔ مگر سیدہ فاطمہؓ کو اطلاع نہ ہوئی اور نہ حضرت علیؓ نے بتلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و سنت کے مطابق عالم الغیب نہ تھے کہ آپ کو بعد از وفات مطالبہ فاطمہؓ کا علم ہو جاتا تو وارثان کو بھی حدیث لانورث سنا دیں۔ اور وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ پر نفی میراث کی حدیث سنانی لازم نہ تھی تاکہ منصب نبوت پر حرف آئے۔ کیونکہ آیت کا مقصد فکر آخرت پیدا کر کے اعمال بجا لانا ہے اور رشتہ داری پر بھروسہ نہ کرنا ہے۔ اور یہ چیز اور سینکڑوں احادیث و آیات سنانے سے حاصل ہو چکی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو علم تو تھا مگر نفی کے عموم سے اپنے کو کمال تقرب کی بنا پہ مستثنیٰ جانتی تھیں۔ گویا حدیث بھی عام مخصوص عنہ البعض کے درجہ میں تھی۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ اور جملہ صحابہ کرامؓ نے اس کو عام ہی سمجھا تو یہ اختلاف حدیث کے ثبوت و صحت کے متعلق نہ تھا بلکہ مفہوم کی تعیین میں اختلاف تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوبکرؓ کے حدیث سے استدلال کے باوجود حضرت فاطمہؓ کی ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا خیال حضرت ابوبکرؓ کے استدلال کے برعکس تھا۔ گویا آپ نے حدیث لانورث کے عموم سے تخصیص جائز سمجھی اور یہ خیال کیا کہ حضورؐ کے زمینی متروکہ میں وارث بننے کی نفی اس حدیث میں نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عموم سے استدلال کیا اور اسی بات میں اختلاف ہوا جس میں

تاویل کی طرفین کو گنجائش تھی جب حضرت ابوبکرؓ اپنے موقف پر جمے ہے تو حضرت سیدہؓ نے اس وجہ سے میل طلاپ بند کر دیا۔ اگر امام شعبی کی حدیث (بروایت بیہقیؒ) ثابت ہو (احادیث رضا ثابت ہیں کما سیأتی) تو اشکال دور ہو جاتا ہے حضرت فاطمہؓ کے اخلاق کے مناسب یہی ہے کہ آپ راضی ہو گئی ہوں کیونکہ آپکی عقل کی زیادتی اور دینداری ہر کسی کو معلوم ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔" (بحوالہ حاشیہ صحیح بخاری ج ا ص ۴۳۵)

لفظ غضبت راوی کا مدرج ہے

حضرت سیدہ فاطمہؓ کے مطالبہ فدک کی روایت تقریباً ۱۵ عدد باسند کتب حدیث و تاریخ میں پائی جاتی ہے بخاری شریف میں پانچ عدد اور مسلم شریف میں دو عدد، ترمذی شریف میں دو عدد۔ ابوداؤد میں چار عدد نسائی میں ایک عدد وغیرہ ان تمام مقامات میں یہ روایت تقریباً ۳۶ عدد مروی ہے اور ۲۵ عدد صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے اور ۱۱ عدد حضرت عائشہؓ کے ماسوا صحابہ سے چھ عدد ابوہریرہؓ سے۔ ام ہانیؓ سے دو عدد اور ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سے تین عدد مروی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقی صحابہؓ سے روایت میں لفظ غضبت مذکور نہیں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی روایات بھی دو قسم ہیں۔ بعض روایات میں ناراضی کا ذکر پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں جن میں پایا جاتا ہے ان سب اسانید میں ابن شہاب زہری موجود ہے کوئی ایک روایت بھی تاحال دستیاب نہ ہو سکی کہ ناراضی کا ذکر ہو اور اس میں ابن شہاب زہری نہ پایا جاتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں تدبر کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں غضبت کے الفاظ کا ابن شہاب سے ادراج پایا جاتا ہے۔ اس پر قرینہ بعض روایات سے دستیاب ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب ختم ہوا لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ۔ اس کے بعد رواۃ کی طرف سے قال کا لفظ روایات میں مذکور ہے۔ اور قال کے بعد غضب فاطمہؓ ہجران اور عدم کلام ذکر کیا گیا ہے یہ تین چیزیں اسی قال کا مقولہ ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کلام سے یہ تین چیزیں خارج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جواب سنکر مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔ روایت کرنے والے نے اپنے گمان سے اس خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اپنے ظن کو اس طرح روایت کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا جو قال کے بعد مذکور ہے محدثین

کی اصطلاح میں اس کو ظنِ راوی یا وہمِ راوی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اصل روایت اور اس سے مستنبط مسئلے سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ روایت مُدرَج ہے اور ادراج کنندہ ابن شہاب زہری ہے۔ علماءِ اصولِ حدیث کا اتفاق ہے کہ عمداً ادراج حرام ہے بجز اس کے کہ اس کے کسی لفظ کی لغوی تشریح کر دی جائے یا مرجعِ حدیث اور مسئلہ مستنبطہ کا ذکر کیا جائے اور مدرج الفاظ کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض اوقات عمداً ادراج کرنیوالا ساقط العدالۃ ہوتا ہے (دیکھیے تدریب الراوی) یہاں عمداً ادراج نہ سہی مگر اپنے ظن کی بنا پر خطاً۔ خاموشی کو ان الفاظ مدرجہ سے ادا کر دیا ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پہ قال کا لفظ پایا جاتا ہے۔ ۱۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹۵ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانورث ما ترکنا صدقۃ، ۲۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۹۱ باب حکم الفئ ۳۔ تاریخ ابن جریر طبری حدیث سقیفہ ج ۳ ص ۲۰۲۔ ۴۔ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۳۰۰۔ ۵۔ مسند ابی عوانہ ج ۴ ص ۱۴۰، ۱۶۰، ۱۴۱۔ ۶۔ مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۴۷۲، ۴۷۰۔ ۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۵ پھر یہ الفاظ مدرج ہیں۔ قال فھجرتہ فاطمۃ ولم تکلمہ فی ذلک حتی ماتت فدفنھا علی لیلا ولم یؤذن بھا ابابکر الخ۔

مآخذِ تشیع کی کتاب شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۲ تحت الخطبۃ فی کلامہ علیہ السلام الی عثمان بن حنیف الانصاری۔ اس کتاب کا مصنف معتزلی شیعہ ہے مسئلہ فدک پر تین فصلیں لکھی ہیں۔ پہلی فصل میں قال ابوبکر الجوھری کے بعد مذکورہ بالا الفاظ مدرج ہیں۔ (از افادات علامہ عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ العالی)

بالفرض حدیث کا حجاب ہی مانا جائے۔ تو راوی اول حضرت عائشہؓ کے اپنے گمان پہ مبنی ہے۔ گمان میں خطا و غلطی ممکن ہے۔ اس پر اتنے بڑے قضیے کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ غضبت کا معنیٰ طبعاً ناگواری بھی ممکن ہے۔ جیسے قصہ مواخات میں حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا اغضبت علی حین آخیت (کشف الغمہ ص ۹۲) ولم تکلمہ کا معنیٰ یہ ہے کہ پھر فدک مانگنے کے متعلق بات نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴، شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۹۱) اور ہجران سے ملاقات عمومی کا ترک مراد ہے نہ کہ لینا سلام و کلام کا چھوڑنا کیونکہ یہ شرعاً تین دن سے زیادہ بہر صورت درست نہیں۔

جیسی تشیع کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکر رضہ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔
علامہ میثم بحرانی کی شرح نہج البلاغہ اور شرح درہ نجفیہ وغیرہ کے حوالجات سے گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ رضہ ابوبکر رضہ پر راضی ہو گئیں مابین راشن پر معاہدہ بھی ہو گیا۔
درہ نجفیہ ص ۳۳۱ مولفہ ابراہیم بن حاجی حسین بن علی بن الغفار الدنبلی ۱۲۹۱ھ طبع ایران کی عبارت یہ ہے۔

ذالک ان لک ما لابیک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بھا کما کان یصنع فرضیت بذالک واخذت العھد بہ۔

(یعنی ابوبکر صدیق رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ سے کہا) آپکے والد مکرم کے لیے جو حق تھا وہی حق آپکے لیے ثابت ہے حضور علیہ السلام فدک کی آمد سے تمہارے اخراجات لے لیتے تھے اور باقی کو ضرورتمند لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مجھ پر آپ کا حق ہے کہ فدک کے متعلق میں وہی طریق کار جاری رکھوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتے تھے پس اس معاملہ فدک کے متعلق فاطمہ رضہ راضی اور خوش ہو گئیں اور اس چیز پر ابوبکر رضہ سے پختہ وعدہ اور عہد لے لیا (بحوالہ رحماء بینھم ج ۱ ص ۱۵۴)

یہ خالص شیعوں کی روایت ہے اگر سنیوں کی ہوتی ضرور شیعہ اس کی نسبت ان کی طرف کر دیتے نیز اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد سابق مصنفین اور مجتہدین نے کوئی تنقید و تردید نہیں کی معلوم ہوا کہ یہ بڑی سچی اور مقبول عام روایت ہے جو شیعہ پر حجت ہے۔

سنی کتب سے حضرت سیدہ رضہ کی رضامندی

کتب اہل سنت میں بھی حضرت فاطمہ رضہ کا راضی ہونا ثابت ہے۔

۱۔ عامر شعبی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ شدت مرض میں حضرت فاطمہ رضہ کے پاس آئے اور اجازت مانگی حضرت علی رضہ نے فاطمہ رضہ سے فرمایا ابوبکر رضہ دروازے پر اجازت چاہتے ہیں آپ چاہیں تو اجازت دیدیں۔ فرمایا کیا آپ کو بھی یہ پسند ہے؟ حضرت علی رضہ نے فرمایا ہاں۔ پھر حضرت ابوبکر رضہ داخل ہوئے اور عذر خواہی کی اور گفتگو کی۔ فرضیت عنہ۔ پس حضرت فاطمہ رضہ راضی ہو گئیں (ریاض النضرہ ص ۱۵۶)

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۵۴ (اردو) میں اسی قسم کی روایت میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضہ

حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور ان کے آگے عذر پیش کیا اور ان سے باتیں کیں اور حضرت فاطمہؓ آپ سے راضی ہوگئیں۔

۳۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ سے ناخوش ہوگئیں تو حضرت ابوبکرؓ گھر سے نکل پڑے اور سخت گرمی کے دن آپکے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا میں اپنی اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک کہ اے دختر رسولؐ آپ راضی نہ ہوجائیں پھر حضرت علیؓ نے اندر جاکر حضرت فاطمہؓ کو قسمیہ کہا کہ آپ راضی ہوجائیں چنانچہ حضرت فاطمہؓ راضی ہوگئیں

(اخرجہ ابن السمان فی الموافقۃ ریاض النضرۃ ص۱۵۶)

۴۔ حضرت فاطمہؓ سے مطالبہ کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

ولك علی ان افعل فیها ما كان ابوك یفعل قالت واللہ لتفعلن ذالك قال واللہ لافعلن ذالك قالت اللهم اشهد قال فكان ابوبكر یعطیهم منها قوتهم ویقسم الباقی فی الفقراء والمساكین وابن السبیل ثم ولی ذالك عمر ففعل مثل ذالك ثم فعل ذالك علی بن ابی طالب فقیل له فی ذالك تعالی انی لاستحیی من اللہ ان انقض شیئاً فعله ابوبكر وعمر (رضی اللہ عنهما)

(ریاض النضرۃ ص۱۷۰)

تیرے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں اموال فدک میں وہی کروں جو تیرے والد کرتے تھے۔ فرمانے لگیں خدا کی قسم آپ ایسا ہی کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا میں ایسا ہی کروں گا۔ فرمانے لگیں اے اللہ تو گواہ رہنا پس حضرت ابوبکرؓ اہلبیت کو ان کا راشن دیتے اور باقی فقراء مساکین اور مسافروں میں بانٹ دیتے پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ کسی نے اس میں ترمیم کا مشورہ دیا تو فرمایا۔ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس طریقہ کو توڑ دوں جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے رائج فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکالمہ اول ہی کامیاب ثابت ہوا ناراضی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح ۵ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص۳۰۱۔ شروح بخاری، شروح مشکوٰۃ۔ نبراس شرح شرح عقائد ص۵۵ البدایہ والنہایہ اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں سیدہؓ کی رضامندی ثابت ہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت سیدہؓ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی موجودگی میں آئے اور فرمایا

والله ما تركت الدار والمال والاهل والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله و مرضاة رسوله و مرضاتكم اهل البيت ثم ترضاها حتى رضيت وهذا اسناد جيد قوى (البدايه والنهايه ج ۵ ص ۲۸۹)

اللہ کی قسم میں نے اپنا گھر، مال، بال بچے اور خاندان صرف اللہ کی رضا، اللہ کے رسول کی مرضی اور تم اہل بیت کی رضامندی کی خاطر ہی چھوڑا ہے۔ پھر حضرت فاطمہؓ سے رضا چاہی اور وہ راضی ہو گئیں۔ اس حدیث کی سند جید اور قوی ہے۔

۲۔ علامہ ابن کثیر اس بحث میں فرماتے ہیں۔

واحسن ما فيه قولها انت وما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا هو الصواب والمظنون بها والائق بامرها و سيادتها وعلمها و دينها

اس باب میں سب سے بہتر حضرت فاطمہؓ کا یہ ارشاد ہے اے ابوبکرؓ آپ ارشاد رسول پر عمل کریں جو حضورؐ سے سنا ہے (میں راضی ہوں) یہی درست ہے آپ سے اسی کا گمان ہے اور یہی حضرت سیدہؓ کے مرتبہ مقام اور علم و دین کے شایان شان ہے۔

پھر مذکورہ بالا معذرت صدیقی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "ظاہر یہ ہے کہ عامر شعبیؒ نے یہ حضرت علیؓ سے یا ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے سنا ہے اور بلاشبہ علماء اہل بیتؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ جیسے حافظ بیہقی نے اپنی سند سے حضرت زید بن علی بن حسینؓ سے نقل فرمایا ہے۔

اما انا فلو كنت مكان ابى بكر لحكمت بما حكم به ابوبكر فى فدك (البدايه ج ۵ ص ۲۹۰)

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں اگر میں حضرت ابوبکرؓ کی جگہ ہوتا تو فدک کا وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا

بلکہ اس سے زیادہ واضح سیدہ سلام اللہ علیہا کی رضامندی بلکہ ترک کی دلیل وہ حدیث ہے جو تمام ثقات راویوں سے مسند احمد بن حنبل جزء اول ص ۱۳ پر مروی ہے اور مقصودی جملہ خود حضرت فاطمہؓ

عہ۔ اس حدیث کے رواۃ کی توثیق یہ ہے ۱۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل الشیبانی ولد الامام ثقہ متوفی ۲۹۰ھ ۲۔ عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ الکوفی ثقہ صاحب التصانیف المتوفی ۲۳۵ھ ۳۔ محمد بن فضیل بن غزوانؒ

سے مروی ہے۔ تو یہ روایت محبین کی روایت پر بھی راجح ہوگی جس میں راوی نے اپنے گمان سے حضرت سیدہ کی طرف ناراضی کی نسبت کی ہے۔

عن ابی الطفیل قال لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت فاطمة الی ابی بکر انت ورثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام اھلہ فقال لا بل اھلہ قال فاین سھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال ابوبکر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عز وجل اذا اطعم نبیا طعمة ثم قبضہ جعلہ للذی یقوم من بعدہ فرأیت ان اردہ علی المسلمین فقالت فانت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم۔

(مسانید ابی بکر)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ وفات پا گئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں قاصد بھیجا کہ آپ حضورؐ کے وارث ہیں یا حضورؐ کے گھر والے۔ فرمایا گھر والے ہوتے ہیں۔ فرمانے لگیں پھر حضورؐ کا حصّہ کہاں ہے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ پاک کسی نبی کو جب کچھ رزق دیتے ہیں پھر اسے وفات دے دیں تو وہ مال اس شخص کے تصرف میں آتا ہے جو آپ کا قائم مقام ہوتا ہے تو میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں پہ وقف کردوں تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا آپ جانیں اور حضورؐ سے شنیدہ فرمان کیونکہ آپ اسے خوب جانتے ہیں۔

شیعہ کے دلائل وراثت

سنی نقطۂ نظر سے مسئلہ فدک۔ مثبت و منفی پہلوؤں سے مبرہن ہو چکا اب ذرا ان دلائل پر بھی غور کریں جن سے شیعہ صدیق اکبرؓ پر طعن کرنے کے لیے اپنی احادیث کے بھی خلاف توریث انبیاء کے قائل ہیں۔

۱۔ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ
اللہ تم کو تاکید کرتا ہے اولاد کے متعلق کہ لڑکے کو لڑکی کا دوہرا حصہ ملے۔

۲۔ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
عورتوں کا بھی حصہ ہے جو والدین اور قریبی

(گذشتہ سے پیوستہ)، الکوفی صدوق رمی بالتشیع المتوفی ۱۹۵ھ۔ ۴۔ ولید بن جمیع الزہری المکی نزیل کوفہ صدوق یہم من الخامسة۔ ۵۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ آخر من مات من الصحابة ۱۱۰ھ (تقریب التہذیب)

وَالْاَقْرَبُوْنَ (نساء) چھوڑ کر مریں۔

۳۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ (پ۵) ہر ایک (مسلمان) کے لیے ہم نے وارث بنائے اس ترکہ کے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں

کہتے ہیں کہ یہ آیتیں توریث اولاد میں عام ہیں اور انبیاء کو بھی شامل ہیں جیسے دیگر احکام۔

الجواب۔ الفاظ تو عام ہیں مگر عام مخصوص عنہ البعض ہیں اور بالاتفاق سنی شیعہ علماء اصول چار قسم کے لوگوں کو وراثت نہیں ملے گی۔ کافر مرتد اولاد کو۔ قاتل اولاد کو۔ غلام اولاد کو۔ ولد لعان کو۔ اہلسنت کی سراجی اور شیعہ کی شرائع الاسلام میں ہے۔ المانع من الارث اربعة الرق والقتل والارتداد واللعان۔ فقہ شیعہ کی کتاب جامع المسائل ص۳۶۵ میں ہے۔ موانع ارث قتل کفر اور غلامی اور لعان ہیں۔ یہ موانع قرآن پاک میں صراحۃً نہیں۔ بلکہ اخبار آحاد احادیث سے ماخوذ ہیں جب ان احادیث سے تخصیص ہوگئی تو علماء اصول فقہ کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ عام میں پھر وہ قطعیت باقی نہیں رہتی کیونکہ احتمال ہے کہ کسی خاص خبر واحد سے اور افراد بھی خارج ہو جائیں (اصول الشاشی و نور الانوار) نیز تیسری آیت میں کل اضافی مراد ہے جیسے ملکہ بلقیس کے محدود شاہی ساز و سامان کے متعلق آیا ہے۔ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (پ۱۹)

بنابریں ہم کہتے ہیں کہ حدیث نفی میراث حسب تصریح سابق سنی و شیعہ کی متفقہ اور اجلہ صحابہ کرام کے اجماع سے مروی ہے اسے خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور اور تواتر معنیٰ و طبقہ کا درجہ حاصل ہے لہٰذا اس سے تخصیص درست ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم سے خارج ہیں جیسے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پس نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں چار تک) کے تحت آپ ۹ عورتوں کی پابندی سے خارج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار سے زیادہ کی اجازت کی تخصیص ایک دوسری آیت يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ (احزاب ۶۰) سے ماخوذ ہے تو آیت کی تخصیص آیت سے ہوئی۔ مگر یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ سورۃ نساء مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اور سورت احزاب غزوۂ خندق ۵ھ کے بھی بعد نازل ہوئی اور اس وقت آپ ۹ سے زائد متعدد شادیاں کر چکے تھے۔ آیت اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ (بے شک ہم نے حلال کی ہیں آپ کے لیے وہ عورتیں جن کے مہر آپ دے چکے الخ) نے تو ان سابقہ نکاحوں

کی صحت اور لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا۔ بلکہ مزید نکاحوں پہ پابندی لگا دی۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ اس کے بعد آپ کو اور عورتیں حلال نہیں اور نہ ان ازواج میں آپ رد و بدل کر سکتے ہیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند ہو۔ بجز باندیوں کے۔ الحاصل جیسے فَانْكِحُوْا کے حکم سے آپ مستثنیٰ ہیں اسی طرح آیت میراث سے بھی آپ مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (مریم ۶)

اے اللہ میرے اپنی جانب سے بخش دے ایسا ولی جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی اور اللہ اس کو پسندیدہ بنا۔

۵۔ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۹ النمل ۱۶)

اور حضرت سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث بنے فرمایا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہر چیز دی گئی ہے (یہ تو اللہ کا کھلا انعام ہے)

شیعہ کا خیال ہے کہ دونوں آیتوں میں اور پہلی آیت میں دونوں جگہ وراثت سے مال مراد ہے کیونکہ حسن بصریؒ نے یہ تفسیر کی ہے اور ابن عباسؓ اور ضحاک کا بھی یہ قول ہے (تفسیر فخر الدین رازی ج ۲۱ ص ۱۸۴)

نیز رضیا "پسندیدہ" کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ وارث غیر نبی ہو نبی کے لیے اس دعا کی حاجت نہیں۔ خِفْتُ الْمَوَالِيَ۔ چچازادوں سے خوف ضیاع نبوت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا مال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار گھوڑے باپ سے وراثت میں پائے۔ نیز لفظ وارث کا استعمال مال میں حقیقتہً ہے اور باقی چیزوں میں مجازاً جب تک حقیقت متعذر نہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔

الجواب۔ شیعہ مذہب کی رو سے آیات بالا کی یہ تفسیر اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی وجہ سے مردود ہیں اس لیے کہ جب ان آیات کے مصداق کی تعیین آئمہ معصومین سے ہو چکی ہے۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں نکالنا کیا معنی!

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔

ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا وان عندنا علم التورٰۃ والانجیل والزبور وتبیان ما فی الالواح۔ (اصول کافی ص۲۲۵)

بلاشبہ سلیمانؑ ہی وارثِ داؤدؑ بنے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث ہیں۔ بیشک ہمارے پاس توراتؑ انجیل زبور اور الواح موسیٰؑ کی تفصیل کا علم ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا حضرت داؤدؑ انبیاءؑ کے علم کے وارث ہوئے۔

وان سلیمان ورث داؤد وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وان عندنا صحف ابراہیم والواح موسیٰ (ایضاً ص۲۲۵) باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء)

حضرت سلیمان داؤد (علیہما السلام) کے وارث بنے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے وارث ہوئے اور ہم حضورؐ کے وارث ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس ابراہیمؑ کے صحیفے اور حضرت موسیٰؑ کی تختیاں ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت کے متعلق امام باقرؑ کا ارشاد ہے۔

ثم مات زکریا فورث ابنہ یحیی الکتاب والحکمۃ وآتیناہ الحکم صبیا (اصول کافی ج ۱ ص۳۸۲)

پھر زکریاؑ فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے یحییٰؑ کتاب اور حکمت کے وارث بنے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں ہی دے دیا تھا۔

کیا ان دو احادیث کی روشنی میں حضرت داؤدؑ کی وراثت کا سلیمانؑ کو انتقال اور پھر حضورؐ اور آئمہ اہل بیت تک پہنچنا۔ وراثت علمی و پیغمبری یقیناً ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے مقابل حسن بصری کا قول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہزار گھوڑے پانا شاہی ترکہ بطور حکومت مراد ہے نہ کہ ذاتی وراثت۔ حضرت داؤدؑ تو خانگی نفقہ کے لیے زرہ بنا کر بیچتے تھے۔ کیا اس معمولی مزدوری سے وہ ایک ہزار اعلیٰ نسل کے گھوڑے خرید تے یا پال سکتے تھے؟ پھر کل ۱۹ بیٹے تھے تو اٹھارہ ہزار

گھوڑے ہوں تب فی بیٹا ایک ہزار گھوڑے تقسیم میں ملے۔

قرآن پاک میں وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ داؤد کے بعد فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ الآیۃ کیا یہ وراثت علمی پر قطعی دلیل نہیں ہے؟ اگر وراثت مالی ہو تو بقیہ اولاد بھی بدستور عالم منطق الطیر ہوں۔ اور ہر شے ہی چیز کے مالک اور تذکرہ قرآنی سے مشرف ہوں۔ یہ کہنا کہ حضرت سلیمان کا ذکر خاص بلند رتبی کی وجہ سے بے لغو ہے۔ کیونکہ یہ بلند رتبی۔ نبوت اور سیاست میں والد ماجد کی جانشینی سے ملی ہے تو وراثت نبوت و سیاست ثابت ہو گئی۔ فہو المقصود علامہ رازی نے تفسیر میں پانچ قول لکھے ہیں۔ مفید مطلب ایک قول کو شیعہ لے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب بھی ہے کہ نبوت اور شاہی خزانوں اور اموال کے جانشین و وارث حضرت سلیمانؑ ہی ہوئے تو ذاتی مال کی وراثت باطل ہوئی اور پھر اس کے شخص واحد میں انحصار نے نبوت و حکومت کے لیے مخصوص کر دیا۔

یہ کہنا کہ "نبوت تو حضرت سلیمانؑ کو اس سے پہلے بھیڑوں کا قضیہ چکاتے وقت مل ہوئی تھی تو وراثت مالی مراد ہے۔" درست نہیں، کیونکہ اس وقت آپ نابالغ بچے تھے۔ احکام شرعیہ کے مکلف نہ تھے چہ جائیکہ نبوت کے منصب عظیم کے بالفعل حامل ہوں ہاں نبوت کے تحمل کے لیے فطری استعداد اور عقل و فراست کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا پھر تفہیم خداوندی نے سونے پر سہاگہ کر کے وہ بہتر فیصلہ آپ سے کروا دیا۔ اس وقت حکمت اور علم سے یہی مراد ہے۔ علاوہ ازیں منصب نبوت کیلئے نامزد ہونا یا موصوف ہونا اور بات ہے اور بالفعل فرائض نبوت کو تعلیم تبلیغ جہاد۔ سیاست امت وغیرہ میں ادا کرنا اور بات ہے۔ حضرت داؤدؑ کے جانشین اور وارث بننے میں فرائض نبوت اور ادائیگی سیاست امت مراد ہے جو پہلی بات کے منافی نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت نبوت تو اور واضح تر ہے امام باقرؒ کے الفاظ ہیں کہ حضرت زکریا کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یحییٰ امام کتاب و حکمت کے وارث ہوئے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں عطا کر دیا تھا۔" کا آیت کریمہ کے ان الفاظ سے موازنہ تو کریں۔ يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔ اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی حکم دے دیا۔" کیا بارشادِ امام وراثت علمی و پیغمبری متعین ہونے میں اب بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے؟

تفسیر فخرالدین رازی میں حضرت ابن عباسؓ حسن بصری اور ضحاک کا یہ قول بھی مروی ہے کہ یَرِثُنِیْ سے مال اور یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ سے نبوت کی وراثت مراد ہے۔ سدی، مجاہد اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ تو وراثت مالی کی تخصیص باطل ہوگئی۔ دونوں کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی امت کے لیے ایک قسم کا حاکم و منتظم بھی ہوتا ہے۔ امت کے نظم و نسق کے سلسلے میں خرچ ہونے والا جو مال بطور فنڈ آپ کے پاس تھا، وہ بھی نبوت کے ساتھ حضرت یحییٰؑ کو منتقل ہوا۔ بعینہٖ جیسے حسب تفصیل سابق حضورؐ کے بعد امام ان چیزوں کا وارث و متولی ہوگا۔ امام رازی نے باقی اقوال میں۔ وراثت یحییٰؑ سے مراد۔ سرداری۔ علم۔ نبوت اور اخلاق حسنہ مراد لیے ہیں۔ یہ چاروں چیزیں غیر مالی ہیں اور یہاں مراد ہوسکتی ہیں۔ لفظ ارث ہر ایک میں بطور حقیقۃ مستعمل ہے جیسے مال کے لیے وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (اور تم کو وارث بنا دیا ان کی زمینوں مکانوں اور مالوں کا)، علم کے لیے وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ (ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا)، العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں) وان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا (انبیاء دراہم و دنانیر کی وراثت نہیں چھوڑتے) حکومت اور نبوت کے لیے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (اور بلاشبہ ہم نے داؤد و سلیمانؑ کو علم عطا کیا)۔ معنوی خصائل کے لیے جیسے کہا جاتا ہے اورثنی ھذا اغماد حزنا (اس چیز نے میرے اندر غم اور فکر چھوڑ دیا ہے) پھر امام رازی فرماتے ہیں کہ پختہ بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے..... اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وراثت سے مراد ہر وہ چیز ہو جس میں دین کی بہتری اور نفع ہو اور یہ نبوت۔ علم۔ سیرت حسنہ۔ حکومت برائے نفع دینی اور دین کے لیے کام آنے والا مال۔ سب کو شامل ہے۔ (تفسیر رازی پ ۱۶ ص ۱۸۴) پھر اس سے زیادہ وضاحت اور مالی وراثت کا ابطال وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ کے تحت پ ۱۹ ص ۱۸۶ پر علامہ رازی نے کردیا ہے۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے شیعہ کی خیانت اور سینہ زوری کا پتہ چل گیا کہ صرف ایک قول کو لے کر ایسا الو سیدھا کرتے اور مفسر علیہ الرحمۃ کا اپنا فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہوچکا کہ ان تمام معانی میں یہ لفظ بطور حقیقت شائع ہے تو وراثت غیر مالی کو مجازی کہنا باطل ثابت ہوا۔ ہاں فقہاء کی اصطلاح میں زیادہ تر اس کا استعمال منقولات عرفیہ کی طرح وراثت مالی، علم، ساملتا

ہے۔ بالفرض اسے مجاز تسلیم کیا جائے تو عموم مجاز ہے جو حقیقت کی مانند شائع و ذائع ہوتا ہے مثلاً ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ پ ۲۲ ۱۶۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ پ ۹ ۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ پ ۲۵ ۳۲۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا پ ۹ ۵۶۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پ ۴ ۹۶۔

رہا یہ شبہ کہ مجاز میں استعمال کے لیے داعیہ چاہیے تو داعیہ یہ ہے کہ معصوم کے قول کو جھوٹ اور نامناسب بات سے بچانا ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا منشاء یہ ہو کہ میرے مال کے وارث چچازاد بھائی ہیں ان سے مجھے مال ضائع کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرے مال کا وارث بنے تو ایک پیغمبر کی طرف اس کی نسبت بھی معیوب ہے۔ انبیاء کا ذہن دنیا کے لیے حریص یا متفکر نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر وہ موالی برے ہوں اور برائی میں مال خرچ کرنے کا اندیشہ ہو تو یہ بھی مفید نہیں کیونکہ جب ان تک وراثت پہنچے گی وہ خود مالک ہوں گے اور بھلائی برائی کے ذمہ دار ہوں گے۔ حضرت زکریا کی ملکیت میں مال نہ رہے گا۔ پھر تفکر کا کیا فائدہ؟ ہاں نبوت و تبلیغ کے متعلق اندیشہ درست ہے۔ ممکن ہے وہ نااہل ثابت ہوں اور پیغمبری کے لائق نہ ہوں تو یہ میری اور آلِ یعقوب کی نعمت نبوت ضائع ہو جائے گی۔ تو الٰہی مجھے وارث عطا فرما۔ آج گئے گزرے دور میں بھی جو اولوالعزم قسم کے خاندانی شریف ہوں اور مخصوص فن یا کمالات میں شہرت رکھتے ہوں وہ اولاد اس لیے نہیں مانگتے کہ ہمارے کمائے ہوئے مال و جائداد یا مکانات کے مالک بنیں بلکہ وہ اپنے ہنر اور فن کے بقا۔ خاندان کی عظمت و شہرت اور باپ دادے کی اقدار کو زندہ رکھنے کے لیے اولاد مانگتے ہیں۔ عالم کی اولاد عالم ہو۔ مرشد روحانی کی اولاد متقی و پرہیزگار ہو۔ معلم و پروفیسر کی اولاد علم دوست اور استاذ بنے۔ تاجر کی اولاد تاجر بنے۔ زمیندار کی اولاد زمیندار اور کھیتی باڑی میں دلچسپی لینے والی بنے۔ ہر ایک کو یہی تمنا اور آرزو ہوتی ہے۔ اور اسی فن و ہنر میں جانشینی کے لیے اولاد مانگتا یا اس کی تربیت کرتا ہے۔ اگر کسی کی اولاد اس کے ہنر و کمال میں وارث نہ بنے۔ خواہ مال و دولت یا دیگر امور میں بڑھ ہی کیوں نہ جائے باپ کی نظر میں وہ ناخلف ہی ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت زکریا جیسے بڑھئی پیشہ غریب پیغمبر۔ نبوت کا وارث بننے کے لیے دعا مانگیں تو زیادہ بہتر ہے یا تیشہ آری جیسے آلاتِ نجاری کو سنبھالنے کے لیے بیٹا مانگیں تو وہ ان کی شان کے

لائق ہے۔ اور وہ بھی محض اس خدشہ سے کہ چچازاد اولاد یہ میراث نہ لے لیں۔ شیعہ کو اللہ تعالیٰ عقل و فہم نصیب کرے۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی میں انبیاء کرامؑ کے لیے کتنی گستاخیاں سوجھ رہی ہیں۔ ہے؟ آخر ایک مزدور پیشہ پیغمبر کے پاس ضروریات زندگی سے زائد بچت آ کہاں سے گئی اور زاد اندوزی ضرورت کمانے سے ان کو فرصت کیسے ملتی تھی پھر وہ سیرت انبیاءؑ کے برعکس پس انداز کر کے اثاثے جمع کیسے کر چکے تھے جس کے ضیاع کا بنی اعمام کے ہاتھوں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ رہا یہ شبہ کہ انبیاء تو خدائی پسندیدہ ہوتے ہیں۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا تحصیل حاصل ہوئی۔ تو وضاحت یہ ہے کہ یہ صفت کشفِ حال اور وضاحت مقصد کے لیے ہے۔ صفت احترازی نہیں ہے۔ اسی سورت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا کہ وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔ سورۃ ص میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے متعلق ارشاد ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ بے شک وہ ہمارے ہاں بہترین چنے ہوئے بندوں سے ہیں۔ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (اے اللہ ان میں سے ایک رسول بنا) کے بعد يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جو تیری آیتیں ان پر پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے) سے وضاحت فرمائی۔ کیا لفظ رسول کافی نہیں تھا؟ کوئی ایسا رسول بھی ہوتا ہے جس کا فریضہ تلاوت آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم و تزکیہ نہ ہو؟ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِيْ (ہارون میرے بھائی کو میرا وزیر بنا اور میری کمر اس سے مضبوط کر) کے بعد وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ (اور اس کو میرے کام میں شریک کر) سے اپنے مدعا کی وضاحت فرمائی۔ جیسے یہاں تحصیل حاصل لازم نہیں آتی اسی طرح رَبِّ رَضِيًّا سے بھی نہیں آتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ سے مقبول و معزز عند الناس ہونے کی دعا کی ہو۔ چنانچہ وہ مقبول بھی ہوئی جیسے آلِ عمران میں ارشاد ہے۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آپ کو یحییٰؑ کی بشارت ہو جو خدا کے کلمہ (عیسیٰؑ) کے مصدق، لوگوں میں سردار، پاکدامن اور نیک پیغمبروں سے ہوں گے)

راقم کے علم میں ان آیات سے متعلق شیعہ کی جو کٹ حجتیاں تھیں ان کا جواب ہو چکا۔ وللہ الحمد۔

اور اظہر من الشمس ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی بلکہ علمی اور منصب پیغمبری اور اسکے متعلقات کی ہوتی ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔

روایات ہبہ کی حقیقت

شیعہ جب دعویٰ وراثت میں ناکام ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے آپ کو زندگی میں ہبہ کر دیا تھا۔ پھر سیدہ نے ہبہ کا دعویٰ فرمایا اس پر گواہ بھی پیش کیے مگر خلیفہ نے رد کر دیئے۔ اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے۔

اولاً۔ ہبہ اور میراث دو متضاد باتیں ہیں مجتمع نہیں ہو سکتیں ہبہ کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ملکیت سے خارج کر کے سیدہؓ کی ملکیت اور قبضہ میں دے دیا۔ اگر واقعی ہبہ تھا تو وراثت کا سوال کیسے؟ یہ تو اس مال میں ہوتا ہے جو مورث عند الوفات ملکیت میں ہو اور اگر حضورؐ کی ملکیت میں تھا اور سوال وراثت درست تھا تو ہبہ کی کہانی خود بخود لغو ہوئی کیونکہ ایک چیز معاً دو ملکیتوں میں متضاد اسباب سے جمع نہیں ہو سکتی۔ خلافاً للشیء کذ فانھا بسبب واحد بعض شیعہ اسے حصول مقصد کی خاطر عنوان بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے ساتھ مناظرہ میں ایک دلیل "میرا رب مارتا جلاتا ہے" چھوڑ کر دوسری دلیل "میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا" پیش کی۔ مگر یہ نری جہالت ہے۔ یہاں دونوں دلیلیں خدا کی صفت ہیں ان میں تضاد نہیں۔ دلیل ہبہ اور دلیل میراث میں ذاتی تضاد ہے۔ فافترقا۔

ثانیاً۔ اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاوند، بیٹے اور اپنی باندی کی گواہی نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی تو یہ قرآنی اصول شہادت فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ "پس تم مردوں سے دو گواہ بناؤ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں جن گواہوں کو تم (عادل) پسند کرو۔" پر عمل کیا۔ سیدہ اور اس کے گواہ سچے سہی مگر قاضی ظاہر قانون پر فیصلہ دیا کرتا ہے قاضی کے ذاتی علم پر فیصلہ بعض مخصوص حالات میں ہوتا ہے۔ قاضی شریح نے ایک یہودی سے نزاع میں حضرت علیؓ جیسے کا نہ دعویٰ تسلیم کیا نہ حسنینؓ کی گواہی مانی۔ حضرت علیؓ نے بادل نخواستہ نہ صرف فیصلہ تسلیم کیا بلکہ قاضی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا (کشف الغمہ) چنانچہ یہ اصول پسندی دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ آج مسئلہ فدک کی مثال سے مسلمان اپنے قانون کی عظمت تاریخ سے

سربلند کر سکتے ہیں۔

ثالثاً۔ ہبہ اور عطا کے متعلق روایات ہماری مستند امہات کتب میں نہیں بلکہ بعض کتب تاریخ میں چھیان بین کے بعد بلا سند یا منقطع و مردود سندوں کے ساتھ ان کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس اہم مسئلہ پر ان سے استشہاد نا انصافی ہی ہے۔ اس سلسلہ کی اصل سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو تفسیر در منثور، کنز العمال، مسند ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد میں سورت اسرا کی آیت وآت ذالقربیٰ حقہ کے تحت تفسیراً روایت کی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الاية وآت ذا القربیٰ حقه دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدك عن ابن عباس قال لما نزلت وآت ذا القربیٰ حقه اقطع رسول الله فاطمة فدكا (تفسیر در منثور ج۴ ص۱۷۷)

ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جب آیت وآت ذا القربیٰ اتری تو حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فدک دیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت فاطمہؓ کو حضورؐ نے جائداد دے دی (حالانکہ آیت مکی ہے فدک کا تصور و وجود بھی نہ تھا پھر آیت پر عمل کی شکل میں چاہیئے کہ مسکین اور ابن السبیل کو بھی مخصوص جائداد دی جائے جب یہ نہیں ہوا تو پہلا بھی نہیں ہوا۔)

یاد رہے کہ یہ روایت ابو سعید خدریؓ سے نقل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ در منثور، کنز العمال اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اور ابو سعیدؓ سے راوی عطیہ عوفی ہے۔ یہ مشہور مدلّس ہے۔ یہ محمد بن سائب کلبی کا شاگرد خاص تھا۔ (اور وہ مشہور کذاب تھا) یہ اس کی کنیت ابو سعید رکھتا تھا۔ پھر جب کلبی کی صراحت کیے بغیر عن ابی سعید کہتا تو لوگ ابو سعید خدری ہی سمجھتے اور صحابیؓ سے روایت کرتے۔ حالانکہ یہ دجل و تلبیس عطیہ عوفی کا کرشمہ ہے۔ میزان الاعتدال ج۲ ص۲۰۱ عطیہ عوفی کے ترجمہ میں ہے۔

قال سالم المرادی کان عطیة یتشیع قال احمد ضعیف الحدیث وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبی فیاخذ عنه التفسیر وکان یکنیه بابی

سالم مرادی کہتے ہیں عطیہ شیعہ تھا امام احمدؒ ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اس سے تفسیر لیتا اور اس کی کنیت ابو سعید مشہور کرتا

سعین فیقول قال ابو سعید فیوھم انہ الخدری۔

تھا جب کہتا ابوسعید نے فرمایا تو یہ وہم ہوتا کہ ابوسعید خدری صحابی مراد ہیں۔

امام نسائی اور ناقدین آئمہ کی جماعت اسے ضعیف کہتی ہے فریقین کے ہاں عطیہ عوفی شیعہ مسلم ہے۔

شیعہ علامہ مامقانی کی تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۲ ص ۲۵۳ پر ہے۔

عطیۃ عوفی کوفی من اصحاب باقر

عطیہ عوفی کوفی تھا۔ امام باقرؒ کے شاگردوں سے تھا۔

تو متنازعہ فیہ مسئلہ میں ایسے راوی کی روایت بالکل مردود ہے۔ جب یہ امام باقرؒ کا شاگرد ہے تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے زمانے میں شاید اس کا والد بھی نہ ہو۔
فتوح البلدان بلاذری بحث فدک میں جو عطاء فدک کے متعلق مذکور ہے اور صواعق محرقہ، شرح مواقف، معجم البلدان کے متاخر مؤلفین تو محض ان کتب قدیمہ سے بلا سند نقل کر دیتے ہیں۔ اس سے روایت کی صحت تو ثابت نہیں ہوتی) وہ رواۃ کے اعتبار سے مجروح ہیں، صحیح السند نہیں۔ کنز العمال میں جو روایت ہے اس کا ایک راوی محمد بن میمون ہے جس کو حافظ ذہبی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ابراھیم من اجلاء الشیعۃ روی عن علی بن عابس خبرا عجیباً

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳۰)

ابراہیم بڑے شیعوں سے ہے علی بن عابس سے ایک عجیب روایت کی ہے۔

علامہ عینی اس مفہوم کی روایات ذکر کر کے کہتے ہیں۔

قلت ھذا لا اصل لہ ولا یثبت بہ روایۃ انھا ادعت ذٰلک وانما ھو امر مفتعل لا یثبت

(عمدۃ القاری شرح بخاری باب فرض الخمس تحت حدیث دوم)

میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اور ایسی کوئی روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے ایسا دعویٰ کیا ہو۔ یہ تو ایک من گھڑت بات ہے جو کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔

علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں عطیہ اور ہبہ کی روایات کو ان لفظوں میں رد کیا ہے۔

قلت ھذا باطل ولو کان وقع ذالک لما جاءت فاطمۃ تطلب شیئا وھو فی حوزھا وملکھا۔ ج ۲ ص ۲۲۸	میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اگر ہبہ ہو چکا ہوتا تو سیدہ فاطمہ کچھ مانگنے نہ آتیں جبکہ وہ آپ کی تحویل و ملکیت میں تھا۔

تحت علی بن عباس)

کتب اہل سنت کی طرف نسبت کر کے ہبہ فدک کے بارے میں جو روایات شیعہ علماء نے اپنی کتب مناظرہ میں نقل کی ہیں ان کی تفصیل علامہ نواب مہدی علی خان (سابق شیعہ مجتہد) نے آیات بینات میں بحث فدک میں پیش کی ہے۔ وہ پوری سند اور رواۃ کی تفصیل والی ہر روایات بتاتے ہیں۔ اور بعض سند کے ساتھ یا صرف منقول عنہ کا ذکر کرنے والی روایات بتاتے ہیں۔ پھر ہر راوی کا کتب رجال سے شیعہ۔ کمزور یا کذاب ہونا بتاتے ہیں ان سب کا سرا اور ماخذ عطیہ از ابوسعید ہے۔ وہ ابوسعید سے ابوسعید خدریؓ کا وہم دلاتا ہے اور بعض پچھلے راویوں نے غلطی سے اسے خدری سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ کلبی کذاب شیعہ ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔ محمد بن السائب کلبی ابوالنضر اخباری نساب مفسر مشہور ہے۔ ثوری کہتے ہیں کلبی سے بچو۔ بخاری کہتے ہیں اسے یحیٰ اور ابن مہدی نے چھوڑ دیا ہے۔ یزید بن زریع کہتے ہیں کلبی سبائی تھا جو علیؓ کی وفات کے قائل نہیں دوبارہ رجعت کے قائل ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ہشام بن کلبی کے ذکر میں اس کے باپ کو رافضی لکھا ہے۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں محمد بن جریر طبری کی کتابوں کے حال میں لکھا ہے کہ طبری نے غیر معتبر تفسیروں سے تعرض نہیں کیا کہ اس نے محمد بن سائب کلبی مقاتل بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی کتابوں سے تفسیر نہیں لی۔ کیونکہ یہ لوگ اس کے نزدیک مشکوکین سے ہیں۔ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں کلبی کی نسبت لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کلبی کی تفسیر از اول تا آخر جھوٹی ہے دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ایک روایت ابن عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے مگر وہ بھی بلا سند ہے اور در منثور تو طبقہ چہارم کی کتاب ہے جس میں صحیح ضعیف موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔ بہرحال ایسی ہر روایت معیار صحت پر جانچے بغیر حجت

نہیں ہے۔

اس کے برعکس ہبہ کی نفی پر اہل بیت کی یہ مشہور روایت شاہد ہے۔

کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے۔ بنی ہاشم کے چھوٹے ناداروں پر لوٹاتے اور ان کے بیواؤں کی شادیاں کراتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان کو دے دیں تو آپ نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی دستور پر بنو ہاشم اور فقراء و مساکین میں تقسیم ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ مسافر آخرت ہو گئے پھر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی زندگی میں وہی عمل جاری رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل جاری رکھا جو حضورؐ اور صدیقؓ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے۔ (پھر عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ نے بھی یہی دستور جاری رکھا) پھر مروان نے (اپنے دور میں) اسے اپنا قطعہ بنا لیا پھر یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضے میں آگیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے روک لی تھی میرا بھی اس پر کوئی حق نہیں۔ میں تم کو گواہ بنا کر اسے اسی طرز پر لوٹاتا ہوں جس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں تھا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ مشکوٰۃ ص ۳۵۶)

یہ روایت گو مرسل ہے اور مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مجمع عام میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے فاضل خلیفہ راشد نے بیان کی کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا۔ تو یہ حکماً متصل اور مرفوع کے قائم مقام ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ

۱۔ فدک حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ہبہ نہیں کیا تھا بلکہ طلب کے باوجود نہ دیا جیسے خصال ابن بابویہ ص ۳۹ کی شیعہ حدیث بھی گزر چکی۔

۲۔ شیخینؓ وغیرہ خلفاءِ اسلام نے طریقہ نبوی سے نہیں بدلا یا نہ اہلبیتؓ و بنو ہاشم کے مالی حقوق بند کیے بلکہ بدستور ان کو دیتے رہے۔

ایک لغو رسالہ کا جائزہ

بحمد اللہ و عونہ۔ ہم نے مسئلہ فدک پر سیر حاصل بحث کر کے ہر پہلو کو روشن کر دیا۔ شیعہ مؤلفین کے اعتراضات کا منبع بند کر دیا۔ ایک صاحب

نے "مقدمہ باغ فدک" پر افسانوی رنگ میں قلم کاری کی ہے بقول اس کے "اس کتاب میں انتہائی رواداری و شائستگی کے ساتھ حضرات شیخین رض پر تنقیدی قلم کاری کی گئی ہے۔" یہی نہیں بلکہ بے اصولی، تعلین کی خلاف ورزی۔ بد تہذیبی۔ دروغ گوئی اور بے فائدہ لایعنی باتوں کے تکرار میں اپنی مثال آپ ہے۔ کہ "وہی مجرم وہی منصف" کا آئینہ ہے۔ اس کی اکثر باتوں کا جواب آ گیا۔ کچھ بغوات لائق توجہ ہی نہیں۔ آخر میں بطور خلاصہ کتاب جو دعاوی اس نے بزعم خویش ثابت کیے ان سے اور چند اہم باتوں سے ہم آپ کو متعارف کرا دیتے ہیں۔

۱۔ قولہ۔ "الغرض ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر رض کا مقدمہ فدک میں صادر کردہ فیصلہ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے درست تھا نہ ہی قانونی مراتب سے۔"

سبحان اللہ۔ گالیوں اور لعن طعن کو مذہب بنانے والے اور کتاب و سنت چھوڑ کر اپنے دین کے منبع آئمہ سے لعن طعن کی ہی تعلیم پانے والے لوگ اہل سنت اور ان کے اکابر کو اخلاقی لحاظ سے نادرست بناتے ہیں۔ درج ذیل مکالمہ سے آپ خود فیصلہ کریں کہ کس کا اخلاق درست ہے۔

"فاطمہ رض نے فرمایا قسم بخدا میں ہرگز تجھ سے کلام نہ کروں گی۔ ابوبکر رض نے کہا واللہ میں ہرگز تجھ سے دوری اختیار نہ کروں گا۔ فاطمہ رض نے کہا واللہ میں خدا کے حضور تجھ پر نفرین کروں گی۔ ابوبکر رض نے کہا واللہ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔" (حق الیقین از شیعہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۵۶) بغض و قطع رحمی کا کتنا بڑا بہتان حضرت فاطمہ رض پر شیعہ نے لگایا مگر حضرت ابوبکر رض کا تو معتبر فاطمہ رض اور دعا گو ہونا خود روایت کیا۔ قانون کتاب و سنت کا نام ہے اسی کے مطابق آپ نے فیصلہ کیا۔

۲۔ قولہ۔ "یہ فیصلہ فطرت کے فیصلوں کے بھی خلاف ہوا اور عقل و دانش کی کسوٹی پر بھی پورا نہیں اترتا۔"

جواب۔ یہ ہوائی گپ ہے اور پورا رسالہ اسی ہوا سے بھرا ہوا غبارہ ہے جو احمقوں کی نگاہ میں اڑ تو سکتا ہے مگر کتاب اللہ۔ سنت نبوی۔ عمل اہل بیت اور عقل سلیم کے سامنے پر کاہ کا وزن نہیں رکھتا۔ فطرۃ اللہ کا فیصلہ مال فے کی ذوی القربیٰ۔ غرباء۔ مساکین اور مسافروں میں تقسیم کا ہے۔ عقل و دانش کی کسوٹی۔ انبیاء اور اہل بیت کو زاہد بناتی ہے۔ نہ کہ

جاگیر دار ہو تا کہ اگر وہ نہ ملے۔ فقراء و مساکین کا حق بنا دیا جائے تو پوری امت سے دشمنی رکھ لی جائے۔

۲۔ قولہ:۔ "اس فیصلہ کو نہ ہی کتاب خدا سے کوئی تائید حاصل ہے نہ ہی سنتِ رسولؐ سے توثیق میسر آتی ہے یہ وہ فیصلہ ہے جس کے خلاف خود منصف نے عمل کیا۔ اس فیصلہ کو اکابر صحابہؓ نے مسترد کر دیا۔"

جواب۔ تینوں دعوے بالکل جھوٹ اور بہتان ہیں۔ سورت حشر ۵۹ کی آیات پھر دیکھ لیں کہ مال فے (فدک وغیرہ) ۸ قسم کے لوگوں کا حق ہے۔ کسی فردِ واحد کی میراث و ملکیت نہیں۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (تا کہ وہ اموال و جاگیریں تمہارے غنیوں کے درمیان نہ پھرتی رہیں) اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (آپ رشتہ داروں کو حق الخدمت دیں اور مساکین و مسافروں کو بھی دیں) بھی یہی بتاتی ہے کہ مالِ فے صرف ذوی القربیٰ کا حق نہیں کہ ان کو ہی ہبہ کر دو بلکہ وہ مسکینوں مسافروں کا بھی حق ہے جب وہ لاتعداد اور غیر معین ہیں تو یہ ذوی القربیٰ کو ہبہ کے بجائے تینوں اقسام پہ وقف عام قرار پائے گا۔ اور یہی فیصلہ خود حضورؐ نے اور شیخینؓ نے کیا۔ اب مؤلف اپنی ہی تحریر اور روایت سے یہ فیصلہ پڑھیں جسے سچا گنتے ہیں۔

"اے فاطمہ رضا! تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی خدا کی قسم میں نے نہ تو رسولِ خدا کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے حکم کے بغیر کوئی کام کیا ہے۔ آب و دانہ کی تلاش میں آگے جانے والا اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان جائداد، ہم نبی لوگ تو کتاب حکمت علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر (حاکم) کا ہوتا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث بھی گزر چکی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور سامان جنگ کے لیے مخصوص کر دیا جس کے ذریعے سے مسلمان کافروں سے

جہاد کریں گے اور سرکش فاسقوں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور میرا مال آپ کا مال ہے اور یہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے فرع و اصل کو پست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے۔ پس کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے والد محترم کی مخالفت کی ہے۔" (احتجاج صفحہ ۳۶ تا ۳۷ و حق الیقین ج ۲ ص ۵۲ اردو)

یہ شیعہ روایت صدیقؓ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ آپ نے مجمع عام میں واضح کیا کہ میں نے حضورؐ کے قول و فعل کے ذرہ بھر کبھی خلاف نہیں کیا اور سب مسلمان اسی کی تائید کر رہے تھے تبھی بروایت شیعہ حضرت فاطمہؓ نے (معاذ اللہ) فرمایا "کیا تم لوگوں نے اللہ کے رسولؐ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ دغابازی کا اجماع کر لیا ہے۔" پھر جب اس کے جواب میں سراپا رأفت و رحمت صدیقؓ نے فرمایا۔ خدا بھی سچا اللہ کا رسولؐ بھی سچا اور رسولؐ کی بیٹی بھی سچی۔ تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جو کچھ ..... اپنے قبضے میں لیا ہے وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔" (ایضاً ص ۳۸ و حق الیقین ج ۲ ص ۵۳) پھر اس کے جواب میں جو جلی کٹی اور سخت سست صلاتیں حضرت فاطمہؓ نے (معاذ اللہ) بروایت شیعہ مسلمانوں کو سنائیں ہمارے قلم میں ان کے نقل کرنے کی تاب نہیں۔ بہر ان مسلمانوں میں آپ کے بزرگوار خاوند اسد اللہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ وہ خیبر سے آج تو باعتقاد شیعہ ہر فاسق و فاجر شیعہ کے مددگار و مشکل کشا ہیں جو ان کو اپنے گناہوں کی پاداش میں پھنس کر کسی بھی مصیبت میں پکارے۔ مگر انہوں نے مخدرہ مظلومہ لخت جگر رسولؐ کی زوجہ ہونے کے باوجود کوئی مدد و اعانت نہ کی حتیٰ کہ تنہا ان مجمعوں سے خطاب کر کے جب سیدہ گھر پہنچیں تو گرجتی ہوئی شیرنی کی طرح حضرت علیؓ کو جو کچھ برا بھلا کہا وہ بھی شیعہ روایات و حق الیقین ج ۲ ص ۵۴ سے ہم نقل کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔

ہمارا مقصد یہ شیعہ اقتباسات نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے دعویٰ کی تائید کسی مسلمان نے نہیں کی اور شیعہ کے تینوں دعوے غلط ثابت ہوئے کیونکہ کتاب وسنت کے بعد سب اکابر واصاغر صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تائید وحمایت کی۔ یہ تو سب کچھ شیعہ روایات نے بتایا۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ سیدہ فرمانِ رسول سن کر فیصلہ پر مطمئن ابوبکرؓ سے راضی مسلمانوں سے خوش اور فدک سے معین حصہ کے ملنے پر راضی وشاکر تھیں۔ یہ خطبہ بالا اور یہ غیر اخلاقی ناشایانِ شان گفتگو آپ پر بہتان محض ہے جو دشمن اسلام واہلبیت شیعوں نے تمام صحابہؓ کو گالیاں دینے سیدہ کو بے وقار اور طالب دنیا بنانے کے لیے خود بنا کر اپنی کتب میں مشہور کیا ہے۔ (معاذ اللہ منہ)

۴۔ قولہ۔ اس فیصلہ سے اہل بیت کو اذیت پہنچی۔ عم رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو ایک کاذب آثم غادر اور خائن منصف کا فیصلہ قرار دیا۔ داماد رسولؐ حضرت علی علیہ السلام نے اسے ہرگز قبول نہ کیا۔

جواب۔ اتفاقاً بلا ارادہ کسی بزرگ کے قول وفعل سے کسی بزرگ کو صدمہ پہنچنا قابل طعن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے اور حضرت ہارونؑ کے فہمائش کے سوا کوئی سخت اقدام نہ کرنے سے حضرت موسیٰؑ کو صدمہ ہوا اور بھائی پہ گرفت فرمائی (القرآن) حضرت فاطمہؓ کو شادی کے بعد بروایت جلاء العیون شکایات پیدا ہوئیں۔ حضرت حسینؓ، قیس بن سعد اور دیگر شیعانِ حسنؓ کو حضرت حسنؓ کے فیصلہ صلح وبیعت سے ناگواری اور اذیت ہوئی۔ مگر کسی پہ کوئی طعن نہیں کیا جاتا۔ یہاں بھی طعن کا موقعہ نہیں۔ بقول مجلسی "بزرگوں اور مقربانِ الٰہی کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہیے۔" (جلاء العیون)
دوسری بات بالکل بہتان محض ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں فرمائے۔ جبکہ دونوں حضرت عمرؓ کی طرف سے صدقاتِ فدک تقسیم کرنے میں متولی تھے۔ مگر مزاج کے اختلاف سے نزاع اور مخالفت کی نوبت آجاتی تو حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ مجھے اس .... شخص سے چھٹکارا دلائیے۔ یعنی میرا حصہ تولیت الگ کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اسے منظور نہ کیا۔ حضرت عباسؓ مستعفی

ہو گئے حضرت علی رضہ تنہا صدقات کے متولی اور قاسم قرار پائے۔ "حضرت عمر رضہ نے چچا بھتیجے کی جب یہ تلخی دیکھی تو اس مطالبہ کو شخصی میراث اور تملیک کے مشابہ سمجھا اور مطالبہ رد کر کے استفہامیہ انداز میں یہ کہا کہ (کیا) تم ابوبکر رضہ کو ایسا ایسا سمجھتے تھے اگر اس نے بطور وراثت و ملک، تقسیم نہ کیا تھا، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ بار، راشد، تابع الحق تھے (کیا) تم مجھ کو ایسا جانتے ہو حالانکہ میں بھی رسول اللہ اور ابوبکر رضہ کا ولی اور تابع ہوں۔ خدا کی قسم میں تا قیامت ان کے فیصلے کو ہرگز نہیں بدل سکتا۔ اگر تم مشترکہ متولی نہیں رہ سکتے تو یہ مجھے واپس کر دو (میں کسی اور کو متولی بنا دوں گا) ابوداؤد و مسلم)

یہاں معناً حرف استفہام مقدر ہے۔ جیسے سورت انعام پ میں قوم کے ساتھ گفتگو میں حضرت ابراہیم کے کلام میں حرف استفہام مقدر مانا جاتا ہے۔ "یہ سورج میرا رب ہے۔" "یہ چاند میرا رب ہے۔" "یہ ستارے میرے رب ہیں۔" "یعنی کیا یہ چیزیں میرے خدا ہیں ہرگز نہیں۔ تو اسی طرح مقولہ عمر رضہ کا مطلب ہے۔ کیا تم ابوبکر رضہ کو یا مجھ کو ایسا ایسا سمجھتے ہو کہ اس فیصلہ کے خلاف کروانا چاہتے ہو؟۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ زوج بتول حضرت علی رضہ نے یہ فیصلہ یقیناً قبول کیا تبھی تو حضرت عمر رضہ کے نائب ہو کر صدقات فدک کے متولی اور قاسم بنے۔ اگر نہ مانتے تو یہ عہدہ کیوں قبول کرتے۔ منکر و مستعفی ہو جاتے۔

۵۔ قولہ: مسلمانوں کی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضہ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ دیگر مقدمات کی طرح اس مقدمہ کو بھی دیگر صحابہ رضہ کے مشورہ سے کسی فرد عادل صحابی کو قاضی مقرر کر دیتے جو اس تنازعہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتا۔

جواب: حضرت ابوبکر رضہ نے جب تمام صحابہ رضہ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ کام کیا جیسے ابھی گزرا تو اس بے فائدہ لفاظی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں یہ دعویٰ اور مطالبہ ابوبکر صدیق رضہ کی خلافت بلا فصل اور حقانیت پر مہر فاطمی ثبت کر رہا ہے کیونکہ جب وہ مدعا علیہ تھے تو حضرت فاطمہ رضہ کو دعویٰ امام حق علی رضہ کی عدالت میں یا مسلمانوں کے کسی عدالتی بنچ میں کرنا چاہیے تھا۔ مدعی مقدمہ کا فیصلہ مدعیٰ علیہ کے دربار سے کرائے عقل و دانش کے خلاف ہے۔ جب حضرت فاطمہ رضہ نے یہ عمل کیا حالانکہ ظالموں سے فیصلہ کرانے کی کتب شیعہ میں ممانعت ہے اور حضرت فاطمہ رضہ ان

کے ہاں معصوم ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ راشد عادل برحق ہونا ثابت ہوا۔

۶۔ قولہ:۔ "ہم کہتے ہیں۔ نصاب شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی دوسرا موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکرؓ بطریق محال مدعا علیہ نہ تھے بلکہ محض قاضی تھے تو اب شہادت کے نصاب کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف عادل منصف کو اپنی تسلی درکار ہے۔"

جواب۔ دراصل مدعیٰ علیہ سب فقراء مساکین اور مسافر مسلمان تھے۔ ان کا حق اس دعویٰ سے متاثر ہوتا تھا بحیثیت ولی و سربراہ حضرت ابوبکرؓ ان کے نمائندے و فریق تھے۔ اب نصاب شہادت کی باقاعدہ ضرورت تھی اور وہ پوری نہ ہوئی اور "عادل منصف کو دکا تسلی" تو حاصل نہ ہوئی۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۱۵ اردو طبع نفیس اکیڈمی کراچی" سے ملاحظہ ہو۔

"ابوبکرؓ نے کہا کہ بخدا آپ کے والد مجھ سے بہتر تھے۔ آپ واللہ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ یعنی اموالِ موجودہ۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد نے وہ آپ کو دے دیا ہے؟ واللہ اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں ضرور ضرور آپ کا قول قبول کر لوں گا اور ضرور ضرور آپ کی تصدیق کروں گا۔ انہوں نے کہا میرے پاس ام ایمن آئیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ نے فدک مجھے دیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے آپ کو بھی آنحضرتؐ کو فرماتے سنا کہ فدک آپ کے لیے ہے؟ اگر آپ کہہ دیں گی کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ فدک آپ کے لیے ہے تو میں آپ کی تصدیق کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا جو دلیل میرے پاس تھی اس سے میں آپ کو آگاہ کر چکی ہوں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام ایمنؓ کے کہنے پر ہی حضرت فاطمہؓ نے مطالبہ کیا تھا۔ اپنا ذاتی سماع از پیغمبرؐ، وثیقہ یا کوئی شہادت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ نصاب شہادت نہ تھا۔ پھر آپ کے پاس نفی میراث پر حدیث ذاتی سماع سے تھی حضرت فاطمہؓ کے پاس نہ تھی۔ تو منصفِ عادل ثبوت اور تسلی کے بغیر اپنے سماع و علم کے خلاف کیسے فیصلہ دے سکتا تھا۔

۷۔ مؤلف کا دعویٰ ہے۔ "کہ حدیث خلافِ عقل ہے کیونکہ سب لوگ اپنے آباء کی میراث پائیں مگر اولادِ انبیاءؑ محروم رہے اور امت کے رحم و کرم پہ چھوڑ دی جائے۔"

تو جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ کی عالی رتبی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی وراثت وقفِ عام ہو، تاکہ کوئی وارث ان کی موت کی تمنا نہ کر سکے۔ پھر ایسے اموال جو نبوت اور حکومت کے زور سے حاصل ہوں وہ بیت المال کا حصہ ہوں اگر وہ بھی ورثا میں تقسیم ہوں تو عقل کا فیصلہ ان کے زہد و للہیت کے خلاف ہوگا۔ ہاں وہ امت کے رحم و کرم کے محتاج نہ ہوں گے بیت المال سے بصورت خمس یا فے سے ان کو حصہ باقاعدہ ملے گا اور وہ خلفا ان کو دیتے رہیں گے پھر عام نفلی تبرع اور ہبہ میں ان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ ان پر حرام ہیں تو شریعت کا فیصلہ ان کے متعلق معتدل ہے۔

۸۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ "ابوبکرؓ فدک ذاتی تصرف میں لائے۔ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ فدک کی آمدنی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔"

جواب۔ یہ ڈھٹائی سے دروغ محض ہے۔ سیرت و تاریخ کا ایک ایک ورق بتاتا ہے کہ آپ حضورؐ کے بعد زاہد ترین تھے۔ بصورت خلیفہ جو رقم بیت المال سے مسلمانوں کے مجبور کرنے پہ لی تھی وہ بھی وفات پہ زمین بیچ کر واپس کرادی۔ بیت المال بھی سب تقسیم کر دیا تھا۔ کوئی چیز باقی نہ تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ و حضرت ابوبکرؓ کی تقسیم کا حوالہ دے کر صدقاتِ فدک کا ناظم و خازن حضرت عباسؓ و علیؓ کو بنا دیا اور وہ خود بنو ہاشم کے علاوہ تمام فقراء و مساکین پہ صرف کرتے تھے تو اس کا انکار دوپہر کے سورج کا انکار ہے۔ طبقات ابنِ سعد ج ۳ ص ۱۹۳ میں ہے کہ (وفات کے وقت) ان کے پاس نہ کوئی دینار تھا نہ درہم صرف ایک خادم ایک دودھ والی اونٹنی اور ایک دودھ دوہنے کا برتن تھا۔ عمرؓ نے اسے اپنے پاس لاتے دیکھا تو کہا۔ اللہ ابوبکرؓ پہ رحمت کرے۔ انہوں نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا۔

۹۔ کہا جاتا ہے کہ "یہ حدیث واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود حضورؐ نے اپنے باپ کی

میراث پائی تھی"۔ مگر یہ استدلال تام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت گو فی علم اللہ نبی مقرر تھے مگر بزعم خویش اور بالفعل نہ تھے۔ تمام سنی و شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بعثت نبوی بہ سال کے بعد ہوئی پھر قرآن اترنا شروع ہوا اس سے قبل نبی کی حیثیت سے آپ نہ مامور تھے نہ نبوت سے متعلقہ خصوصی احکام آپ پر جاری تھے۔ بجز اس کے کہ مرد بہ برائیوں سے آپ پاکدامن اور معصوم تھے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خود اس حدیث کے خلاف کیا کہ عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے حضرت عباسؓ و علیؓ کو اس کا متولی بنا دیا۔ حالانکہ بطورِ وارث مالک بنانا اور ہے اور بحیثیت متولی و خازن تقسیم کا ذمہ دار بنانا اور ہے۔

۱۱۔ مؤلف کا دعویٰ ہے "کہ حدیث نفی میراث لا نورث ہے۔ اپنی نوعیت کی واحد حدیث صرف ابوبکرؓ، عمرؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے۔ اس کا شانِ نزول بھی معلوم نہیں"۔ حالانکہ اس کی سنی و شیعہ کتب سے بالمعنیٰ تخریج ہم کر چکے ہیں۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۱۴ اور وہیں ہے۔ عائشہؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن العوام، سعدؓ بن ابی وقاص اور عباسؓ بن عبد المطلب سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اس سے رسول اللہ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر ابوہریرہؓ کی حدیث " لایقسم ورثتی دینارا ولا درھما " پیش کی ہے۔ اصولاً ایک صحابی سے روایت بھی حجت ہے۔ چہ جائیکہ وہ ایک اکابر جماعت صحابہؓ سے مروی ہے ہر آیت یا ہر حدیث کا شانِ نزول پایا جانا نہ ایمان و عمل کے لیے ضروری ہے نہ معلوم کرنا ممکن ہے۔ اصول و کلیات بغیر شانِ نزول کے بیان ہوتے رہتے ہیں کسی خاص سبب و واقعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے کہ حدیث غدیر و ولایت حضرت علیؓ نے شکایت کے ازالہ کے لیے ارشاد فرمائی گئی تھی۔ حدیث منزلت ان کی تسلی کے لیے اور حدیث ثقلین (قرآن و سنت) بطورِ وصیت ارشاد فرمائی تھی۔

۱۲۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ابوبکرؓ نے اہل بیت کا خمس بند کر کے عمل رسولؐ کے خلاف کیا۔
جواب۔ یہ مغالطہ ہے ورنہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سب سہم ذوی القربیٰ (خمس الخمس)

کو حضورؐ کے اقرباء اور بنی ہاشم میں تقسیم کرتے تھے اور تقسیم خمس کے متولی حضرت علی المرتضیٰؓ ہوتے تھے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں نے حضورؐ سے درخواست کی۔ آپ ہمارے حق خمس پر مجھے والی بنا دیں تو میں آپ کی زندگی میں تقسیم کر دوں تاکہ آپ کے بعد ہم سے کوئی جھگڑا نہ کرے تو حضورؐ نے مجھے والی بنا دیا تو میں نے آپ کی زندگی میں اسے تقسیم کیا۔ فعد ولانیہ ابوبکر فقسمته فی حیاته ثم ولانیه عمر فقسمته فی حیاته۔ پھر مجھے ابوبکرؓ نے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں تقسیم کیا۔ پھر عمرؓ نے مجھے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں بھی تقسیم کیا حتی کہ حضرت عمرؓ کے آخری سال تھے آپ کے پاس بہت مال آیا انہوں نے ہمارا حق جدا کیا اور میری طرف قاصد بھیجا کہ لے لو اور تقسیم کرو میں نے کہا اے امیر المومنینؓ ہم مال دار ہیں اور مسلمان حاجتمند ہیں یہ ان کو واپس کر دیجئے۔" (کتاب الخراج لابی یوسف ص۲۰ باب فی قسمة الغنائم طا مصر)

بالکل یہ روایت سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۱ باب مواضع قسم الخمس میں ہے اور امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ مسندات علیؓ مسند احمد ج ۱ ص ۸۴ میں ذکر کی ہے۔ فاضل بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۴۳ باب سہم ذوی القربیٰ من الخمس میں اپنی سند سے اور مسند ابی یعلیٰ ص ۲۴۳ میں باسند حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر ق ۲ ج ۱ ص ۳۸۱ میں بالفاظ ذیل یہ روایت درج کی ہے۔

عن بن ابی لیلیٰ قال سمعت علیا قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یولینی الخمس فاعطانی ثم ابوبکر فاعطانی ثم عمر فاعطانی۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا میں نے حضرت علیؓ سے سنا۔ فرمایا میں نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ خمس پر مجھے نگران بنا دیں تو مجھے بنا دیا پھر ابوبکرؓ نے بھی بنایا۔ عمرؓ نے بھی بنایا۔

(بحوالہ رحماء بینہم حصہ دوم)

اور شیعہ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں چنانچہ حق الیقین ج ۱ ص ۵۹ پر ہے۔ "ابوبکرؓ نے کہا میں اس آیت سے یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تمام تمہیں کو دوں مگر جس قدر تم کو کافی ہو میں دیتا ہوں

اور عمرؓ نے بھی اس باب میں اس کی تصدیق کی۔"

اور یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ کان ابوبکر یاخذ غلتها فیدفع الیهم منها ما یکفیهم ویقسم الباقی وکان عمر کذالک ثم کان عثمان کذالک ثم کان علی کذالک کہ حضرت ابوبکرؓ فدک وغیرہ کی جائیداد کا غلہ لے کر بقدر کفایت و ضرورت اہل بیت کو دیتے باقی تقسیم کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ نے اسی طرح عمل جاری رکھی (۱۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۱۰۴-۱۰۶ شرح نہج البلاغہ لابن ہیثم بحرانی ج ۵ ص ۱۰۷ طبع جدید طہرانی) (۲۔ درہ نجفیہ ص ۳۳۲) (۴۔ فیض الاسلام نقوی ص ۹۶۰ شرح نہج البلاغہ)

۱۳۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے مدعیہ سے قسم لے کر نصاب شہادت کیوں مکمل نہ کر لیا۔ ایک گواہ کو صادق جان کر ڈگری کیوں نہ دی۔ از خود تبرع سے حضرت فاطمہؓ کو دے کر خوش کیوں نہ کیا۔ یا مسلمانوں سے اجازت لے کر کیوں نہ دیا جیسے حضورؐ نے ابوالعاصؓ کو حضرت زینبؓ کا فدیہ میں بھیجا ہوا ہار مسلمانوں سے اجازت لے کر واپس کر دیا۔"

جوابی گزارش یہ ہے کہ یہ سب خصوصی ایمرجنسی حالات ہیں۔ ان سے نہ کوئی قاعدہ کلیہ اخذ ہو سکتا ہے نہ ان کی پابندی سنت یا واجب ہے۔ جیسے روزہ توڑ کر دوسرے کا دیا ہوا کفارہ کا مال بحکم نبوی خود کھانے والے غریب صحابیؓ کے واقعہ سے کوئی عام قانون نہیں نکلتا۔ اگر ابوبکرؓ ایسا کر دیتے تو ان کی صوابدید ہوتی جب قاضی و حاکم کی حیثیت سے شرعی قانون پر عمل کیا اور بحکم قرآن و سنت مال فے کو ہر قسم کے مسلمانوں کا حق وقف قرار دیا تو آپ پر طعن کیوں کیا جائے۔

بحمد اللہ مسئلہ فدک پر ہر قسم کے قدیم و جدید مطاعن کا تصفیہ ہو چکا۔ اب حضرت سیدہؓ کے جنازہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

جنازہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ اور شیخینؓ

شیعہ یہاں تک کہتے ہیں کہ سیدہؓ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو اپنے جنازے پر نہ آنے کی وصیت کی تھی اور جنازہ رات کو اٹھانے میں یہی مقصود تھا کہ صحابہؓ نہ آنے پائیں۔ حالانکہ حبیب رضامندی کی احادیث اور سیدہ کے کریمانہ اخلاق کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات دل کو نہیں

لگتی کہ سیدہ باغِ فدک کے چند ٹکے نہ ملنے کی وجہ سے سب صحابہؓ سے ناراض ہو کر رخصت ہوں۔ رات کو دفن کی وصیت پردہ پوشی اور پرسکون وقت میں ملائکہ کے استقبال کرنے کی خاطر ہے یا یہ تاثر دینا ہے کہ رسولِ خدا کی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہو کر گویا اہل وعیال اور مسلمانوں کو اپنے نور سے محروم کر کے جا رہی ہیں۔ صحیحین کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رات کو حضرت علیؓ نے دفن کیا اور ابوبکرؓ کو اطلاع نہ کی اور حضرت علیؓ نے جنازہ پڑھا۔ اس سے یہ تاثر نکالنا کہ شیخینؓ سے ناراض تھیں۔ اور گویا جنازہ میں شرکت سے منع فرما گئیں، شیعہ کا غلط استدلال ہے۔ کیونکہ وفات وجنازہ کی اطلاع خود خاوند گھر گھر جا کر نہیں دیتا بلکہ ایسی خبر جنگل میں آگ کی طرح از خود پھیل جاتی ہے۔ جہاں تک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور مسلمان جنازہ میں شریک تھے "بضعہ رسولؐ" کا جنازہ ہو اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جان ومال قربان کرنے والے اور خدا سے رضا وجنت کی سندیں پانے والے صحابہ کرامؓ غیر حاضر ومحروم رہیں۔ یہ کوئی دشمنِ اسلام تو کہہ سکتا ہے جو سیدہؓ کو مسلمانوں کے دلوں میں اتنا بے وقعت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ صحیح العقیدہ مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت ابوبکرؓ کو نہ وفات کی اطلاع ملی نہ وہ شریکِ جنازہ ہوئے درایۃً بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ اسماءؓ بنت عمیس سب بیماری میں سیدہؓ کی تیمار دار اور واحد خدمتگار تھیں اور تجہیز وتکفین اور غسلِ سیدہؓ کا کام بھی صدیقِ اکبرؓ کی بیوی نے سر انجام دیا اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گہوارہ بھی صدیقیؓ کی زوجہ محترمہ نے بنایا۔ آلِ صدیقؓ کے شرف کے لیے یہ معمولی بات نہیں۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زوجہ محترمہ اس حد تک تیمار دار حاضر اور خادمہ ہوں اور خاوند کو ان کی وفات وجنازہ کا بھی علم نہ ہو سکے۔ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے جنازہ پڑھایا اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ مقتدی بنے ہوں تو کیا اعتراض کی بات ہے۔

حضرت علیؓ والی تھے اور اگر اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ نے [illegible] ت کرنی [illegible] خلیفہ وقت کو اس وقت امام بنایا جاتا تھا تو انکار کی [illegible] ہم [illegible] نے حضرت حسنؓ کے جنازہ پر حاکم مدینہ سعید بن عاص اموی کو امام بناتے وقت فرمایا [illegible]

سنۃ ماقدمتہ (اگر حاکم سے نماز پڑھانے کی سنت نہ ہوتی تو میں ان کو آگے نہ کرتا) بہرحال اصولی طور پہ روایات نفی پہ روایات اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو جن روایات میں حضرت علی رضؓ یا حضرت عباسؓ کے متعلق صلی علیہا کے الفاظ وارد ہیں ان سے جنازہ پڑھنا مراد ہے۔ امامت مراد نہیں۔

اب امامت صدیقی کے متعلق صریح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابوبکر وعمر لیصلوا فقال ابوبکر لعلی بن ابی طالب تقدم فقال ماکنت لاتقدم وانت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتقدم ابوبکر فصلی علیہا اربعا (کنز العمال ج ۶ کتاب الفضائل من قسم الافعال ص ۳۱۸)

حضرت امام باقرؒ اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئیں تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ پڑھنے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ آگے ہوں اور جنازہ پڑھائیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں ہو سکتا۔ جب آپ رسول اللہ کے خلیفہ موجود ہیں۔ پس حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھے اور چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔

طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷ اردو پہ ہے۔

باخبار محمد بن عمر تحدیث قیس بن ربیع از مجالد از شعبی "فاطمہؓ پہ ابوبکرؓ نے نماز پڑھی تھی۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ہشتم ص ۲۹ پہ ہے۔

عن حماد عن ابراہیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیہا اربعا۔	حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ پر نمازِ جنازہ پڑھائی اور ۴ تکبیریں کہیں۔

اسی طرح یہ روایت بعینہٖ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۱ پر بھی ہے۔ رجوع مائل الی التشیع

بھی ہیں ۔ (وللہ الحمد)

آخری گزارش ۔ قارئین کرام! یہ ہے مسئلہ فدک کی حقیقت جس سے شیعہ کا مقصود صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی دشمنی کو پختہ کرنا ہے اور بس۔ ورنہ فی نفسہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے ہمدردی ان کو مقصود نہیں۔ اگر ہمدردی ہو تو وہ اس مسئلہ میں ایسے کیوں نہیں سوچتے اور بحث کرتے جس سے سیدہ خاتونِ جنت کی شان دوبالا معلوم ہو۔ چند دن کی خاطر دنیا کے چند ٹکوں کے لیے حضرت سیدہ کو نامحرموں کی عدالت میں چڑھایا جائے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے ناتوں سے مناظرہ کرایا جائے۔ پھر ناراضی اور دشمنی پیدا کر کے سب مسلمانوں کو جنازہ کی شرکت سے بھی روک دیا جائے۔ صلہ رحمی۔ استغناء، صبر اور قناعت جیسی صفات کی نفی پر زور دیا جائے۔ اہلِ اسلام کی نظر میں ان کو بے قدر اور بے وقعت ثابت کیا جائے پھر ۔۔۔۱۴ سال تک مسلمانوں میں غیر مختتم جدال و مناظرہ کا بازار گرم رکھا جائے۔ بقولِ شیعہ یہ مذکورہ بالا کارروائی درست ہے۔ یا اس واقعہ کو نیک نیتی سے صرف ایک غلط فہمی پر محمول کر کے طبقی سکر رنجی کو رضا و صلہ رحمی سے دور کر دکھایا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جملہ اہلِ بیت کے طرزِ عمل کی تصدیق کی جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ ان کو ظاہر و باطن میں یکساں جان کر نفاق و تقیہ کی تہمت سے بچایا جائے۔ ان کو رحماء بینہم کا مصداق جان کر ان میں جھگڑے اور اختلافات ثابت نہ کیے جائیں۔ طبعی یا اجتہادی اختلافی امور میں دیانت و انصاف کا مصالحانہ فیصلہ دے کر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (بے شک مومن بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو) پر عمل کیا جائے۔ ہم تو مسلمان ہیں اور وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (صلح ہی بہتر ہے) ہی پسند کرتے ہیں۔ تعلیمِ قرآنی کے مطابق اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لیے یہ دعا مانگتے ہیں "اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہمارے پہلے مومن بھائیوں کو بھی۔ اور ایمان والوں کے حق میں ہمارے دل میں کینہ نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (حشر پ ۲۸)

حق چار یار

حادثہ جمل وصفین

سوال ۱۱ ۔ قرآن پاک میں قدرت کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ (نساء پ۵ ۹۶)

جو کوئی مار ڈالے مسلمان کو جان کر پس سزا اس کی دوزخ ہے ہمیشہ رہنے والا بیچ اس کے اور غصہ ہوا اللہ اوپر اس کے اور لعنت کی اس کو اور تیار رکھا ہے واسطے اس کے عذاب بڑا۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

ارشاد فرمائیں کہ اگر مومن کو عمداً قتل کرنے والا لعنتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا تو جمل وصفین اور نہروان کے کل مقتول ستاون ہزار آٹھ سو سات ۵۷۸۰۷ کے قاتل کہاں جائیں گے۔ کیا کلام مجید کے قوانین سے صحابہ کرامؓ مستثنیٰ ہیں۔ فیصلہ دو۔

خلافت مرتضویؓ میں خانہ جنگیوں کا حکم

الجواب۔ اہل سنت کا مستدل فیصلہ اور مختصر جواب اس سلسلہ میں صرف اسی قدر ہے کہ یہ آیت صحابہ کرامؓ کے وقائع کو شامل نہیں۔ اولاً۔ اگر شامل مانا جائے تو قرآن پاک کی ان بیسیوں آیات سے تعارض اور مخالفت لازم آتی ہے جن میں صحابہ کرامؓ کو مقبول الایمان قطعی جنتی اور رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کی بشارات دی گئی ہیں۔ پھر تاویل وتوجیہ ایک آیت کی آسان ہے لیکن اور سینکڑوں محکم آیات سے اعراض خالص بے دینی ہے۔ لہذا اس آیت سے ان آیات

کثیرہ کے معارض استدلال باطل ہوا۔ ثانیاً آیت ہذا کی شرطیں وقائع صحابہؓ پر صادق نہیں آسکتیں۔ کیونکہ اہلِ نہروان میں بالاتفاق ایمان کی شرط نہیں تھی۔ اہلِ جمل کے ساتھ معرکہ میں قصد وارادہ نہ تھا جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ اہلِ صفین میں گو ایمانِ کامل اور فی الجملہ قصد و تعمد پایا گیا مگر وہ تاویل پر مبنی تھا۔ سورت حجرات کی آیت میں تاویلاً قتال کا جواز ہے۔ مع ہذا حضرت علی رضؓ کا نہج البلاغۃ میں اہلِ صفین کے متعلق فیصلہ تو ان کو قطعی مومن و مسلمان بتاتا ہے۔ بالاتفاق مومن آخر کار جنتی اور جہنم سے آزاد ہوگا۔ تو حضرت علی رضؓ کے اعتقاد میں بھی یہ آیت اہلِ صفین کو شامل نہ رہی۔ ثالثاً صحابہ کرامؓ میں نیک نیتی سے قتال ہو گیا آیت میں قتل پر وعید ہے۔ قتل و قتال میں فرق نہ کرنا بے انصافی ہے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ حضرات اس معقول فیصلہ کو "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے" کا مصداق در خورِ اعتناء نہیں سمجھتے مجبوراً انہی کے گھر سے تحقیقی و الزامی جواب سپردِ قلم کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بغض میں مست اور مدعی حب علیؓ سوال میں تو حضرت علی المرتضیٰؓ پر بھی (العیاذ باللہ) اپنا بالا فتویٰ لگا رہا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ بہت بہادر اور شیرِ جنگ تھے بشیعہ کے ہاں افضلیتِ علی رضؓ کی اہم وجہ یہی ہے۔ ان جنگوں میں سفک دماء سیدنا حضرت علی رضؓ کے لشکر کی طرف سے ہوا۔ بلکہ بروایتِ شیعہ خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کا اعتراف فرمایا ہے۔

عن ذر انہ سمع علیا علیہ السلام قال انا فقأت عین الفتنۃ ولولا انا ما قتل اھل النھروان واھل الجمل (کشف الغمہ ص ۲۳۱)	زر بن جیش کہتے ہیں۔ میں نے حضرت علی رضؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ہی فتنہ کی آنکھ پھوڑی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو اہلِ نہروان قتل ہوتے نہ جمل والے۔

اہلِ نہروان کے قاتل

اہلِ نہروان بھی کوئی کافروں کی قوم نہ تھی۔ نہ حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھی۔ وہ حضرت علی رضؓ کے خاص الخاص شیعہ اور اصحاب تھے جو امامت کو منصوص من اللہ عہدہ کہتے تھے اور نہ اس کے متعلق کسی ثالثی، پنچایت یا شوریٰ کے فیصلوں کو باطل جانتے تھے۔ علی بن عیسیٰ اردبلی کشف الغمہ میں رقمطراز ہیں۔

اذ انخذل طائفة من خاصة اصحابه فی اربعة آلاف وهم العباد والنساك فخرجوا من الکوفة وخالفوا علیا علیه السلام وقالوا لاحکم الا للّٰه ولا طاعة لمن عصی اللّٰه وانحاز الیهم نیف عن ثمانیة آلاف ممن یری رأیهم فصار واثنی عشر الفا (کشف الغمہ ص۲۶۴)

جب حضرت علیؓ کے خاص اصحاب میں سے ... ہم کی جماعت الگ ہو گئی جو بڑے نیک اور عبادت گزار تھے تو کوفہ سے نکل کر حضرت علیؓ کی کھلی مخالفت شروع کر دی اور کہتے تھے فیصلہ تو صرف اللہ کا مانا جاتا ہے جو بندے اللہ کی نافرمانی کریں ان کی اطاعت کیسی۔ ان کے ساتھ آٹھ ہزار ان کے ہم خیال اور بھی لشکر علوی سے مل گئے تو ان کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔

ان ہی شیعہ غداروں سے حضرت علیؓ کو وہ جنگ لڑنی پڑی جس کے متعلق صحیح احادیث میں پیشین گوئی موجود ہے کہ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے قریب ہو گی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر کے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔

عن ابی الدرداء قال کان علی لما فرغ من اھل النھر وان حمد اللّٰه واثنی علیه (تاریخ طبری ۵۷ ص۵۵)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ اہل نہروان (خارجیوں) کی جنگ سے فارغ ہو گئے تو شکریہ میں خدا کی حمد و ثنا کی

شیعہ کا خارجی بن کر قاتل علیؓ ہونا

انہی خاصان علیؓ اور شیعہ غداروں سے عبدالرحمن بن ملجم مرادی جیسا بدبخت تھا جو کوفہ کا باشندہ تھا حضرت عثمانؓ کے مخالف گروہ کے ہاتھوں مصر میں محب علیؓ ہونے کی ٹریننگ حاصل کی۔ پھر خاص شیعہ علیؓ میں بھرتی ہو کر مدینہ اور کوفہ میں کئی سال حضرت علیؓ کی خدمت اور پہرہ داری کی خدمت ادا کرتا رہا۔ پھر مذکورہ بالا سبب کی وجہ سے خارجی ہوا۔ پھر علیؓ کو شہید کیا۔ بغض عثمانؓ و معاویہؓ میں اس قدر پکا تھا کہ قتل علیؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کو قتل کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن حسن المجتبیٰؓ نے بہ کار خیر نزد شیعہ ادا کرنے دیا۔ اس "محب علیؓ" نے قتل مرتضیٰؓ کے بعد "شہادت علیؓ" پر رونے اور ماتم کرنے کی طرح ڈالی۔

جلاء العیون کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ در بصائر الدرجات بسند ہائے معتبر روایت کردہ است چوں محمد بن ابی بکر گروہے از اشراف مصر را بخدمت امیر المومنین فرستاد عبد الرحمٰن بن ملجم درمیان ایشاں بود ص ۱۹۳

کئی معتبر سندوں کے ساتھ بصائر الدرجات میں روایت ہے کہ جب محمد بن ابی بکر رض نے مصر کے معززین کی ایک جماعت حضرت امیر المومنین رض کی خدمت میں بھیجی ان میں عبد الرحمٰن بن ملجم بھی تھا۔

۲۔ حضرت علی رض کی اس نفرین کے باوجود اس نے تین مرتبہ حضرت علی رض کے دوستدار ہونے کی قسم کھائی۔

تا آنکہ سہ مرتبہ بخدمت آنجناب آمد در مرتبہ سوم با حضرت بیعت کرد چوں پشت کرد حضرت بار دیگر او را طلبید و سوگند ہا داد کہ بیعت نشکند۔ ص ۱۹۵

تین مرتبہ وہ حضرت امیر کی خدمت میں آیا تیسری مرتبہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی جس وقت واپس ہوا تو حضرت نے پھر بلا کر قسمیں دلوائیں کہ بیعت نہ توڑنا۔

۳۔ (بعد از قتل) آں ملعون گریست و گفت یا امیر المومنین آیا تو نجات میتوانی داد کسے را کہ در جہنم است۔ پس امیر المومنین برائے آں ملعون بہ امام حسن رض سفارش کرد ص ۲۰۳

حضرت علی رض پر حملہ کے بعد وہ رونے لگا اور کہتا تھا اے امیر المومنین کیا آپ جہنم میں جانے والے کو نجات دے سکتے ہیں (شیعہ کا آج بھی یہی عقیدہ ہے م) امیر المومنین رض نے اس ملعون کے لیے امام حسن رض سے سفارش کی۔

اسی سلسلہ میں ہے کہ ابن ملجم نے کہا میں نے تمہارے باپ کو قتل کرنے کا خدا سے عہد کر رکھا تھا وہ پورا کر دیا۔ آپ اے حسن رض، مجھے چاہیں تو قتل کریں۔ اگر معاف کریں تو میں معاویہ رض کے پاس جاتا ہوں اور اس کو قتل کر کے اس کے شر سے تجھے راحت دیتا ہوں۔ ص ۲۱۸

کوفی، مصری اور بصری بلوائیوں کو "اصحاب رسول" سے جھوٹی تعبیر کر کے حضرت عثمان رض پر طعن کرنے والو! اپنے اس بڑے قسم خور محب علی رض، دشمن معاویہ رض اور عزادار علی رض کے مذہب پر بھی غور و فکر کر کے حسرت و ندامت کے آنسو بہایا کرو۔

یہاں تک اہلِ نہروان کا بیان ہوا جن کے قاتل حضرت علیؓ پر مترض صاحب... کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ شاید اس وجہ سے ان سے عقیدت و ہمدردی ہو گی کہ وہ شیعہ کے پیشوایان اوّل اور عقیدہ امامت کو منجانب اللہ خدائی عہدہ مانتے تھے اور شوریٰ اور رائے زنی کے قائل نہ تھے جو آج بھی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اور شاید یہی وجہ ہو کہ نمازِ پنجگانہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عائشہؓ، حفصہؓ وغیرہم بزرگانِ دین پر شیعہ لعنت بھیجتے ہیں۔ لیکن اس فہرست میں ابن ملجم کا نام نہیں ہے (فروع کافی ص ۲۶ ج ۲)

اہلِ جمل کے قاتل

شہداءِ جمل کی داستان بڑی دردناک ہے۔ جب شہادتِ ذوالنورینؓ کے بعد بلوایانِ عثمانؓ مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کے حامیوں اور جمہور مسلمانوں پر سختی ہونے لگی اور لوگ مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ جیسے ایک فراری عبید بن ابی سلمہ نے ام المومنین عائشہؓ کے استفسار پر فرمایا۔

اخذوا اهل المدينة بالاجتماع على علي والقوم الغالبون على المدينة (طبری ج ۵ حوادث ۳۶ھ)

بلوائیوں نے پکڑ دھکڑ سے اہلِ مدینہ سے حضرت علیؓ کی بیعت کروائی ہے اور وہ مدینہ پر پوری طرح قابض ہیں۔

اور اس حالت کے عینی شاہد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے بزرگ صحابہؓ نے بھی ام المومنینؓ سے آکر عرض کی۔

فقالا وراءنا انا تحملنا بقلتنا هراباً من المدينة من غوغاء و اعراب و فارقنا قوماً حيارى لا يعرفون حقا ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون انفسهم (طبری ج ۵ ایضاً)

کہنے لگے ہمارے پیچھے مدینہ کی حالت یہ ہے کہ ہم اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ وہاں اجڈ گنواروں کا زور ہے ہم ایسی قوم سے جدا ہو کر آئے ہیں۔ جو حیران ہیں۔ حق نہیں پہچانتے باطل کا انکار نہیں کرتے۔ نہ فساد سے اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔

ان تاریخی شہادتوں کے علاوہ نہج البلاغہ میں بھی یہ حقیقت مسطور ہے کہ جب حضرت علیؓ سے اہلِ مدینہ نے قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے ابھی یہ کیسے ممکن ہے،

هم يملكونا ولا نملكهم۔ ہمارے وہ مالک بنے ہوئے ہیں دگویا حکومت ان کی گرفت میں ہے) اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔

ان حالات میں حضرت ام المومنین عائشہ رضؓ نے مدینہ کے سفر سے واپسی کا رخ کیا۔ خلافت اسلامیہ کے وقار، حضرت عثمان مظلومؓ کے قصاص، میں حضرت علیؓ کی اعانت اور بلوائیوں سے ان کی رہائی جیسے مقاصد حسنہ کے پیش نظر۔ مکہ میں لشکر کی فراہمی شروع کی۔ لیکن فتنہ بازوں نے حضرت علی رضؓ کو غلط رپورٹ پہنچائی۔ آپ نے بھی عجلت سے کام لیتے ہوئے اہل مدینہ کو طلحہؓ و زبیرؓ اور ام المومنینؓ کے ساتھ جنگ کے لیے ابھارا۔ مگر اہل مدینہ نے تنے چند کے سوا ساتھ نہ دیا (البدایہ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۴) مجبوراً آپ نے کوفہ سے بلوائیوں کے رشتہ داروں کا لشکر فراہم کر کے بصرہ پر چڑھائی شروع کر دی۔ بزرگ صحابہؓ کے روکنے سے بھی نہ رکے۔ طبری سے کچھ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

"محمد اور طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مدینہ میں تھے آپ کو خبر ملی کہ طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ قصاص عثمانؓ کی تیاری میں بصرہ جانا چاہتے ہیں اور مقصد آپ کو معلوم ہو ا جس پر حضرت طلحہؓ زبیرؓ، عائشہؓ اور ان کے سردار اور تابعدار متفق تھے (یعنی قصاص عثمانؓ) تو حضرت علیؓ نے جو تیاری شام پر چڑھائی کے لیے کر رکھی تھی اسی تیاری میں بصرہ پر چڑھائی کے لیے نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ کوفیوں، بصریوں کے ... فوجی تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ طلحہؓ و زبیرؓ کا محاصرہ کر کے ان کو اس اقدام سے باز رکھیں گے۔" (طبری ج ۴ ص ۴۵۵ و ص ۴۷۲)

اسی دوران حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت علیؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا۔

يا امير المومنين لا تخرج منها فوالله ان خرجت منها لا ترجع اليها ابدا ولا يعود اليها سلطان المسلمين ابدا فسبوه فقال دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمدؐ۔

اے امیر المومنینؓ آپ مدینہ سے نہ نکلیں اللہ کی قسم اگر آپ یہاں سے نکل پڑے تو کبھی پلٹ کر نہ آئیں گے اور مسلمانوں کی خلافت کبھی مدینہ نہ آئے گی۔ لوگ حضرت عبداللہؓ کو گالیاں دینے لگے۔ تب علیؓ نے فرمایا اس آدمی کو کچھ نہ کہو یہ صحابہؓ میں سے بہت اچھا آدمی ہے۔

اسی روایت میں ہے کہ راوہ نوادہ) آپ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ بھی اس خروج کے مخالف تھے اور روکتے ہوئے فرمایا۔ ابا جان! آپ میری ہر بات میں مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے محاصرۂ عثمانؓ کے وقت آپ کو باہر چلے جانے کا کہا تاکہ لوگ قتل کا الزام آپ پر نہ لگائیں۔ میں نے کہا اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک باہر کے لوگ بیعت نہ کرلیں۔ میں نے کہا طلحہؓ و زبیرؓ کے آپ کے ہاتھوں سے نکل جانے پر آپ خاموشی سے گھر بیٹھ رہیں تاآنکہ وہ صلح کرلیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔

واللہ مازلت مقھورا منذ ولیت	اللہ کی قسم جب سے میں حاکم بنا ہوں مجبور کیا جاتا
منقوصا لا اصل الی شی ومما ینبغی و	ہوں اپنے مرتبے سے کم ہو رہا ہوں۔ کرنے کے
اما قولک واجلس فی بیتک فکیف	کام تک میری رسائی نہیں رہی تیری یہ بات
بما قد لزمنی اومن تریدنی الخ	کہ میں گھر میں بیٹھ رہوں تو خلافت کی ذمہ داری
(طبری ج۴ ص۴۵۹ البدایۃ والنہایۃ ج۷ ص۲۳۳)	سر پر پڑنے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا تو چاہتا

ہے کہ عورتوں کی طرح چپک بیٹھوں۔

الغرض ان تلخ حقائق کی روشنی میں بلوائیوں کے اصرار اور دباؤ سے آپ بصرہ کی طرف جلدی میں چل تو پڑے لیکن جب فریقین کے بزرگ آپس میں ملے تو پتہ چلا کہ اختلاف فی نفسہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت علیؓ قصاص لینے کے منکر نہیں۔ نہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و ام المومنینؓ حضرت علیؓ کے باغی اور مخالف ہیں بلکہ وہ تو فراہمی لشکر سے حضرت علیؓ کی حکومت سے قصاص کے مسئلہ پر تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مصالحت کی بات چیت مکمل ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کی طرف قاصد بھیج کر بتلایا کہ وہ بلاشبہ صلح و اتفاق کے لیے آئی ہیں۔ پس یہ لوگ بھی خوش ہو گئے اور وہ لوگ بھی (طبری ج۴ ص۴۸۹) پھر حضرت علیؓ نے لوگوں میں خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد زمانہ جاہلیت کی بدبختی اور بداعمالی کا ذکر کیا پھر اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی آپس میں محبت اور ایک جماعت ہونے کا ذکر کیا۔

وان اللہ جمعھم بعد نبیھم	اور بے شک اللہ نے اپنے نبی کے بعد مسلمانوں

على الخليفة ابى بكر الصديق ثم بعدہ
عمر بن الخطاب ثم على عثمان ثم حدث
هذا الحدث الذى جرى على الامة
اقوام طلبوا الدنيا وحسدوا على الفضيلة التى من
الله بها وارادوا رد الاسلام والاشياء على
ادبارها والله بالغ امرہ ثم قال الا انى
مرتحل غدا فارتحلوا ولا يرتحل معى احد
اعان على قتل عثمان بشئ من امور
الناس (طبری ج۵ ص۱۹۳ البدایہ ج۷ ص۲۳۹۔
ابن خلدون ج۲ ص۱۰۴۹ ابن اثیر ج۳۔)

کو خلیفہ ابی بکر صدیق رضؓ پر پھر حضرت عمرؓ پر
پھر حضرت عثمانؓ پر جمع کر دیا۔ پھر امت پر
یہ اختلاف کا حادثہ پیش آگیا۔ یہ فتنہ باز دنیا
کے طالب ہیں اس امت پر اللہ کی نعمت اتفاق
پر حسد کرتے ہیں۔ اسلام اور اس کی اصلاحات
کو پس پشت ڈال کر جاہلیت کا دور لانا چاہتے
ہیں۔ پھر فرمایا۔ سنو! میں کل واپس ہونے والا
ہوں۔ تم بھی واپس چلو اور میرے ساتھ ان
میں سے کوئی بھی نہ چلے جنہوں نے کسی قسم کی
قتل عثمانؓ میں مدد کی ہے۔

یہی تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس خطبہ کے بعد ہی بلوائیوں نے (جو حضرت علیؓ کے لشکری
تھے) کے لیڈر اکٹھے ہوئے جیسے اشتر نخعی۔ شریح بن ابی اوفیٰ۔ عبداللہ بن سبا المعروف بابن
سودا۔ سالم بن ثعلبہ۔ علباء بن الہیثم وغیرہ۔ ڈھائی ہزار نفوس کے لگ بھگ۔ ان میں صحابی
کوئی نہ تھا۔ الحمد للہ۔ تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے۔ علیؓ اللہ کی قسم کتاب اللہ کو قصاص عثمانؓ کے
طالبوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اس بات پر عمل کرنے کے زیادہ قریب ہیں اور تم انکا فرمان سن
چکے ہو۔" بالآخر اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ دونوں لشکروں میں گھل مل کر سو جاؤ۔ رات کو کسی
وقت اٹھ کر تلوار چلانا شروع کر دو۔ علیؓ کے لشکری کہیں طلحہؓ و زبیرؓ نے غداری کی۔ اور وہ
کہیں علیؓ نے غداری کی۔ تم اس تدبیر سے قصاص سے بچ جاؤ گے۔ وہ مسلمان اس فتنہ میں
مبتلا ہو جائیں گے جو تمہارا مقصود ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ ہر ایک نے فریق مخالف سے غدر
سمجھ کر دفاعاً تلوار چلائی (جملہ تواریخ) تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی سے چند
اقتباسات ملاحظہ ہوں۔
قعقاع بن عمرو کی کوشش سے حضرت عائشہ رضؓ، طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنے "اصلاحی اقدام"
کو مصالحت کی شکل دی اور ہر شر انگیز مشورہ کو رد کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی جماعت کو

پرامن رکھنے کے لیے ایک دن اس کے سامنے تقریر کی کہ "ان لوگوں (طلحہؓ و زبیرؓ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا بغرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔ اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی۔ اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے مگر سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی۔ ... اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ... چنانچہ ان لوگوں نے راتوں رات اندھیرے میں دونوں فوجوں پہ حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ برپا ہو گیا اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ اور عائشہؓ نے اس وقت بھی روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو رک جاؤ حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پہ بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بد عہدی کی۔

ام المومنینؓ کے جاں نثاروں کی جانبازی اور جنگ کا خاتمہ

حضرت عائشہؓ کی اونٹ پر سواری آل کا

جاں نثاروں کی حوصلہ افزائی میں تبدیل ہو گئی) اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل سا ہی بن گیا تھا جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار (دیہاڑ) میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ کے جانیں فدا کیں۔ اونٹ کی مہار پکڑنا گو یا موت کے منہ

میں جاتا تھا۔ لیکن جاں نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پہ قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انھوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے اس حکم پہ چند آدمی آگے بڑھے اور ایک شخص اعین بن ضبیعہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیے وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔

(تاریخ اسلام ندوی، ص ۲۷۰)

القصہ۔ قاتلان عثمانؓ اور حضرت علی رضؓ کے فوجیوں کی سازش سے یہ خونی معرکہ پیش آیا جس میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ کشف الغمہ کے شیعہ مؤرخ نے بڑے فخر سے اس خونریزی کے متعلق لکھا ہے۔

"جنگ خوب گرم ہوئی حتی کہ ام المومنین عائشہؓ کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور وہ گر پڑا سب میدان خون سے سرخ ہو گیا۔ جمل والے (البصری) شکست کھا گئے۔ جمل کے مقتول لشکر کی تعداد ۱۶،۷۹۰ تھی اور وہ کل ۳۰ ہزار تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ۱۰۷۰ قتل ہوئے جبکہ ۲۰ ہزار تھے۔ (کشف الغمہ ص ۲۲۴)

فریقین کے مقتولوں کے متعلق اس میں جانبداری اور کذب و مبالغہ ضرور کار فرما ہے لیکن وجہ ظاہر ہے کہ جمل والوں پہ اچانک صلح کے بعد یہ سوتے ہوئے حملہ ہوا اور حضرت علیؓ کا معقول لشکر بیدار اور فتنہ بھڑکانے میں تھا۔ اس نے نیند میں غافل مسلمانوں کو ذبح کر کے بہادری کا بڑا ڈپلوما حاصل کیا۔

تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں یہ خونی معرکہ قاتلانِ عثمانؓ کی سازش کا مرہون منت تھا۔ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ذمہ دار اور گنہگار وہی بلوائی ہیں جو حضرت علیؓ کے فوجی تھے۔ نہ حضرت علیؓ پہ ہم کوئی طعن کرتے ہیں نہ بلوائیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے والے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر کوئی ذمہ داری یا الزام ہے۔ شیعہ کو اگر زیادہ اصرار بھی ہے تو ان تفصیلات میں حضرت علیؓ کا مخالفت صحابہؓ کے باوجود مدینہ سے لشکر لانا پھر

اپنے لشکریوں کے مکر سے بقول شیعہ عالم الغیب اور مشکل کشا ہونے کے باوجود۔ بے خبر رہنا اور سازش کو ختم نہ کرنا حتیٰ کہ ۱۸ ہزار یا ۱۰ ہزار مسلمانوں کا گاجر مولی کی کٹ جانا آج بھی ان خونی معرکوں کو منبر سے بیان کرنا اور حضرت علی رضؓ کی اس بہادری پر فخر کرنا بجائیکہ انصاف سے شیعہ ہی بتلائیں کہ اس خونریزی کا ذمہ دار کون ہوا۔ قیامت کے دن یہ ۱۸ ہزار کا خون کس کے سر ہوگا۔ اور ان کا منقولہ فتویٰ قرآنی کس پر چسپاں ہوا۔

پس منظر جنگ صفین

صفین کی نوعیت بھی یہی ہے کہ قاتلانِ عثمانؓ کی سازش سے رونما ہوا۔ آپ غور کریں کہ حضرت علی رضؓ کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہی جنگ جمل سے پہلے اہل شام پر لشکر کشی کی مدینہ سے تیاریاں کیوں ہو رہی تھیں حضرت معاویہؓ نے تو خونریزی سے بچتے ہوئے اہل جمل کی بھی اگر مدد نہیں کی پھر بھی ایک عظیم لشکر یہیں سے شام کو جمل قدمی کرتا ہے۔ اور صفین کے مقام پر اس کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے۔

ان علیا حض الناس یوم صفین فقال ان اللہ قد دلکم علے تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔
(طبری ج ۵ ص ۱۶)

بے شک حضرت علی رضؓ نے لوگوں کو صفین کے دن جنگ پر ابھارا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی تجارت بتائی ہے جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گی۔

طبری ج ۴ ص ۵۶۳ پر ہے کہ حضرت علی رضؓ نے جمل سے فراغت کے بعد ہی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر خلیفہ بنایا اور وہاں سے ہی کوفہ چلے وہاں جنگ صفین کیلئے تیاری کی اور لوگوں سے مشورہ لیا۔ ایک جماعت نے مشورہ دیا کہ خود نہ جائیں لشکروں کو بھیج دیں۔ دوسروں نے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت علی رضؓ نے جانے پر ہی اصرار کیا۔ پھر لوگوں کا لشکر تیار کر کے چل پڑے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو بلا کر مشورہ کیا۔ تو اس نے کہا جب آپ کو خبر ملی ہے کہ وہ خود آ رہے ہیں تو آپ بھی خود چلیں اور اپنی عقل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں (الطبری ج ۴ ص ۵۶۳)
شانِ صحابیت کا تقاضہ تھا کہ مصالحت کی گفت و شنید ہو چنانچہ بہت سے حضرات نے مصالحت کی کوشش کی مگر سبائی جماعت نے اپنی تمام تر قوتیں اس میں صرف کر دیں کہ

طرفین میں محبت اور رعایت کے بجائے دشمن اور نفرت کا جذبہ تیز ہو جائے چنانچہ یہ غدار اور مفسدہ پرداز گروہ اپنی مکروہ کوششوں میں کامیاب ہو گیا اور مصالحت کی ساری جدوجہد نقش بر آب ثابت ہوئی۔ (تاریخ اسلام اردو ندوی جلد ۲ ص ۳۲۷) چند تاریخی حقائق ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانیؒ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور حضرت علیؓ کی مخالفت سے باز رہنے کا اصرار کیا تو امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو۔ میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا۔ "اما بعد! خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے۔ تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت و بازو تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے برأت کرتے ہو اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دو ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالے کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔

یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؓ نے ابومسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا دوسرے دن ابومسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ "ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں" یہ رنگ دیکھ کر ابومسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہوگیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے ہرچند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور امیر معاویہؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہوگیا۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی سے بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

(تاریخ اسلام ندوی بحوالہ اخبار الطوال ص ۱۰۲، ۱۰۳)

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۹۹ تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ جیسے بزرگ حضرت علیؓ کی طرف سے نمائندے بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا اے معاویہؓ آپ اس شخص سے کیوں لڑتے ہیں جو بخدا آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام لانے میں مقدم ہیں۔ آپ سے بڑھ کر حضورؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اس امر کے تجھ سے زیادہ مستحق ہیں— شاید ان بزرگوں کا خیال ہوگا کہ اس طرز سے حضرت معاویہؓ کو شوق خلافت ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے اپنی زبان سے اس خدشہ کی تردید کردی آج بھی کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ مگر انسان کا قول و عمل جب اس کے خلاف ہو تو دلوں پہ بدگمانی جائز نہیں۔ ان اللہ علیم بذات الصدور بھی خوب جانتا ہے— تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں خلافت کے لیے نہیں لڑتا، میں تو صرف حضرت عثمانؓ کے خون پر آپ سے لڑ رہا ہوں کیونکہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے ہمیں قصاص دلا دو پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس گئے اور یہ پیغام پہنچایا تو حضرت علیؓ

نے فرمایا۔ وہ یہ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو پس ایک انبوہِ کثیر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگے ہم سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں جو کوئی چاہے ہم سے قصاص لے لے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ یہ ماجرا دیکھ کر واپس ہو گئے۔ اور کسی طرف سے جنگ میں شرکت نہ کی۔ (البدایہ وغیرہ) مزید تفصیل ہماری کتاب عدالتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دیکھیں۔

۳۔ حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اپنے گمان میں دیندار اور نیک نیت ہونے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا ہے چنانچہ شیعہ کتاب کشف الغمہ صفحہ ۵۰۶ پر ہے۔

الا ان اعجب العجب ان معاویۃ بن سفیان وعمرو بن العاص السہمی یحضان الناس علی طلب الدین بزعمہما وانی واللہ لم اخالف رسول اللہ قط ولم اعصہ فی امرہ قط۔	کیا ہی عجیب تر بات ہے کہ معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے گمان کے مطابق لوگوں کو دین کے مطالبہ پر ہی ابھارتے ہیں حالانکہ میں نے کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت یا کسی حکم میں آپ کی نافرمانی نہیں کی۔

۴۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو سفراء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے وہ ایسے تلخ اور تہدید آمیز گفتگو کرتے تھے جس سے بجائے صلح اور سکون کے خواہ مخواہ جنگ اور اشتعال انگیزی کی فضا پیدا ہو جاتی۔ ان میں شبث بن ربعی کی تلخ کلامی اور فساد انگیزی سب مؤرخین نے لکھی ہے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ معتمد سفیر وہی صاحب ہیں جو تحکیم کے موقعہ پر خارجی بن گئے پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بھی مخالف ہو گئے۔ پھر شیعان حسین رضی اللہ عنہ میں سے ہو کر کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا تھا۔ پھر بروقت آپ سے غداری اور بے وفائی کر کے نصرت سے باز رہے اور آپ نے اسے اس کا دعوتی نوشتہ دکھا کر شرمندہ کیا تھا (جلاء العیون) افسوس کہ بدقسمتی سے یہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور بلوائی نام نہاد ایسے شیعانِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم بنے جن کی سازشوں اور غداریوں بلکہ تلواروں سے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں کے خون سے تاریخ کا ایک ایک ورق رنگین ہے۔ مگر غضب یہ ہے کہ شیعہ آج بھی انہی لوگوں کی عقیدت کا دم بھرتے اندوہناک حادثات کو اچھالتے اور اپنے تخریب کار وجود پر فخر کرتے ہیں۔

جب صلح کی کوشش ناکام ہو گئی تو جنگ کا آغاز بھی سنیئے۔

فاخذ علی یامر الرجل ذا الشرف فیخرج معه جماعة ویخرج الیه من اصحاب معاویة آخر معه جماعة فیقتتلان فی خیلیهما ورجالهما

(طبری ج ۴ ص۵۷۴)

پس حضرت علیؓ ایک ایک بہادر مرد کو حکم دیتے تھے اس کے ساتھ ایک جماعت نکلتی تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی ایک ایک آدمی با جماعت نکلتا تھا تو یہ سوار اور پا پیادہ جنگ کرتے تھے۔

مایہ ناز شیعہ علیؓ اور آپ کا باڈی گارڈ شمر ذی الجوشن (قاتل حسینؓ) بھی حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتا اور عربی کے اشعار پڑھتا تھا (طبری ج ۴ ص۔۔) جن کا ترجمہ اردو شاعر نے یہ کیا ہے۔

علی میرا امام ہے اور میں علی کا غلام
علی کے واسطے لڑتا ہوں میں بلشکر شام

ان متفرق جھڑپوں میں مسلمان ایک دوسرے کے احترام میں تیزی نہ دکھاتے۔ پھر ایک دوسرے کے مقتولوں کی تجہیز و تکفین میں بھی رات کو شریک ہوتے تھے۔ سات ماہ اسی حالت میں گزر گئے تا آنکہ ایک رات حضرت علیؓ نے فیصلہ کن جنگ کی ٹھانی اور لیلۃ الہریر میں مشہور حملہ کیا۔ اور اتنی خوفناک جنگ ہوئی کہ ستر ہزار نفوس کام آئے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے باوجود حضرت علیؓ کو حسب منشا فتح نہ ہوئی۔ قاضی نور اللہ مجالس المومنین ص۲۴ میں لکھتے ہیں۔

گر در صفین ظفر نیافت و در حنین فتح نیافت۔
اگر حضرت علیؓ نے صفین میں فتح نہ پائی تو حضورؐ نے بھی حنین میں فتح نہ پائی۔

واضح رہے کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرات تو صرف خون عثمانؓ کا بدلہ چاہتے تھے۔ اہل جمل کا نظریہ گزر چکا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا خط بھی آپ نے پڑھا۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔

واما الطاعة لصاحبكم فانا لا نراها ان صاحبكم قتل خليفتنا وفرق جماعتنا وآوى ثأرنا وقتلتنا وصاحبكم

تمہارے صاحب (حضرت علیؓ) کی اطاعت ہم جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس نے ہمارے خلیفہ کا قتل کیا۔ ہماری جماعت کو منتشر

يزعم انه لم يقتله فنحن لا نرد ذلك عليه اذ أيتم قتلة صاحبنا الستم تعلمون انهم اصحاب صاحبكم فيدفعوا الينا فنقتلهم به ثم نحن نجيبكم الى الطاعة والجماعة۔

(طبری ج ۵ ص ۶)

گردیا ہمارے قاتلوں اور حملہ آوروں کو پناہ دی۔ تمہارے بزرگ کا خیال ہے کہ اس نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کے منکر نہیں ہیں لیکن بتلاؤ تو تم نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ وہ تمہارے صاحب کے فوجی ہیں۔ وہ ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کو قصاص عثمانؓ میں قتل کریں۔ پھر ہم تمہاری اطاعت اور جماعت میں شرکت کریں گے۔

صحابہ کرامؓ پر (العیاذ باللہ) لعنتی اور جہنمی کا فتویٰ لگانے والے شیعہ معترضین آنکھیں کھول کر دیکھیں اور انصاف سے کہیں کیا حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اطاعت مشروط بالقصاص نہ کر دی۔ پھر بھی قصاص نہیں لیا گیا جبکہ نہج البلاغہ کی تصریح کے مطابق آپ قصاص لینا واجب جانتے تھے۔

قارئین کرام! کتب شیعہ و تاریخ کے حوالوں سے تمام حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرات طالبینِ قصاص اپنے موقف میں کس قدر معذور اور درست تھے اور کس قدر غلطی پر تھے۔

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشاجرات صحابہؓ کی بحث میں پڑنے سے علماءِ اہلسنت نے منع فرمایا ہے کیونکہ فریقین سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک فریق مشکلات کی بنا پر معذور ہے تو دوسرے گروہ کو بھی محترم صحابیت اور حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ اور "اصلاحی اقدام" کرنے میں معذور جاننا چاہیے اور زبانِ طعن نہ کھولنی چاہیے۔ اہلسنت نے ان جنگوں کے اس اندرونی پس منظر کو جانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے مخلص ساتھیوں اور طالبینِ قصاص کے حق میں یہ متفقہ فیصلہ دیا کہ یہ خانہ جنگیاں اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہیں طرفین سے طلب صواب ہی میں یہ کام ہوا۔ نیت ہر ایک کی نیک تھی دونوں کے مقتول بھی جنتی ہیں۔ اور طعن و تشنیع بھی کسی پر روا نہیں (کتب عقائدِ اہلسنت) کیونکہ خدائے علام الغیوب ان کا یہ

حال جاننے کے باوجود ان کو رضا و جنت کی سند قرآن میں دے چکا تھا تو آیت تمدبہ قتل کی زد میں صحابہؓ آتے ہی نہیں۔ تفصیلی مواد کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب عدالت حضرات صحابہ کرامؓ باب پنجم، اگر اہلِ سنت کا یہ فیصلہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت حضرت علیؓ سے اسی طرح الگ یا مذبذب ہوتی جیسے خود ان کے عہدِ حکومت کے آخر میں سوائے صوبہ حجاز اور کچھ عراق کے پبلک حضرت معاویہؓ کی طرفدار ہو گئی تھی۔ (ازالۃ الخفاء)۔ (کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی گھر یا قبیلہ ایسا ہو گا جس کا کوئی آدمی ان جنگوں میں نہ مارا گیا ہو) طبری میں تصریح ہے کہ حضرت علیؓ نے معاویہؓ کی درخواست پر مصالحت کر کے ان کی حیثیت مستقل طور پر تسلیم کر لی تھی (گویا آخری عمل نے اوّل کو منسوخ کر دیا)

عن ابی اسحاق لما لم یعط احد الفریقین صاحبہ الطاعۃ کتب معاویۃ الی علی اما اذا شئت فلک العراق ولی الشام وتکف السیف عن ھذہ الامۃ ولا تھریق دماء المسلمین ففعل ذالک وتراضیا علی ذالک فاقام معاویۃ بالشام بجنودہ یجبیھا وماحولھا وعلی بالعراق یجبیھا ویقسمھا بین جنودہ (طبری ج ۵ ص ۱۴۰)

محدث ابواسحاق کہتے ہیں جب فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کا مطیع نہ ہوا تو معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا آپ چاہیں تو عراق پر آپ حکومت کرتے رہیں۔ اور میں شام پر حاکم ہوں۔ آپ اس امت پر تلوار چلانا چھوڑ دیں اور مسلمانوں کا خون نہ بہائیں حضرت علیؓ نے اسے مان لیا اور دونوں اس فیصلہ پر رضامند ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ اپنے لشکر سمیت شام میں حاکم رہے۔ وہاں کے محاصل جمع کرتے اور حضرت علیؓ عراق میں محاصل جمع کرتے اور لشکر میں تقسیم کرتے تھے۔

بڑے درد سے یہ لفظ لکھنے پڑتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سریر آرائے خلافت ہوئے تو صوبہ شام کے سوا سب مستحکم و پائیدار مملکت اسلامیہ آپ کے زیر نگیں آ گئی لیکن آخری ایام میں مؤرخین کی تصریح کے مطابق کچھ عراق و حجاز کے علاوہ سب مملکت آپ کے تصرف سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے زیرِ نگیں آ گئی۔ جیسے طبری کے حوالہ بالا سے بھی معلوم ہو چکا۔

شیعہ پر حضرت علیؓ کی ناراضی

قدرت کی یہ نیرنگی بھی دیکھیے۔ آغازِ خلافت میں جو لوگ آپ کے معتمد خاص اور شیعہ علیؓ کہلاتے اور ان کی موجودگی میں طلحہؓ و زبیرؓ و عبداللہ بن عمرؓ جیسے حضرت علیؓ کے قدیم رفقاء کو بھی دربارِ علوی میں جگہ نہ مل سکی۔ اور جمل و صفین کے خونی معرکوں میں انہوں نے ہیرو کا پارٹ ادا کیا۔ آج وہ حضرت علیؓ کے معتوب بداعتقاد اور غدار ثابت ہوئے اور آپ ان سے جان چھڑانے کے لیے موت کی آرزو کرتے تھے۔ شیعہ کے خاتم المحدثین لکھتے ہیں۔

در احادیث معتبرہ وارد شدہ است
کہ چوں علی از نافرمانی و نفاق و کفر و شقاق
اصحاب خود دل تنگ شد و لشکر معاویہؓ بر اطراف
و نواحی ملک آنحضرت غارت میاوردند و اصحاب
آنحضرت یاری او نمی نمودند بر منبر فرمود بخدا
سوگند مے دارم کہ حق تعالیٰ مرا از میان شما
بیرون برد و در ریاض رضوان جا دہد
... پس فرمود خداوندا من از ایشاں بتنگ
آمدہ ام و ایشان از من بتنگ آمدہ اند۔ و
من از ایشاں ملال یافتہ ام و ایشاں از من
ملال یافتہ اند۔ خداوندا مرا از ایشاں راحت
بخش و ایشاں را مبتلا کن بکسے کہ مرا یاد کنند
(جلاء العیون ص۲۱۸)

معتبر حدیثوں میں وارد ہے کہ جب حضرت علیؓ
اپنے ساتھیوں کی نافرمانی، منافقت، کفر اور
مخالفت سے تنگ دل ہو گئے اور معاویہؓ کا لشکر
حضرت کے ملک پہ یلغار کر رہا تھا اور حضرت
کے ساتھی آپ کی مدد نہیں کر رہے تھے (خود
مشکل کشا ہو کر غیروں سے طلبِ مدد ، شیعہ کے
لیے معمہ ہے) تو آپ نے منبر پہ فرمایا اللہ کی قسم
کھا کر دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے تم سے اٹھا لے
اور جنت کے باغوں میں جگہ دے ... پھر
فرمایا اے اللہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور
یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے دل
برداشتہ ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے دل برداشتہ
ہیں۔ اے اللہ مجھے ان سے وفات دے کر
آرام بخش اور ان کو ایسے شخص سے مبتلا کر کہ مجھے یاد کریں (الغرض شیعہ عہدِ معاویہؓ میں شیعہ پر سختی کی وجہ دعائے مرتضوی ہی ہے م)

نہج البلاغہ۔ فروع کافی روضہ کافی وغیرہ کے جو خطبات ان شیعہ علیؓ کی مذمت اور غداری و نفاق پر آپ نے دیئے ہیں یہاں ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف اتنا اشارہ کافی

ہے کہ اور نوادر اشتر نخعی جیسے خاص مصاحب علوی کے متعلق بھی خود علماء شیعہ نے نفاق و تردد کا اظہار کیا ہے حالانکہ بروایت صاحب مجالس المومنین حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ اشتر کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو مجھے حضورؐ سے تھی شوستری صاحب لکھتے ہیں۔ "اشتر کے ان اوصاف و کمالات کے باوجود سید عارف مبرنخوم قدس سرہ نے اشتر کے متعلق تردد (نفاق) اور تزلزل کی نسبت کی ہے ..... وہ شخص بڑا کمینہ ہے جو امتحان و آزمائش کے وقت ثابت قدم نہ رہے۔ حضرت شاہِ اولیا سے ان کی زندگی میں اس قدر خوارق باتیں اور ظاہری زندگی کے کاموں میں کمزوری ظاہر ہوئی کہ آپ کے تمام دوستوں کے قدم ڈگمگا گئے حتیٰ کہ مالک اشتر بھی بجز حضرت سلمان فارسی رضؓ کے جو آپ کے فرزند روحانی اور یکے از اسماءِ حسنیٰ تھے اور جو لوگ ولایت خاصہ کا دودھ نہیں پیتے وہ نفاق و (ارتداد سے) محفوظ نہیں رہتے۔ (مجالس المومنین ص۲۸۹ نہج البلاغہ کے ایک خطبہ کے موافق آپ چاہتے تھے کہ اپنے دس دس فوجی دے کر معاویہؓ سے ایک ایک فوجی کا سودا کر لیں کیونکہ اس کے فوجی اور عمال وفادار و منتظم تھے۔ اور حضرت کے بے وفا و نالائق تھے۔ (ونحوہٗ فی البدایہ)

کہا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے ان پر عطایا کی بارش کی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ دولت کے لیے اتنے وفادار تھے۔ مگر دولت کی عطا میں حضرت علی رضؓ معاویہؓ سے کم فیاض تو نہ تھے۔ پانچ پانچ صد درہم انعام پر صفین کے شکر کا بھرتی ہوئے تھے۔ نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی فوج میں سے ایک شخص بھاگ گیا تو اس کی لڑکی نے پوچھا یاابت این الخمسمائۃ۔ ابا! ۵۰۰ روپیہ کہاں ہے؟ کہنے لگا میں تو بھاگ آیا ہوں وہ ثابت قدموں کے لیے ہے۔

تعجب ہے کہ شیعہ کے خیال میں معاویہؓ کے پاس صرف دنیا تھی۔ مگر وہ وفاداری اور اطاعت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت علی رضؓ کے پاس دنیا و آخرت دونوں تھیں مگر وہ غداری کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہی نہ ہو کہ صحابہ رسولؐ پر طعن و بدگمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بلوائیوں سے وفا۔ اطاعت اور ایمان و اخلاص کی دولت چھین لی تھی۔

ایک شبہ کا ازالہ | ممکن ہے شاید آپ کہیں کہ پھر حضرت علی رضؓ کی خلافتِ راشدہ کیسی تھی۔

یا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ میں خلافت و حکومت کی صلاحیت کم تھی؟ مگر یہ رائے سطحی اور غلط تدبر کا نتیجہ ہے گو حضرت شاہ ولی اللہ جیسے محققین کی نظر میں خلافت کے دو درجے ہیں۔ خلافت خاصہ اور خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ تو حضرت عثمان رضؓ پر ختم ہو گئی جس میں خلفاء کے مثالی اوصاف کے ساتھ مملکت میں نہایت امن و استحکام تھا۔ مگر خلافت عامہ حضرت علی رضؓ پر ختم ہوئی جس میں خلیفہ کے مثالی اوصاف کے باوجود ملک کا نظم و نسق خلل پذیر ہو گیا تھا لیکن درحقیقت حضرت علی رضؓ بہت معذور تھے۔ ان منافقین کے جھرمٹ میں پھنسے رہنے کے باوجود جس طرح حضرت علی رضؓ نے خلافت کے وقار کو سنبھالا اور کانٹوں کے درمیان اس گلِ تر کی حفاظت کی وہ آپ کی کمالِ لیاقت اور مدبرہی کی دلیل ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہوتا جو اہلیت میں ان سے کم ہوتا تو یقیناً مدینہ کی طرح مملکت اسلامیہ سے بھی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کی جگہ سبائیوں کی فاسق اور گمراہ حکومت قائم ہو جاتی۔ سبائیوں کے پیدا کردہ حالات میں جتنا کام آپ نے کیا اور جس حد تک انہوں نے مفسدہ گروہ کے شر سے امت کو محفوظ رکھا اس سے زائد کا تصور نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ آپ کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ باقی یہ بات صحیح ہے کہ جس طرح فضیلت عند اللہ کے اعتبار سے ان کے پیش رو خلفائے ثلاثہ رضؓ کا مرتبہ ان سے بلند ہے۔ اس طرح تدبیر مملکت کی حیثیت سے بھی وہ حضرات حضرت علی رضؓ سے بلند و برتر نظر آتے ہیں۔ (از افادات مولانا اسعد بلوی شیخ الحدیث لکھنؤ)

عہدِ مرتضوی پر ایک نظر

مولانا شاہ معین الدین ندوی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں "تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ پھر علل و اسباب کے تجزیہ میں مشکلات کا حضرت ابوبکر رضؓ کے دور سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

"عہدِ رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ رضؓ جو

خلافت کے رکن اعظم تھے، اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے، متعدد اکابر صحابہؓ کو حالات نے حضرت علیؓ سے علیحدہ کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے آپ سے الگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان میں بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علیؓ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لیے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجیے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعدؓ جیسے مدبر کو بعض نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہؓ کے ساتھ نوجوان نسل جدید الاسلام عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔

آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور نہ تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ لیکن وہی امیر معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔۔ ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم مجوسی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل و صفین کے واقعات پیش

نہ آتے ...

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحتِ وقت کا لحاظ ضروری ہے لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحتِ وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمالِ عثمانی کی معزولی خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ و دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔

[illegible]

ایران کے شیعہ محقق محمد جواد مغنیہ نے فی ظلال نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۷۵ پر "علی والخلافۃ" کے عنوان سے لکھا ہے "امام کی بیعت خلافت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی اور رمضان ۴۰ھ میں شہادت پائی خلافت پانچ سال رہی۔ چار ماہ بعد اصحاب جمل سے جنگ کی پھر صفین میں معاویہ رض اور اہل شام سے جنگ کی پھر نہروان میں خوارج سے لڑے تو کیا فضا چھٹ گئی؟ حضرت علی رض کے مسائل سلجھ گئے اور ان (عظیم) جنگوں کے بعد ہر مشکل ختم ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے بعد اور خوفناک درگزر وار مراحل پیش آیا کہ خوارج وغیرہ حق سے منحرفین لوگوں کے اندرونی حملے علی الاعلان تھے جو بندوں کے امن کو تہ و بالا کرتے تھے معاویہ رض باہر سے حملہ آور تھا۔ ہلاکت ہوت۔ گھبراہٹ اور بزدلی لگاتار تھی (حضرت کا) لشکر سست کم ہمت اور ناکام ہو چکا تھا آپ کے ساتھی کہتے تھے ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ جیسے بنی اسرائیل کہتے تھے۔ خوبیاں صرف اللہ اور اس کے کلام کی ہیں (ج ۲ ص ۱۷۶ طبع بیروت)

شیعہ حضرات اپنے ممدوح اعظم کے متعلق جیسا کچھ لکھیں ہمیں اس سے بحث نہیں ہم اہل سنت کو بہر حال حضرت علی رض کی تکریم و تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ چہارم خلیفہ راشد عادل تھے۔ شیعہ رافضی اگر ان کو خدا اور رسول ﷺ کی صفات میں شریک کر کے غالی محب و گمراہ ہیں۔ خارجی ان کے ایمان و اعمال صالحہ کی نفی کر کے مردود لعین ہیں۔ تو من کل الوجوہ آپ کی ناکامی اور خلیفہ راشد نہ ہونے پر پروپیگنڈہ کرنے والے سنی نما ناصبی مؤلفین بھی راہ راست پر نہیں ہیں جبکہ آپ کی خلافت کی درستی پر اجماع امت ہے اور مندرجہ ذیل علماء نے

اس پر شافی بحثیں کی ہیں، علامہ نوویؒ۔ ابن ہمامؒ امام غزالیؒ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ۔ ابن تیمیہؒ علامہ سیوطیؒ
حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء ص۳۴ پہ لکھتے ہیں اثبات خلافت عامہ برائے خلفاء اربعہ از اجل بدیہیات است۔ ؎
مقام کی مناسبت سے خلافت مرتضوی کا ذکر خیر ہوا مگر حضرت امیر معاویہؓ کو شرعی باغی
اور مطعون قرار دینا درست نہیں، گو شیعہ لوگ حضرت معاویہؓ اور اہل جمل و صفین کو نشانہ طعن
بناتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو بدستور ابتغاء قصاص عثمانؓ میں حسن نیت کی بدولت کامیابی
دے رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا پراغلبیہ صحیح ثابت ہو کر رہا کہ حضرت معاویہؓ پوری
ملت اسلامیہ کے ایک دن خلیفہ بن جائیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (پ۱۵ ع۴)

جو ظلماً قتل کیا جائے اس کے وارث کو ہم قوت بخشتے ہیں پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے بلاشبہ منجانب اللہ اس کی مدد ہو گی۔

حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ

شرکاء اور شہداء جمل و صفین کے متعلق معترض کو قاضی امت حضرت علیؓ کے اس قطعی فیصلہ پر ایمان لا کر اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے جسے آپ نے گشتی مراسلہ کے طور پر پوری مملکت میں پھیلایا۔

ومن كتاب له عليه السلام كتبه الى الامصار يقص فيه ما جرى بينه وبين اهل صفين وكان بدء امرنا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا فى الاسلام واحدة ولا نستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء

(نہج البلاغۃ جز۳ ص۱۲۵ طبع مصر)

آپ کا ایک خط یہ بھی ہے جو آپ نے گشتی مراسلہ کے طور پر اپنی مملکت میں پھیلایا اور اس میں جنگِ صفین کی روئیداد بیان کی ہے "کہ ہماری اور شامیوں کی جنگ ہو گئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا پیغمبر ایک ہے۔ ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے ہم ان سے خدا و رسولؐ پر ایمان میں اضافہ نہیں چاہتے اور نہ ہم سے یہ اضافہ چاہتے ہیں۔ مذہب و عقیدہ میں سب اتفاق ہے بجز اس کے کہ دمِ عثمانؓ میں ہمارا اختلاف ہو گیا۔ اور ہم اس الزام سے

؎ خلفاءِ اربعہ (راشدین) کے لیے خلافت عامہ کا ثبوت بالکل واضح ترین بات ہے۔

پاک ہیں

حضرت علیؓ کے اس فرمان نے حضرت معاویہؓ اور اہلِ شام کو برحق اور کامل مومن بنا دیا اور اختلاف کی وجہ بھی بتادی کہ وہ قصاصِ عثمانؓ ہے نہ کہ خلافتِ علوی کا انکار اور اپنے لیے دعوئ خلافت۔ اس فیصلہ کا منکر منکرِ علیؓ ہے اور منکرِ علیؓ شیعہ کے ہاں جہنمی ہے اب بتلایئے جب اہلِ شام مومن کامل ہوئے تو ان کے قاتل پر کیا فتویٰ ہوگا۔ معترض صاحب فتویٰ تو صحابہ کرامؓ پر لگانا چاہتے ہیں مگر اپنے ممدوح سمیت خود اس کی زد میں آگئے ؎

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

ہمارے نزدیک قرآنی آیت اور اس کا فتویٰ جماعت صحابہ کرامؓ پر نہیں لگ سکتا جیسے عنقریب سوال ۱۳ کے تحت مفصل آئے گا۔

سوال ۱۲۔ کلام مجید شاہد ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (توبہ ۱۲۶)

اور ان لوگوں سے کہ گرد تمہارے ہیں بادیہ نشینوں سے منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ کے بھی سرکشی کرتے ہیں اوپر نفاق کے۔ تو نہیں جانتا ان کو ہم جانتے ہیں ان کو شتاب عذاب کریں گے ہم ان کو۔ پھر پھیرے جاویں گے طرف عذاب بڑے کے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی رسول خدا کے زمانے میں منافق رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مدینۃ الرسولؐ میں کثرت سے منافق رہا کرتے تھے۔ انتقالِ مصطفےٰؐ کے بعد مسلمانوں کی دو پارٹیاں معرض وجود میں آئیں ایک حکومت کی اور دوسری بنی ہاشم کی پارٹی۔ ارشاد فرمائیں کہ منافقین کس پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ جو لوگ رسول اللہ کے زمانے میں منافق تھے انتقالِ رسولؐ کے بعد ان منافقین کو کیا آسمان نے اٹھالیا یا انہیں زمین نگل گئی۔ یا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے۔ ان منافقین کی نشان دہی کو کر دکہ وہ کہاں غائب ہو گئے جبکہ تاریخ شاہد ہے ان دو پارٹیوں کے علاوہ کوئی تیسری پارٹی ہی نہ تھی۔ تحقیق ضروری ہے۔

الجواب ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد نبوی میں بالعموم یہود میں سے منافق ضرور تھے ۔ مگر مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں وہ ایک فیصد بھی نہ تھے ۔ غزوہ بدر کے وقت ۳۱۳ ۔ احد ۳ھ کے وقت ۷۰۰ ۔ غزوہ خندق کے موقعہ پر تقریباً ۳۰۰۰ صحابہ کرام رض تھے ۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں ۱۵۰۰ یا ۱۸۰۰ کا نہایت ہی پاکیزہ لشکر تھا ۔ جن کو بیعتِ رضوان کا شرف حاصل ہوا اور بالاتفاق سنی شیعہ روایات یہ حضرات قطعی دوزخ سے نجات یافتہ اور جنتی ہیں فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار کا لشکر مدینہ سے آیا تھا ۔ پھر اہل مکہ اور دیگر اہلِ عرب یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا مصداق ۔ فوجوں کی فوجیں مسلمان ہوتے گئے ۔ غزوہ تبوک میں ۳۰،۴۰ یا ستر ہزار صحابہ رض تھے اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے بھی زائد تھے ۔ قاضی نور اللہ مجالس المومنین میں لکھتے ہیں ۔

صاحب روضۃ الصفا آوردہ کہ تعداد ایمہ در عدد معین معلوم نیست ولیکن ضبط عدد ایشاں در بعضے غزوات واسفار وارد شدہ مانند تبوک و حجۃ الوداع در تبوک سی ہزار یا چہل ہزار یا ہفتاد ہزار و در حجۃ الوداع زیادہ از صد ہزار ملازم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند (مجالس المومنین ص ۱۵۳)

(شیعہ محقق) صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رض کی معین تعداد معلوم نہیں لیکن بعض غزوات اور سفروں میں ان کی تعداد کا ذکر ملتا ہے ۔ جیسے تبوک اور حجۃ الوداع ۔ تبوک میں علیٰ اختلاف الروایات ۳۰ ہزار یا ۴۰ ہزار یا ۷۰ ہزار تھے اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ حضور کے متبع صحابہ رض تھے ۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم)

اس کے برعکس مشہور منافقین میں عبداللہ بن ابی ۔ جُد بن قیس ۔ ودیعہ بن ثابت ۔ خذام بن خالد ثعلبہ بن حاطب مدنی (غیر بدری ومہاجر) مجمع وزید حارثہ کے بیٹے معتب بن قشیر عباد بن ازھر نبتل بن حارث ۔ بجاد بن عثمان (تفسیر خازن پ ۱۱ ص ۲۶۵) وغیرہم کے نام ملتے ہیں یہ مسجد ضرار کے بانی تھے ۔ عدد کے لحاظ سے بعض روایات میں ۳۰۰ بعض میں کم و بیش بہر صورت چند صد سے متجاوز نہ تھے ۔ گویا وہ مسلمانوں کی بہ نسبت ایک دو فیصد بھی نہ نکلے ۔ وہ باوجود سازشی ذہن رکھنے کے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے ۔ سازشوں کا وبال خود انہی پر پڑتا تھا ۔

منافقوں کے متعلق ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ (محمد ۳۲)

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو راہِ خدا سے باز رکھا اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی۔ انہوں نے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ ان کے اعمال بہت جلد اکارت کرے گا۔

شیعہ خیال کے برعکس منافقوں کے عزائم کو کامیاب بنانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان کی تحمیق و تجہیل کی۔

۱۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

۱۔ حالانکہ حقیقی عزت (غلبہ) اللہ کی ہے۔ اور اس کے رسولؐ کی اور مومنین کی لیکن منافق اتنا بھی نہیں جانتے۔

۲۔ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ۔

۲۔ خدا ان کو غارت کرے کدھر بہکے جاتے ہیں۔

۳۔ فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ۔

۳۔ اب اس کا ان کے دلوں پر چھاپہ لگا دیا گیا تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

منافقوں کی تحمیق اور ناکامی کے متعلق مشتے نمونہ از خروارے یہ اس لیے پیش کی ہیں تاکہ شیعہ کے اس خیال کا بطلان واضح ہو جائے کہ "صحابہ کرامؓ (ماسوائے چند) العیاذ باللہ منافق اور دشمنِ علیؓ تھے۔ وہ دن بدن اس پالیسی اور مخالفتِ رسولؐ میں بڑھتے اور کامیاب ہوتے گئے حتیٰ کہ حضورؐ ان کی سازشوں کی وجہ سے استخلافِ علویؓ میں کامیاب نہ ہو سکے اور بدل ہو داشتہ رخصت ہوئے (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۳۹) بعد وفات تو حضرت علیؓ مقہور اور صحابہؓ غالب اور خلافتِ راشدہ کے بانی تھے"۔ کیونکہ خدا اور رسولؐ کے بالمقابل کسی کا مکر نہیں چلتا۔ گویا یہ آیات آج شیعہ پر منطبق ہوتی ہیں۔

معترض صحابہؓ دشمنی کی وجہ سے قرآنِ پاک میں غور و فکر کی نعمت سے محروم ہے۔ ورنہ خود اس کی پیش کردہ آیت میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ - (پ ۲۶)

اور بعض اہل مدینہ میں سے (بھی) نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے رسول تم ان کو نہیں جانتے ہم ان کو خوب جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

بڑے عذاب سے مراد بعداز موت قبر اور حشر کا عذاب مراد ہے سو اس سے قبل ان کو جلدی زندگی میں جو دوہرا عذاب خدا ان کو دے گا۔ کیا وہ آسمان پر اٹھا لینے یا زمین میں دھنسا دینے کے لیے کافی نہیں؟

منافقین حضورؐ کے زمانہ میں ہی اپنے عزائم میں ناکام اور مقتول و مردود ہوئے اور کچھ بعد وفات نیست و نابود کر دیئے گئے۔ اس پر ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں۔ (اس بحث میں تمام آیات کا ترجمہ شیعہ مقبول دہلوی کا ہے۔)

۱. قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (احزاب)

تم یہ کہہ دو کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہ پہنچائے گا اور اس صورت میں تم کو فائدہ حیات بھی کم دیا جائیگا۔

۲. لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا (احزاب ۸۶)

تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے پھر اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے۔ مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ایسے قتل کیے جائیں گے جیسے قتل کیے جانے کا حق ہے۔

۳. وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ

اور منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کی نسبت برے برے گمان کیا کرتے ہیں خوب سزا دے ان کی بدعملی کا پھر ان ہی

جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (فتح ۶) پر پڑے گا اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

جہنم کا برا ٹھکانا تو اخروی سزا ہے۔ لیکن غضب خداوندی اور لعنت توجیات دنیا میں سے ہی ان پر شروع ہو گئی۔ حضورؐ نے حکم قرآنی وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی تعمیل میں ان پر سختی کی محفلوں سے نکالا جمعہ کے اجتماع میں ایک مرتبہ ۳۶ آدمیوں کو نام بنام الگ کیا۔ وہ مسلم معاشرہ میں علانیہ رسوا اور ذلیل ہوئے اور ذلت کی موت سے بلا جنازہ زیر زمین ہوتے گئے جنی کہ بقایا عہد صدیقی میں کھلے ارتداد۔ انکار زکوٰۃ اور جھوٹے متنبیوں کی اتباع کی وجہ سے مقتول و ملعون ہوئے۔

منافق مخذول و مردود ہوئے

"گلے از گلزار سے" کے تحت ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو اللہ نے دنیا میں شتاب دوہرا عذاب دیا۔ ان کا رشتہ حیات ختم کر دیا گیا۔ وہ بجز معمولی عرصہ کے مسلمانوں کے آس پاس رہ ہی نہ سکے۔ باہیں صورت بھی ان پر لعنت و پھٹکار پڑتی رہی۔ وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے۔ کما حقہ قتل و غارت سے برباد ہوئے مشرکین کی طرح اللہ نے منافقوں کو دنیا میں عذاب دیا۔ سازشوں کا وبال خود ان پر ہی پڑا اور وہ خدا کے غضب و لعنت کے شکنجے میں گرفتار ہوئے جہنم کا آخری عذاب اس پر مستزاد ہوگا۔

بغض صحابہؓ کی وجہ سے بصارت قرآنی سے محروم معترض بصیرت قلبی سے غور کریں کہ قرآن پاک نے منافقوں کی نشاندہی میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑا؟ اور کیا ان کو آسمان کا اٹھانا اور زمین کا نگلنا قرآن نے بیان نہ کر دیا؟

معلوم ہوا کہ بموجب قرآن حکیم منافق حضورؐ کے زمانہ میں ہی ختم ہو گئے اور کچھ وفات نبوی کے بعد کھلے مرتد ہو کر مقتول و مردود ہوئے۔ منظم جماعت کی شکل میں ان کا وجود باقی ہی نہ رہا کہ وہ علی الاعلان اسلام کی مخالفت کرتے یا بقول شیعہ مرتضیٰ دشمنی ان کے قول و عمل سے ٹپکتی یا وہ منافقانہ اسلامی حکومت میں ملکر اپنا اثر پھیلاتے کیونکہ ایسا ناممکن تھا۔ قرآن حکیم کی کھلم کھلا تکذیب لازم آتی۔ لہذا گنتی کے چند افراد نامعلوم طور پر چھپے دین تقیہ پر عمل کرکے

بنے ہوں گے۔ مرنے پر صاحب السر حضرت حذیفہؓ بن الیمان ان کی نشاندہی کر دیتے تو ان کا جنازہ بھی نہ پڑھا جاتا، حضرت عمر فاروقؓ مزید سختی کرتے (البدایہ والنہایہ زاد المعاد وغیرہ) رہا یہ کہ کیا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرنے ہی فرشتے اور مومن بن گئے" تو گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں امکان ضرور ہے کہ بچے کھچے منافقین میں سے کچھ افراد مخلص تائب و مومن ہو گئے ہوں۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب ۲۴)

اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اگر شیعہ بھائی کو یہ آیت چبھے تو وہ قرآنی الفاظ میں ہی رسی آسمان کی طرف لٹکا کر گلے میں پھندا ڈال لے۔ شاید اس کا غیظ و غضب اس تدبیر سے ختم ہو جائے (حج ع ۲)

بنو ہاشم کو وفات نبویؐ کے بعد حکومت کے مد مقابل ایک پارٹی کہنا صریح جھوٹ ہے۔ طبری کی معہودہ روایت کے پیش نظر جب بنو ہاشم کے سردار حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی بیعت کرلی تو سب بنو ہاشم نے بھی کرلی۔ بنو ہاشم سمیت سب امت کا حضرت ابوبکرؓ پر اتفاق اور ان کی بیعت۔ سوال ۲ کے جواب میں باحوالہ گزر چکی ہے۔ ہاں شیعہ کا یہ خیال ہے کہ سب امت میں سے حضرت علی۔ ابوذر۔ مقداد۔ اور سلمان و عمار (رضی اللہ عنہم) نے تقیہ کرکے بغیر رضا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی تھی (ملاحظہ ہو روضہ کافی ص ۱۵۔ احتجاج طبرسی ص ۴۹۔ اصول کافی ص ۲۴۶ رجال کشی)، مگر بیعت تو سب نے کرلی۔ بنو ہاشم بھی مستثنیٰ اور الگ نہ رہے اور سوائے متشرمنفرمن کے کسی شیعہ کی یہ تصریح (کہ بنو ہاشم حکومت سے الگ پارٹی تھی) میرے ناقص مطالعہ سے نہیں گزری۔ بلکہ متعصب مجتہد قاضی نور اللہ شوستری نے کئی جگہ لکھا ہے۔

حضرت امیر و سائر بنی ہاشم از روئے اکراہ با ابی بکرؓ بظاہر بیعت کردند (مجالس المؤمنین ص ۲۲۴)

کہ حضرت علیؓ اور سب بنو ہاشم نے مجبوراً حضرت ابوبکرؓ کی بظاہر بیعت کرلی۔

بغیر ثبوت و دلیل کے ان بزرگوں کی ظاہری بیعت کو بالجبر و اکراہ اور دل کے مخالف

کہنا گویا مسلمانوں کے ساتھ صرف ظاہری موافقت کا نفاق حضرت علیؓ اور آپ کے دوستوں کے لیے ثابت کرنا صرف شیعہ کو زیبا ہے کسی مسلمان کی جرأت نہیں

قرآن میں منافقوں کی علامات

منافقوں کی تحقیق و تعیین دو طرح ہی ہو سکتی ہے۔ ۱۔ قرآن میں مذکور ان کے اوصاف و کردار کی روشنی میں۔ ۲۔ قرآن میں مذکور ان کے انجام کی روشنی میں۔ پہلی بات میں قرآن نے ان کے یہ اوصاف بیان کیے ہیں۔

۱۔ وہ بقول خود بڑے مومن و پاکباز بنتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرۃ) اور آل عمران میں ہے کہ "وہ یہودی منافق مومن کہلا کر صحابہ رسولؐ سے دشمنی اور جلن رکھتے تھے۔" وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ

۲۔ وہ اپنے کفریہ عقائد پر تقیہ و کتمان کا غلاف چڑھا کر مسلمانوں کو اپنے متعلق دھوکہ میں رکھتے ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (بقرۃ) وہ خدا کو اور مومنوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

۳۔ وہ اصحاب رسول اللہ سے دشمنی رکھتے ان کی حمایت و مدد سے مسلمانوں کو روکتے ہیں تاکہ صحابہؓ کی جمعیت منتشر ہو جائے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (منافقون پ۲۸)

یہ وہی تو ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس جو لوگ ہیں ان پہ اپنا پیسہ خرچ نہ کرو تاکہ وہ بھاگ جائیں۔

۴۔ وہ خود کو معزز شریف قوم کہتے اور صحابہؓ کو ذلیل و برا کہہ کر مدینۃ الرسولؐ سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ پلٹ کر گئے تو جو زیادہ عزت دار ہے وہ مدینہ سے زیادہ ذلیل کو ضرور بضرور نکال دے گا۔

۵. وہ عہدِ نبوی کے عام لوگ (صحابہ کرام رض) کی طرح ایمان نہیں لاتے نہ ان کی علمیت و بزرگی کے قائل ہیں۔ بلکہ ان کو نادان و بے وقوف کہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ — تو انہوں نے یہ کہہ دیا کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے۔

۶. وہ سنتِ رسول کی پیروی سے روکنے جماعتِ رسول ص کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ — خبردار رہو یہ لوگ بلاشک مفسد ہیں و لیکن سمجھتے نہیں۔

۷. وہ توحید و رسالت کے کلمۂ اسلام کو پڑھ کر بے اعتبار و بے نجات ماننے اور رد کو دینے ایمان میں جھوٹ بولتے ہیں۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ... اِلٰى لَكٰذِبُوْنَ — جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم ضرور اللہ کے رسول ہو ...... یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

۸. وہ سابقون اولون مہاجرین و انصار اور ان کے نیکی میں پیروکاروں (اہل سنت والجماعت)، کو خدا کے پسندیدہ اور جنتی بالکل نہیں مانتے بلکہ ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ تبھی تو اللہ نے پ۱۱ ح ۲ میں آیت والسابقون کے بعد ان کٹر منافقوں کا ذکر کیا ہے جو معترض تھے،

۹. وہ اہلِ بیت نبوی ازواج الرسول امہات المؤمنین کی عصمت و کردار پر طعن و شبہ کرتے، حضرت عائشہ رض و حفصہ رض کو برا بھلا کہہ کر خدا و رسول ص کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (احزاب، — بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ص کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

۱۰. وہ ایک زرعِ محمدی سے اگ کر فصلِ بہاری کی طرح تمام روئے زمین پر چھا جانے والے صحابہ رسول ص و انقلاب نبوت کی تعمیر و ترقی سے جل سڑ کر لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

زناکران کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے) کا طوق گلے میں لٹکاتے ہیں۔ منافقین ان دس خصوصیات کے حامل تھے وہ تو انجام قرآنی قتل ذلت اور دوہرے عذاب سے مر مرا گئے۔

اب اگر شیعہ اسے نہ مانیں تو وہ خدارا بنظر انصاف دیکھیں کہ یہ اوصاف عشرہ خود ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں اور وہ منافقین کے سچے جانشین ہیں یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ حضرت جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے "کہ اللہ نے منافقوں کے متعلق کوئی آیت نہیں اتاری مگر وہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں" (رجال کشی ص ۱۹۳)

رہی دوسری بات کہ منافقوں کا انجام قرآنی کیا ہوا تو

شیعوں پہ علاماتِ نفاق منطبق ہیں

منافقوں کی نشان دہی چاہنے والے شیعہ دوست اپنے اس عقیدہ پر غور کریں کہ بعد وفات نبوی اہل بیت اور ان کے شیعوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے چن چن کر قتل کر دیئے گئے۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ عہد صحابہؓ میں وہ پنپ ہی نہ سکے۔" پھر ان مظالم پر آج شیعہ کا ہزاروں صفحات کا لٹریچر گواہ ہے۔ اور شیعہ کی گریاں ونالاں ماتمی شکلیں شاہد عدل ہیں شیعہ کے خاتم المحدثین کبھی روتے ہوئے ایک شیعہ امام سے ناقل ہیں۔

حضرت امیر علیؓ کی بیعت، پھر قتل و غدر حضرت حسنؓ کی بیعت، پھر اہل کوفہ کا ان پر قاتلانہ حملہ حضرت حسینؓ کی بیعت، پھر مریدوں کے ہاتھوں ان کی شہادت جیسے

وآنہا کہ با او بیعت کردہ بودند شمشیر بر روئے او کشیدند ہنوز بیعتہائے آنحضرت در گردن ایشاں بود کہ او را شہید کردند بعد ازاں پیوستہ با اہل بیت ستم کردند ما را ذلیل گردانیدند و از اموال خود محروم ساختند وسعی در کشتن ما کردند ما را خائف و ترساں داشتند و ایمن نبودیم بر خونہائے خود و خونہائے

اور جن لوگوں نے (بواسطہ مسلم بن عقیل) حضرت حسینؓ کی بیعت کی تھی خود انہی نے حضرت حسینؓ پر تلوار اٹھائی اور شہید کر ڈالا حالانکہ حضرت کی بیعت ابھی ان کی گردن میں تھی۔ اس کے بعد مسلسل ان لوگوں نے اہلبیت پر ظلم کیے اور ہم کو ذلیل کیا اور اپنے مالوں سے ہمیں محروم کیا ہمارے قتل کی کوششیں کیں ہم کو خائف اور ڈرنے والا بنا رکھا ہم اپنے

دوستان خود الخ (جلاء العیون ص۲۶۴) اور مخلص دوستوں کے خون سے مطمئن رہے۔

سوال یہ ہے کہ منافقوں کے متعلق قرآنی پیشینگوئیاں۔ بدترین سزائیں اور خوفناک انجام بقول شیعہ ان لوگوں پر تو صادق نہیں آگئے۔؟ انصاف مطلوب ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

اگر ان پر صادق نہیں مانتے تو ان لوگوں پر کبھی صادق نہیں آسکتے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق تاجِ خلافت پہنایا۔ اپنے مرتضیٰ ولپسندیدہ دین کو ان کے ہاتھوں سے مضبوط کیا۔ ان کے خوف کو امن سے بدلا۔ ان کو صرف اپنا عابد اور شرک سے بیزار بنایا۔ (النور ع ۷) لصف دنیا میں اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں سے لہرایا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں میں ڈال دیئے۔ سوائے رافضی شیعہ کے سب لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت وعظمت ڈال دی اور تادمِ زیست اللہ کا فضل واحسان ان کے شاملِ حال رہا۔

تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا معمولی ٹولہ عہدِ نبوی اور اس کے متصل ہی خدائی اطلاعات کے مطابق نیست ونابود ہوگیا۔ اس کا مصداق نہ خلافتِ راشدہ کے بانی اور فاتح عرب وعجم اور عالمی مبلغینِ اسلام صحابہ کرام رضی ہیں۔ نہ حضراتِ اہلِ بیت کرام رضی شیعوں کا جھوٹ شیعہ کو مبارک ہو۔

سوال ۱۳۔ مذہب اہلِ سنت والجماعت کی بنیاد چار اصولوں پر ہے۔ ۱. قرآن مجید ۲. حدیث المصطفےٰ ۳. اجماع۔ ۴. قیاس۔ سقیفہ کی کارروائی کو پیشِ نظر رکھ کر ارشاد فرمائیں۔ کیا خلافت ثلاثہ رضی قرآن مجید سے اور حدیث سے ثابت ہے یا کہ اجماع کی مرہونِ منت ہے۔ ہاں اگر اجماعی خلافت ہے تو قرآن مجید لارطب ولایابس الافی کتب مبین (پ ع ۷) پر غور فرما کر ارشاد فرمائیں۔ ان بزرگوں نے قرآن پاک سے اپنی خلافت کو کیوں ثابت نہ کیا جبکہ قرآنِ مجید میں ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے اگر سقیفہ کی کارروائی میں حضرت ابوبکر رضی نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت وحدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن وحدیث سے ثابت کرے۔

الجواب۔ شیعہ دوست کے اعتراف کے مطابق الحمد للہ اہلِ سنت کے مذہب برحق

بنیاد چار چیزیں ہیں۔ جیسے مکان کی چار دیواریں بنیاد ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث مصطفیٰ کا بنیاد مذہب حقہ ہونا تو واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (پ۶۷) — اور یہ کتاب جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ بابرکت ہے پس اس کی پیروی کرو

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر۱۶) — جو تمہیں رسولؐ دیں لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ۔

اجماعِ امت بھی تیسرے نمبر پر بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت کے کسی ذو معانی یا مشکل مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہو تو سب امت کے اتفاق سے یا اہلِ علم حضرات کی اکثریت سے جو فیصلہ ہوگا وہی برحق اور مرادِ خدا اور رسولؐ سمجھا جائے گا۔ یا کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو اور قرآن و سنت سے اس کا واضح حکم نہ مل سکے تو امت کے معتمد علماء اس کا جو فیصلہ بالاتفاق کریں گے وہ حجت سمجھا جائے گا۔

اجماع کا جواز عقلاً بھی ہے اور سمعاً بھی۔ عقلی دو دلیلیں ہیں۔ ۱۔ قرآنِ حکیم اور جملہ دینِ خداوندی ہم پچھلوں تک چند وسائط سے پہنچا۔ اور ان وسائط کا قطعی یقینی اور محفوظ عن الخطاء و العصیان ہونا ضروری ہے۔ پہلا واسطہ جبریل علیہ السلام کا ہے۔ جو قطعی امین ہیں۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ بے شک وہ روایت ہے ایک بزرگ فرشتے سے جو صاحب طاقت۔ خدا کے ہاں معزز اپنے حلقہ میں متبوع و رئیس ہے اور پھر امانت دار ہے۔ دوسرا واسطہ خود سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے جن کا جملہ گناہوں سے اور تبلیغ رسالت میں ہر قسم کی بھول چوک سے معصوم و محفوظ ہونا متفقہ مسئلہ ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ دین کے بارے میں پیغمبرؐ اپنے خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کو بھیجی جاتی ہے۔

تیسرا واسطہ صحابہ کرامؓ کا ہے جو نزولِ قرآن و شریعت کے عینی شاہد ہیں براہِ راست زبانِ رسالت مآب سے تحصیل، سماع اور تلقی بالقبول کر کے دین و دنیا کی تمام کامرانیاں

سکھیتے دلے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کو مبلغ امت ہونے کی سند اور اجازت بھی مل گئی۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ حاضرین غائبین تک میرے یہ احکام پہنچا دیں (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۳۶ خطبہ حجۃ الوداع)

اس طبقۂ اولیٰ کی طرح بدستور ہمارے زمانہ تک اور تاقیام ساعت آئندہ نسلیں اس بات کی مکلف ہیں کہ وہ پہلوں سے دین و شریعت سیکھ کر پچھلوں تک پہنچائیں۔ ہر زمانہ میں کروڑوں نفوس کا ایک چیز سیکھنا۔ اعتقاد رکھنا اور پھر عمل کر کے دوسروں تک پہنچا دینا بھی اجماع امت کی حقانیت و صداقت پر دلیل ہے۔ اگر جبریلؑ و مصطفیٰ کی طرح یہ واسطہ قطعی نہ ہو اور امت مجموعی طور پر تبلیغ دین میں غلطی اور سہو سے پاک نہ ہو تو ہم لوگ ایمان لانے کے مکلف نہ ہوں۔ اس لیے کہ کس یقین سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن خدائی کلام ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ سچے پیغمبر تھے۔ اور یہ وہی بعینہٖ دین و شریعت ہے۔ جو چودہ سو سال قبل حضورؐ پر نازل ہوا لہذا اجماع امت اور تواتر کا یقینی حجت ہونا ضروری ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ کتاب اترے گی جس میں زمانے کے نئے مسائل تفصیلی جزئیات کی شکل میں بیان کیے جائیں گے۔ اسلام قیامت تک رہے گا۔ کروڑوں مسلمان بھی قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ کے انقلابات۔ مختلف قوموں کے ساتھ میل جول۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن۔ سائنس کی روز افزوں ترقی۔ برقی ایجادات۔ دشمن اسلام طاقتوں کے بالمقابل تحفظ اسلام کیلئے عصر حاضر کے سائنٹفک طریقے۔ وغیرہ ہزاروں مسائل ہیں جو فنائے زمانہ کے ساتھ عہد صحابہؓ سے لے کر تاہنوز پیدا ہوتے آ رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان مسائل کے حل کے لیے بنیادی ماخذ گو قرآن و سنت ہی ہیں اور سینکڑوں دفعات ان میں حل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی نشاندہی۔ جزئیات کی تفصیل و تشریح اور ان کا تعین۔ ان پر عمل کے طریقے سب امت کے معتمد علماء کے اتفاق و اجماع سے منصۂ شہود پہ آئیں گے۔ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے اگر اجماع امت اور قیاس کا لچک آمیز اصول موجود نہ ہو تو اسلام ایک جامد مذہب ہی۔ قرن اوّل کے لیے بن کر رہ جائے گا۔ اور زمانہ کی ترقی و رفتار کا چیلنج قبول نہ کر سکیگا۔

ہاں شرط یہ ہے کہ اجماع وقیاس قرآن وسنت کے تابع ہی ہوں گے۔ گویا ان کی نسبت یہ دو فرعیں ہیں۔ قرآن وسنت کی کسی واضح تعبیر اور حقیقت کے برعکس نہ اجماع ہو سکتا ہے اور نہ معتبر ہے۔ اور نہ قیاس واجتہاد کی گنجائش ہے۔

سمعی اور نقلی دلائل۔ اجماعِ امت کی حقانیت پر دلائل تو بے شمار ہیں۔ یہاں چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (نساء ۱۲۶)	اور جو شخص وضوحِ ہدایت کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ چلے ہم اسے ادھر پھیریں گے جدھر جائے اور جہنم میں داخل کریں گے۔

دخولِ جہنم کے لیے مخالفتِ رسولؐ کافی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستہ کی مخالفت اور غیر اتباع کو ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سبیل المؤمنین اتباعِ نبوی سے جدا نہیں بلکہ اسی طرح واجب الاتباع راستہ ہے۔ بلکہ اتباعِ نبوی کی یہ واضح اور عملی تفسیر ہے۔ فرض کرو ایک شخص خوارج کی طرح پیغمبرؐ کے کسی قول یا فعل سے (کلمۃ حق ارید بہا الباطل کا مصداق) ناجائز استدلال کرتا ہے اور کوئی مسلمان اس کی تائید نہیں کرتا۔ تو وہ کھلا گمراہ ہے۔ کیونکہ اپنے دعویٰ میں گو اتباعِ رسولؐ کرتا ہے۔ مگر جب اتباعِ سبیل المؤمنین کی اسے سند حاصل نہیں یا وہ سبیل المؤمنین کا کھلا منکر و مخالف ہے۔ تو آیتِ بالا کی رو سے وہ گمراہ اور جہنمی ہے۔ شیعہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ دخولِ جہنم کا یہ حکم۔ مخالفتِ رسولؐ اور مخالفت جماعتِ مومنین کے مجموعہ پر لگایا گیا ہے جیسے تنہا اتباعِ رسولؐ کا حکم قرآنِ پاک میں آیا ہے۔ اسی طرح تنہا جماعتِ مومنین کی اتباع کا حکم دکھایا جائے تب اہلِ سنت کا استدلال تام ہوگا (ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان طبرسی زیرِ آیت بذا)۔

لیکن اس اعتراض میں کوئی جان نہیں کیونکہ اتباع سبیل المؤمنین کو قرآنِ پاک نے یہ درجہ تو دے دیا کہ وہ اتباعِ نبویؐ کے ساتھ مذکور ہے۔ تو دونوں واجب الاتباع

ٹھہرے فہو المقصود۔ اگر مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت مضر نہ ہو اور اس مخالفت سے اتباعِ نبوی پر حرف نہ آئے تو یہاں اس کے ذکر کا کوئی معنیٰ ہی نہیں، قرآن پاک لغو بیانی سے پاک ہے۔ علاوہ ازیں اتباعِ مومنین کا صراحتہً اور حکماً بھی امر موجود ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے۔ ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

شانِ نزول اور سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں صادقین سے مراد وہ تمام ۳۰۔۴۰ ہزار علی اختلاف روایات صحابہ کرامؓ مراد ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک میں حضورؐ کا ساتھ دے کر اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھایا۔

۲۔ نیز سابقون اولون، مہاجرین و انصار کی اتباع کرنے والے بعد کے مومنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ (توبہ ۱۲۶)	(اسلام قبول کرنے میں) سب سے پہلے اور آگے جانے والے تمام مہاجرین اور تمام انصار سے اور ان لوگوں سے جنہوں نے نیکیوں میں ان کی پیروی کی خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے واسطے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

اور وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کہ بعد والوں کے لیے خدا کی رضا، جنت میں داخلہ اور بڑی کامیابی مہاجرین و انصارؓ کی اتباع پر ہی منحصر ہے اور اتباع اس وقت تک نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ ان کو قابل اعتماد، سچا اور گمراہی سے محفوظ نہ مانا جائے۔ مہاجرینؓ و انصارؓ اور عام امت کے اجماع کی حقانیت پر اس سے واضح دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

چند احادیث بھی کتب شیعہ سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ مہاجرین و انصارؓ کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔

ما كنت الا رجلا من المهاجرين اوردت كما اوردوا و اصدرت كما اصدروا وما كان الله ليجمعهم على الضلال (شرح نہج البلاغہ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص۱۹۵)

میں بھی مہاجرینؓ کا ایک فرد تھا جہاں وہ گئے میں بھی گیا۔ جہاں سے وہ پلٹے میں بھی پلٹا (یعنی بالاتفاق ہم مہاجرینؓ نے خلفاءِ ثلاثہؓ کی بیعت کی) اللہ پاک نے ان کو گمراہی پر متفق نہیں کر دیا تھا۔

۲۔ نیز اہلِ شام کی مذمت میں کہتے ہیں۔ لیسوا من المهاجرين والانصار (شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص۲۸۶) وہ نہ مہاجر ہیں نہ انصار۔ تاکہ ان کی بات حجت سمجھی جائے۔ (معلوم ہوا مہاجرینؓ وانصارؓ کا اجماع حجت ہے۔ نیز حضرت امیرؓ کا ارشاد ہے۔

۳۔ الزموا السواد الاعظم فان يد الله على الجماعة واياكم والفرقة فان الشاذ من الناس للشيطان۔ (نہج البلاغۃ ص۲۶۱)

بڑی اکثریت کا دامن پکڑ لو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ علیحدگی اور تفرقہ بازی سے بچو۔ کیونکہ جماعت سے الگ شیطان کا شکار ہے جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے۔

کیا ان ارشاداتِ مرتضوی سے خلافتِ ثلاثہؓ، مہاجرینؓ وانصارؓ اور اجماعِ امت اور مذہب اہلِ سنت والجماعت کی صداقت وحقانیت اظہر من الشمس نہیں ہے؟ ایک معجزہ میں حدیثِ قدسی کے طور پر من جانب اللہ حضورؐ کو فرمایا گیا کہ تیری آل کی طرح

۴۔ وصحابہ تو بہتر اند از صحابہ ایشاں وامت تو بہتر اند از امتہائے ایشاں (حیات القلوب ج ۲ ص۱۹۳)

تیرے صحابہؓ بھی اور پیغمبروں کے صحابہؓ سے اور تیری امت بھی دوسروں کی امتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔

معراج کی رات آپ نے شراب اور دودھ میں سے دودھ کو اختیار کیا تو حضرت جبریلؑ نے بشارت دی۔

ہدایت یافتی وامت تو ہدایت یافتند (حیات القلوب ج ۲ ص۲۶۱)

آپ نے بھی ہدایت پائی اور آپ کی امت نے ہدایت پائی۔

حضورؐ نے فرمایا حق تعالیٰ کی طرف سے میری امت کو تیسرا عطیہ یہ ملا کہ پہلی امتوں پر ان کے رسولؑ گواہ تھے مگر

۶۔ امت مرا گواہ بر جمیع خلق گردانید چنانچہ میفرمائد لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (حیات القلوب ج ۲ صہ ۱۳۶)	میری امت کو تمام مخلوق پہ گواہ بنایا چنانچہ ارشاد ہے۔ تاکہ ہو جاؤ تم (اے امت محمدیہ) سب لوگوں پہ قیامت کے دن گواہ۔
۷۔ و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند (حیات القلوب صہ ۱۳۸)	آپ کی امت اور صحابہ کو اللہ گمراہی پہ جمع نہ کرے گا۔
۸۔ و ملت تو بہترین امتہا است۔ (حیات القلوب صہ ۱۴۱)	آپ کی امت سب امتوں سے بہتر ہے۔

حق تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر امتِ محمدیہ کو (حسب روایت مجلسی از حضرت علیؓ در حیات القلوب صہ ۱۳۶ تا ۱۳۹) جن ۲۰ باتوں میں فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۹۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	تم سب امتوں سے بہتر ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے بنائے گئے ہو اسی لیے ہم نے تم کو اعلیٰ امت بنایا کہ تم لوگوں پہ روز قیامت گواہی دو۔
۱۰۔ و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند	اور ان کو خدا گمراہی پہ جمع نہ کرے گا۔

(تلک عشرۃ کاملۃ) کیا ان واضح ارشاداتِ خداوندی۔ فرامین نبویؐ اور فرموداتِ مرتضویؓ کی موجودگی میں اس امت کی صداقت اور اجماع کی حقانیت میں کسی کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کیا اجماعِ امت کو حجت نہ ماننے والے اب بھی مسلمان اور امتِ محمدیہ کہلائیں گے؟

قیاس کی ضرورت اور مشروعیت اجماع کے بیان میں قدرے گزر چکی ہے۔ نقلاً صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ	اگر وہ اس بات کو رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو صاحبانِ علم ہیں۔ وہ جانتے

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء ۶ ۱۱) تو البتہ وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے مسائل نکالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اولوالامر (صاحبانِ اجتہاد و قیاس) صحابہ کرامؓ ہی سے ہوں گے اور وہ قرآن و سنت سے مشکل مسائل کا استنباط اور حل پیش کریں گے۔ عام امت کو ان کی طرف رجوع اور پھر اتباع کرنی ہوگی۔ شیعہ حضرات اس اصول کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وہ عقل کو قرآن و سنت کے تابع کرنے کے بجائے نصوص کو عقل کے تابع بنا دیتے ہیں اور ان کی تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ اہلِ سنت نئے مسئلے اور نصوص میں ایک مشترک علت تلاش کر کے عقل کے مطابق حلت و حرمت کا حکم اس پر لگاتے ہیں۔

شیعہ حضرات چاروں اصول کے منکر ہیں

قارئین آپ کو تعجب تو ہوگا کہ چاروں اصول جب قرآن و سنت سے قطعی ثابت ہیں تو شیعہ ان سے کیوں اعراض کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ان چاروں اصولوں کے منکر ہیں تبھی تو وہ اہلِ سنت مسلمانوں پر غیظ و غضب کے دانت پیستے رہتے ہیں۔ کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

مسئلہ تحریفِ قرآن

ا۔ یہ قرآنِ حکیم ان کے مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی صحت و صداقت پر ان کو اعتماد ہی نہیں۔ وہ اپنی دو ہزار متواتر احادیث کی رو سے اسے محرف، بدلا ہوا، اور خدائی تنزیل سے کم و بیش مانتے ہیں۔

ا۔ اصولِ کافی ج ۱ میں یہ باب مستقل باندھا گیا ہے۔ باب فیہ نکت و نتف من التنزیل فی الولایۃ (اس بات کا بیان کہ قرآنِ کریم میں سے عقیدہ امامت کے متعلق آیات میں خلص الفاظ نکال دیئے گئے ہیں) یہ باب اصولِ کافی طبع جدید تہران ج ۱ ص ۴۱۲ سے ص ۴۳۶ تک پھیلا ہوا ہے اسمیں سے ۹۱ آیاتِ محرفہ کی فہرست راقم نے تیار کی ہوئی ہے۔ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اسی کتاب میں اور مقامات پر بیسیوں آیاتِ محرفہ کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ شیعہ کے نہایت مستند ترجمہ و حواشی از مقبول دہلوی میں مستند کتب شیعہ کے حوالہ جات سے جگہ جگہ ان آیاتِ محرفہ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تقریباً ۴۲ عدد آیات راقم نے اپنی بیاض میں قلمبند کی ہوئی ہیں۔ بطورِ نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا ۖ وَنَدَ

أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا ...)

۳۔ اصول کافی باب النوادر میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام سبعۃ عشر الف آیۃ۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضرت جبریلؑ حضورؐ پہ لائے تھے وہ سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

حالانکہ موجودہ قرآن پاک میں ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ شیعہ کے خیال میں دو تہائی قرآن لوگوں نے نکال دیا۔

۴۔ قال السید المحدث الجزائری ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ المتواترۃ الدالۃ بصریحہا علی وقوع التحریف فی القرآن (فصل الخطاب ص۳۱)

محدث جزائری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ سب شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کی تحریف پر صراحۃً دلالت کرنے والی احادیث صحیح مشہور اور متواتر ہیں۔

.... وان الاخبار ذالک تزید علی الفی حدیث۔

اور بلاشبہ یہ احادیث دو ہزار سے زائد ہیں۔

۵۔ انہم اثبتوا فی الکتاب ما لم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۲۵)

اور جامعین (صحابہؓ) نے کتاب میں وہ باتیں جاری ہیں جو اللہ نے نہیں کہیں تاکہ وہ مخلوقات کو دھوکہ دیں۔

۶۔ فالفوا ذو اختیارہم وزادوا فیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی من فریۃ الملحدین (احتجاج طبرسی ص۱۳۰ بحوالہ اہلسنت پاکٹ بک)

پس صحابہؓ کے، صاحبان اختیار نے اس قرآن کو جمع کیا ہے اور اس میں وہ باتیں زیادہ کر دی ہیں جن کا صداقت اور فصاحت وبلاغت کے برخلاف ہونا ظاہر ہے جو حضورؐ کی جو مذمت قرآن میں ظاہر ہے وہ ملحدوں

کے افتراء کا نتیجہ ہے۔
معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں صرف کمی اور تحریف نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اپنے کلام کا اضافہ بھی کر دیا ہے (توبہ توبہ)

ایک سوال | جب یہ قرآن شیعہ ماننتے ہی نہیں تو ماننے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ پھر سب شیعہ کی تاریخ میں صرف چار عالم ایسے کیوں ہوئے جنہوں نے تحریف کا انکار کیا۔ اور صاحب من لایحضرہ الفقیہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں عقیدہ تحریف کا انکار اور مذمت کیوں کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ کے بقول خود ہزاروں علماء و مجتہدین میں سے صرف ۴ کا تحریف کا انکار کرنا اس عقیدے کو اور پختہ کرتا ہے ان چاروں کا انکار بھی محض تقیہ کے طور پر ہے۔ ورنہ قائلین تحریف پر انہوں نے کفر یا گمراہی کا فتویٰ کیوں نہیں لگایا۔ موجودہ شیعہ علماء کا انکارِ تحریف بھی محض تقیہ اور تلبیس پر مبنی ہے۔ کیونکہ حالیہ علماء میں سے مرزا احمد علی جیسے مجتہدین کے قرآن پر اعتراضات مشہور اور شائع شدہ ہیں۔ مولوی مقبول کا ترجمہ و حاشیہ آیاتِ محرفہ کی نشان دہی کے ساتھ بار بار چھپ رہا ہے اور اس پر دسیوں شیعہ کے مستند علماء کے دستخط اور تصدیقات موجود ہیں۔ (طبع قدیم دہلی) اور آیاتِ محرفہ کی انہوں نے تردید نہیں کی۔ کیا یہ سب کارروائی اس حقیقت کے جتلانے کے لیے کافی نہیں کہ شیعہ کا اعتقادِ تحریف یقینی ہے اور انکار محض تقیہ اور مسلمانوں کے الزام سے بچنے کے لیے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اور شیعہ اس قرآنِ پاک کو کیسے مکمل اور کمی بیشی سے محفوظ مانیں جبکہ ان کے اعتقاد میں پورا قرآن صرف حضرت علیؓ نے جمع کیا اور آج امام مہدی کے پاس موجود ہے۔ وہ قریب قیامت ظہور فرما کر وہ اصلی قرآن لوگوں کو پڑھائیں گے۔ اصول کافی صفحہ ۲۲۹ پر یہ باب موجود ہے۔

باب انه لم یجمع القرآن کله الا الائمة علیهم السلام وفیه عن ابی جعفر یقول ما ادعی احد من	اس بات کا بیان کہ سوائے آئمہ علیہم السلام کے کسی نے سب قرآن جمع نہیں کیا۔ اس باب میں امام باقرؒ کی یہ حدیث ہے۔ فرماتے

الناس انه جمع القرآن كله كما انزل الا كذاب وما جمعه وحفظه كما انزل الا علی بن ابی طالب والائمة من بعده — وفیه عن ابی جعفر انه قال ما یستطیع احد ان یدعی ان عنده جمیع القرآن کله ظاهره وباطنه غیر الاوصیاء

ہیں کہ لوگوں میں سے سوائے کذاب کے کوئی بھی یہ دعویٰ نہ کرے گا کہ اس نے منزل شدہ پورا قرآن جمع کیا۔ تنزیل کے مطابق اس کی جمع اور حفاظت سوائے علیؓ بن ابی طالب اور ان کے بعد والے آئمہ کے کسی نے نہیں کی اور ایک دوسری روایت میں امام باقرؒ نے فرمایا سوائے آئمہ شیعہ کے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس ظاہر و باطن پورا قرآن موجود ہے۔

بلکہ قاضی نور اللہ شہید ثالث نے شیعی احادیث کے تعارض کے سلسلہ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ آج سنی شیعہ سب کا دین محرف اور غیر منزل من اللہ ہے۔

"امام باقرؒ نے فرمایا...... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگ پہلی امتوں کے نقش قدم پر چلے پس خدا کے دین میں تغیر و تبدل کر دیا اور کمی بیشی کر دی اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کر دی۔ آج کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر یہ سب لوگ قائم ہیں۔ مگر وہ منجانب اللہ اتری ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ زرارہ! جوبات تمہیں کہی جائے مانتے جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے تا آنکہ وہ مہدی آجائے تو تم کو از سرِ نو اللہ کا صحیح دین پڑھائے گا۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص۳۴۵ ترجمہ زرارہ)

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ کتب اہل سنت میں بھی تحریف کی روایات پائی جاتی ہیں لیکن یہ محض جھوٹ اور مغالطہ ہے۔ کتب اہلِ سنت کی ضعیف ترین روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی "کہ قرآن کی فلاں آیت ان الفاظ سے نازل ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو یوں بدل دیا۔" درحقیقت ہماری روایات میں دو قسم کی باتیں ہیں۔

ا۔ نسخ یعنی اللہ تعالیٰ بعض آیات اتار کر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کروائے۔ پھر اس کے خلاف آیت نازل فرما کر سابق کی مدت عمل ختم کر دے یا اسے بالکل بھلا دے

جیسے ایک پیغمبر کی شریعت دوسری کے لیے نسخ کا سا عمل کرتی ہے۔ یہ حقیقت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا	ہم کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتے۔ نہ بھلاتے ہیں جب تک اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل نہ کر دیں۔	ترجمہ مقبول
ب۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ	اے رسول ہم عنقریب تم کو پڑھائیں گے۔ پھر تم نہ بھولو گے مگر جو خدا چاہے	

۳۔ اور روضہ کافی ص۲۷ پر ہے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا آیات نسخ کو بحث تحریف میں پیش کر کے جدال کرنا نہایت ناانصافی ہے۔

۴۔ اختلاف قراۃ۔ قرآن پاک عربی زبان میں اترا۔ ہر زبان میں۔ لغت۔ گرامر ادائیگی کے لحاظ سے معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی۔ بعض قبائل کے محاورات و لہجہ۔ لغت اور صرفی نحوی وجوہ کے پیش نظر زبر۔ زیر۔ پیش کا سا معمولی اختلاف بعض روایات میں ملتا ہے۔ یہ سب اختلاف قرات کے قبیلہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں معنوی فرق خاص نہیں پڑتا۔ برخلاف شیعہ کی لفظی تحریف کے کہ اس کی وجہ سے ان کے اعتراف کے مطابق "عقیدہ امامت،" ولایت اہل بیت کو قرآن سے خارج کر دیا گیا اور کفر کے ستون اس میں کھڑے کر دیئے گئے (روضہ کافی)

علاوہ ازیں۔ قرآن پاک عہد نبوی سے تاہنوز قطعی الثبوت اور قطعی التواتر ہے اور ہم اسے ہی قرآن کہتے ہیں نور الانوار وغیرہ میں ہے۔

هو القرآن المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبهة	کتاب اللہ قرآن پاک ہے جو رسول اللہ پر اترا اور مصاحف میں لکھا گیا ہے اور آپ سے منقول ہو کر آ رہا ہے اور بلا شبہ متواتر ہے۔

روایتیں اختلاف قرات کی ہوں یا نسخ کی۔ بہرحال وہ خبر آحاد ہیں۔ متواتر اور قطعی قرآن نہیں۔ لہٰذا ان سے معارضہ شیعہ حضرات کے عقیدہ تحریف سے نہیں ہو سکتا۔ جو ان چہ قرار دو

کے ساتھ مبینہ حقیقت ہے۔ ۱۔ روایات تحریف دو ہزار سے زائد ہیں۔ ۲۔ روایات تحریف قرآن شیعہ کی مستند سے مستند کتاب اصول کافی تک میں ہیں جو امام مہدی کی مصدقہ ہے۔ ۳۔ تحریف قرآن پر بہی صاف دال ہیں۔ ۴۔ قرآن کی طرح متواتر ہیں۔ ۵۔ شیعہ ان کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ ۶۔ قرآن کا محرف ہونا نقل کے علاوہ عقل کے بھی موافق ہے کیونکہ دشمنان شیعہ (صحابہ کرام رضی) کے ہاتھوں جمع شدہ اور منقول ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح " ہم سنی کیوں ہیں؟ " ص۱۶۵ تا ص۱۷۱ میں ملاحظہ کریں۔

احادیث نبویہ کا انکار

۲۔ احادیث مصطفیٰ بھی شیعہ مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتیں۔ اولاً گو شیعہ زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرسل من اللہ مانتے ہیں لیکن تبلیغ رسالت میں کوتاہی کا الزام ضرور لگاتے ہیں۔ جب منصب نبوت سے مقصود تبلیغ احکام کا سلسلہ پورا کامیاب نہ ہوا۔ تو رسولؐ کو ماننا غیر مفید ہی رہا۔ تقیہ کا گھناؤنا الزام حضورؐ پر بھی لگاتے ہیں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت صادقؒ سے پوچھا گیا کہ آیا رسول پاکؐ لوگوں کے خوف سے تقیہ بھی کرتے تھے۔ فرمایا۔ آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ پاک آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا) نازل ہونے کے بعد تقیہ نہیں کیا۔ پہلے کبھی کبھی کرتے تھے (حیات القلوب ج۲ ص۱۱۱)

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے متعلق جو مختلف احادیث آئی ہیں ممکن ہے بعض تقیہ پر محمول ہوں (ایضاً ج۲ ص۵۲۴)

۳۔ حضورؐ کو بار بار ولایت علیؓ کی تبلیغ کا حکم ملا اور یہ کہ اس کا منکر کافر اور بیعت میں شریک کرنے والا مشرک ہے۔

پس حضرت رسولؐ ترسید از قوم خود	پس حضرت رسولؐ اپنی قوم سے ڈر گئے۔
مبادا اہل شقاق و نفاق پراگندہ شوند و	مبادا مخالف و منافق بگڑ جائیں اور جاہلیت
بجاہلیت وکفر خود برگردند (ایضاً ص۵۴۲)	وکفر کی طرف پلٹ جائیں۔
۴۔ رسول خدا از ترس قوم خود بغار	رسولِ خدا اپنی قوم سے ڈر کی وجہ سے غار
رفت وقتیکہ ایشاں را بسوئے خدا دعوت	میں چھپ گئے۔ جب ان کو خدا کی طرف دعوت

بیکرو۔ (جلاء العیون ص ۲۵۹) دیتے تھے۔

۵۔ لشکر اسامہؓ کی تیاری اور لوگوں کو جہاد پہ آمادہ کرنا۔ اور فضائلِ قتال و شہادت بیان کرنا محض اس وجہ سے ہے۔

مدینہ از ایشاں خالی شود واحدے از منافقان در مدینہ نماند (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۵۹) تاکہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے (اور حضرت علیؓ سے نزاعِ خلافت کوئی نہ کر سکے)

غور کیجئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی لوگوں کے ڈر سے تقیہ کریں۔ ارکانِ حج بھی غلط ادا کریں۔ حضرت علیؓ کی ولایت کی تبلیغ میں سستی کریں۔ دعوتِ توحید دیتے ہوئے قوم سے ڈر کر غار میں چھپ جائیں۔ تو دین کے کس مسئلہ پر اعتماد رہے گا۔ اور کونسی حدیثِ مصطفیٰؐ قابلِ عمل ہو گی۔ جبکہ (العیاذ باللہ) آپؐ کی نیت جیشِ اسامہؓ کے جہاد سے مدینہ کو منافقوں سے خالی کرانا اور حضرت علیؓ کے لیے خلافت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ مگر صد افسوس آپؐ کی آخری تدبیر بھی ناکام ہو گئی اور وہ منافق خلافت پہ قابض ہو گئے۔

کیا حضورؐ کی حسنِ نیت اور کامیابیٔ مقصد پہ اس سے بدترین حملہ بھی ہو سکتا ہے؟ کیا شیعہ نے بعثتِ رسالت کی ناکامی پہ صریح شہادت نہ دے دی؟

ثانیاً۔ جب شیعہ حضرات۔ حضورؐ کی عمر بھر تبلیغی جد و جہد کے بعد بھی صرف تین چار آدمیوں کے آپ سے ایمان و ہدایت پانے کے قائل ہیں —— حالانکہ یہ بھی مغالطہ ہے۔ کیونکہ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۷۹ کے بیان کے مطابق۔ حضرت ابوذرؓ، سلمانؓ، ابو الدرداءؓ، حضرت علیؓ کی شاگردی اور اتباع سے مومن و فیض یافتہ ہیں اور سوائے حضرت مقدادؓ کے سلمانؓ، ابوذرؓ اور عمارؓ کو بھی ایمان میں شک تھا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۴۷۶ از شیخ کشی مسند حسن از امام باقرؒ)۔ باقی سب صحابہ کرامؓ کو تو وہ کھلا مرتد کہتے ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۶ وغیرہ) تو وہ حدیثِ مصطفیٰؐ کسی صحابیؓ سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ رسالت پہ دعویٰ ایمان کوئی عقلمند تسلیم کرے گا۔ یہ انکار ایسا ہی ہے کہ۔ ایک شخص کہے میں اس ڈاکٹر کو نہیں مانتا کیونکہ یہ جعلی سند رکھتا ہے۔ دوسرا کہے میں بھی علاج نہیں کروا سکتا۔ کیونکہ مستند تو ہے مگر سوائے

گھر کے چند آدمیوں کے ۔ جو بیمار ہی کبھی نہ ہوئے ۔ جن ہزاروں مریضوں کا اس نے علاج کیا سب مر گئے ایک بھی صحت یاب نہ ہوا ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس ڈاکٹر کے منصب کے منکر ہیں ۔ ایک ظاہر دوسرا باطن ۔ مگر دوسرا زیادہ خطرناک ہے ۔

ثالثاً ۔ رہا بواسطہ حضرت علیؓ حدیث مصطفےٰؐ کا بنیادِ مذہب ہونا ۔ یہ بھی ناممکن ہے ۔ کیونکہ شیعہ کے اعتقاد میں حضرت علیؓ کا علم حضورؐ کی تعلیم اور واسطہ سے ہے ہی نہیں ۔ بلکہ وہ پیدائشی منجانب اللہ لدنی اور عطائی ہے ۔ حضرت علیؓ پیدائشی جاہل اور کافر نہ تھے کہ حضورؐ سے علم اور اسلام سیکھتے ۔ باقر علی مجلسی لکھتے ہیں ۔

حضرت علیؓ نے پیدا ہوتے ہی حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ کے صحیفے ۔ حضرت موسیٰؑ کی تورات اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل ایسے سنا دی کہ ان انبیاء سے بھی افضل یاد تھی جن پر یہ نازل ہوئیں اور اگر وہ ہوتے اعتراف بھی کر لیتے ۔

پس قرآنے کہ بر من نازل شدہ تلاوت نمود بے آنکہ از من بشنود (جلاء العیون ص۱۸۰)

پس جو قرآن مجھ پر اب میں نازل ہوا وہ بھی مجھ سے سنے بغیر فر فر سنا ڈالا ۔

جب حضرت علیؓ نے آپ سے سنے بغیر قرآن پڑھا ہوا تھا ۔ حالانکہ ۸ سال قبل از بعثت نزولِ قرآن کا بھی تصور نہ تھا) تو قرآن کی تعلیم اور تشریح میں بدرجہ اولیٰ آپ محتاج پیغمبرؐ نہ تھے ۔ چنانچہ آپ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (وہ نبی ان مومنوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے) کے عموم سے خارج ہیں ۔ لہٰذا شیعہ کی منزل بہ پیغمبرؐ قرآن اور اس کی تعلیم و حکمت سے محرومی بالکل واضح ہے ۔ یہی نبوت کا کھلا انکار اور حدیث مصطفیٰؐ سے حرمان کی دلیل ہے ۔ اور ان کو حدیث مصطفیٰؐ کی ضرورت کیسے ہو ۔ وہ تو نبوت کے برعکس امامت کو مانتے ہیں ۔ اور یہ بھی مثل نبوت منجانب اللہ خدائی عہدہ ہے جو اتباعِ نبویؐ سے بجائے انتخابِ خداوندی سے ملتا ہے ۔ امامت رسالت سے بھی افضل ہے ۔ عصمت نزولِ وحی ۔ حلال و حرام میں خود مختاری ۔ نئی امت (بنام شیعہ) کی تاسیس اس کے انکار پر فتویٰ کفر میں نبوت کے ساتھ شریک ہے ۔ لفظِ اصطلاحی فرق کے علاوہ کوئی شیعہ نبوت و امامت میں واقعی امتیاز نہیں بتلا سکتا ۔

شیعہ اور اہل سنت میں فرق

شرع نبویہ کے بجائے شرع امامیہ شیعہ کا معمول ہے۔ کیونکہ مسلمان تو مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو تم کو رسولؐ دیں وہ لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔) پر عمل پیرا ہیں۔ مگر شیعہ مذہب کے امام جعفرؒ فرماتے ہیں۔

ماجاء به علی اخذه وما نهی عنه انتهی عنه	جو شریعت علیؓ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔

مسلمان تو صرف حضورؐ کو افضل الخلق۔ اور آپؐ کے برابر سب پیغمبروں کو بھی نہیں مانتے مگر شیعہ امام فرماتے ہیں۔

جری له من الفضل ماجری لمحمد ولمحمد الفضل علی جمیع من خلق الله .... وکذلك یجری الائمة الهدی واحد بعد واحد۔	حضرت علیؓ کی وہی فضیلت ہے جو محمدؐ کی ہے۔ محمدؐ خدا کی تمام مخلوق پر (سوائے علیؓ کے) فضیلت رکھتے ہیں یہی مساویانہ مرتبہ اور شان یکے بعد دیگرے آئمہ ہدیٰ کی ہے۔

مسلمان تو حدیث مصطفیٰؐ کو ہی حرز جان اور واجب العمل جانتے ہیں مگر شیعہ حضرات احادیث آئمہ کے قائل اور ساری شریعت ان سے لیتے ہیں۔

مسلمان تو مصدر اتباع فاتبعونی کے تحت صرف حضورؐ کو مانتے ہیں۔ مگر شیعہ امام حضرت علیؓ کی دعوت دیتے ہیں۔

کان امیر المومنین الباب الذی لایوتی الامنه وسبیله الذی من سلك بغیره یهلك وامعل کانی الکنی	امیر المومنینؓ ہی صرف وہ دروازہ ہیں جس میں داخل ہونا پڑتا ہے اور وہ راستہ ہیں جس پر چلنا ضروری ہے۔ سو جو اس راستے کے بغیر چلا، ہلاک ہوا

مسلمان تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو اپنانے میں فخر جانتے ہیں۔ مگر شیعہ امام کا فتویٰ ہے،

لیس شیء من الحق فی ید الناس الاما خرج من عند الائمة وان کل شیءٍ لم	لوگوں کے ہاتھ میں کوئی بھی سچی بات نہیں بجز اس کے جو آئمہ اہل بیتؑ سے نکلے اور ہر

يخرج من عندهم فهو باطل — وہ چیز جو ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔

(کتاب الاصول کافی ص۳۹۲)

شیعہ آئمہ کے پاس یہ حق حسب بیان سابق تعلیمات نبوی سے تو ہو ہی نہیں سکتا اس سے جدا کوئی چیز ہے جو ان آئمہ پر نازل شدہ صحائف سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر امام پہ ایک مستقل صحیفہ نازل کیا گیا اور وہ اسی پر عمل کرتے تھے۔

کلینی نے سندِ معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ حریز نے حضرت صادقؑ سے پوچھا آپ لوگ جلدی وفات کیوں پا جاتے ہیں حالانکہ لوگوں کو آپ کی احتیاج زیادہ ہے۔ حضرت فرمود ہر یک از ما صحیفہ دارد کہ آنچہ باید در مدتِ حیات خود بعمل آورد در آں صحیفہ است چوں آں صحیفہ تمام مے شود مے داند کہ وقت ارتحال اوست (جلاء العیون فصل سوم)

حضرت نے فرمایا ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک آسمانی کتاب ہے کہ جو کچھ امام کو اپنی زندگی میں کرنا ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں لکھا ہوتا ہے جب وہ صحیفہ تمام ہو جاتا ہے تو امام کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے۔

نیز جلاء العیون میں امام حضرت حسینؓ کے حالات میں ہے۔ "دوسری معتبر روایت میں ہے کہ رسول جلیلؐ کی وفات کے وقت حضرت جبریلؑ ایک وصیت نامہ لائے اس کے بارہ اجزا پہ بہشت کی بارہ طلائی مہریں لگائیں۔ کہ ہر امام اپنی مہر کو اٹھائے گا اور جو کچھ اس کے نیچے لکھا ہوگا اسی پر اپنی زندگی میں عمل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ آئمہ کے پاس حق وہ صحائف اور مہر زدہ وصیت نامے ہیں وہ ان پر ہی عمل کرتے اور شیعہ سے کرواتے ہیں۔ منزل بر پیغمبرؐ قرآن اور تعلیماتِ نبویہؐ سے ان کو کیا تعلق ؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی بعد انکارِ ختم نبوت۔ ادعاء نبوت، مسلمانوں سے الگ اسلام کی تاسیس کرتے اور مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ فرقہ شیعہ کی گرد کو بھی پہنچ سکا ہے ؟۔ نہیں وہ تو ان کے سامنے طفلِ مکتب ہے۔

اجماع و قیاس کا انکار

یہاں تک قرآن و حدیثِ مصطفےٰؐ کے شیعہ مذہب کی بنیاد نہ بن سکنے کا بیان تھا اب اجماع و قیاس کا بیان سنیے مسلمان امت

کے اجماع کے شیعہ حضرات کھلے منکر ہیں۔ وہ تقریباً ہر مسئلے میں۔ اصول و فروع میں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ تک میں امت محمدیہ سے الگ ہیں۔ اجماع امت ان کا دشمن ہے اور وہ اس کے دشمن ہیں۔ ہاں متعہ (بلاولی اور گواہوں کے غیر خاوند والی عورت کا کسی مرد سے مقررہ اجرت پر مقررہ وقت میں رضامندی سے جنسی تعلق) بدا (خدا کا مستقبل سے بے خبر ہونا) تقیہ (سچائی چھپا کر جھوٹ ظاہر کرنا) تکفیر صحابہ جیسے مسائل میں وہ اجمعت الامامیۃ۔ اتفق اھل الامامۃ۔ اجمع اھل التشیع فرما کر اجماع شیعہ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتب فقہ و اصول شیعہ۔

اہل سنت کے سامنے تو قیاس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر قرآن کریم اور حدیث مصطفیٰ کے برخلاف اپنے ہر مسئلہ کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ ورنہ تقریر ہو یا تحریر کسی بھی شرعی مسئلہ میں ان کو عقلی دلیل دینے کا اپنے مذہب کی رو سے کوئی حق نہیں پہنچتا

آمدم بر سر مطلب

خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے۔ اور حدیث مصطفےٰ سے بھی۔ اجماع صحابہ رض اور اجماع اہل بیت سے بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ قرآنی آیات خلافت کی پیشنگوئیاں ہیں جس کا مفاد اور اوصاف خاصہ مجموعی طور پر تمام خلافت راشدہ میں پائے گئے۔ پیشنگوئی میں عموماً ابہام اور عدم تعیین ہوتا ہے۔ مکمل ہونے پر اس کی صحیح صورت حال سامنے آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ پیشنگوئی فلاں کے حق میں پوری ہوئی۔ اس سے قبل محض آغاز پر کچھ کتنا حاضرین کے علم میں غیر یقینی سا ہوتا ہے اور غیر موزوں لگتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی بعثت و رسالت کے متعلق حضرت ابراہیم کی دعا و بشارت حضرت عیسیٰ کی بشارت۔ تورات میں حضورؐ کی رسالت کی پیشنگوئی اور ابرار قدوسیوں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے آ کر غلبہ پانا۔ مذکور ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ آغاز پر فرمایا کرتے تھے۔

وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ	میں نہیں جانتا کہ (دنیا میں) میرے ساتھ کیا
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ۔ پ۲۶	ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف

سہ یہ تعریف اصول کافی الواب المتعہ سے ماخوذ ہے۔

اپنی طرف آنے والی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور یہی مناسب تھا کیونکہ تحریک کے آغاز پر محنت سے کام کرنا پڑتا ہے نہ کہ سابقہ پیشینگوئیوں کو اپنے اوپر منطبق کرنے لگ جانا وقت گزرنے پر وہ خود بخود چسپاں ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا پر اس تحریک کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ اس سے شیعہ دوست کے اس لغو جملے کا جواب ہو گیا۔ "کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔" کیونکہ سرکار دو عالم نے بھی آغاز نبوت پہ انبیاء کی سابقہ پیشینگوئیوں کو نہ اپنے اوپر چسپاں کیا اور نہ اس پہ ان کو دلیل بنایا۔ بلکہ بدستور اپنے مشن میں لگ گئے۔ اور سچے لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ وہ خدا کی سونپی ہوئی ذمہ داریوں کو ادا کرنے لگ جاتے ہیں بحث و مناظرہ میں اور پیشینگوئیوں کے اپنے اوپر فٹ کرنے میں ایسے وقت ضائع نہیں کرتے۔ جیسے مرزا غلام احمد قادیانی دعوئ نبوت و مسیحیت کے ساتھ ہی سابقہ پیشینگوئیوں کو بطور کذب اپنے اوپر منطبق کرتا تھا۔ خدا نے اس کا جھوٹ دنیا پہ آشکارا کر دیا۔ تو کیا اب ہم بھی یہود و نصاریٰ کے سامنے سابقہ انبیاءؑ کی پیشینگوئیاں بابت نبوت پیش نہ کیا کریں؟۔

مزہ اسی میں ہے کہ اپنے حق میں وہ آیات تلاوت نہ کریں تاکہ خود ستائی اور جاہ طلبی کا وہم نہ ہو بلکہ دیگر حضرات انکے حق میں وہ آیات منطبق کریں۔ جیسے حضرت علیؓ نے سورت نور کی آیت وعداللہ الخ کو حضرت عمرؓ کی خلافت پہ چسپاں کیا۔ (شرح نہج البلاغۃ فیض الاسلام تقوی ص ۴۲۴) صدیق اکبرؓ نے تو بار شاد نبوی قبل از ایک جملہ سقیفہ کے دن بولا۔ "الائمہ من قریش"۔ آسمان و زمین اور تاریخ کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ یہ ارشاد سچا ثابت ہوا۔ صدیوں تک۔ جب تک مسلمانوں کا متحدہ نظام خلافت رہا)۔ قریش کی حکمرانی دنیا نے دیکھی یہ شیعہ مذہب کی بات نہ تھی۔ کہ حضورؐ تو ان کے بقول) من کنت مولاہ فعلی مولاہ (القول شلیعہ جس کا میں حاکم ہوں اسی کے علیؓ خلیفہ ہیں) سے خبر دیں۔ مگر العیاذ باللہ وہ جھوٹی ثابت ہو اور خلافت غصب کر کے خلیفہ کوئی اور بن جائے۔ یا اللہ تعالیٰ تو وعدہ فرما دیں یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونک سے بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے

اگرچہ پکڑا سے برا ہی جانیں (توبہ توبہ)

اور نور سے مراد باعتقادِ شیعہ حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کا قیام مراد ہو۔ (اصول کافی ص۱۹۶) لیکن اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے سے عاجز آجائیں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حضرت علیؓ سے خلافت چھین کر پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسواتے پھریں۔ جلاء العیون ص۱۴۳ اور (العیاذ باللہ) خدا ہی اسے مکروہ جان کر خاموش ہو جائے۔

کمال اسی میں ہے کہ خود دعوئی خلافت نہ کریں سو دوسرے صحابہ کرامؓ بالاتفاق امام تسلیم کرلیں (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ج ۲ ص ۵۷۶) اس میں کوئی کمال نہیں کہ جگہ جگہ جلوت و خلوت میں از خود کہتے پھریں۔ ہم خدا کے بنائے ہوئے امام ہیں۔ ہم ایسے ویسے میں نہنے معصوم حسنینؓ کو کندھے پر بٹھا کر مہاجرین و انصارؓ کے در در پہ پھریں ہشکل گنا ہو کر ان سے فریاد و نصرت طلب کریں۔ مگر پانچ آدمی بھی ساتھ نہ دیں (جلاء العیون ص۱۴۹) بالآخر مفاد پرست اپنے بھی عوام ہی غداری کریں اور رشتہ حیات منقطع کرلیں۔ ان اشارات کی روشنی میں کیا شیعوں کو اپنے مذہب کی سخافت اور اہلِ بیتؓ کی توہین نظر نہیں آتی؟ پھر اس عقیدے سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔

قرآن کریم اور خلافتِ راشدہ (۲۱) آیات کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ سے وعدہ فرمایا۔

۱- وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور ع ۷)

ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔ اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کرلیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کر دے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اس وقت وہ میری ہی عبادت

کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں (ترجمہ مقبول ص۲۷۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ۔ ۱۔ خلافت اللہ کا وعدہ ہے۔ جو کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ ۲۔ نزول کے وقت جو مسلمان موجود اور خطاب کے اہل تھے صرف ان سے وعدہ ہے۔ لہذا حضرت علی رضؓ کے سوا باقی شیعی آئمہ اس کے مصداق سے خارج ہو گئے۔ شیعہ مفسر طبرسی اسکے شانِ نزول میں کہتے ہیں ”حضرت ابی بن کعب رضؓ نے فرمایا جب حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مدینہ آگئے اور انصار رضؓ نے ان کو ٹھکانا دیا تو کفار باقاعدہ ان سے جنگیں لڑنے ہر سال آتے تھے اور مسلمان خوفزدہ مسلح ہو کر رہتے تھے۔ ایک مسلمان نے کہا کیا ایسا بھی ہوگا کہ ہم غالب ہو جائیں۔ اور یہ خوف امن سے بدل جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت مقداد بن اسود رضؓ حضورؐ سے راوی ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین پر کچا اور خیمے کا گھر بھی نہیں رہے گا مگر کلمہ اسلام اس میں اللہ تعالیٰ عزت یا ذلت کے ساتھ داخل کریں گے۔ یا تو اللہ ان کو عزت دے گا اور معزز اہلِ اسلام بنا دے گا۔ یا ان کو عاجز کر دے گا۔ تو وہ اس دینا کے آگے جھک جائیں گے۔

۳۔ وہ خلفاء مومن کامل اور نیک ہوں گے۔ خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کے ایمان و عمل پر شیعی شکوک و شبہات سب زائل ہو گئے۔ مدت العمر تقیہ کامل ایمان و عمل سے مانع ہے لہذا شیعی آئمہ خارج ہو گئے۔

۴۔ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (یقیناً اللہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا)، وہ زمین میں یقیناً صاحبِ اقتدار خلیفہ بن کر رہیں گے۔ کوئی ان سے غصب نہیں کر سکتا۔ شیعی آئمہ کو نہ حکومت ملی۔ نہ عوام کے دلوں پر عظمت کا سکہ بیٹھا۔ یہ سب کچھ (بقول شیعہ) ان سے دوسروں نے چھین لیا۔

صاحبِ تفسیر صافی لکھتے ہیں۔ ای لیجعلنهم خلفاء بعد نبیهم (یقیناً نبیؐ کے بعد ہی ان کو خلیفہ بنائے گا)، اگر بقول شیعہ حضرت علی رضؓ و مہدی مراد ہوں تو نہ لفظ جمع کا استعمال درست ہے نہ بعدیت متصل ہے۔ شیعہ علامہ طبرسی آیت ہذا کے تحت فرماتے ہیں۔
لیستخلفنهم۔ ای ارض الکفار من العرب والعجم۔ ان کو خلیفہ بنائے گا یعنی

عرب و عجم کی زمین کا حاکم بنائے گا۔

شیعہ کے معتمد مفسر کاشانی بھی آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں۔

"تھوڑے عرصہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ یہ وعدہ پورا کر دیا۔ جزیرۃ العرب ممالک کسریٰ اور روم کے شہر ان کے حوالے کر دیئے۔" شیعہ مفسر طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں

والمعنیٰ لیورثنھم ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھم سکانھا و ملوکھا۔	معنیٰ یہ ہے کہ ان کو وارث بنائے گا عرب و عجم کے کفار کی زمین کا پس ان کو اس کا حاکم اور باشندہ بنائے گا۔

تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ عرب و عجم کے مکین اور فرمانروا اور وارث خلفاء اربعہ راشدین ہی بنے۔

۵۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے اللہ نے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی)، اس تشبیہ سے معلوم ہوا کہ یہ خلافت نبیوں کی سی حکمرانی ہوگی۔ جیسے شیعہ تفسیر مجمع البیان میں ہے مثل آدم وداؤد و سلیمٰن۔ اللہ تعالیٰ کی طرف استخلاف کی نسبت اس کے منافی نہیں کہ صحابہ کرام رض ان پر اتفاق کر کے ان کی بیعت کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے ان کے دلوں میں عظمت خلفاء ڈال کر خلفاء کا انتخاب کرایا۔ جیسے رزق۔ ملک۔ موت وحیات۔ سب اللہ ہی دیتے ہیں۔ مگر بظاہر معاون اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور کبھی اسباب کی طرف نسبت کردی جاتی ہے

۶۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ۔ ان کے خدائی پسندیدہ دین کو قوت اور شان و شوکت عطا ہوگی۔ خلفاء ثلاثہ رض کا دین حق ہی عرب و عجم میں شائع اور تمکین پذیر ہوا شیعی آئمہ کا دین تو ہمیشہ تقیہ میں رہا۔ وہ صرف گنتی کے چند نفوس ہی مومن بنا سکتے ہیں۔

۷۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ خلفاء ثلاثہ رض کا طبعی خوف امن سے بدلا کیونکہ شیعی آئمہ کو ان کے خیال میں یا خوف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا پھر انکو امن نصیب ہی نہیں ہوا۔ اور نہ خدا کے پسندیدہ دین کتاب وسنت کو قائم کر سکے۔

عن ابی جعفر قلت ما منعہ ان یبین للناس فقال خشی ان لا یطاع و	امام باقر رح سے میں نے پوچھا کہ حضرت علی رض کو کیا رکاوٹ در پیش آئی کہ لوگوں کے سامنے

لو ان علیا علیہ السلام تبثت لہ قدمًا اقام کتاب اللہ والحق کلہ (فروع کافی ج۵ ص۵۵ طبع ایران)	حق مذہب ظاہر نہ کر سکے تو فرمایا وہ ڈر گئے کہ ان کی پیروی نہ کی جائے گی اور اگر حضرت علیؓ کے قدم ثابت رہتے تو کتاب اللہ اور سارے حق کو قائم کرتے۔

شیعہ مفسر اس قرآنی جملہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں مد یعنی اسلام کی قوت اور پھیلاؤ کے ساتھ اللہ ان کو امن والا کر دے گا اس کے بعد کہ وہ مکہ (وغیرہ) میں خوفزدہ تھے بمقاتل کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کے ساتھ (بلکہ) اس امت کے ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ بھی یہ سلوک کیا ان کو زمین میں اقتدار دیا خوف کو امن سے بدل دیا اور زمین (فتوحات) میں کشادگی عطا فرمائی تو اللہ نے ان سے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا (مجمع البیان ج ۱۸ ص۶۹)

مگر شیعہ آئمہ اس کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ امام باقرؒ نے فرمایا۔

وبار اخائف وترساں داشتند و ایمن نبودیم بر خونہائے خود و خونہائے دوستان خود (جلاء العیون ص۲۶۴)	اور ہم کو وہ لوگ ڈراتے دھمکاتے رہے۔ ہم اپنے اور اپنے دوستوں کے قتل سے مامون و محفوظ نہ تھے۔

۸۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ دورانِ حکومت وہ صرف خدا کے پرستار اور عابد ہوں گے۔ نشہ اقتدار میں مست ہو کر خدا کو نہیں بھلائیں گے۔ خلفا کی دینداری اور اخلاص پر یہ بڑی شہادت ہے۔ بالفرض اگر قبل خلافت زمانہ جاہلیت میں کسی سے ایسی غلطی ہوئی بھی تو مضر نہیں کیونکہ دورانِ خلافت وہ ان صفات حسنہ کے ضرور عامل ہو گئے فہو المقصود۔ اہلِ سنت کے علاوہ شیعہ کے امام اوّل حضرت علیؓ بھی اس آیت کو خلفاءِ راشدینؓ پر منطبق فرماتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو مشورہ (برائے عدم شرکت در غزوۂ فارس) دیتے ہوئے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی	اور یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر و غالب کر دیا اور اس کا وہ لشکر ہے جسے اس

بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ونحن على موعود من الله والله منجز وعده و ناصر جنده (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۲۳ طبع مصر)

نے تیار کیا اور بڑھایا یہاں تک کہ وہ پہنچ گیا جہاں پہنچ گیا اور چڑھ گیا جہاں پڑھ گیا۔ ہم اللہ کے وعدے پر ہیں وہ اپنے وعدے پورے کر رہا ہے اور اپنے لشکر کی مدد کر رہا ہے۔

یہاں حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کو اللہ کا غالب دین، لشکر فاروقیؓ کو خدا کا ساختہ منصور لشکر فرمایا ہے۔ اور آیت کے وعدہؐ کے ایفاء کی خبر دی ہے چنانچہ اسی خطبہ کے تحت شارح نہج البلاغہ فیض الاسلام ج ا ص ۴۳۳ و ابن میثم بحرانی ج ا ص ۱۶۲ و ۱۶۷ اپر رقم طراز ہیں۔

مع کہ یہ وعدہ آیت وعد الله الذين امنوا (نور) میں مذکور ہے۔" قدیم نہج البلاغہ کے نسخوں میں تو آیت بھی تھی مگر اب نکال دی گئی ہے۔ م)

آیت ۲۔ الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (ج ۲۶)

وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکین (اقتدار) دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۳۰۰)

اس آیت میں ان مظلوم مہاجرینؓ کا ذکر ہے۔ جو اپنے گھروں سے صرف توحید کے جرم میں در بدر کیے گئے اور پھر کافروں کے ساتھ ان کو جنگ و جہاد کی اجازت ملی۔ پھر یہاں تک نصرت و حمایت کا وعدہ فرمایا کہ ان کو خلافت دینے کا بھی وعدہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دولت صرف مہاجرین صحابہ کرامؓ کو ملی۔ غیر صحابہ شیعی آئمہ نہ ان کے اوصاف سے موصوف ہوئے نہ وہ تمکین فی الارض پا کر اقامۃ الصلوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ تقیہ اور خوف کی وجہ سے سرانجام دے سکے۔ کما تقدم۔ شیعہ تفسیر مجمع البیان ج ۴ ص ۸۶ میں ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ مہاجرین کا وصف ذکر فرمایا ہے پس معنی یہ ہے کہ ان کو ہم ایسے کام کرنے کی طاقت دیں گے اور زمین میں حکمران بنائیں گے تو وہ تمام حقوق سمیت نماز ادا کریں گے اور اللہ کا ان پر فریضہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

آیت ۳۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ

اور وہ لوگ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان پر

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (نحل ۴۱)

ظلم کیا گیا. خدا کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی، ہم ضرور بہ ضرور ان کو دنیا میں رہنے کی اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہوگا۔

سابقہ آیت کی طرح مہاجرین سے اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ ا۔ دنیا میں باعزت مقام اور ۲۔ آخرت کی کامیابی. ظاہر ہے کہ دنیا کا باعزت مقام رتبہ اور خلافت ہے. الحمد للہ خلفاءؓ کو لوگوں کے دلوں پر حکمرانی نصیب ہوئی۔

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۳۶۲ میں ہے۔

ہم ان کو یقیناً دنیا میں اچھی جگہ بٹھلائیں گے اور وہ مدینہ طیبہ ہے۔ از ابن عباسؓ

وقيل لنعطينهم حالة حسنة و هي النصر والفتح وقيل هي ما استولوا عليه من البلاد و فتح لهم من الولايات

ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم ان کو اچھی حالت دیں گے جو نصرت اور فتح کی ہوگی. نیز تفسیر یہ بھی ہے کہ جو شہر اور ممالک ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے حسنہ کے وعدہ سے وہ مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ خلافتِ راشدہ اور اس کی فتوحات موعودہ الٰہی اور آسمانی وحی کی صداقت کا مظہر تھیں۔

آیت ۱۶ - قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (فتح ۱۶)

تم ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے یہ کہدو کہ عنقریب تم ایک بڑی سخت لڑاکا قوم کی طرف بلائے جاؤگے (یا تو) تم ان سے لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے. پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا اجر عنایت فرمائے گا اور اگر تم اسی طرح روگرداں ہو جاؤ گے. جیسا کہ تم پہلے روگردانی کر چکے ہو تو تم کو دردناک عذاب سے معذب کریگا (ترجمہ مقبول)

اس آیت میں یہ پیشینگوئی ہے کہ جہاد سے جی چرانے والے اعراب کو ایک وقت میں پھر دعوت الی الجہاد دی جائے گی. یا ان کو لڑنا پڑے گا یا وہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔

سنی شیعی مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عہد نبوی میں صرف غزوہ تبوک ایسا ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی مگر اس میں جنگ ہی نہیں ہوئی۔ اور غزوۂ حنین و تبوک اس سے قبل ہو چکے تھے۔ ان میں اعراب کو دعوت نہ دی گئی تھی۔ لامحالہ اس کا زمانہ خلافت راشدہ کا ہے۔ غزوۂ شام و فارس کے لیے ان کو دعوت دی گئی۔ شیعہ تفسیر مجمع البیان ج ۲۶۲ مر ۱۶ میں ہے کہ اس سے مراد مسیلمہ کذاب کے پیروکار بنو حنیفہ ہیں۔ از زہری۔ یا اہل فارس ہیں از ابن عباسؓ یا رومی ہیں از حسن بصری و کعب۔ تو یہ تینوں دعوتیں خلافت راشدہ میں ہوئیں۔

یہاں داعی کی اطاعت پر اللہ نے اجر حسن کا وعدہ فرمایا ہے تو یہ جہاد صحیح ہوا۔ اور داعی خلیفہ امام برحق ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب بعض قبائل اعراب ہیں۔ جیسے۔ اسلم جہینہ مزینہ۔ غفار اور اشجع اور طرفین کے مؤرخین کا اجماع ہے کہ نزول آیت کے بعد سرور کائنات کے عہد میں بجز غزوۂ تبوک کے ایسا غزوہ نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو۔ اور غزوۂ تبوک اس آیت پر منطبق نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے۔ تم جنگ کرو گے اپنے حریفوں کے ساتھ۔ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ مگر ان میں سے ایک بات بھی تبوک میں نہ ہوئی۔ معلوم ہوا وہ دوسرا امر کہ ہے تو یقیناً یہ داعی خلفاء ثلاثہؓ میں سے ہے۔ کہ جس نے اعراب کو مرتدین کے مقابلے میں دعوت جہاد دی۔ جیسے خلیفہ اول حضرت صدیقؓ کے عہد میں۔ اور خلیفہ ثانیؓ کے عہد میں اہل فارس و روم کے ساتھ جنگ کی اعراب کو دعوت دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں تقریر کا حاصل بھی یہی ہے کہ نزول آیت کے بعد غزوۂ خیبر میں تو اعراب کو دعوت ہی ممنوع تھی۔ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ۔ فتح مکہ میں جنگ کی صورت نہ تھی۔ غزوہ حنین و طائف میں بارہ ہزار مسلح اسلامی لشکر کے مقابلے میں بنو ثقیف کمزور اور ذلیل تھے۔ نہ کہ صاحبان باس شدید۔ گو مسلمانوں کو کثرت کے گھمنڈ میں ابتداءً کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آیت عہد نبوی کے بجائے خلافت راشدہ کے متعلق پیشینگوئی ہے۔

آیت ۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۲ مائدہ ۷)

اے ایمان لانے والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں، خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس کو وہ دوست رکھتے ہیں، مومنوں کے لیے وہ رحم دل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ فضلِ خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ صاحب علم و وسعت ہے (ترجمہ مقبول ۱۴۹)

عہد نبوی کے بعد مرتد ہونے والے لوگوں سے جہاد کرنے والے مومنوں کی اس آیت میں خوب توصیف و تمجید کی گئی ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے جہاد صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے لشکر نے کیا۔ منکرین زکوٰۃ۔ مرتدین اور جھوٹے متنبیوں سے بلاخوف ملامت کنندگان حضرت ابوبکر صدیق رضی نے اس ثابت قدمی اور جرأت و حوصلہ سے مقابلہ کیا اور ایک دن میں فوج کے ۱۱ دستے تیار کر کے مختلف محاذوں پر بھیجے اور ہر طرف سے فتح پائی۔ یہ ایسا کارنامہ ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت عمر رضی کا مقولہ مشہور ہے۔ "کہ میں اپنی عمر کے نیک اعمال ابوبکر رضی کو صرف ایک رات اور دن کے عمل کے بدلے میں دینے کو تیار ہوں۔ رات وہ کہ جس میں غار ثور میں حضور کی تنہا رفاقت و پاسبانی کی۔ اور دن وہ جس میں مرتدین کے ساتھ جہاد کیا (مشکوٰۃ) یہ دولتِ جہاد صرف حضرت ابوبکر رضی کو حاصل ہوئی نہ حضرت علی رضی اور دیگر یازدہ شیعی آئمہ کو کیونکہ عہد نبوی کے بعد حضرت علی رضی کو بھی نہ کفار سے جہاد نصیب ہوا نہ سختی کرنے کا موقعہ ملا۔ وہ تو ملامت کرنے والوں کے خوف کی وجہ سے بقول شیعہ اصلی اسلام کو بھی ظاہر و نافذ نہ کر سکے (روضہ کافی ص ۵۹، ۶۰)

اہلِ جمل و صفین پر چسپاں کر کے حضرت علی رضی کو اس کا مصداق بنانا بھی قطعاً غلط ہے کیونکہ شیعہ اعتراف کے مطابق اہلِ جمل صرف باغی تھے اور باغی بنص قرآن مومن ہے کافر

منافق نہیں (کشف الغمہ ص ... روضہ کافی ص۱۹۰) اور اہلِ شام بھی مومن و خاطی تھے جیسے تفصیلاً گزر چکا۔ تو معلوم ہوا۔ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکرؓ اور آپ کا لشکر کامل مومن، خدا کے محب اور محبوب، مومنوں پہ مہربان اور کافروں پہ سخت، مجاہد فی سبیل اللہ طعن و ملامت سے بے نیاز اور خدا کے خصوصی فضل سے مشرف ہیں۔ وللہ الحمد۔

مولانا عبد الشکور لکھنویؒ اس آیت (قتال مرتدین) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اسے حضرت مہدیؑ کے عہد پہ بھی چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ اول یہ کہ آیت لفظِ منکم بتلا رہی ہے کہ یہ پیشگوئی صرف زمانہ نزول کے مخاطبین کے ساتھ خاص ہے۔ اگر عام مانا جائے تو خلاف مشاہدہ اور بطلان لازم آئے گا۔ آج کے مرتدین پہ کون سی قوم مسلط ہوتی ہے۔ دوم بفرض محال عام بھی مانیں تو بھی آیت میں شرط و جزا کے بیان کے مطابق جب کبھی فتنہ ارتداد ہو تو اس پہ قوم مسلط ہونی چاہیے۔ اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہدِ نبویؐ اور خلافتِ اولیٰ میں فتنہ ارتداد ہوا۔ لہٰذا ان پہ قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ المختصر متواتر واقعات کا انکار ناممکن ہے۔ شیعہ کے مفسرین و مؤرخین اسے عہدِ صدیقی رضؓ کے متعلق تسلیم کر رہے ہیں۔ (منہاج الصادقین وغیرہ) (ملخص ص۳۲۷ تفسیر آیات قرآنی)۔

آیت ۶۔ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم ع۱)	اور اس دن ایمان والے اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔ اور وہ زبردست اور بڑا حکمت والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی وعدہ

کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں (ترجمہ مقبول ص۸۱۴)

یہ آیت غزوۂ روم اور مسلمانوں کی فتح سے متعلق ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ فارس پہ مسلمان غالب و حاکم ہوں گے اور وہ مغلوب و محکوم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو عہد فاروقی رضؓ میں پورا کیا۔ اگر آپ کی خلافت برحق نہ ہوتی یا وہ ناقص الایمان ہوتے تو قرآن مجید میں ایسی پیشگوئی قطعاً نہ آتی۔ کافی کتاب الروضہ ص۲۷ پہ ہے۔

کہ ابوعبیدہ نے امام باقرؒ سے اللہ کے ارشاد الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ کے متعلق پوچھا تو

فرمایا۔ اس کی حقیقت اللہ اور آلِ محمدؐ کے پختہ عالموں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روم سے مراد شام اور اس کے آس پاس کے علاقے مراد ہیں۔ یعنی فارس رومیوں پر غالب ہونے کے بعد عنقریب مغلوب ہو جائیں گے۔

يعني يغلبهم المسلمون في بضع سنين لله الامر من قبل ومن بعد يومئذ يفرح المومنون بنصر الله ينصر من يشآء فلما غزا المسلمون وافتتحوها فرح المسلمون بنصر الله قال قلت اليس الله عز وجل يقول في بضع سنين وقد مضى للمومنين سنون كثيرة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي امارة ابي بكر وانما غلب المومنون فارس في امارة عمر فقال الم اقل لك ان لهذا تاويلا وتفسيرا والقرآن يا ابا عبيدة ناسخ ومنسوخ اما تسمع لقول الله عز وجل لله الامر من قبل ومن بعد يعني اليه المشيئة في القول ان يؤخر ما قدم في القول الى يوم القضاء بنزول النصر فيه على المؤمنين فذلك قوله يومئذ يفرح المومنون بنصر الله ينصر من يشاء اي يوم يحتم القضاء فيه بالنصر

یعنی مسلمان کچھ سالوں میں ان رومیوں پر غالب آجائیں گے (کیونکہ) اختیار پہلے بھی اللہ کو ہے اور بعد میں بھی اللہ کو ہوگا اور جس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد کے ساتھ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے۔ پس جب مسلمانوں نے روم والوں سے جنگ کی اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی مدد پا کر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا اللہ نے چند سالوں کا لفظ نہ کہا تھا؟ حالانکہ مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بہت سال گزر گئے۔ اور مومنوں کو فارس پر غلبہ تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا تو حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ اس آیت کی تاویل و تفسیر ہے اور اے ابوعبیدہ! قرآن میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا؟ آگے اور پیچھے اختیار اللہ کا ہے یعنی اسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بات کو مومنوں پر مدد والے یقینی دن تک لیٹ کر دے تو اس قولِ الٰہی سے یہی (فتحِ روم)

مراد ہے" کہ اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ یعنی اس دن میں کہ مدد کا تعینی فیصلہ کرے گا"

عام روایات کے مطابق تو رومیوں کے غلبے کی بشارت ہے۔ عہدِ نبوی یعنی جنگ بدر کے دن کہ مسلمانوں کو دوہری خوشی ہوئی تھی۔ مگر امام باقرؒ نے اس شلیعہ تفسیر کے مطابق ویومئذ کو الگ مستقل جملہ بنا کر عہدِ فاروقی میں فتحِ روم کی پیشگوئی بتایا۔ اور لغت دیگر اس کے متمل ہیں۔ (للہ الحمد والفضل ما شهدت به الشيعة)

کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت امام باقرؒ نے نصرتِ خداوندی مسلمانوں کی خوشی اور فتح فارس کے ضمن میں حضرت فاروقِ اعظمؓ کی خلافت کی حقانیت اور آپ کے لشکر کے ایمان و صداقت کو بیان فرمایا۔

آیت ۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (پ ۲ بقرہ ۱۱۶)

شیعہ مفسر طبرسی سے اس آیت کا ترجمہ و تفسیر یہ ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی اور جو لوگ مہاجر بنے یعنی رشتہ داروں کو چھوڑا، گھروں سے جدا ہوئے۔ اپنے مال چھوڑ دیئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یعنی خدا کی فرمانبرداری میں جو اس کے بندوں کے لیے مقررہ راستہ ہے۔ کفار سے جہاد کیا۔۔۔۔ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں جو دنیا میں نصرت و فتح سے ہوگی اور آخرت میں ثواب ملنے سے ہوگی"

اس سے معلوم ہوا کہ حسبِ بشارت الٰہی ان مہاجرین و مجاہدین کو دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہو کر رہی۔ اسی کا نام خلافتِ راشدہ کی صداقت ہے۔ اور آخرت میں ثواب و اجر اور رحم و مغفرت ضرور ملے گا۔ جو خلفاء اور ان کے پیروکاروں کے کامل الایمان جنتی ہونے کی ضمانت ہے۔

آیت ۸۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا — اور بے شک زبور میں ہم نے بعد نصیحت کے یہ لکھ دیا تھا کہ (آخر میں) میرے نیک

عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ (پ ۱۷، ع ۷، انبیاء) بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے۔

مولوی مقبول شیعہ زمین سے دنیا کی زمین (فلسطین و شام) مراد لے کر مہدی آخر الزماں کے ساتھیوں کو وارث قرار دیتے ہیں۔

مگر یہ اس کے مخالف تو نہیں کہ مخاطب آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھی مراد ہوں جن کے ہاتھ پر اللہ نے یہ مقدس زمین بغیر جنگ کے محض حضرت عمرؓ امیر المومنین خلیفہ ثانی کی شکل و علامات دیکھ کر یہود و نصاریٰ سے دلا دی تھی جو تاریخ کا روشن باب ہے۔

شیعہ مفسر طبرسی مفسر اہل بیت حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہ نقل کرتے ہیں۔

وقیل هی الارض المعهودة یرثها امة محمد (صلی الله علیه وسلم) بالفتوح بعد اجلاء الکفار کما قال زویت لی الارض فاریت مشارقها ومغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منها عن ابن عباس فی روایة اخری (پ ۱۷، ص ۶۷)

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے معروف زمین (فلسطین) مراد ہے جس کے وارث امتِ محمدیہ کے مجاہد ہوں گے جو کفار کو جلا وطن کر کے اسے فتح کریں گے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا میرے آگے زمین کی گئی میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین (کے ممالک) مجھے دکھلائی گئی وہ میری امت کی بادشاہی میں آئیں گے۔ دوسری روایت میں یہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

شیعہ کو غلطی اس سے لگ رہی ہے کہ وہ الارض سے تمام زمین مراد لیتے ہیں۔

حالانکہ الف لام عہد کا ہے اس سے وہ خاص زمین مراد ہے۔ جسے یہود و نصاریٰ اپنی مقدس جگہ کہتے ہیں جو کنعان و فلسطین ہے۔ اور یہ ذکر کل ارادہ جزء ایسے ہے جیسے حضرت یوسفؑ کے اقتدار میں فرمایا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ (اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں اقتدار دیا۔ پ ۱۳ ع ۱) اور بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ (اور ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں گے) كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ (کہ ہم نے زمین کے مشرق و مغرب کا مالک و وارث اس قوم کو بنا دیا جو زمین میں کمزور گنے جاتے تھے پ ۹) تینوں آیات میں الارض سے مراد مصر کی زمین ہے۔

الغرض آیت میں ایسا کوئی قرینہ اور لفظ نہیں کہ اصحاب رسولؐ کو چھوڑ کر اصحاب مہدی کو عبادی الصالحون کا مصداق بنایا جائے۔ اس سے تو دجل وتلبیس کا الزام (معاذ اللہ) قرآن پہ آتا ہے کہ جن کو بشارت وانعام سنایا جارہا ہے ان کے کسی فرد کا بھی اس میں حصہ نہیں۔ تو ان عقلی ونقلی وجوہ سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد اصحاب رسولؐ اور لشکرِ فاروقی ہے۔ اور ان کی خلافت راشدہ سچی اور موعودہ الٰہی ہے جس کا منکر منکرِ قرآن ہے ولله الحمد

آیت ۹۔ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (مجادلہ ع ۳ پ ۲۸)	یہ تو اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بالضرور غالب رہیں گے۔

شیعہ مفسر طبرسی اس کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں۔ جو روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو (خندق میں) دکھلایا گیا کہ خدا ان پہ شہر فتح کرے گا تو مسلمانوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ضرور بالضرور ان پہ روم وایران کو فتح کرے گا تو منافق کہنے لگے کیا تمہارا خیال ہے کہ روم وفارس ان بعض شہروں کی طرح (معمولی) ہیں جن پر تم غالب ہوئے ہو تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔ (مجمع البیان پ ۲۸ ص ۲۶۹)
اس سے معلوم ہوا کہ قیصر وکسریٰ کی فتوحات درحقیقت خدا ورسولؐ کا غلبہ اور فتح تھی حضرت عمرؓ اور آپ کے لشکر مومنین کو اس کا مظہر اور آلہ بنایا گیا تو خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی۔

آیت ۱۰۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ (فتح ع ۴ پ ۲۶)	وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اور دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی اس کی تین تفسیریں کرتے ہیں۔ ۱۔ یعنی دین اسلام کو دلائل وبراہین کے ساتھ تمام دینوں پر غالب کردے۔ ۲۔ دین کو غلبہ، شوکت اور دنیا کے شہروں میں اشاعت وترقی دے کر غالب کرے۔ ۳۔ مگر اس کی تکمیل مہدی کے نکلنے پر ہو گی پس زمین میں سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے گا۔ (مجمع البیان پ ۲۶ ص ۹۰)
تبصرہ پہلی تفسیر کی ضرورت نہیں کیونکہ دلائل وبراہین سے غلبہ اسلام تو روز ازل

سے حاصل تھا کون سی دلیل کو کفار توڑ سکتے تھے۔ دوسری تفسیر ہی یقینی اور معتبر ہے کہ اسی کی ضرورت تھی تاکہ کفار کو مرعوب و مغلوب کر دیا جائے اور وہ اسلام کو مٹانے کے پروگرام میں ناکام ہو جائیں۔ تیسری تفسیر دوسری کے مخالف نہیں کیونکہ گو تکمیل خاص مصلحت کے تحت اس وقت ہو مگر دین کے غلبہ و اشاعت کا سلسلہ تو حضرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور سے شروع ہو چکا ہے اور دشمنان مٹ گئے ہیں۔ اب اگر زمانہ آخر میں یہود و نصاریٰ کا پھر غلبہ ہو جائے۔ زمین ظلم سے بھر جائے اور حضرت عیسیٰ و مہدی علیہما السلام کے ذریعے خدا دوبارہ اسلام کا اظہار و انقلاب برپا فرما دے تو وہ جدا بات ہے اور دیگر دلائل مرکبہ سے ثابت ہے اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آیت ۱۱۔ إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (پ ۲۴ ع ۱۱ مومن)

بے شک ہم زندگانی دنیا میں اپنے رسولوں کی (بھی)، مدد کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو ایمان لائے ہیں (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی فرماتے ہیں "کہ ہم ان کی مدد کئی طرح کرتے ہیں کیونکہ مدد حجت (اور استدلال) سے ہوتی ہے اور جنگ میں غلبہ سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے حکمت کا تقاضا ہو اور اللہ سبحانہ مصلحت جانتے ہوں اور مہربانی کرنے تائید کرنے اور دل کو مضبوط کرنے سے بھی ہوتی ہے اور دشمنوں کو ہلاک کر دینے سے بھی ہوتی ہے اور یہ سب قسم کی امدادیں منجانب اللہ انبیاءؑ اور مومنین کو حاصل ہوتی تھیں (مجمع ج ۲۴ ص ۲۰۶)

اس آیت کے تحت ہم کہتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام اور مومنین صحابہؓ کو بھی اللہ نے یہ سب نصرتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ حجت و استدلال سے غالب ہوئے۔ جنگوں میں کفار پر مظفر ہوئے۔ تائید ربانی سے ان کے دل مضبوط ہوئے اور ان کے دشمن ان کی تلواروں سے ہلاک ہوتے رہے۔ اور یہ سب کچھ خلافت راشدہ ہی کی تشریح ہے۔ جس کی حقانیت کی یہ آیت بھی ضامن ہے۔ کیونکہ اگر ان کو اس کا مصداق نہ مانا جائے تو یہ کوئی وعدہ و بشارت نصرت سچی ہو گی کہ مخالفین صحابہؓ شیعوں کو تو نا ہنوز ان میں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہو سکی۔

آیت ۱۲۔ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ کہ وہ کھیتی کے مانند ہیں کہ اس نے اپنی

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (پ ۲۶ فتح ع ۴)

کونپل نکالی پھر طاقت ور اور مضبوط ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی اب کھیتی کرنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (ترجمہ مقبول)

مفسر طبرسی لکھتے ہیں۔ "واحدی کہتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضؓ کی دی ہے۔ پس کھیتی تو محمدؐ ہیں اور پودے اس کے اصحاب اور آس پاس رہنے والے مومن ہیں۔ جو انتہائی کمزوری اور قلت میں تھے جیسے شروع میں چھری (فصل) کمزور ہوتی ہے پھر موٹی اور مضبوط ہو کر لہلہاتی ہے (یعنی ایک سے کئی شاخیں بن جاتی ہیں) تو اسی طرح مومنین صحابہ کرام رضؓ ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہو گئے اور خوب سخت طاقتور ہو گئے۔ اور اپنی خلافت (اسلام) پر پورے کھڑے ہو گئے" "تاکہ اللہ تعالیٰ ان (کی ترقی کی) وجہ سے کفار کو چڑائے۔" یعنی خدا نے ان کو بہت کثیر بنا دیا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ خدا کی (اطاعت پر اتفاق اور اپنی کثرت کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائیں۔" (مجمع البیان پ ۲۶ ص ۱۲۰)

یہ آیت سورت نور کی آیت استخلاف ہی کی تفسیر و تشریح ہے کہ وہ بکثرت ہو کر فتوحات کے ذریعے دنیا پر لہلہاتی کھیتی کی طرح چھا گئے فصل بونے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ اچھے لگتے ہیں مگر کافر ان سے جلتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ممالک اور علاقے صحابہ رضؓ کے قبضے میں آگئے اور معلوم دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب شیعہ حضرات ہی انصاف کر کے بتلائیں کہ وہ صحابہ کرام رضؓ کی تعمیر و ترقی اور فتوحات کے ذکر خیر سے چڑتے ہیں اور خلافت راشدہ کو بالکل برحق نہیں مانتے اور ان کے عیوب کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی موجودگی میں ان کو کیا خطاب دیا جائے؟ جب حضورؐ کو ان کی یہ ترقی اور کثرت پسند تھی اور آپ ان کو ۔ ۳ ۔ ۴ ۔ ۱۰ افسوس کہ سر فصل اجاڑنے کا مشغلہ جاری رکھیں تو کیسے کوئی آپ کو مومن بالرسول اور خیر خواہِ اسلام باور کرے گا؟

احادیث مصطفیٰؐ اور خلافت راشدہ

سوال ۳ کے جواب میں کچھ ذکر ہو چکی ہیں شیعہ اصول پہ کچھ یہ ہیں۔

۱. بعض ازواج مطہرات کو بتلایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔
حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱ تفسیر قمی ص ۳۴۶ تفسیر مجمع البیان ص ۳۱۴ ج ۲ سورت تحریم۔
اصل الفاظ یہ ہیں۔ "فقال ان ابابکر یلی الخلافۃ بعدی ثم بعدہ ابوک فقالت من انبأک ھذا قال اللہ اخبرنی۔ اس بنیادی مسئلہ پہ یہ سب سے قطعی دلیل ہے کہ فرمان و خبرِ نبوی ہے۔ اگر خلافت صدیق و فاروق کو منجانب خدا و رسولؐ سچا اور فیصلہ شدہ مانا جائے تو مذہب شیعہ باطل ہے۔ اگر شیعہ سچے ہوں تو خدا و رسول کی صداقت ختم ہو جاتی ہے۔

۲. آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو ولیعہد کی طرح امام نماز بنایا جیسے ابن سعد طبری ابن اثیر ابن خلدون وغیرہ تمام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ اور صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے کہ ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس امامت صغریٰ سے امامت کبریٰ پہ استدلال کر کے آپ کی بیعت فرمائی۔

۳. متعدد مواقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت دی اور اپنی طرف نسبت کی۔ علامہ باقر علی مجلسی آیت قل اللھم ملک الملک کے تحت فرماتے ہیں۔

۴. معتبر روایات کے موافق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ فتح مکہ یا جنگِ خندق کے موقعہ پر حضورؐ نے خبر دی۔

کہ خدا من و امت من بادملک بادشاہان عجم و روم و یمن و منافقان گفتند کہ محمد اکتفا بمکہ و مدینہ نمے کند و طمع در ملک بادشاہاں میکند (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۳۱-۱۵۸)

خدا نے عجم روم اور یمن کے بادشاہوں کے ملک مجھے اور میری امت کو دے دیئے اور منافق کہتے تھے کہ محمدؐ مکہ و مدینہ پہ اکتفا نہیں کرتا اور بادشاہوں کے ممالک کا لالچ رکھتا ہے۔

۵. حضورؐ کے فرمودہ کے مطابق عجم کے بادشاہ بڑی طاقت و شوکت کے باوجود ختم ہو گئے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۰۰) ۔ ۔ ۔ اور حق تعالیٰ نے چند آیاتِ دیگر میں خبر دی ہے کہ بلادِ فارس و روم کے علاوہ دیگر فتوحات اور نعمتیں خدا کی طرف سے ہوں گی۔ جن کا

ذکر میں نے بحار الانوار میں کر دیا ہے۔ (حیات ج ۲ ص ۱۶)

۶۔ ایک عرب کے مشہور عالم عبدالمسیح بن عمر و غسانی نے بشارت دی تھی پیغمبر آخر الزمانؐ کے مبعوث ہونے پر ...... ملک شام و عجم ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ اور قصر کسریٰ کے گرنے والے کنگروں کی مانند وہ بادشاہی کریں گے پھر ان کی بادشاہی ختم ہو جائے گی۔ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔" پھر مجلسی کہتے ہیں کہ ان کے ۱۴ بادشاہ ۱۴ سال میں ختم ہوئے۔ باقی حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک رہے۔ اور نیست و نابود ہو گئے۔ (حیات القلوب ص ۵۶۔ جلاء العیون ص ۱۴)

۷۔ کئی مرتبہ حضورؐ نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ خدا اور رسول کو مان لو۔

بادشاہ عرب و عجم شوید و در بہشت بادشاہ باشید (حیات القلوب ص ۲۶۳، ۲۶۱)	تاکہ تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ اور بہشت میں بھی بادشاہ رہو گے۔

۸۔ جنگِ خندق کے موقعہ پر کھدائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا نے پہلی چمک میں یمن کے محل مجھے دیئے۔ دوسری میں شام کے محل مجھے دیئے۔ تیسری میں مدائن کے محلات مجھے ملے اور عجم کی حکومتیں مجھے مل گئیں۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۰۹، ج ۲ ص ۲۴۶ وغیرہ)	تاکہ اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام ادیان (و ملل) پہ غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں۔

۹۔ جب کسریٰ نے حضورؐ کا مکتوب پھاڑ دیا تو آپ نے فرمایا

امت من بزودی مالک زمین او خواہند شد (حیات القلوب ص ۱۴۱)	میری امت جلد ہی اس کی زمین کی مالک بن جائے گی۔

قیصر و کسریٰ کے قاصدوں سے فرمایا۔ اپنے بادشاہوں سے جا کر کہو۔

کہ بادشاہی من تا منتہائے زمین خواہد رسید و ملک قیصر و کسریٰ بتصرفِ	کہ میری بادشاہی زمین کی انتہا تک پہنچے گی اور قیصر و کسریٰ کے ملک میری امت کے

امت من در خواہد آمد (حیات القلوب[۱۸۴])   قبضے میں آجائیں گے۔

قیصر و کسریٰ کی فتح کی پیشینگوئی کے متعلق یہ صرف ایک کتاب کی کچھ عبارات ہیں ورنہ یہ قصہ کتبِ شیعہ میں بھی متواتر ہے۔ باتفاق سنی شیعہ یہ فتوحات عہدِ فاروقی و عثمانی میں ہوئیں۔ آپ نے ان کی نسبتِ فتح خود اپنی طرف یا اپنی امت کی طرف کی ہے جس سے خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہوگئی

۱۰۔ شیعہ کی قدیم ترین معتبر تفسیر قمی (مصنفہ علی بن ابراہیم استاذ کلینی) ج ۲ ص۱۷۶ سورت احزاب حالات خندق میں ہے۔

"کہ حضورؐ نے کدال لے کر خود چٹان پر ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے شام (قیصر) کے محلات دیکھے پھر دوسری دفعہ ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے مدائن (ایران) کے محلات دیکھے۔ پھر تیسری دفعہ ماری اور بجلی چمکی تو ہم نے یمن کے محلات دیکھے تو حضورؐ نے فرمایا یقیناً اللہ ان ممالک کو تم پر فتح کرے گا جو بجلی میں تم نے دیکھے۔"

خلافتِ راشدہ کی حقانیت پر اہلِ سنت کی ۱۲ احادیث

۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک کنوئیں پر کھڑا ہوں ڈول رکھا ہے۔ میں نے اس سے پانی کھینچا جتنا اللہ نے چاہا۔ پھر ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیقؓ) نے وہ لے لیا تو ایک دو ڈول انہوں نے نکالے مگر ان کے بھرنے میں کچھ ضعف تھا اللہ ان کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت بڑا بن گیا تو اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا میں نے کسی زور آور کو نہیں دیکھا کہ وہ عمرؓ کی طرح زور و طاقت سے بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے (بخاری و مسلم از ابوہریرہؓ و ترمذی از ابن عمرؓ)

اس حدیث میں صریح اشارہ شیخینؓ کی خلافت کی طرف ہے اور حضرت عمرؓ کی خلافت

ے کافی کتاب الروضہ ص۲۱۶ حاشیہ ان میں محشی علی اکبر غفاری صاحب فرماتے ہیں چٹان والی یہ حدیث متواترات میں سے ہے اسے خاصہ اور عامہ سب نے بہت سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے شیخ صدوق نے بھی اپنی سند سے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے۔ انتہیٰ۔

کی قوت اور کثرتِ فتوحات کا بھی بیان ہے اور حضرت صدیق رضؓ کی خلافت کا ضعف خلافتِ فاروقی رضؓ کے مقابلہ میں کثرتِ فتوحات نہ ہونے کی وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدتِ خلافت صرف دو برس تین ماہ ملی۔

۲۔ ابوداؤد نے حضرت ابوبکرہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے۔ پھر ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ تولے گئے تو ابوبکر رضؓ وزنی رہے۔ پھر عمر رضؓ اور عثمان رضؓ وزن کیے گئے تو عمر رضؓ وزنی رہے۔ اس کے بعد وہ ترازو اوپر اٹھالی گئی اس خواب کو سن کر (ترازو کے اٹھ جانے سے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ خلافتِ نبوت ہے۔ اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا (ترمذی ابوداؤد۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶)

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب ذکر فرمایا۔ تھوڑا سا فرق عنوانِ بیان کا ہے۔ اس روایت میں خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کی خلافت کا بیان ہے۔

۴۔ حاکم نے حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنو مصطلق کے لوگوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپ کے بعد ہم اپنی زکوٰۃ کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکر رضؓ کو۔ میں نے یہی جا کر ان سے کہہ دیا۔ انھوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکر رضؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عمر رضؓ کو۔ ان لوگوں نے کہا پھر عمر رضؓ کے بعد کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا عثمان رضؓ کو۔"

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحؒ یہ روایت لکھ کر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں کبھی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفاءِ ثلاثہ رضؓ پر فرمایا ہے۔ کبھی میں اپنے قرض کی ادائیگی کا کبھی میں کسی اور معاملہ کا۔ یہ سب ولی عہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا گیا حضرت عثمان رضؓ کے بعد تو فرمایا کہ عثمان رضؓ کے بعد ہو سکے تو مر جاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

۴۔ ابنِ عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبیؐ نے ایک راز کی بات اپنی بعض بی بیوں سے کہی تھی۔ وہ یہ کہ آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہؓ کے والد میرے بعد لوگوں پر حاکم ہوں گے۔ اس کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔ کتب شیعہ سے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

۵۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلالاؤں اور عہد نامہ لکھوا دوں تاکہ دعویدار کچھ نہ کہیں، اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان رد کر دیں گے کہ ابوبکرؓ کے سوا اور کوئی خلیفہ بنے (بخاری ج۲ ۱۰۷۳)

۶۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں، مطلب یہ کہ آپ کی وفات ہو جائے تو آپ نے فرمایا مجھے نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ (یہ حدیث بخاری ج ا ص۵۱۶ ترمذی، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ نے روایت کی ہے)

۷۔ بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر بارہ (مقتدر) خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر صدیقؓ تو میرے بعد تھوڑے دن پائیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائے گا۔ اور شہید ہو کر مرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (چکی چلانے والا) کون شخص ہے۔ فرمایا عمرؓ بن الخطاب۔ پھر آپ عثمانؓ بن عفان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیص جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو لیکن قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ مجھے بھیجا اگر تم اس کو اتار دو گے تو جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے (چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مظلومانہ شہادت پائی مگر قمیصِ خلافت نہ اتاری) حضرت عمرؓ کو عرب کی چکی چلانے والا اور قطب حضرت علیؓ نے بھی فرمایا ہے۔ فکن قطبا واستدر الرحی من العرب (نہج البلاغۃ قسم اول ص۲۸۲)

۸. حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسولِ خدا دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے کہ ابوبکر رضؓ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کے بعد عمر رضؓ ہوں گے۔ ان کے بعد عثمان رضؓ ہوں گے۔ ان کے بعد میں ہوں گا۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا۔ (ریاض النضرہ غنیۃ الطالبین)

۹. حاکم نے حضرت سفینہ رضؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد میں ایک پتھر رکھا تو پھر فرمایا کہ ابوبکر رضؓ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عمر رضؓ ایک پتھر ابوبکر رضؓ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضؓ ایک پتھر عمر رضؓ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے خلیفہ ہونگے۔

۱۰. محدث بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوذر رضؓ سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں گیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ آگئے اور سلام کہا۔ پھر حضرت عمر رضؓ آئے تو سلام کہا پھر حضرت عثمان رضؓ آئے (سلام کہہ کر وہ بھی بیٹھ گئے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں تھیں۔ ان کو آپ نے اٹھایا ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں زمین پر رکھ دیں تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضؓ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان کو عمر رضؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان کو اٹھا کر حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ   پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وسلم ھٰذہ خلافۃ النبوۃ   کہ یہ خلافت نبوت کی ہے۔

اور ابن عساکر نے اس   اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر کسی ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں تسبیح نہ پڑھی۔
(بحوالہ تفسیر آیاتِ قرآنی ص۲۵۵-۲۵۶ - از مولانا عبد الشکور لکھنوی)

۱۱- عن حذیفۃ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ (ترمذی ج ۲ ص۲۲۹)	حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ تم میں زندہ رہوں گا تو تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا۔

ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت حذیفہؓ سے ربعی بن حراش کے واسطہ سے دو سندیں ذکر کی ہیں۔

شیخینؓ کو خلیفہ بنانے پر یہ حدیث مرفوع بالکل صریح دلیل ہے۔ تبھی تو سب صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے ان کی خلافت پر کلی اتفاق کیا۔ بایں معنیٰ ان کی خلافت کو اجماعی یا شورائی کہا جاتا ہے۔

۱۲- حضرت جابر بن عبد اللہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ آج ایک نیک آدمی (حضورؐ کی ذات مراد ہے) کو خواب آئی کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ اگیا اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ جوڑ اگیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ کے پاس سے اٹھے تو یہ تعبیر دیتے تھے۔ کہ رجل صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعضوں کا بعض کے ساتھ جوڑ کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ اس شریعت کے والی اور خلفاء (نبوی) ہیں۔ جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص۲۸۱ باب الخلفاء)

یہ تمام احادیث خلافتِ راشدہ کی حقانیت اور خلفاء کے ولی عہدِ نبوی ہونے پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں۔

رہا یہ کہ پھر خلفاء نے بیعت لیتے وقت ان کو پیش کیوں نہ کیا تو اس کی رکاکت ظاہر

ہے۔ کیونکہ خلفاء کو خود میاں مٹھو بن کر اپنے لیے یہ احادیث پڑھنے اور کشمکش پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بعض ان میں صرف چند کارناموں اور فتوحات پر مشتمل ہیں جب تک فتوحات عمل میں نہ آئیں تو کوئی کیسے فاتح یا خلیفہ مبشر فی الاحادیث ہونے کا دعویٰ کرے۔ شیعہ کے یہاں احادیثِ مصطفیٰ سے احادیثِ آئمہ کا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں حضرت علی رضؓ کی بھی ایک حدیث پیشِ خدمت ہے۔ (بقیہ ارشاداتِ آئمہ سوال ۳ کے جواب میں ملاحظہ کریں)

خبردار! میں ان شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا۔ ایک وہ جو ناحق پر دعویٰ کرے اور دوسرا وہ جو حق کو دوسروں سے روکے (نہج البلاغہ) تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؓ نے خلفاءِ ثلاثہ رضؓ سے جنگ نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک ان کی خلافت برحق اور صحیح تھی

خلافت اور اجماعِ امت

سنی شیعہ کتبِ حدیث۔ سیرت اور تاریخ سے یہ مصرح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دیگر سب خلفاء پر حضرات صحابہ کرام رضؓ اور سب امت نے اتفاق فرمایا۔ شیعہ بھی اس کے معترف ہیں تبھی تو سب صحابہ کرام اور امت سے ناراض اور ان کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اجماع سے کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں بالفرض اگر قرآن وسنت سے کوئی نص اور اشارہ خلفاءِ ثلاثہ رضؓ کی خلافتِ راشدہ پر نہ ہو تب بھی سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع سے خلافتِ راشدہ کی حقانیت قطعی اور یقینی ہے۔ اولاً۔ امت گمراہی سے محفوظ ہے تو اجماع برحق ہوا۔ جیسے تفصیل گزر چکی ہے۔ ثانیاً صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے

هم الصادقون ——— هم الراشدون ——— هم المومنون حقا ———

هم المفلحون ——— هم الغلبون ——— هم الفائزون ———

هم المتقون ——— هم الصالحون ——— جیسے القابات سے نوازا۔

سب کو وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ——— اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

——— کی سند عطا کی۔ کیا عقلِ سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ العیاذ باللہ یہ سچے۔ راست رو۔ پکے مومن۔ ابدی کامیاب۔ کفار پر غالب۔ کامیابی سے

سرفراز۔ خدا سے ڈرنے والے۔ نیکوکار۔ سب ہی بھلائی کے مستحق۔ خدا کے پسندیدہ و مقبول اور خدا سے راضی و مسرور۔ سب گمراہ ہو جائیں اور مستحق خلافت عند الشیعہ حضرت علی رضؓ کو چھوڑ کر غیر مستحق حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ پر اتفاق و اجماع کر لیں۔ کلا ان ھذا الابھتان عظیم۔

ثالثاً۔ حضرت علی رضؓ المرتضیٰ کے مذہب میں بھی اجماع سے خلیفہ بنتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہوئے اپنی خلافت کی حقانیت پر یہی دلیل پیش کی۔

انه بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكر و عمر و عثمان على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار و لا للغائب ان يردوا انما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل و سموه اماما كان ذالك لله رضى (نہج البلاغہ ج۳ ص۷ و اخبار الطوال ص۱۶۲ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ۱۹) ۲۶۲

بے شک میری ان مہاجرین و انصار رضؓ لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ و عثمان رضؓ کی بیعت کی تھی۔ اسی منصب خلافت پر جس پر ان کی بیعت کی تھی۔ اب موجود کو اختیار نہیں کہ اور کسی کو خلیفہ چنے نہ غائب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بیعت رد کرے۔ یہ مشورہ سے استخلاف مہاجرین و انصار رضؓ کا حق ہے۔ وہ اگر کسی آدمی پہ اتفاق کر لیں اور اسے نامزد کردیں تو اللہ کا پسندیدہ امام بھی وہی ہوتا ہے۔

بطور اختصار اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ میں انتخاب حدیث نبوی کے تحت ہوا کہ آپ نے الائمۃ من قریش فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ انصار رضؓ کے بجائے مہاجرین رضؓ اور وہ بھی قریشی حقدار ہیں۔ پھر جب سب صحابہ کرام رضؓ نے بنا بر حکم نبوی امام نماز ہونے کے سب سے افضل ابوبکر رضؓ کو جانا تو مشورہ سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شوریٰ و اجماع سے یہ بیعت حجت قطعیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں)۔ اسی پر حضرت علی رضؓ نے اپنی خلافت کی حقانیت جتلائی اور پھر طالبین قصاص پہ تلوار اٹھائی۔ جب ایک کام اصولی طور پہ درست ہو جو کسی دلیل سے ثابت ہو تو ضروری نہیں کہ

سب اد لہ شرعیہ سے اس کو اسی وقت ثابت کیا جائے بخصوصاً اگر وہ زمانہ کے اعتبار سے اپنے اندر ابہام رکھتا ہو۔ جیسے بالعموم پیشینگوئیوں کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وعدہ کے ایفاء یا پیش گوئی کے پورا ہو چکنے پر ہی اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ قبل از وقت اسے استعمال کرنا یا دلیل بنانا موزوں نہیں ہوتا۔ جیسے فتح خیبر کے موقعہ پر آپ نے فاتح کے حق میں خدا و محبوب خدا ہونے کی بشارت دی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا پانے کے بعد یہ کام کر چکے تب اس کی تعیین ہوئی ورنہ اس سے قبل ہر شخص امیدوار تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جھنڈا لیتے وقت وہ حدیث نہ پڑھتے تھے تو مسئلہ ہذا کو بھی اسی طور پر سمجھیں۔

حق چار یار

حق
چار یار

باب ششم

جنگِ جمل کے اسباب و علل

سوال ۱۲۔ اگر کوئی شخص خلیفہ وقت کو نہ مانے اور اس کی علی الاعلان مخالفت کرے تو ایسے شخص کی کیا سزا ہے۔ مگر یاد رہے۔ بی بی عائشہ رض، حضرت معاویہ رض، طلحہ رض اور زبیر رض نے خلیفہ وقت حضرت علی رض سے جنگیں کی ہیں۔ واقعات جنگ جمل و صفین و نہروان کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں کہ خلیفہ رسول ص کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب۔ یہ سوال، سوال ۱۱ ہی کا چربہ ہے۔ وہاں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ پھر ملاحظہ کر کے اور سوچ کر فیصلہ دیں کہ کیا ان حضرات کی طرف سے علی الاعلان خلیفہ وقت کی مخالفت ہوئی یا امام برحق حضرت عثمان رض کے باغی قاتلوں سے قصاص کا جائز اور آئینی مطالبہ تھا؟ ام المومنین رض کا موقف ان کی تقریر میں۔ قاضی نور اللہ جیسے غالی مؤلف نے بھی نقل کیا ہے۔ کہ جب بصرہ کے مرتضوی گورنر عثمان رض بن حنیف نے آپ کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا تو فرمایا۔

جمعے از سفہائے بلاد و رعاع از اطراف و اکناف در یک جا اجتماع نمودہ و اراقہ دم عثمان رض بن عفان بے گناہ کردہ اند و من اور مومنان سپاہ جمع کردہ ام تا از آں

مختلف مقامات اور علاقوں کے بے وقوف اور جہلا اکٹھے ہوئے اور حضرت عثمان رض بن عفان کا بے گناہ خون بہایا۔ میں مومنوں کی ماں ہوں، لشکر اکٹھا کر لائی ہوں تاکہ

جمیع انتقام کشم (مجالس المومنین ج ا صہ ۲۲۶) اس بلوائی جماعت سے بدلہ لوں۔
حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے بھی اپنے اسی موقف پہ بصرہ میں تقریر کی تو اہل بصرہ کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی (ایضاً صہ ۲۲۶) پھر اسی موقف کی حقانیت پر ایمان کا یہ نتیجہ تھا کہ لاتعداد اصحاب جمل اس دن شہید ہو گئے اور جس کجاوے میں حضرت عائشہؓ سوار تھیں وہ مسلسل لشکر علوی کی طرف سے تیروں کی وجہ سے چھلنی ہو گیا تھا۔ بنو ضبہ اونٹ کی لید ہاتھ میں لے کر یوں کہتے تھے کہ ام المومنین کے اونٹ کی لید مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر فخر کرتے ہوئے اونٹ کی مہار پکڑتے تھے۔ بہادری کے جوہر دکھاتے اور اس کے سامنے شہید ہوتے جاتے تھے۔ اور (قاتل عثمانؓ) اشتر نخعی یہ خونریزی کر رہا تھا (مجالس المومنین صہ ۲۸۶ ترجمہ اشتر)
تاریخ طبری وغیرہ کے حوالجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بھی گزر چکا ہے۔ اور نہج البلاغہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا قصاص عثمانؓ کو واجب جاننا اور اپنے اور معاویہؓ کے اختلاف کو صرف دم عثمانؓ میں منحصر کر دینا بیان ہو چکا ہے۔ ملا باقر علی مجلسی حق الیقین ج ا صہ ۱۴۹ اردو میں لکھتے ہیں۔ مگر فضیلت و مناقب آنحضرت کا وہ (معاویہؓ) بھی منکر نہ تھا اور ماسوائے قتل عثمانؓ میں شریک ہونے کے۔ اور کوئی فسق آپ سے منسوب نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ اسی پہ قانع تھا کہ حضرت امیر اس کی امارت برقرار رکھیں اور وہ حضرت کی بیعت کر کے حضرت کی خلافت کا اقرار کرے اور لوگ حضرت کے مناقب و فضائل مکرر اس کے سامنے ذکر کرتے تھے اور وہ ان کا انکار نہ کرتا بلکہ ان کو خود بیان کرتا تھا (شیعہ کے خاتم المجتہدین کی تحریر یکار یکار کر کہہ رہی ہے کہ علیؓ و معاویہؓ کا اختلاف صرف دم عثمانؓ میں تھا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر اور آپ کے مخالف ہرگز نہ تھے بلکہ آپ کے ماتحت امیر رہنا اور بیعت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کو تو مجبوراً اپنا دفاع کرنا پڑا۔ جیسے تفصیل سوال ۱۵ میں آ رہی ہے
قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں یہ عالمی سیاسی اصول مسلم ہے کہ حکومت رعایا کے جذبات کا احترام کرے ان کو ذہنی سکون مہیا کرتے ہوئے ان کے واقعی مطالبہ کو پورا کرے

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں انتقام اور غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اہلِ مدینہ اور اطراف و جوانب کے لوگ اس خلیفہ برحق عثمان مظلوم کا قصاص چاہتے تھے جس کا ۱۲ سالہ دورِ حکومت نہایت ہی پر امن اور مالی فراوانی و خوشحالی کا گہوارہ تھا یہاں تک کہ زکوٰۃ لینے والا بھی کوئی نہ ملتا تھا۔ اور مسلمانوں پر چاروں طرف سے فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد جو قصاص عثمانؓ کی شرط پر حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئے تھے۔ مگر جب آپ قصاص پر قادر نہ ہو سکے۔ تو مجبوراً وہ بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور طالبانِ قصاص کے حق میں اپنا فیصلہ دیا۔ بلوائیوں کے مکر و فریب سے خونی حادثات کے بعد بھی قانونی طور پر حکومت سے یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اور رعایا مطمئن نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ کوفہ اور اہلِ حجاز کے سوا سب صوبے حضرت معاویہؓ کی تحویل میں چلے گئے اور شیعہ کے خیال میں تو حضرت علیؓ کے حامی بہت کم تھے۔ اسی حقیقت کو۔ مخالفت خلافت کا غلط رنگ دے کر۔ قاضی نور اللہ صاحب بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

"جب خلافت حضرت امیر تک پہنچی تو جمہور مسلمان حضرت کی تابعداری سے الگ رہے اور طلحہؓ۔ زبیرؓ اور معاویہؓ باغی کی موافقت کو امیرؓ کی تابعداری پر ترجیح دی حتیٰ کہ کتب سیرت میں مؤرخین نے لکھا ہے۔

کہ با حضرت امیر از قبیلہ قریش در حرب صفین پنج نفر ہمراہی نمودند و سیزدہ قبیلہ از ایشاں با خانہ و کورہ ہمراہ معاویہ بودند (مجالس المومنین ص ۲۷۴)

کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ قریش کے صرف ۵ آدمی تھے اور قریش کے ۱۳ قبیلے مع اپنے افراد خانہ اور اسباب کے معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

حالانکہ مخالفت خلیفہ کا طعن بداہۃً غلط بات ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قصاص عثمانؓ کے طالب تھے پانچ آدمیوں کے سوا قریش کے تیرہ قبائل کا تمام آدمیوں سمیت۔ طالبان بدلہ کی صف میں شامل ہونا یہ بتلانے کے لیے کافی نہیں کہ اس وقت کی پوری قوم اور رعایا کا مطالبہ قصاص ہی تھا۔ حضرت علیؓ بوجوہ چند تعجیل میں معذور تھے۔ مگر اس موقف پر آپ کے

ہم خیال بہت کم لوگ تھے۔ اتنی واضح بات تو مخالفت خلیفہ کا طعن دینا یا طالبانِ قصاص کو حضرت علیؓ سے جنگوں کا مرتکب کہنا بہت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا عام پبلک سابقہ صدرِ مملکت کے قتل کے قصاص کا نئے صدر سے مطالبہ کرائے تو کیا یہ مخالفت صدر ہو گی۔ اور وہ نہ کر سکے باز کرنا چاہے۔ اور پبلک از خود تنظیم بنا کر مجرموں سے قصاص لینا چاہے تو کیا یہ حکومت سے اس کے فرض کی ادائیگی میں تعاون ہو گا یا اس کی مخالفت ہو گی؟ اور کیا کسی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس جائز مطالبہ پر پبلک پر لشکر کشی کر کے ان کو تہس نہس کر دے۔

اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو شیعہ حضرات ان حادثات کو سنی نقطۂ نظر سے کیوں نہیں دیکھتے کہ یہ بلوائیوں کے مکر و فریب اور غلط فہمی کا منفی نتیجہ تھیں حقیقۃً اختلاف صرف دمِ عثمانؓ بلکہ اس کے طریق کار میں تھا۔ اور باوجود مثبت کثیر مواد ملنے کے اس منفی انداز پر کیوں سوچتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی سب پبلک مخالف تھی۔ بڑے بڑے اکابر اور سیاستدان صحابہؓ ناراض تھے۔ پانچ آدمیوں کے سوا کوئی قریشی بھی آپ کا ساتھی نہ تھا اس طرزِ تفکر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ پر اتنا حرف نہیں آتا جس قدر حضرت امیرؓ پر آتا ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ہیں کہ "حب علیؓ نہیں بغض معاویہؓ" اور دشمنی صحابہؓ سوالی کی وجہ سے نادان دوستی کے رنگ میں حضرت علیؓ و اہلِ بیتؓ کو مظلوم، مغضوب۔ غیر مقبول۔ رعایا کے دل میں غیر معزز۔ اپنے مقاصد میں ناکام۔ دوستوں کی اعانت سے محروم اور سب مسلمانوں کے مخالف و دشمن ثابت کرنے پہ تلے رہتے ہیں۔ اس طرزِ فکر اور انداز تحریر سے مقامِ اہلِ بیتؓ میں اضافہ تو در کنار توہین در توہین ہوتی ہے۔ ہاں شیعہ حضرات کو اپنی گروہ بندی اور جہال مسلمانوں میں تفرقہ بازی پھیلانے کا خوب حربہ ہاتھ آتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خلیفہ رسول کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ حقائقِ بالا کی روشنی میں۔ یہ حضرات مخالفوں کی فہرست میں نہیں آتے اور نہ حضرت علیؓ نے ان کو اپنا مخالف مانا۔ ہاں قصاصِ عثمانؓ کے طریق کار یا بغیر خلاف

ضرور تھا۔ جو غلط فہمی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھا۔ ایسے اختلاف پر گو ماربیٹ اور قتال ہی کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ اسے مخالفت اور دشمنی نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ پیغمبر اور اپنے بڑے بھائی کی اس خیال پر سر اور داڑھی کھینچی اور زدوکوب کیا تھا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ میں کوتاہی کی (القرآن)

۲۔ ایک اسرائیلی کی نصرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو بطور تنبیہ ایک مکا مارا۔ اور وہ مر گیا۔ پھر دوسرے دن اسی اسرائیلی نے آپ کو نصرت کے لیے بلایا تو اس شیعہ کو آپ نے غَوِيٌّ مُّبِينٌ۔ کھلا گمراہ کہا۔ (القرآن پ۲۰)

اگر اس کی شرارت کا آپ کو پہلے دن پتہ چل جاتا تو قبطی کا قتل اور جلاوطنی کی نوبت نہ آتی۔

شیعہ اکابر کے اجتہادی اختلافات

۳۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی تو حضرت حسینؓ بہت ناراض ہوئے اور فرماتے تھے۔ اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی نے کیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا بھائی امام میں ہوں۔ چپ رہو ورنہ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی بہ نسبت شیعہ حضرت حسنؓ کا نام بہت کم لیتے ہیں۔ ان سے ناراض ہیں۔ ان کے نام کی مجلس۔ تعزیہ تکیہ۔ ماتم عزاداری۔ کارناموں اور قربانیوں کی تشہیر وغیرہ شیعہ سے ہم نے نہیں سنی۔ حتیٰ کہ شیعہ کے سب سے بڑے مؤلف کلینی نے کافی کے باب الزیارات میں حضرت حسنؓ کے جنت البقیع میں مزار اور ان پر صلوٰۃ و سلام کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ظاہر ہے اتنے شدید اختلافات میں بھی ایک بھائی کو دوسرے کا دشمن نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ حضرت حسنؓ کی اسی بیعت کے سلسلہ میں ایک کٹر شیعہ سفیان بن ابی لیلیٰ نے آپ کو یوں سلام دیا۔ السلام علیک یا مذل المومنین (جلاء العیون ص۲۶۳، احتجاج الطبرسی ص۱۴۲) اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو۔ اس کے باوجود شیعہ کے نزدیک یہ پکا شیعہ اور مومن ہے سو اس طنز و مخالفت حسنی کے باوجود وہ آپ کا دشمن نہیں۔

۵۔ صلح و بیعت حسنی کے دو سال بعد تک بھی شیعیان کوفہ تاسف و حسرت اور معاویہؓ سے لڑنے کی آرزو کرتے۔ حتی کہ ان کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسنؓ کی بیعت میں آکر کہا۔ آپ کی صلح سے ہمارا تعجب دور نہیں ہوا۔ جبکہ ہم ہزار تنخواہ خور جنگجو آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر حضرت حسنؓ نے ان کو اپنے شیعہ اور دوست کہا (جلاء العیون ص ۲۶۳)

معلوم ہوا کہ نظریہ اور عمل میں دو سال تک حضرت حسنؓ کے مخالف رہنے والے بھی دشمن نہیں بلکہ محب شیعہ ہیں۔ حتی کہ حضرت حسنؓ کے کمانڈر انچیف حضرت قیس بن سعد کے متعلق شوستری نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے خلافت معاویہؓ کے سپرد کی تو قیس اس عمل سے ناراض اور رنجیدہ ہو گئے۔ اور دل جلے ہو کر (حضرت حسنؓ کے متعلق گستاخانہ باتیں کرتے اور آنحضرت کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر قیس کی قوم حضرت حسنؓ سے جدا نہ ہوئی اور ان کے لیے حضرت معاویہؓ سے امان لے لی۔ قیس مدینہ جاکر عبادت میں مشغول ہو گئے حتی کہ ۶۰ھ خلافت معاویہؓ کے آخر میں وفات پائی (مجالس المومنین ص ۲۳۹)

یہاں بطور نمونہ صرف پانچ مثالیں پنج تن کے حبداروں کے لیے کافی ہیں۔ یہ اختلافات بظاہر بڑے اختلافات ہیں۔ فریق ثانی یا پیغمبر ہے یا امام معصوم جن کی توہین یا قول و فعل کی ناپسندیدگی کفر ہے مگر وہ کونسا شیعہ ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ یا حسینؓ۔ سفیان ابن ابی لیلیٰ اور حضرت قیس بن سعد پر خارج از ایمان ہونے کا فتویٰ لگائے گا (دیدہ باید)

ان شدید اختلافات کے باوجود اگر ان پر فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ یہ اختلافات اور تندی و تیزی البغض فی اللہ کے تحت ایمانی جذبات کے ترجمان ہیں۔ اور علم غیب اور اسرار پر آگاہی نہ رکھنے والوں سے ایسے چیزوں کا صدور ہی ایک گونہ کمال ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ۔ زبیر۔ عائشہ صدیقہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قاتلان عثمانؓ سے بغض فی اللہ کے تحت قصاص عثمانؓ کی تحریک چلائی۔ کیونکہ عند الرسول حضرت عثمانؓ کا مقام۔ اور قصاص عثمانؓ پر آمادگی کی وجہ سے ہی بیعت رضوان اور ۱۵۰۰ اصحاب کرامؓ کے جنتی ہونے کی قرآنی سند

* صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ کی حضورؐ سے گفتگو کا الزامی جواب یہی ہے۔ منہ

ان کو معلوم تھی۔ اور وہ ایسا کرنے میں معذور تھے۔ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کا مقام جانتے اور اس مسئلہ کی نزاکت سے خوب واقف تھے۔ مگر آپ اپنے اجتہاد میں تاخیر مفید جانتے تھے۔ لہٰذا آپ بھی معذور تھے۔ ایک تیسرا گروہ غیر جانبدار رہنے والوں کا بھی تھا جو کسی طرف سے بھی شریک نزاع نہیں ہوا۔ اپنے اجتہاد کی حد تک وہ بھی معذور تھا۔ اہل سنت کے نزدیک تینوں گروہ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں معذور و ماجور تھے۔ نیت سب کی نیک تھی۔ اللہ کے ہاں تینوں مقبول ہیں۔ جیسے حضرات حسنینؓ اختلاف اعتقاد و عمل کے باوجود عنداللہ مقبول ہیں اور ان کا اختلاف مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمارے حنفی علامہ ابن ہمام نے مسامرہ شرح مسایرہ میں کیا خوب کہا ہے تلک دماء طہر اللہ منہا ایدینا فلا نلوث بہ السنتنا۔ ان خونوں سے اللہ نے ہمارے ہاتھ پاک رکھے ہیں۔ تو ہم اپنی زبانیں ان سے ملوث نہیں کرتے۔ اسی طرح منصف مزاج شیعہ بھی کہتے ہیں۔ مگر ایک جماعت پر حق مشتبہ ہو گیا۔ وہ امام علیؓ کی نصرت سے رکے رہے۔ دنیا میں تو وہ اس ندامت سے شرمندہ رہے لیکن آخرت میں عذاب سے محفوظ ہوں گے گو دنیا میں ملامت سے نہ بچ سکے (کشف الغمہ ص ۲۴۲ طبع دہلی)

جو کچھ ہونا تھا خدائی نوشتہ و تقدیر کے مطابق ہو چکا۔ خلافت مرتضوی کی یہ خانہ جنگیاں قلب و جگر کو واقعی کباب بنا دیتی ہیں۔ ان پر جتنا بھی اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔ لیکن ان واقعات کو اچھال کر اپنے مخصوص مذہب کو رواج دینا۔ مسلمانوں میں ۱۴۰۰ سال بعد نفرت و عداوت کے بیج بونا۔ گڑھے مردے اکھاڑ کر پھر زخم ہرے کرنا۔ نہ دین و دانشمندی کی بات ہے نہ قوم و ملک کی کوئی خدمت ہے۔ جس میں شیعہ حضرات منہمک ہیں۔ جمل و صفین کے ۸۰ ہزار کشتگان کے متعلق ہم حسن ظنی رکھتے ہیں۔ اصولاً ہمیں اس وقت کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے اپنی مظلومی کا نالہ و شیون کرنا چاہیے۔ مگر جانتا و کلا کوئی مسلمان ان قضیوں میں نہیں پڑتا کیونکہ امیر المومنین۔ داماد رسول۔ زوج بتول۔ آسمان شجاعت و قضاء کے آفتاب۔ حضرت ابو تراب رضی اللہ عنہ بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں اور ایک سنی مسلمان آپ پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔

لیکن تعجب ہے کہ فریق ثانی صرف بحق حضرات شہداء کربلاؓ کی آڑ میں ۱۴۰۰ سال سے

مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور منافرت انگیزی کا مذموم کاروبار اور ربا کے علاوہ جملہ صحابہ کرام رض، تابعین، ہاشمی وغیر ہاشمی علوی وغیر علوی بزرگان دین پر سب و شتم اور تضلیل و تفسیق کی بمباری کرتے آرہا ہے مگر اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔

الزامی جواب باغی اس فرد یا گروہ کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کی باقاعدہ منظم حکومت کی مخالفت اور مقابلہ کرتا ہے۔ شیعہ فاضل ظل حسنین زیدی نہج البلاغہ اردو کے مقدمہ ص۲۵ پر تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رض بن ابی طالب کے دوست انگلیوں پہ گنے جانے والے تھے اور مخالف و دشمن لاتعداد دشمن طبقوں میں منقسم تھے۔" اس شیعہ تصریح کے مطابق جب حضرت علی رض کی جماعت بہت کم تھی اور عام رعایا مخالف تھی تو آپ کی حکومت منظم اور مستحکم نہ تھی۔ ایسی حکومت کے خلاف انقلابی کوشش بھی بغاوت شمار نہیں ہوتی، چہ جائیکہ سابق خلیفہ کے قتل کا طلب انصاف اور قصاص تحریک کی شکل میں بغاوت سمجھا جائے۔ حضرت طلحہ رض، زبیر رض، امیر معاویہ رض باصطلاح شرع باغی تھے یا نہ یہ شیعہ اور مسلمانوں کا اختلافی مسئلہ ہے۔

لیکن حضرت عثمان رض کی بارہ سال سے باقاعدہ منظم خلافت کے خلاف بغاوت کرنے والے بلوائی بالاتفاق باغی تھے۔

نہج البلاغہ اردو ص۵۰۶ خطبہ ۱۶۷ میں ہے "آپ کی بیعت ہو جانے کے بعد اصحاب رض کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو سزا دیں جنہوں نے عثمان رض پہ فوج کشی کی تھی تو اچھا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے بھائیو جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن یہ قوت کہاں ہے؟ جبکہ فوج کشی کرنے والے (باغی) پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ اس وقت ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر حاوی نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بعض علماء کی تحقیق میں حضرت عمار رض کا قاتل بھی یہی فئہ باغیہ تھا جیسے حضرت علی رض اور حسین رض کے قاتل اسی قماش کے کوفی لوگ تھے۔ اس بالاتفاق فئہ باغیہ کو قتل کی سزا حضرت امیر رض نے کیوں نہیں دی۔ جبکہ آپ ان کا جرم اور قصاص کی فرضیت خوب جانتے تھے۔ تماھو جوابکم فھو جوابنا۔ اے دے کے بعد اسی نتیجہ پہ آدمی پہنچتا ہے کہ مشاجرات صحابہ رض میں خاموش رہے۔

سوال ۱۵ - دستورِ انسانی اور اصول فلسفہ ہے کہ ایک چیز پر اگر دو آدمی آپس میں جھگڑ پڑیں تو وہ دونوں جھوٹے تو ہو سکتے ہیں۔ مگر دونوں سچے نہیں ہوا کرتے جب ایسا ہے تو جنگ جمل و صفین کے طرفین کے بارے میں دونوں کس طرح سچے ہوئے۔ جو صاحب غلطی پر تھے ان کی نشاندہی تو کر دو کہ فلاں بزرگ سے خطا ہوئی۔ کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے۔؟

الجواب۔ اس کا جواب بھی سوال ۱۱ اور ۱۴ کے ضمن میں آچکا ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ منطقی اصول کے مطابق تناقض و تضاد کے لیے آٹھ وحدتوں کا اجتماع شرط ہے ان میں ایک جہت بھی ہے اگر جہت و حیثیت بدل جائے تو دونوں باتیں صادق ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؓ خلافت کا نظم و نسق بچانے کے لئے تلوار اٹھاتے ہیں اور بحیثیت خلیفہ سچے ہیں۔ حضرات طالبین قصاص انتظام مملکت میں خلل یا خلیفہ بدلانے کے لیے یہ اقدام نہیں کرتے۔ بلکہ خلافت کے وقار کو سنبھالنے اور باغیوں سے قصاص لے کر خلافت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ناگزیر یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب قتال کی وجہ مختلف ہو گئی تو اختلاف علی شیٔ واحد نہ رہا۔ اپنے اپنے موقف میں دونوں سچے ہوئے۔ مشتہر صاحب کا خیالی دستور انسانی اور اصول فلسفہ باطل ہو گیا۔

ہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کتب عقائد اہل سنت میں لکھا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ مصیب تھے اور دیگر حضرات خاطی تھے۔ اس میں صواب و خطا کا یہ معنی نہیں کہ حضرت معاویہؓ و دیگر حضرات کی خلافت غلط تھی اور حضرت علیؓ کی درست تھی۔ کیونکہ وہ سب حضرات اور دیگر مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ خلافت و امامت میں طرفین کا دعویٰ اور نزاع نہ تھا۔ بلکہ نزاعی مسئلہ صرف دم عثمانؓ تھا۔ بلوائیوں کے حضرت علیؓ کے ساتھ حسن تعلق اور حمایت کی بنا پر اہل شام یہ گمان کرنے لگے کہ قتل عثمانؓ حضرت علیؓ کی سازش سے (العیاذ باللہ) ہوا۔ حضرت امیرؓ نے اختلاف کو صرف اسی نکتہ میں منحصر کر کے اپنی صفائی پیش کی۔

الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ — ہر بات متفقہ ہے بجز قتلِ عثمانؓ میں اختلاف
من دم عثمان ونحن منہ براء — کے اور ہم اس الزام سے پاک ہیں۔

حالانکہ وکلا کوئی بھی سنی مسلمان اس گناہ عظیم میں حضرت علیؓ کو ملوث نہیں مانتا سیدنا حضرت معاویہؓ نے بھی اس صفائی کے جواب میں فرمایا۔ فنحن لا ننکر ذالک علیہ الخ۔ ہم آپ کی پاکدامنی کا انکار نہیں کرتے لیکن قاتلان عثمانؓ جو علیؓ کے ساتھی ہیں ملنے چاہییں تاکہ ہم ان کو قصاصاً قتل کر کے خلیفہ کی اطاعت اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ (طبری ج ۶ ص ۵)

لیکن صد افسوس تو یہ ہے کہ آج کے نام نہاد محبان علیؓ۔ اہل اسلام اور حضرت عثمانؓ سے کمال بغض کی وجہ سے صراحۃً حضرت علیؓ کی پاکدامنی اور قتل سے برأت کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ و عثمانؓ میں ذاتی اور اعتقادی دشمنی تھی وہ قتل کے مستحق تھے۔ بلوائی حضرت علیؓ کے خاص طرفدار تھے اور محمدؓ بن ابی بکر اور اشتر نخعی جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے (مجالس المومنین ص ۲۹۸) وہ حضرت علیؓ کے خاص مقرب اور سپہ سالار تھے۔

(مجالس المومنین ص ۲۷۹، ۲۸۴)

اب آپ ہی غور کریں اگر یہ بیان درست ہے اور شیعہ کو اسی پر بعد افتخار اعتماد ہے۔ تو حضرت علیؓ پر بالواسطہ قتل کا الزام لگانے میں خود شیعہ نے مواد فراہم نہیں کیا۔ پھر اہل شام کا شبہ یا الزام بلا دلیل نہیں کہا جا سکتا جسے غلط کہا جائے۔

؎ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں نہ ہو

خطا و صواب کا معنیٰ

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و ام المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطاء کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص میں جلد باز تھے اور حضرت علیؓ کو قادر علی القصاص جانتے ہوئے ٹال مٹول کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت امیرؓ نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ میں قادر نہیں ہوں۔ اس قوم سے میں کیسے قصاص لے سکتا ہوں جو ہمارے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔ (نہج البلاغہ) ورنہ نفس قصاص میں اختلاف نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے طلحہؓ و زبیرؓ کے موقف کو سمجھنے اور تسلیم کرتے ہوئے جمل کے موقعہ پر خلفاءِ ثلاثہؓ کی تعریف۔ ان پر امت کا اتفاق۔ قاتلین عثمانؓ پر لعن طعن اور ان کو اپنے ساتھ نہ چلنے کی تاکید کر دی تھی (کما تقدم) ہمارے شیعہ مہربان کو اگر یہی اصرار تھا تو ہم نے خاطی کی نشان دہی۔ اور اس کی وجہ بیان کر دی۔ اب ان کو یہ اختلاف

ـــــــ

۔ یعنی بلا زبیری نیت سے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تھا مگر آپ کے حجت کرنے سے واپس ہو گیا۔

وشقاق چھوڑ کر دوبارہ اہل سنت مسلمانوں میں مل جانا چاہیے۔ بشرطیکہ حق وانصاف کی طلب ہو۔ اور اگر وہ غالی کی نشاندہی سے صرف ان پر لعن طعن کرنا چاہتے ہوں۔ تو ایسا کرنا بڑی گمراہی ہوگی کیونکہ خطا ونسیان لازمہ انسانی ہے۔ انسان صرف حسن نیت کا مکلف ہے۔ فکر وعمل میں بھول چوک سے پاکدامن رہنے کا مکلف نہیں۔ ہاں درست کارکو دوہرا اجر ملتا ہے اور خطا کار کو ایک گنا ملتا ہے۔ امامت کو منصوص من اللہ اور زندہ شیعہ امام کا ہر زمانہ میں وجود تسلیم کرنے والے شیعہ بھی جو غیر منصوص مسائل کے لیے "مجتہدین کے اجتہاد" کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ وہ بھی خطاء وصواب کے دونوں پہلو تسلیم کر کے ایک کو اختیار کرنے اور یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

کاملین سے سہو کا وقوع

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ متقدمین شیعہ انبیاء علیہم السلام کے خطاء ونسیان تک کے قائل ہیں چنانچہ آیت واما ینسینك الشیطن کی تفسیر میں شیعہ کے سب سے مستند عالم شیخ الطائفہ محقق طوسی نے تفسیر تبیان جو ۴ ص۱۶۹ پ ۷ میں اور علامہ طبرسی نے مجمع البیان پ ۷ ص۱۶۰ میں سہو انبیاء کی تصریح کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "ہم سنی کیوں ہیں؟" ص۲۹

غرض جب اہل سنت اور معتمد علماء شیعہ کے اتفاق سے خطاء ونسیان انبیاءؑ تک سے جائز ہے اور قرآن پاک اسی کی تائید کرتا۔ فَنَسِيَ آدَمُ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا حضرت آدمؑ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔

تو غیر انبیاء حضرت علیؓ ومعاویہؓ سے اس کا صدور بدرجہ اتم جائز ہے خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے صفین میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا آمن من ذالك من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی الخ
(روضہ کافی ص۳۵۰ ونہج البلاغہ)

مجھے سچی بات کہنے سے اور منصفانہ مشورہ دینے سے باز نہ رہو کیونکہ میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں اور نہ میں اپنے کاموں میں چوکنے سے بے فکر رہتا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو۔

قرآن و سنت سے کسی معین گروہ کی بالیقین تصویب اور دوسرے کی تغلیط ثابت
نہیں۔ جو کچھ قرآن و سنت میں بالیقین مذکور ہے۔ وہ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور ایک
سے اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے) کے تحت سب کا نیک مومن جنتی مغفور اور
مرضی عند اللہ ہونا ہے۔ قرآن نے ان کے مدحیہ پہلو پہ زور دے کر بدگوئی کو حرام بنایا ہے
تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر طعن تشنیع اور بدگوئی سے منع فرمایا ہے۔ شیعہ
مذہب سے تائب ہونے والے ان کے علامہ محقق شہامی حسن خان صاحب آیات بینات جزا
میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔ من سبنی فاقتلوہ و
من سب اصحابی فاجلدوہ۔ جو مجھے برا کہے اسے قتل کر دو اور جو میرے صحابہؓ کو برا
کہے اسے کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرامؓ کا ذکر
بھلائی سے کیا جائے اور مشاجرات میں پڑنے اور کسی گروہ پر طعن و تشنیع سے ضرور ہی بچا
جائے۔ (تفصیلات کے لیے عدالت صحابہؓ از مؤلف ملاحظہ کریں)

خطاءِ اجتہادی پر دشمنی اور طعن و تشنیع اس بنا پر بھی جائز نہیں کہ بڑے بڑے کاملین بھی
اس سے نہ بچ سکے جیسی کہ عند الشیعہ معصومین اور خاندانِ اہلِ بیتؓ میں بھی یہ باتیں پائی گئیں۔
سابقہ سوال میں گذشتہ پانچ مثالیں اسی نوعیت کی ہیں۔ انہیں پھر ملاحظہ کر کے مندرجہ ذیل
مثالوں سے بھی دل و نگاہ روشن کریں۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ (بنا بر قول اصح) دونوں پیغمبر ہیں۔ مگر دونوں
کے مخصوص عطائی علم۔ شرعی اور تکوینی میں فرق تھا۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کو حضرت خضرؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان کے ہر کام پر رضا اور خاموشی کا معاہدہ بھی ہو
گیا۔ مگر حضرت خضرؑ کا کشتی توڑنا۔ بچے کو مار ڈالنا۔ بغیر مروت لوگوں کی دیوار درست
کر دینا۔ صرف یہ تین کام ہی جب حضرت موسیٰؑ نے ملاحظہ کیے تو اپنے علم و اجتہاد سے
انہیں غیر شرعی سمجھ کر ہر دفعہ اعتراض کیا اور معاہدہ کی پابندی کا خیال نہ رہا۔ آخر کار حضرت
موسیٰؑ اور خضرؑ میں جدائی ہو گئی (القرآن کہف ۱۰۶)

اس واقعہ میں بڑے فوائد اور مصلحتیں ہیں منجملہ یہ کہ ایک کامل کو اپنے علم و اجتہاد

کی بنا پر دو بہت کا ہے سے اختلاف و مناقشہ درست ہے۔ عند اللہ دونوں مقبول ہیں کسی کی تغلیط و تردید نہیں کی جا سکتی۔ مسئلہ شابرات گو سنی عقیدہ کے مطابق غیر معصوم کا معصوم پہ قیاس ہے۔ مگر دونوں غیر معصوم فریقین کے پاس اپنے دعویٰ پہ معصوم کی نص اور حجت تو موجود ہے فثبت التشابہ کیونکہ اللہ کا حکم ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے) اور شرعی قانون ہے۔ "حد کا جاری کرنا واجب ہے۔"

۷۔ بھیڑوں کے قضیہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ دیا مگر اس کے برعکس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا۔ قرآن پاک نے فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (وہ فیصلہ ہم نے سلیمانؑ کو سمجھا دیا) سے حضرت سلیمانؑ کی تائید کی۔ کیا حضرت داؤدؑ کے فیصلہ کی تغلیط یا اس پہ طعن و تشنیع عند الشیعہ جائز ہو گی۔؟

۸۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کا پھل کھانے سے روکا گیا تھا۔ آپ نے خاص جزی درخت سمجھا۔ حالانکہ عند اللہ پوری نسل کی تھی چنانچہ خطار اجتہادی سے کھا بیٹھے۔ پھر استغفار کی تو اللہ نے معاف فرما دیا۔

۹۔ حضرت سید الرسل علیہ الف الف تحیۃ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کو جھوٹے حیلے بہانوں کی وجہ سے گنجائش سمجھ کر رہ جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اجازت ناپسند تھی معمولی تنبیہ کے بعد معاف فرما دیا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ	اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے ان کو کیوں
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ	اجازت دی (اجازت نہ دینی چاہیئے تھی)،
تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (توبہ ۶۷)	تاوقتیکہ سچے آپ کے سامنے نکھر جاتے۔ اور
	جھوٹوں کو آپ جان لیتے۔

بہرحال قرآن پاک میں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں بڑے بڑے اکابرین سے بعض اوقات فہم و اجتہاد میں چوک ہو گئی اور ان کا فیصلہ یا عمل مرجوح قرار پایا۔ مگر وہ منا ہے۔ نہ اس پہ طعن درست ہے۔ اور نہ ان کی شان میں کچھ کمی آئی۔ تو مسئلہ زیر بحث میں بھی صحابہ کرامؓ اکابرین دین کی جنس سے ہیں گو انبیاء علیہم السلام کی نوع سے نہیں۔ بلا تفاوت مراتب

ان کا احترام اور ان سے دفاع بھی ضروری ہے۔ اور ان کی اجتہادی خطائیں بعض قرآنی معاف ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۱۰۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے ہزاروں خطوط سے متاثر ہو کر اپنے تفکر و اجتہاد سے یزید پر خروج جائز سمجھا۔ مگر خاندان مرتضوی اور بنو عبدالمطلب میں سے صرف چند افراد نے آپ کی موافقت کی، حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس وقت موجود کئی فرزندوں اور دامادوں میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ محمد بن الحنفیہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے فضلاء بھی موجود تھے شیعی مذہب میں یقیناً یہ حضرات خاطی تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ ۷۲ نفوس کے سوا جن میں چالیس افراد غیر اہل بیت نسبی ہیں، حضرت علی کی اولاد اور خاندان بنو ہاشم کے سینکڑوں افراد کو شیعہ حضرات کفر، نفاق، دشمنی اور جہنم کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

۱۱۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اہل شام پر لشکر کشی کی اور صفین کے مقام پر خوفناک جنگ لڑی اور مسلمانوں کی خونریزی کو جائز سمجھا۔ نور نظر و فرزند اکبر سیدنا حسن المجتبیٰؓ کے روکنے پر بھی نہ رکے۔ لیکن زمام امامت جب حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے برضا و رغبت معاویہؓ سے صلح کی۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے لشکر کی ناراضی، طعنہ بازی اور قاتلانہ حملے سہے جبر کے بھی سہے۔ لیکن امت کی خونریزی سے بچنے کی خاطر یہ عظیم کام کیا۔ مسلمانوں کی خونریزی پر دلدادہ شیعوں کی جزبز اور طعنہ بازی کے جواب میں کیا خوب ارشاد فرمایا۔

غرض من اطاعت امر حق تعالیٰ امت	اس صلح و بیعت سے میری غرض حق تعالیٰ کے
بہ حفظ خونہائے مسلمانان پس راضی باشید	حکم کی اطاعت ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے خون
بقضائے خدا (جلاء العیون ص ۲۶۳ ج ۲)	کی حفاظت کرنا ہے۔ بس خدا کے فیصلے پر
	راضی ہو جاؤ۔

اب شیعہ ہی انصاف سے بتائیں اس کلی تضاد اور پالیسی کے اختلاف عمل میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کیا نانا حسنؓ میں حضرت معاویہؓ اور دیگر مسلمان زیادہ نیک ہو گئے تھے؟ یا عہد مرتضوی میں خدا نے مسلمانوں کی خونریزی کی وجہ کی تھی اور اب منسوخ ہو گئی!

۱۲۔ حضرت حسینؓ نے اس پہلی سنت کے برعکس پھر علم جنگ بلند کیا۔ شیعہ کے ہاں حضرت معاویہؓ و یزید میں چنداں فرق نہیں۔ پھر دونوں صحابیوں کے عمل کا یہ تضاد اپنے اپنے اجتہاد اور صوابدید کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہاں کسی ایک کو غلط کار کہا جائے گا یا نہ۔ اگر نہیں تو فریقین جمل و صفین کے متعلق کچھ مت کہیے۔

۱۳۔ عام شیعی پروپیگنڈہ کی روشنی میں حضرت حسینؓ نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا مگر یزید کے آگے نہیں جھکے۔ آپ کے جانشین بالغ حضرت علی زین العابدینؒ نہ صرف یہ کہ والد کے ساتھ شریک جنگ ہو کر شہید نہیں ہوئے بلکہ دمشق میں شاہی دستر خوان پر ۱۵ دن تک یزید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ تاریخ سے نفرت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بالآخر آسمان و زمین نے وہ دن بھی دیکھا کہ آپ نے موافقت کر کے اپنے والد ماجد کے عمل کو منسوخ کر دکھایا۔ حادثہ حرہ میں یزید کے خلاف تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ یزید نے بھی لشکر کو خصوصی تاکید کی تھی کہ زین العابدینؓ میرا وفادار ہے اس کی حفاظت کرنا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی)
شیعہ مؤلف بھی یہ حقیقت یوں مسخ کر کے پیش کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قد اقررت لک بما سألت انا	جو کچھ تو نے بیعت کا مطالبہ کیا۔ میں نے
عبد مکرہ فان شئت فامسک و	مان لیا۔ میں آپ کا مجبور غلام ہوں آپ چاہیں
ان شئت فبع (روضہ کافی ص۲۳۵)	تو اپنے پاس رکھیں۔ چاہیں تو بیچ ڈالیں۔

حالانکہ واضح ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق باپ بیٹے کا یہ متضاد طرز عمل ایک کو یقیناً خطا کار ٹھہراتا ہے۔ مگر امامیہ عقیدہ میں دونوں معصوم اور برحق ہیں۔ اس میں تقیہ کا سہارا بھی ان سے مذاق کرنا ہے۔ آخر وہ کون سی نص اور نزول وحی تھی جس کی بنا پر حضرت حسینؓ کے لیے تقیہ حرام تھا۔ اور حضرت زین العابدینؒ کے لیے واجب تھا۔ یہ کہنا بھی باطل ہے کہ اگر یزید کی مخالفت کرتے تو قتل ہو کر سلسلۂ امامت ختم ہو جاتا اس لیے کہ شیعی عقیدہ میں موت و حیات امام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اور امامت کی وصیت بیٹے کے لیے لازم نہیں اپنے بھائی یا بھتیجے کو کر دیتے۔ جیسے حضرت حسنؓ نے حسینؓ رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔

۱۴۔ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے امامت میں اپنے بھتیجے علی بن حسینؓ سے نزاع کیا۔ اور ان کا

پیروکار فرقہ کیسانیہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن زین العابدینؒ نے اپنے بھائی محمد باقرؒ اور بھتیجے جعفر صادقؒ کی امامت کا انکار کیا خود دعویٰ امامت کر کے عباسیوں کے اشتعال شہید ہوئے۔ اور ان کے متعلق مرفوع حدیث میں حضورؐ نے فرمایا "اے حسینؓ! تیری صلب سے (پوتا) ایک زید نامی شخص پیدا ہوگا۔ جو مقتول شہید کر دیا جائے گا۔ وہ اور اس کی جماعت قیامت کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے … پھر حضرت باقرؒ نے فرمایا میرے باپ (چچا) زید پر اللہ رحم کرے وہ بڑے عبادت گزاروں میں سے تھے۔ رات کو قیام کرتے دن میں روزہ رکھتے اور اللہ کے راستے میں کما حقہ جہاد کرتے تھے۔ (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۵۷ قصہ زید)

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و معاویہؓ پر فتویٰ لگانے والے شیعہ کیا حضرت محمد بن علی (ابن حنفیہؒ) اور زید پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔ (دیدہ باید) اگر نہیں تو وہ اصول کہاں گیا کہ "کسی ایک امام کی امامت کا منکر خدا و رسولؐ کے منکر کی طرح کافر ہے۔" (حیات القلوب ج ۲) اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے خانگی تنازعات جلاء العیون وغیرہ میں بکثرت مذکور اور مشہور ہیں۔ ہمارا ضمیر ان کی نقل مناسب نہیں جانتا۔

غور کا مقام ہے کہ ان سب اختلافات میں یا طرفین شیعہ کے ہاں معصوم ہیں کسی کو خاطی اور غلط کار نہیں کہا جا سکتا۔ یا ایک طرف امام معصوم ہے اور دوسری طرف معزز امام زادہ ہاشمی علوی ہے۔ علی الاعلان شیعہ اس پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگاتے جو امور تکفیر اور تخطیہ سے یہاں مانع ہیں وہی حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ پر طعن اور بدگوئی سے مانع ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

رہی یہ بات کہ "کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے" تو ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سوائے ان بلوائی غنڈوں کے جو لشکر علوی میں شامل تھے یا مبہم طور پر بدنیت مفسد تھے کہ وہ سب مقتولین جنت میں جائیں گے جو استحکام خلافت اور حدود اللہ کے اجراء کے لیے لڑے۔ اہل جمل کا قصہ تو واضح ہے۔ بلوائیوں کے مکر سے یہ جنگ خطا سے ہوئی۔ اور خطاءً قاتل و مقتول جنتی ہوتے ہیں جیسے جنگ احد میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے والد مسلمانوں

کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اہلِ صفین کے متعلق تو ہماری روایات میں حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔

قتلای وقتلی معاویة فی الجنة (رواہ طبرانی) ورجالہ وثقوا وفی بعضھم خلاف (مجمع الزوائد ۲۵۸ ۹۶)

میرے لشکر کے مقتول اور معاویہؓ کے لشکر کے مقتول جنت میں ہوں گے۔

اور نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۲۵ کے خطبہ میں بھی ان کو کامل مومن فرمایا ہے اور مومن کا جنت میں داخلہ بالاتفاق ہوگا۔

جنگِ جمل کے حالات میں تاریخ طبری ص ۳۱۶۷ میں ہے کہ آپ سے اپنے ساتھی ابوسلامہ نے پوچھا کہ کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا جو بھی خالصۃً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا (بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۸۵ شاہ معین الدین ندوی)

نیز سیدنا علیؓ سے متواتر یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو حضرت طلحہؓ کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا اور ان کے صاحبزادے محمدؒ سے رو رو کر فرمایا کرتے تھے۔ میں اور تمہارا باپ جنت میں ہوں گے اور یہ آیت ہمارے ہی حق میں اتری ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔
(بحوالہ مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ ص ۲۸۰)

جو کچھ ان کے سینوں میں کدورت تھی ہم دور کر دیں گے۔ اور بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ جب عمرو بن جرموز جو علیؓ سبائی نے لشکر سے الگ نماز و سجدہ کی حالت میں حواریِ رسولؐ اور پھوپھی زاد برادرِ پیغمبر حضرت زبیرؓ بن عوام کو شہید کیا۔ اور خوشی سے اگر حضرت علیؓ کو آ کر اطلاع دی تو آپ نے غصہ سے فرمایا۔

ابشر یا قاتل ابن صفیة بالنار
فقال عمرو نقتل اعداءکم وتبشرنا

اے صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل! تجھے جہنم مبارک ہو۔ عمرو کہنے لگا ہم تمہارے دشمنوں کو قتل

بالنار (اخبار الطوال صفحہ ۱۴۹) اور تم سبھی جہنم کی بشارت دیتے ہو۔ اکیسر۔
تنگ دل ہو کر اس نے خودکشی کر لی)

جمل و صفین کے متعلق ان تمام ابحاث میں حضرت علیؓ کے جملہ ارشادات کو پڑھ کر شیعہ حضرات کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ زبانی محبت کا دعویٰ اور اعتقاد و عمل میں کھلی مخالفت کہیں ان کو جہنم کا ایندھن نہ بنا دے۔ واللہ الہادی۔

ان حادثات کے بعد تاریخ فریقین کے بعض بعض حضرات کی ندامت اور توبہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ اس پر بھی مغفرت اور قاتل و مقتول کا جنت میں داخلہ ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو بندوں پر ہنستے ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے۔ اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ مقتول اللہ کے راستے میں لڑتا اور شہید ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ اور اسلام کی توفیق دیتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں لڑ کر شہید ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۹۳ طبع مصر)

سوال ۱۶۔ جناب رسولِ خدا نے کئی بار فرمایا یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون اے علیؓ! تو اور تیرے شیعہ ہی نجات یافتہ ہیں۔ کیا ایسی کوئی حدیث حنفی شافعی حنبلی مالکی کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی۔ بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے ہی تلاش کر کے اطمینان دلا دیجئے۔

الجواب۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب متداولہ اہل سنت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ شیعہ دوست کو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ لیکن چوری مال مسروقہ کا اتہ پتہ کیسے بتا سکتے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب موضوعات سے اسے نقل کر کے دلیل بنا دیا۔ بالعموم شیعہ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنی خودساختہ حدیثوں کو اس قدر شہرت دیتے ہیں کہ وہ عام لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے کید و مکر سے آگاہی کے لیے بڑے بڑے محدثین کو ایسی کتابیں لکھنی پڑی ہیں جن میں صرف بناوٹی حدیثوں اور ان کے گھڑنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کو "کتب موضوعات" کہتے ہیں۔ جیسے علامہ

سیوطی کی اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ اور ملا علی قاریؒ کی تذکرہ موضوعات وغیرہ ان کتابوں سے متہم بالوضع حدیث سے استدلال انتہائی خیانت ہوتی ہے۔ اور شیعہ کو اہلبیتؓ کے فضائل میں حدیثیں بنانے اور اس متاع کاسد کو مارکیٹ میں لانے کا اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ شیعی معتزلی علامہ ابن ابی الحدید کو شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۴۰۱ پر یہ اعتراف کرنا پڑا ہے۔

واعلم ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشيعة فانهم وضعوا فی مبدء الامر احادیث مختلفة فی صاحبهم حملهم علی وضعها عداوة خصومهم۔

واضح رہے کہ فضائل کے سلسلے میں جھوٹی احادیث بنانے کی بنیاد شیعہ کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اولاً انھوں نے ہی مختلف حدیثیں اپنے صاحب (حضرت علیؓ) کے حق میں بنائیں اور اس بناوٹ پر ان کو مخالفوں کے ساتھ عناد اور دشمنی نے آمادہ کیا۔

نجاتِ شیعہ کی یہ موضوع حدیث ملاحظہ ہو کتب صحاح یا موضوعات میں نہ مل سکی البتہ اس کے ہم معنی یہ موضوع حدیثیں دستیاب ہوگئی ہیں۔

ا۔ شعبی حضرت علیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"اے علیؓ! تو اور تیرے شیعہ (پیروکار) جنت میں ہیں۔ ایک قوم (بنام شیعہ) آئیگی جن کا بد لقب رافضی ہوگا۔ جب تم ان کو ملو تو قتل کردو کہ وہ مشرک ہوں گے۔" ابونعیم کہتے ہیں، یہ حدیث غریب ہے۔ شعبی کہتے ہیں، ہم نے اسے عصام سے لکھا۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ اس کی روایت میں سوار ہے۔ جسے امام احمد یحییٰ اور نسائی متروک کہتے ہیں۔ (العلل المتناہیہ لابن الجوزی ص ۱۵۸) علامہ سیوطی لآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۷۹ میں سوار کو متروک بتاتے ہیں۔ اور انت وشیعتك فی الجنة کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ سوار ثقہ نہیں ہے اور جمیع بن عمر بصری کذاب ہے۔ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۷۹)

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو خود شیعہ پر حجت ہے۔ کیونکہ جنتی تو حضرت علیؓ کے پیروکار (اہلِ سنت والجماعت) ہوں گے۔ اور نام نہاد شیعہ تو اب بھی رافضی مشہور ہیں۔ مشرک ہے معمور، قتل ہیں م؛ وراء جنت سے دور ہیں۔

۲۔ "ہمارے شیعہ قبروں سے نکلیں گے تو ان پر کوئی گناہ و عیب نہ ہوگا الخ" اس میں محمد بن سالم اور محمد بن علی کندی دونوں ضعیف ہیں۔ کنانی کہتے ہیں محمد بن سالم ابو سہل کوفی ہے جو متروک ہے۔ محمد بن علی کو حافظ ذہبی اور ابن حجر نے بقول ازدی ضعیف کہا ہے۔ ذہبی تلخیص موضوعات میں یہ روایت لانے کے بعد کہتے ہیں "اس کی سند اندھیری ہے اور متن جھوٹ ہے۔" (تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ج ا ص ۴۱۹ مولفہ علی بن محمد بن عراق کنانی المتوفی ۹۶۳ھ)

سوال والی حدیث کتب صحاح ستہ اہل سنت میں تو نہیں ہے۔ ہاں شیعہ کی کافی کتاب الروضہ ص ۳۰۵ میں مرفوع نبوی ہونے کے بجائے حضرت جعفر صادق سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ "کہ بنی عباس کا اختلاف۔ غیبی نداء۔ قائم کا خروج یقینی باتیں ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ وہ نداء کیا ہے امام نے فرمایا۔ اول دن میں آسمان سے ایک منادی نداء دے گا۔ الا ان علیا و شیعتہ ھم الفائزون (حضرت علیؓ اور ان کی پارٹی کامیاب ہیں) اور پھر دن کے آخر میں منادی آواز دے گا۔ الا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون (سنو! حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی کامیاب ہیں)

اس میں شیعہ کے مقابل حضرت عثمانؓ اور آپ کی جماعت کی کامیابی کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ وہ آخری دن میں ہوگا۔ تو شیعہ علیؓ کے متعلق پہلا اعلان۔ باطل یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ اعلان خروج مہدی کے وقت ہوگا تو آپ کا مذہب بھی تولاء عثمانؓ ہوگا۔ اور آپ کے ساتھ تولاء عثمانؓ رکھنے والی سب مسلمانوں کی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی اور نام نہاد شیعہ علیؓ اس وقت بھی ناکام ہونگے۔ وللہ الحمد۔

علی تقدیر التسلیم حدیث کا یہی مفہوم درست ہے۔ کیونکہ اخروی نجات کے متعلق دو فرقوں کا تقابل اور دونوں کی کامیابی کا اعلان غیر معقول ہے۔ اور حدیث کا سیاق و پس منظر امام برحق کی موجودگی میں دنیوی کامیابی کو متعین کرتا ہے۔ ورنہ یہ حدیث درایت کے لحاظ سے موضوع ہے کیونکہ قرآن پاک نے شیعہ کے بجائے ان کے دشمن اصحاب محمدؐ کی کامیابی کی بشارت دی ہے۔

ا۔ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ الآیۃ   یہ اللہ کا لشکر ہے سنو! اللہ کا لشکر ہی غالب

حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔	ہونے والا ہے۔
۲۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ پ	یہی لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں سب سے بڑے ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔

قرآن پاک کے یہ ارشادات تاریخ کی کسوٹی پر پورے اترے۔ کامیابی نے اصحاب محمدؐ اور خلفاء اسلام کے قدم چومے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ آج کے ۹۵ کروڑ مسلمان ان کی ہی قربانیوں اور فتوحات کی بدولت اسلام کے سایہ میں ہیں تو ان کے مخالف شیعہ کا وجود خود بخود کذب کا آئینہ ہے۔ اور کبھی ان کو تبع اسلام ہونے کی حیثیت سے کامیابی اور ترقی نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ ان کے سب اماموں نے بقول حضرت حسنؓ و حضرت مہدی مستور فی الغار۔ اپنے اپنے زمانہ کے (ان کے خیال میں) ظالم امام کی بیعت کی۔ (جلاء العیون ص ۲۹۱ و مجالس المومنین ص ۱۲۴) تا بدیگر شیعیان چہ رسد۔

اصلی شیعہ اور ان کی تعداد

واضح رہے کہ شیعی آئمہ کی واقعی تعلیمات کی روشنی میں شیعہ ہر چوڑے بھنگی۔ مراسی گویئے۔ پنج تن کے نام پہ بھکاری۔ مادر زاد ننگے ملنگان علیؑ۔ تارک شریعت قلندر۔ نسب پرست نام نہاد سید۔ متعہ و عیاشی میں مست امراء کو نہیں کہتے۔ جو بالعموم عشرہ محرم میں ماتمی مجالس اور شور و غوغا برپا کر کے فرضی جنت کا ٹکٹ۔ نماز روزہ سے پاک اور مونچھیں لمبی داڑھی صاف ذاکروں سے حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ آئمہ کے دین میں شیعہ وہ ہوتا ہے جو براہ راست معصوم امام زمانہ سے تعلیم شریعت حاصل کرے۔ پھر اس پر مکمل عمل کرے اور امام سے کما حقہٗ وفاداری کرے۔ چنانچہ کافی ج ۲ باب الطاعۃ والتقویٰ میں یہ صراحت ہے کہ خدا کا نافرمان بندہ دشمن ہے۔ ہماری محبت صرف عمل اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ بایں ہمہ حضرت علیؓ کے عمر بھر صرف تین یا ۴ شیعہ تھے۔ (روضہ کافی ص ۳۴۳) باقی تمام جم غفیر کو وفات سے پہلے آپ نے کفر و نفاق کی سند دی۔ (جلاء العیون ص ۱۷۹) حضرت حسنؓ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا۔ ورنہ خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے شیعستان عراق و کوفہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پناہ گزین نہ ہوتے۔ حضرت امام حسینؓ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ ۷۲ اصحاب مکہ اور افراد خاندان کے ساتھ کوفی شیعہ کے ہاتھوں

مظلومی کی شہادت نہ پاتے۔

حضرت زین العابدینؒ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ وہ یزید کی غلامی اور بیعت کا طوق گلے میں نہ ڈالتے (روضہ کافی ص۲۳۵)

امام پنجم حضرت باقرؒ کے بھی کوئی وفادار شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اوصاف شیعہ میں یوں نہ فرماتے۔

قال فیھم التمییز وفیھم التبدیل وفیھم التحمیص تاتی علیھم سنون تفنیھم وطاعون یقتلھم	ان میں چھانٹی ہوگی ان میں مذہب کی تبدیلی ہوگی ان کو پرکھا جائے گا۔ ان کو فنا کر دینے والی قحط سالی ان پر مسلط ہوگی اور طاعون ان کو قتل کرے گا۔

(اصول کافی باب المومن وعلاماتہ)

امام ششم حضرت جعفر صادقؒ کے بھی بلا شیعہ مومن نہ تھے ورنہ وہ تقیہ حلال نہ جانتے اور کوئی حدیث نہ چھپاتے (کافی باب قلۃ المومنین ص۲۴۲)

امام ہفتم، نہم، دہم، یازدہم کے بھی کوئی پیروکار شیعہ نہ تھے ورنہ ان کے خیر و شر کا کچھ شیعہ لٹریچر سے ثبوت ملتا۔

امام ہشتم علی رضاؒ کے بھی کوئی مخلص شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اپنے شیعوں کے ریزلٹ اور انجام کا یوں اعلان نہ کرتے۔

" اگر آپ میرے شیعہ کی پہچان کریں تو سب کو فیل پائیں اور اگر ان کو پرکھیں تو سب کو مرتد پائیں اور اگر ان کی چھانٹی کریں تو ہزار میں سے ایک بھی نہ نکلے اور اگر ان کو چھاننی سے چھانیں تو کوئی بھی نہ بچے بجز اس کے جو میرا ہو۔ یہ مدت سے تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں ہم شیعہ علیؓ ہیں۔ حالانکہ شیعہ علیؓ تو صرف وہی ہے جو اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھائے" (روضہ کافی)

حضرت امام العصر والزمان مہدی الغائب کے ۲۵۵ھ سے تا ہنوز علی اختلاف الروایات ۳۰۰، ۳۱۳، ۳۱۳ مومنین شیعہ بھی یک وقت نہیں ہوئے ورنہ حضرت امام باہر نکل کر ظلم و کفر کا خاتمہ اور عدل و توحید کا ڈنکا بجا دیتے۔

اصول کافی باب التمحیص والامتحان ج۱ ص۳۷۰ میں ہے " کہ امام جعفر صادقؒ سے سوال ہوا کہ قائم کے ساتھ کتنے لوگ ہوں گے؟ فرمایا۔ نفر یسیر۔ تھوڑے سے آدمی ہوں گے۔ راوی نے کہا لوگوں

ہیں مہدی کی حمایت کا دعویٰ کرنے والے تو بہت ہیں۔ فرمایا یقینی بات ہے کہ (شیعہ) لوگوں کو پرکھا، چھانٹا اور چھانا جائے گا اور بہت سی مخلوق چھاننی سے نکل جائے گی۔"

بارہ آئمہ کے شیعہ کی سب تعداد آپ کے سامنے ہے۔ جو چند صد بھی نہیں بنتے کیا صرف یہی واحد مسلمان ہیں جو شیعہ علی رضی جنتی اور کامیاب ہیں۔ اور خلفاء ثلاثہ رض کو ماننے والی کروڑوں اربوں کی تعداد میں امتِ محمدیہ شیعہ کے خیال میں جہنم میں جائے گی۔ تو پھر اصول کافی کی اس صحیح حدیث کا کیا مفہوم ہوگا۔

والناس صفوف عشرون و مائة الف صف ثمانون الف صف من امة محمد واربعون الف صف من سائر الامم (کتاب مفتی القرآن ص ۵۹۶)

سب لوگوں کی ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہونگی ۸۰ ہزار صفیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوں گی اور ۴۰ ہزار سب امتوں کی۔

یہ لوگ وہ ہیں جو بالآخر جنت کے حقدار ہوں گے۔ ۸۰ ہزار صف مذہب اہل سنت کے پیروکاروں کی ہی ہو سکتی ہے۔ جو امتِ محمدیہ کہلانے پر فخر بھی کرتے ہیں شیعہ کی فہرست بالا کے مطابق ایک صف بھی نہ بنے گی۔ پھر وہ کیسے کامیابی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

فائدہ مہمہ حدیث۔ انت و شیعتک ھم الفائزون کی حقیقت بیان ہو چکی۔ اب آپ کے افادہ کے لیے چند موضوع احادیث بھی ذکر کی جاتی ہیں جن سے شیعہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں تاکہ آپ ان کی چالوں میں نہ آئیں۔ تقیہ کی آڑ میں شیعہ حضرات نے وضع حدیث کے سلسلے میں بڑا کمال دکھایا۔ اور شریعت محمدیہ کے برعکس آئمہ کے نام سے مستقل شریعت اور دفتر احادیث تصنیف کر ڈالے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم ج ۱ ص ۸۴ پر لکھتے ہیں۔ رافضہ سب فرقوں سے جھوٹا فرقہ ہے حضرت علی رض کے ساتھی کا قول ہے۔ اللہ شیعہ رافضہ کو برباد کرے کتنا بڑا علم ضائع کر ڈالا (یعنی افتراء علی رض کی وجہ سے آپ کی طرف ہر منسوب بات مشکوک معلوم ہونے لگی۔)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں اس امت میں جتنا حضرت علی المرتضیٰ رض پر جھوٹ باندھا گیا۔ اتنا کسی پر نہیں (حضرت علامہ اپنے دور کی بات کرتے ہیں۔ ورنہ شیعہ نے جتنا حضرت باقرؒ و جعفرؒ

پر افترا کیا اور وہ جزوِ مذہب بنا حضرت علی رضؓ پر اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں باندھا گیا یا وہ انقلاباتِ دہر کے بھنور میں پھنس کر موجودہ شیعہ تک بھی نہ پہنچ سکا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ رافضیوں کا جھوٹ ضرب المثل ہے۔ علامہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں صحیح دین حدیث کے ماننے والوں کا ہے۔ مناظرہ اور حیلہ بازی ڈھکوسلہ بازوں کا حصہ ہے۔ اور جھوٹ رافضیوں کا شعار ہے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جو رافضی مذہب سے توبہ کر چکا تھا کہ جب ہم اکٹھے ہوتے اور ایک بات کو پسند کرتے تو ہم اسے حدیث بنا کر روایت کر دیتے (السنۃ قبل التدوین ص۱۹۷)

شیعوں کے آئمہ اہل بیتؓ پر کذب و افترا کا اقرار موجودہ محققین شیعہ کو بھی ہے۔ چنانچہ ایرانی عالم سید احمد الحسینی رجال کشی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

ولم یسلم الائمۃ ایضًا من ناس دسوا انفسھم فی اصحابھم واخذوا یختلقون علیھم الاکاذیب دیروون عنھم الاحادیث ویوجدون البدع والآراء الضالۃ حتی ان بعض الدجالین وضع الوفا من الاحادیث ونسبھا الی من لم ینفوہ بحرف واحد منھا (تقدیم ص۳ طہران)

آئمہ اہل بیتؓ بھی ان لوگوں سے محفوظ نہ رہ سکے جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھیوں میں گھسیڑ دیا اور ان پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے لگے اور بناوٹی روایتیں ان سے نقل کرنے لگے۔ بدعتوں اور گمراہ عقاید کو ایجاد کیا یہاں تک کہ ان بعض دجالوں نے ہزاروں حدیثیں بنا کر اس امام کی طرف منسوب کیں جس نے ان کا ایک حرف بھی منہ سے نہ نکالا۔

احادیثِ شیعہ میں واقعی اختلاف و تضاد اور اصولی مختلف فرقوں کے وجود کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ کیا وہ یہی نسبت یا یہ عیب واسطہ ہے جس پر شیعہ فخر کرتے اور مسلمانوں کو اہل بیتؓ سے انحراف کا طعنہ دیتے ہیں۔

شیعہ کی موضوع احادیث

۱۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ اسے امام ترمذیؒ نے جامع میں ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ منکر (غیر ثقہ راوی سے) ہے۔ سخاویؒ نے بھی یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ اس کی کوئی وجہ صحت کی نہیں۔ ابن معینؒ کہتے

ہیں یہ جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ابو سعید اور یحییٰ بن سعید بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (موضوعات کبیر ص۱۴ از ملا علی قاریؒ) ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج۷، ص۳۲۹ پر اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

۲۔ "اے علیؓ! آپ میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ اور میرے بعد میرا قرض ادا کرنے والے ہیں۔"

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور یہ موضوع ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ مطر نامی راوی موضوعات روایت ہے۔ اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ ابن عدی کی روایت بھی اسی مطر بن میمون سے ہے۔ اس میں خلیفتی فی اہلی کے الفاظ ہیں۔ (المنتقی ص۶۹۳) مطر بن میمون کو امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (موضوعات کبیر ص۱۴)

۳۔ ایک پرندہ آپؐ کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے دعا کی اے اللہ اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں حضرت علیؓ تشریف لائے۔" یہ حدیث سب محدثین کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے۔ مشہور محدث امام حاکم سے اس حدیث الطیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں۔ حالانکہ حاکم تشیع کی جانب مائل ہے مگر حاکم اور دیگر علماءِ حدیث مثلاً نسائی و ابن عبدالبر کا تشیع تفضیل علیؓ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ محدثین میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل قرار دیتا ہو۔ (المنتقی ص۶۹۵)

۴۔ "حضورؐ نے صحابہؓ کو حضرت علیؓ پر سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا آپ سید المسلمین امام المتقین اور اہل جنت کے قائد ہیں۔" شیعہ اس کی سند اور صحت ثابت نہیں کر سکتے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت کسی صحیح کتاب اور قابلِ اعتماد مسند میں موجود نہیں۔ اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں اور مزید یہ کہ علماء اسے موضوع قرار دیتے ہیں اسی طرح اس کے یہ الفاظ وھو ولی کل مومن بعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔
(المنتقی ص۶۹۷)

۵. "میرے اہل بیتؓ کشتی نوحؑ کی طرح ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پاگیا اور جو پیچھے رہ گیا ڈوب گیا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کشتی نوحؑ والی حدیث صحیح نہیں اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں موجود نہیں (منہاج السنۃ)

۶. "من احب حسنا وحسینا و والدیهما کان معی فی الجنۃ": یہ محدث قطیعی نے کتاب الفضائل میں مسند احمد کے آخر میں اضافہ کے طور پر نقل کی ہے۔ محدث ابن الجوزی نے اس روایت کو بواسطہ علی بن جعفر از موسیٰ موضوع قرار دیا ہے۔ (المنتقی ۲۰۲/۱)

۷. "حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ تمہاری محبت علامت ایمان ہے۔ اور تمہاری عداوت موجب کفر۔ تیرے محب سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے واصل جہنم ہوں گے۔"

ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے۔ کوئی مسلم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج و نواصب فرعون و ابوجہل جیسے رؤساء کفار سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ یا غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ حب علیؓ کی بنا پر انبیاء کرامؑ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

۸. خطیب خوارزم نے مرفوع روایت کی ہے کہ "جو حضرت علیؓ کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے۔ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔"

۹. بروایت انسؓ علیؓ کو آتے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: "میں اور علیؓ بروز قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔"

۱۰. معاویہ بن حیدۃ القشیری مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو شخص حضرت علیؓ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پرواہ نہ کریں کہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔

یہ تینوں روایات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خطیب خوارزم کا ان روایات کو نقل کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں جن کو دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ وہ حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار و اقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات

سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصر صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔ (کذا فی منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ)

۱۱۔ امام نسائی نے "خصائص علیؓ" میں عباد بن عبداللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبرؓ ہوں میرے بعد جو اس کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔"

یہ روایت امام احمد نے اپنی کتاب الفضائل میں ذکر کی ہے۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، عباد متہم بالکذب ہے۔ ابن المدینی نے بھی عباد کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں منہال راوی بھی ہے جو شعبہ کے نزدیک متروک ہے۔ اثرم کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ چھوڑیئے۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (المنتقی ص ۱۹۰)

درایۃً بھی حضرت علیؓ جیسے راست گفتار سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنی خودستائی اور برتری کے لیے غلط بات کہیں۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا "تو پہلا شخص ہے جو بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ تو صدیق بھی ہے اور فاروق بھی تو مومنوں کا یعسوب ہے۔" ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں عباد بن یعقوب اور علی بن ہاشم دونوں ضعیف ہیں۔ اس کی دوسری سند میں عبداللہ بن داہر ہے جسے محدث ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بطور نمونہ یہ متبرک عدد والی بارہ احادیث موضوعہ ذکر کی گئی ہیں ۲ تا ۱۰ ابن مطہر حلی نے منہج الکرامہ میں خلافت علیؓ پر پیش کی ہیں جس کے رد میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ نے شہرہ آفاق تصنیف "منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض الشیعۃ القدریۃ" لکھی ہے، ہماری تنقید اسی سے ماخوذ ہے۔

اہل سنت ہی فائز المرام ہیں | معترض کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی حدیث حنفی، شافعی، حنبلی مالکی حضرات کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی

بریلوی، نجدی، سہروردی، چشتی، قادری، نقشبندی حضرات کے لیئے تلاش کرکے اطمینان دلا دیجیے۔ ایک لغو بات ہے کیونکہ چاروں ائمہ مجتہدین کے پیروکار یا علم تصوف میں چاروں سلاسل کے سالکین آپس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے نہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں بلکہ شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں جب یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں تو سب کے لیے ایک حدیث نبوی اور فیصلہ مرتضوی کافی ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

وسیهلك فی صنفان محب مفرط یذهب به الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذهب به البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموه والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعة وایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس للشیطان الخ (نہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۱۶ مصر)

اور عنقریب میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو محبت میں غلو رکھتا ہو کہ محبت اس کو خلاف حق راستہ پر لے جائے اور ایک وہ جو عداوت میں غلو رکھتا ہو کہ عداوت اس کو خلاف حق کیطرف لے جائے۔ میرے متعلق سب سے اچھے وہ لوگ ہوں گے جو درمیانی راہ اختیار کریں گے لہذا تم درمیانی راہ کو لازم سمجھو اور سوادِ اعظم کی پیروی کو لازم سمجھو کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ خبردار جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ جماعت سے علیحدہ ہونے والا شیطان کا شکار ہے جس طرح وہ بکری جو گلے سے علیحدہ ہو جائے بھیڑیے کا شکار بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص تم کو جماعت سے علیحدہ ہونے کی ترغیب دے اس کو قتل کر دو۔ اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو (یعنی اگرچہ میں ہی کیوں نہ ہوں)۔"

نہج البلاغہ میں دوسرے مقام پر حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

اس یقینی ارشاد مرتضوی کی رو سے خوارج اور شیعہ کا باطل و ہالک ہونا اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ ایک غالی دشمن ہے۔ ایک غالی محب کہ آپ کے اندر خدا و رسولؐ کی صفات کا بھی عقیدہ رکھتا ہے۔ صحیح مسلمان سوادِ اعظم میں جو اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور آپ کے متعلق

معتدل عقیدہ رکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم سے مراد بڑی جماعت ہی ہے۔ جیسے حضرت علی رضؓ نے تصریح فرمادی اور ان کی اتباع کی فرضیت بتائی۔ علماءِ شیعہ بھی "سوادِ اعظم" سے اکثریتی جماعت اور اہلِ سنت مراد لیتے ہیں۔ مثلاً شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری مجالس المومنین ص۵۴ پر لکھتے ہیں۔

فقیر گفت کہ اہلِ سنت ہمیشہ سوادِ اعظم بودہ اند۔

فقیر کہتا ہے کہ اہلِ سنت ہر دور میں سوادِ اعظم ہوئے ہیں۔

اہلِ سنت جب سوادِ اعظم اور برحق و ناجی ہیں اور ارشادِ مرتضوی جیسے دنیا میں برحق نکلا آخرت کے اندر بھی برحق ہوگا اور اہلِ سنت فائز المرام اور جنات النعیم کے وارث ہوں گے اور جن محبانِ اہلِ بیتؓ پر حضرت امیرؓ نے ہالک کا فتویٰ لگایا اور تاریخی حقائق کی روشنی میں غدار و قاتلِ اہلِ بیت ٹھہرے۔ ان سے بددعائیں لیں اور آج بھی اتباعِ اہلبیت سے محروم اور بدعات کے علمبردار ہیں۔ ۱۳۰۰ سال سے ناکامی ان کا مقدر بن چکی ہے اور ظلم و سفاکی سے بھرپور خمینی انقلابِ ایران کا وجود نامسعود جعلی فقہ جعفری کے نشو و نما کارہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخرت

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (پ۱۵)

جو اس دنیا میں (حق دیکھنے ماننے سے) اندھا رہا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ترین ہوگا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو محبِ علیؓ شیعہ میں دسیوں فرقے قائم ہوئے۔ ہر ایک دوسرے سے اصولی اختلاف رکھتا۔ الگ امام بناتا اور دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ صرف امامیہ کے ۳۹ فرقے ہیں۔ تین بڑے فرقے۔ زیدیہ۔ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔
جناب امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔ کہ امت کے تہتر فرقے ہیں۔

ثلاث عشرة فرقة تنتحل ولايتنا ومودتنا اثنتا عشرة فرقة منها في النار وفرقة في الجنة۔

۱۳ فرقے ہماری ولایت و محبت کے قائل ہیں۔ ان کے بھی ۱۲ فرقے جہنم میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

(روضہ کافی کلینی ص۲۲۴)

کیوں صاحب! شیعہ علیؓ اگر فائز ہیں تو بانی تشیع امام ان کو جہنم کی سند کیوں دیتے ہیں اور نہ معلوم مشتہر صاحب اور ان کے ہم مسلک جہنمی فرقوں سے ہیں یا ایک جنتی فرقہ کے فرد ہیں۔

اور واضح رہے کہ شیعہ عقاید و لٹریچر کی روشنی میں عہد آئمہ کے بعد جنت کا مستحق صرف وہی مختصر گروہ ہوگا جس کی تعداد بیش از بیش ۳۱۳ ہوگی اور وہ بالفعل حضرت قائم کی نصرت کرے گا۔ ان کے علاوہ سب مدعیان تشیع منافق ہیں کیونکہ اگر اتنے مومن بھی ان میں ہوں تو حضرت مہدی غائب کو غار یا مخفی مقام سے باہر نکل آنا واجب ہو جائے گا (ملاحظہ ہو روضہ کافی ص ۳۱۳ طبع ایران)

سوال ۱۷۔ حضرت بی بی عائشہؓ کے تعلقات خلافت عثمانؓ کے وقت حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیسے تھے؟ کیا بی بی عائشہؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس بڈھے نعثل کو قتل کر دو خدا اسے قتل کرے۔ اگر ایسا ارشاد فرمایا کہ آپ مکہ تشریف لے گئیں تو حضرت علیؓ کی خلافت ظاہری کو سن کر حضرت عثمانؓ کو کس طرح انہوں نے مظلوم تسلیم کر لیا۔ کیا حضرت علیؓ سے دیرینہ حضرت عائشہؓ کو ذاتی رنجش نہ تھی ارشاد فرمائیں کہ جنگ جمل حضرت عثمانؓ کی حمایت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یا حضرت علیؓ کی دیرینہ دشمنی کا نتیجہ تھی۔

حضرت عائشہؓ و عثمانؓ میں عقیدتمندی

الجواب۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تعلقات اپنے فرزند و داماد حضرت عثمانؓ سے بالکل درست تھے۔ آپ کا بھائی محمد جب حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتا تھا تو آپ اسے سمجھاتیں کہ ضد سے باز آ جاؤ لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ ہر سال کے دستور کے موافق حضرت عائشہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلی گئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ صحابہؓ میں جن (چند) لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے اختلاف تھا اور جن میں ایک جھوٹے پروپیگنڈہ پر مبنی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بھی داخل ہیں وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ حاشا ان کا یہ مقصد تھا۔ واقعہ سے پہلے اشتر نخعی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا معاذ اللہ میں

اماموں کے امام کے قتل کا حکم کیسے دے سکتی ہوں۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۵۶)

حضرت عائشہ رضہ نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضہ کے تذکرہ میں فرمایا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان رضہ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر ایسا کبھی میں نے پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں۔ اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں اے عبداللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت علی رضہ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکہ نہ دے۔ اصحاب رسول ص کے کاموں کی اس وقت تک تحقیر نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا جس نے حضرت عثمان رضہ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہ کہنا چاہیئے تھا وہ پڑھا ہے جو نہ پڑھنا چاہیئے اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہ پڑھنی چاہیئے۔ ہم نے ان کے کاموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ رضہ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے یہ پوری تقریر جزء خلق افعال العباد ص ۶ پر امام بخاری رح نے نقل کی ہے (بحوالہ سیرت سیدہ عائشہ رضہ ص ۱۲۱ از سید سلیمان ندوی رح) اس اعلان سے زیادہ حضرت عائشہ رضہ کے مخالف عثمان رضہ ہونے کی افواہ کے جھوٹ ہونے پر کیا دلیل چاہیئے۔ درحقیقت یہی شیعہ کا لغو پروپیگنڈہ ہے جب وہ حضرت عثمان رضہ وام المومنین رضہ دونوں کو نہیں مانتے تو ان کے درمیانی حسن تعلق یا اختلاف سے شیعہ کا کیا واسطہ۔ اسی سے شیعہ کی بدنیتی اور فساد انگیزی نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رضہ سے حسن تعلقات

جنگ جمل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضہ کی مصالحت حسن نیت اور اصلاحی اقدام پھر سبائیوں کی سازش سے اچانک جنگ کا قصہ سوال ۱۲ کے تحت طبری وغیرہ تاریخ کے حوالہ جات سے گزر چکا ہے اسے مرتضیٰ دشمنی پر محمول کرنا بدترین بدظنی ہے جو از روئے قرآن حکیم عام مسلمانوں کے بارے میں بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ حبیبہ حبیب رب العالمین و امہات المومنین رضہ کے متعلق ایسی یاوہ گوئی کی جائے۔

احادیث صحیحہ و تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب جنگ کے بعد حضرت علی رضہ و عائشہ رضہ کی ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے گریہ وزاری کر کے معذرت اور امر جنگ سے لاعلمی ظاہر کی۔ دو آدمیوں نے ام المومنین رضہ کے حق میں گستاخی کی تو حضرت علی رضہ نے ان کو ۱۰۰ – ۱۰۰ درے کی

عدلگائی اور فرمایا کہ بخدا کہ یہ تمہارے پیغمبرؐ کی دنیا و آخرت میں اہلیہ اور تمہاری ماں ہیں۔
ان سے لغزش ہوگئی۔ ورنہ میرے اور ان کے درمیان کوئی خصومت نہیں۔ حضرت
عائشہ رضؓ نے بھی برأت کرتے ہوئے فرمایا۔ "میرے اور علیؓ کے درمیان کوئی رنجش ہاں
کبھی ایسی بات ہوگئی جو خاوند کے رشتہ دار اور بیوی کے مابین ہو سکتی ہے تو ممکن ہے"۔
(کذا فی کشف الغمہ ص ۱۲۴ لعلی بن علیسی اردبیلی شیعی) شاید اس سے اشارہ اس شکر رنجی اور صدمہ
کی طرف ہو جو قذف کے موقعہ پر آپ کو حضرت علیؓ کے حضورؐ کو اس مشورہ دینے سے پہنچا تھا
"کہ آپ پر تنگی نہیں۔ آپ اور شادی کر لیں"۔ جبکہ قرآنِ حکیم اور سب قرابتداران نبیؐ و
صحابہ کرام رضؓ نے آپؓ کی قطعی برأت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے تحت اس شدید
صدمے کا اثر۔ دیرپا بھی ہو سکتا ہے۔ صدیقہ بنت صدیقؓ نے اس کی طرف اشارہ کر دیا تو
یہ دوستانہ عتاب ہے۔ اسے جنگِ جمل کا سبب قرار دینا انتہائی ظلم اور خبث باطنی کا اظہار
ہے۔ ترمذی مناقبِ علیؓ میں حضرت اُم المومنینؓ نے حضرت علیؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور فرمایا
کہ حضرت فاطمہؓ کے شوہر بہت نماز گزار اور روزہ دار تھے۔ صحیح بخاری مناقبِ قرابت
اور مناقبِ فاطمہؓ میں حضرت عائشہ رضؓ ہی سے یہ روایت کی ہے۔ کہ مرضِ وفات میں حضرت
فاطمہؓ کو حضورؐ نے بلا کر چپکے سے کچھ کہا تو رو پڑیں۔ پھر کچھ فرمایا تو ہنس پڑیں۔ پھر حضرت
عائشہ رضؓ نے پوچھا تو فرمایا مجھے حضورؐ نے اپنے وفات پانے اور خاتونِ جنت ہونے کی بشارت
دی ہے۔ حضرت علیؓ کا آلِ عبا میں داخل ہونا اور اہلِ بیت ہونا بھی حضرت عائشہ رضؓ کے
ذریعہ ہی معلوم ہوا۔ (صحیح مسلم)
متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس مستفتی آئے ہیں (خود جواب دے کر)
انہوں نے ان کو حضرت علیؓ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۵) حضرت
علیؓ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافتیں کرتیں۔ (مسند احمد ایضاً) خوارج کی آپ سے
مخالفت اور شہادت سن کر حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا۔ خدا علیؓ پر رحمت بھیجے۔ ان کو جب
کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے۔ صدق اللہ و رسولہٗ۔ اہلِ عراق ان پر جھوٹ تہمت باندھتے
ہیں اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۸۶ بحوالہ سیرتِ عائشہ رضؓ)

اختلاف کا سبب قصاصِ قتلِ عثمانؓ ہی تھا۔ ایک پیغمبر کریمؐ کی بہترین اہلیہ ہیں۔ اور ایک معزز داماد ہیں۔ ان دونوں میں نفرت اور دشمنی ثابت کرنا پیغمبرؐ کی تعلیم و تربیت کا منکر ایک یہودی یا نصرانی تو کر سکتا ہے۔ مگر آپ کے محب اور مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اقتلوا نعثلا کا قصہ وضعی ہے | تلاشِ بسیار کے بعد تنقید کا یہ قصہ ہمیں تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۹ پر ملا۔ مگر افسوس کہ شیعہ کا یہ قلعہ بلبلہ آب ثابت ہوا۔

اولاً اس کی سند میں حسین بن نصر عطار، ابوالحسن بن مزاحم، محمد بن نویرہ، طلحہ بن اعلم حنفی وغیرہ ایسے مجہول لوگ ہیں جن کا عام کتبِ رجال و تاریخ میں تذکرہ نہیں ملتا۔

ثانیاً۔ ایک راوی سیف بن عمر معروف ہے۔ مگر اس پر کتبِ رجال میں کڑی جرح موجود ہے۔ میزان الاعتدال میں سیف کے ترجمہ میں ہے کہ وہ لیس بشیئ (کچھ بھی نہیں) ہے متروک ہے منکر الحدیث ہے۔ وضع و زندقہ سے متہم ہے۔ پھر آخری راوی اسد بن عبداللہ مروی عنہ کا نام نہیں لیتا۔ تدلیس کرتا ہے۔

ایسی بے سروپا اور جعلی روایت سے ام المومنینؓ جیسی ہستی پر طعن کرنا واقعی شیعہ کو زیب دیتا ہے۔

ثالثاً۔ درایۃً بھی یہ قصہ لغو ہے۔ بلکہ شاذ و منکر ہے کیونکہ اس کے خلاف حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات ثابت ہیں جن میں آپ نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا۔ قتل کو نفرت و حقارت سے دیکھا۔ ان پر لعنت کی اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کی تائید میں ان پر لعنت کی۔

(طبری ج ۵ ص ۱۹۳، المنتقیٰ ص ۳۲۹)

رابعاً۔ حتی الامکان آپ حضرت عثمانؓ اور بلوائیوں کے اختلاف کو دفع کرتیں۔ ماں کی حیثیت سے بلوائیوں کی کسی غلط رپورٹ پر آپ کو حضرت عثمانؓ پر تنقید کا حق حاصل تھا کبھی کچھ کہا ہو تو وہ کس منطق سے حضرت عثمانؓ سے دشمنی کے ذیل میں آئے گا۔ معاصرانہ تنقید عام بات ہوتی ہے۔ درحقیقت بلوائی کمینے آپ کی عزت کے بھی دشمن تھے۔ لگائی

بلوائی سے فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے اور یہ تنقید ان کی ہی خود ساختہ ہے۔ جب انھوں نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی بھی بے عزتی کی تو آپ عزت بچا کر اور حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی آئیں۔ اگر آپ بزعم شیعہ مخالف عثمانؓ اور آپ کی قتل پر خوش تھیں۔ یہ مقصد مدینہ شریف میں رہ کر جلدی حاصل کر سکتی تھیں۔ بلوائیوں کی ڈھارس بندھتی۔ مگر آپ کا عمل اس کے برعکس تھا۔

غا مسا۔ درحقیقت یہ تنقید جھوٹ ہے۔ نعثل کا لفظ صرف قاتلینِ عثمانؓ کی زبان پر جاری ہوا سب سے پہلے یہ لفظ بولنے والا جبلہ بن عمرو ساعدی تھا اس نے کہا اے نعثل میں آپ کو قتل کر کے ایک خارشی اونٹ پر سوار کروں گا اور اسے شہر سے باہر پتھریلی زمین کی طرف ہانک دوں گا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۴ مطبع حسینیہ مصر) بعدازاں یہ لفظ جنگ جمل کے موقعہ پر ہانی بن خطاب اور حبی کی زبان پہ جاری ہوا وہ کہتا ہے۔ ؎

ابت شیوخ من حج دھمان ان لا یرد نعثلا کما کان

تیسری مرتبہ یہ لفظ عبدالرحمٰن بن حنبل جمحی نے جنگ صفین کے موقعہ پہ بولا۔ وہ کہتا ہے۔

؎ ان تقتلونی فانا ابن حنبل انا الذی قلت فیکم نعثلا

جب جبلہ بن عمرو ساعدی نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ نعثل کا لفظ بولا حضرت عائشہؓ اس وقت مکہ مکرمہ میں محوِ عبادت تھیں۔ جب حج سے واپس ہوئیں تو یہ لفظ آپ کے کانوں میں پہنچا۔ (تحشیہ التلیب بر منتقی ص ۲۴۱)

سادساً۔ زیرِ بحث تاریخی روایت میں یہ بھی ہے کہ عبد ابن ام کلاب نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آپ کیوں قصاصِ عثمانؓ چاہتی ہیں جبکہ آپ نے ان پہ نکتہ چینی کی تھی۔

قالت انھم استتابوہ ثم قتلوہ فرمانے لگیں۔ بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ سے

وقلت وقالوا وقولی الاخیر خیر توبہ کرائی پھر انہیں شہید کر دیا اور میں نے

من قولی الاول (طبری ج ۴ ص ۴۵۹) یہ بات اس وقت کہی تھی۔ جب بلوائیوں نے

ان کے متعلق (میرے پاس غلط رپورٹ) بیان کی تھی۔ میری آخری بات (حقیقت پہ مطلع ہونے کی وجہ سے) پہلی بات سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جملہ ثابت بھی ہو تو غلط خبر پر مبنی تھا۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے تصریح

کردی ہے۔

سابقاً۔ بصرہ کے شہر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی تقریروں کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور آپ کے حکام پر الزام لگاتے۔ ہمارے پاس یہ لوگ مدینہ میں آتے تو جو کچھ بیان کرتے ہمیں اس کے چھپانے کا حکم دیتے اور ہماری خیرخواہی کو اپنے حق میں بہتر جانتے جب ہم ان کے الزامات میں غور کرتے تو حضرت عثمانؓ کو بری، پرہیزگار اور وفادار پاتے۔ اور ہم ان کو بدکار اور جھوٹا سمجھتے کہ یہ جو کچھ ظاہر کرتے اس کے خلاف ارادہ رکھتے تھے (طلب حق کے بجائے قتل عثمانؓ) جب یہ باغی تولہ بنانے پر قادر ہو گئے تو گھر میں گھس کر حرام خون، حرام مال اور حرام شہر کو حلال کر لیا۔ (طبری جو ۲م ص ۴۶۴)

حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا اے عثمانؓ! اللہ اگر تجھے ایک دن بھی خلافت کی قمیص پہنائے اور منافق اتروانا چاہیں تو اللہ کی اس پہنائی ہوئی قمیص کو کبھی نہ اتارنا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا تھا۔ راوی نے کہا اے اماں قتل والے دن آپ نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی۔ فرمایا بھول گئی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۱۱)

سوال ۱۸۔ مسلمانوں کے چار امام حضرت امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں۔ کیا ان کی امامت نص سے ثابت ہے یا حکومت وقت کی پیداوار تھی اور چار مصلے جو خانہ کعبہ میں بنائے گئے تھے ان کا شرعی جواز کیا تھا اور اب ان کو اٹھا بھی دیا ہے تو حکومت کا اپنی مرضی سے ان چار مصلوں کو کعبہ میں قائم کرنا اور عرصہ کے بعد اٹھانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان بزرگوں کی امامت حکومت کی مرہون منت ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

الجواب۔ اس بھونڈے سوال میں تو مشتہر کا مسلمانوں سے شدید عناد و تعصب سے باہر نکل آیا اور جہالت سے ائمہ اربعہ کا تقابل اپنے خود ساختہ ۱۲ ائمہ سے چاہنے لگا۔ اس پر واضح ہونا چاہیے کہ اہل سنت کے فقہاء مجتہدین و ائمہ اربعہ کی امامت۔ نہ نبوت سے افضل ہے نہ نبوت کی مثل ہے۔ نہ منصوص ہے۔ اور نہ اہل سنت شیعہ کی طرح جناب پیغمبر خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور منصب واوصاف میں اس شرکِ عظیم اور کفرِ صریح کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ یہ تو قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی میں نئے درپیش مسائل کے لیے غور و فکر اور صواب واصوب کی تلاش میں اجتہاد کا نتیجہ ہے اور کئی غیر منصوص نئے مسائل میں یہ اختلافاتِ آراء ایک ایک مذہب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جیسے خود حضرت باقر وجعفر رحمہما اللہ میں یا حضرت زید اور دیگر اہلِ بیت میں فقہی اختلافات ہیں جن میں ایک دوسرے کی نہ قطعی تغلیط کی جا سکتی ہے نہ کسی معین مسلک کو ماننا ہی باعثِ نجات ہے اور یہی اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔ جہاں تک حادثاتِ نو کے حل کے لیے اجتہاد و قیاس کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے ہم اس سے قبل سوال ۱۳ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ کافی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور جو ہمارے دین کے بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۴۶ ۸)

مولوی مقبول صاحب نے حاشیہ پر لکھا ہے " حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے علم کے موجب عمل کرے گا خدائے تعالیٰ اس کو اس علم کا بھی وارث کر دے گا جس کو وہ نہ جانتا ہو" (ایضاً)

آیت و حدیث کا مفہوم اس جد و جہد اور کوشش کو یقیناً شامل ہے جو نئے مسائل کے دینی احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنت سے معلوم ذخیرہ میں کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مجتہدین کو ان کا علم اور حل عطا فرما دیتے ہیں۔ جو پہلے سے معلوم نہیں ہوتا۔

حد یہ ہے کہ شیعہ حضرات اجتہاد کا یہ دروازہ۔ مثلِ پیغمبر، شارع و معصوم اور صاحبانِ وحی و کتاب ۱۲ آئمہ کا زندہ وجود ماننے کے باوجود بھی بند نہ کر سکے۔ اور وہ ہر زمانے میں مجتہد جامع الشرائط کی ضرورت اور وجوبِ تقلید کے قائل ہیں اور ایسے مجتہدین ان کے یہاں سینکڑوں ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا فیصلہ و اجتہاد دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک مجتہد کی وفات پر اس کے سارے مسائل باطل ہو جاتے ہیں اور نئے مجتہد و شمر تقلید ار کو خود

شیعہ ہی منتخب کر کے امام العصر کی سیٹ پر تاصباتہ بٹھا دیتے ہیں۔ ان کے قرآن و سنت کے مخالف مسائل کا تذکرہ طوالت کا موجب ہو گا۔

اہل سنت کے آئمہ مجتہدین اور ان کے اجتہاد کی پوزیشن واضح ہو۔

علامہ ابو الحسن شعرانی شافعی میزان الکبریٰ ج ا ص ۵۵ پر رقمطراز ہیں۔

فقد بان لك يا اخي مما نقلناه عن الائمة الاربعة وغيرهم ان جميع المجتهدين دائرون مع ادلة الشريعة حيث دارت وانهم كلهم منزهون عن القول بالرأي في دين الله وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر ..... وما بقي لك من عذر في التقليد لاي مذهب شئت من مذاهبهم فانها طرق الى الجنة كما سبق بيانه۔

ائمہ اربعہ وغیرہم سے جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے اس سے اے بھائی تجھ پر واضح ہو چکا ہو گا کہ تمام مجتہدین ادلہ شرعیہ کے ساتھ گھومتے ہیں جہاں وہ گھومیں اور بلاشبہ وہ سب اللہ کے دین میں اپنی رائے کی بات کرنے سے منزہ اور پاک ہیں۔ ان کے مذاہب (اربعہ) کتاب اور سنت نبوی پر ایسے جچے ہوئے ہیں جیسے سونے اور جواہرات پر نقش و نگار۔ اب تیرے لیے کوئی عذر باقی نہیں تو ان مذاہب میں سے جس کی چاہے تقلید کر لے کیونکہ یہ سب حسب بیان سابق جنت میں پہنچانے والے راستے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۳۵ پر لکھتے ہیں۔

”خلاصہ یہ کہ جب ان قواعد شرعیہ پر فقہاء نے فقہ کی بنیاد رکھی تو کوئی اختلافی مسئلہ زمانہ سابق کا یا ان کے اپنے زمانے کا ایسا نہ رہا جس پہ دلیل نہ مل سکے۔ ہر مسئلہ پر انہیں حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف، صحیح یا حسن، اور اعتبار و استدلال کے قابل مل گئی یا شیخین رضی اللہ عنہما، باقی خلفاء رضی اللہ عنہم بڑے بڑے شہروں کے قاضیوں اور علماء کے فیصلے ان کو مل گئے۔ یا قرآن و سنت کے عموم میں سے بطور اقتضاء النص یا اشارۃ النص ان کو استدلال کی سمجھ آگئی تو اس طرز پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت نبوی پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

مجتہد کے لیے۔ ادلہ شرعیہ۔ کتاب اللہ، سنت رسولؐ، اجماع امت، قیاس صحیح۔

کے علاوہ علوم عربیہ میں مہارت اور تقویٰ و بصیرت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے
سوال ۱۳ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اجماع امت اور قیاس صحیح مستقل ادلہ نہیں ہیں۔ بلکہ
قرآن و سنت کی فرع ہیں۔ کتاب و سنت کے صریح برعکس نہ اجماع منعقد ہوا اور نہ قیاس
کی گنجائش ہے۔ شیعہ حضرات بھی اپنے علماء کے اجماع کے اور مجتہد کے لیے ضرورت قیاس و عقل
کے قائل ہیں۔ گو تعبیر میں اختلاف سہی۔ ایک شیعہ مؤلف لکھتا ہے۔

"شیعہ کے نزدیک فقہ کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن مجید۔ سنت رسولؐ و آئمہ طاہرین
اجماع علماء (بشرطیکہ خلاف قرآن و سنت نہ ہو) اور عقل سلیم جبکہ غیر شیعہ فقہوں میں قیاس
کو ماخذ مانا گیا ہے۔" (شیعہ مذہب سچا ہے ص ۱۳۱)

گو مجتہدین بہت ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ان چاروں کی بزرگی اور امامت
پر متفق کر دیا اور ایسی مقبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ فرقہ شیعہ اور چند اہل ظاہر کے سوا سب کروڑوں
مسلمانوں نے ان کی تقلید کی۔ اور قرآن و سنت پر ان کے واسطے سے عمل کیا یہی ان کی حقانیت
کی دلیل ہے۔

کتب اہل سنت میں یہ حدیث قطعی الثبوت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ	بلاشبہ اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے
ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی	گا اور اللہ کا دست نصرت جماعت پر ہوتا ہے
النار (ترمذی)	جو جماعت سے الگ ہوا جہنم میں پھینکا گیا۔

کتب شیعہ سے اس حدیث کا ثبوت دیا جا چکا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

وما کان اللہ لیجمعھم علی الضلال	اور اللہ تعالیٰ ان صحابہؓ کو اور بعد والی امت

کو گمراہی پر جمع کرنے والا نہیں ہے۔

آئمہ اربعہ پر امت کا یہ اتفاق اور قبولیت عامہ عطیہ خداوندی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ حکومت وقت کی پیداوار نہیں اور نہ ان آئمہ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں
کو رشوت دی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومتوں کے اختتام کے ساتھ یہ مذاہب بھی ختم ہو جاتے۔

اور حکومتیں ان پر جور و جفا کرتی رہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۵۰ھ نے منصور عباسی کے جیل خانہ بغداد میں وفات پائی۔ حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خلق قرآن کے مسئلہ کے سلسلے میں ۳ سال جیل میں رہے اور ہر روز کوڑے کھاتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان آئمہ کی مقبولیت عامہ کے پیش نظر حکومتیں ملکی قوانین کی بنیاد ان کی فقہ پہ رکھتیں جس کی وجہ سے مسلمان اندرونی طور پر مستحکم تھے۔ اور بیرونی طور پہ جہاد اور فتوحات کے دروازے کھلے ہوتے تھے۔ تاہم للہیت کے پیش نظر یہ آئمہ اپنی فقہ و مسلک کو جبراً تمام مسلمانوں پہ نافذ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ہارون رشید نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا تو خواہش ظاہر کی کہ اسے تمام مملکت میں بطور قانون نافذ کر دیا جائے مگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہر شہر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے ہیں اور فقہ و حدیث کا خزانہ ان لوگوں کو ملا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا مجموعہ جو اہل مدینہ کی روایت و عمل سے ہے۔ ان سے کچھ مختلف ہو۔ تو اس کے جبراً نفاذ سے ان کو حرج واقع ہو۔ یہ شیعہ کے امام نہ تھے کہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو بے ایمان اور خارج از اسلام قرار دیں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ جو کہ جو آپ کو پہچانے وہی مومن ہے اور جو آپ کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور جو کسی اور کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۴۶)

اور عالمانہ بھیس میں حکومت و امارت کے لیے بے چین ہوں۔ جیسے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

لو کان لی شیعۃ بعدد هذه الجدی ما وسعنی القعود و نزلنا وصلینا فلما فرغنا من الصلوۃ عطفت علی الجدی فعددتها فاذا هی سبعة عشر۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۲ باب قلۃ المؤمنین)

اگر میرے ان بکریوں کے برابر شیعہ ہوتے تو مجھے طلب خلافت و حکومت سے بیٹھ رہنا جائز نہ ہوتا۔ راوی کہتا ہے ہم نے اتر کر نماز پڑھی اور بکریاں گنیں تو وہ صرف سترہ تھیں۔

حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کو اپنے مقام سے اٹھا کر شیعہ نے جس بلند مقام رسالت و الوہیت پہ بٹھایا ہے۔ اس کا مفصل نقشہ ہم سوال ۲۱ کے جواب میں دکھائیں گے۔ یہاں صرف یہ کہنا ہے

کو شیعہ حضرات اگر حضرت جعفر صادقؒ اور محمد باقرؒ پر من گھڑت روایات تھوپنے کے بجائے ان کے تفقہ اور استدلالات کو روایت کرتے اور اصول و فروع میں ان کو اہلِ اسلام سے الگ نہ دکھاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور حلقہ تعلیم بھی وسیع ہوتا۔ جہاں تک اہل سنت کا ان سے حسن تعلق تھا۔ انھوں نے ان سے احادیث اور فقہ بھی روایت کی۔ اور متعدد بزرگ عالم بھی تسلیم کیا۔ ان کا حلقہ احباب بھی وسیع ہوا۔ تاہم جو مقبولیت آئمہ اربعہ کو اللہ نے عطاء کی وہ ان سے زیادہ تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جب کبھی مدینہ آتے تو حضرت جعفر صادقؒ احتراماً کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ اصول کافی میں بھی ان کے آنے اور ملاقات کرنے کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اہل الرائے کا پروپیگنڈہ کر کے حضرت امام اعظمؒ سے جناب صادقؒ کو بدظن کرنا چاہا۔ آپ نے جب مختلف سوالات کیے تو امام ابوحنیفہؒ کو اس تہمت سے بری پایا۔ نیز امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہہ ہیں۔ امام ابن معین کہتے ہیں میرے نزدیک معتبر فقہ امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ اسی پر لوگوں کو عمل کرتے پایا۔ ایک امام کا قول ہے۔ آئمہ مشہورین میں سے جس قدر امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد و اصحاب ہوئے اور کسی کے نہیں ہوئے اور علماء اور تمام لوگوں نے جس قدر نفع امام ابوحنیفہؒ سے پایا اور کسی سے نہیں پایا۔ علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف بڑے آئمہ نے کی ہے۔ جیسے ابنِ مبارک۔ سفیان بن عیینہ۔ اعمش۔ سفیان ثوری۔ عبدالرزاق۔ حماد بن زید۔ وکیع۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ (تاریخ ابن خلدون)

چاروں مصلوں کو خانہ کعبہ میں قائم کرنا شرعاً جائز تھا۔ حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت ہو سکتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاروں آئمہ کے پیروکار کثرت سے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو۔ رواداری اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔

خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سعودی حکومت نے بعض مصالح کے پیش نظر متعدد جماعتوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو کوئی اس پر طعن و تشنیع نہیں کرتا کیونکہ جائز کام کو جائز سے مصالح کے پیش نظر بدلا ہے۔ واجب سے ناجائز کی طرف نہیں بدلا۔ اور اب بھی مختلف مسالک کے امام ہیں۔ راقم الحروف کو امسال ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ خود شرف حج حاصل ہوا ہے خانہ کعبہ کے

نمازِ پنجگانہ کے چار امام تھے۔ اگر ایک وقت شافعی المسلک امام نماز پڑھاتا ہے تو دوسرے وقت حنبلی المسلک جماعت کراتا ہے۔ ایک ہی امام کے پیچھے چاروں مسالک کے لوگ بلا نکیر و نزاع نماز ادا کرتے ہیں۔ گروپ بندی یا تعصب و اختلاف کی کوئی بات ہی نہیں۔ جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) میں جانے کا اتفاق ہوا تو تبادلہ خیال سے معلوم ہوا کہ چاروں آئمہ کی فقہ کی تدریس ہوتی ہے۔ اور مدرسین بھی چاروں مسالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو استاد جس مذہب پر چاہے پڑھاتا ہے اور اپنے مسلک کی خوب تائید کرتا ہے کوئی مخالفت یا جانبداری نہیں۔ اللہ پاک نے سعودی حکومت کے ہاتھوں مصلے اٹھوا کر اتفاقِ اہلِ سنت کی ایک تازہ مثال قائم کر دی ہے کہ ۱۲۰۰ - ۱۴۰۰ سال بعد بھی مسلمان ایک ہی کلمہ، ایک ہی قرآن اور ایک ہی پیغمبرؐ اور ایک مرکزِ ملت خانہ کعبہ کے قائل ہیں اور درحقیقت یہ شیعہ اور قادیانی اسلام دشمنوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے جو بدگمانی سے مسلمانوں کے چاروں مسالک کو ایک دوسرے کی ضد جانتے یا ان میں اختلافات کو اور نمایاں کر کے اتحادِ ملی کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے چند غالی جہلاء سے قطع نظر کسی بھی ملک کے سنی المسلک کو خواہ حنفی ہو یا شافعی مالکی حنبلی، علیحدہ نماز پڑھتے یا جماعت کراتے نہیں دیکھا۔ میں نے ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، شام، افریقہ ہر ملک و مسلک کے مسلمانوں سے ملاقات کی سب کے دل میں بہت ہی الفت و محبت کے جذبات دیکھے۔ ہاں ایرانیوں کو شاید اس کی وجہ مذہبی تعصب ہو گا، متکبر و متنفر پایا۔ خاکم بدہن۔ انہی لوگوں کو میں نے نماز کے وقت حرم شریف سے بھاگتے دیکھا۔ الگ جماعتیں ان کی مسجدِ نبوی اور خانہ کعبہ مسجدِ حرام سے باہر اپنے ڈیروں پر دیکھیں۔

شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں

یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ایک پیغمبرؐ ایک کتاب۔ ایک کلمہ اور ایک کعبہ اور ایک امت پر اتحاد کو باعثِ فخر جانتے ہیں۔ شیعہ ان پانچ وحدتوں کے ازلی دشمن ہیں۔ وہ پیغمبر کے بجائے حضرت علیؓ کو اپنے لیے منصوص من اللہ، ہادی اور مفترض الاطاعۃ جانتے ہیں۔ جیسے امام جعفر صادقؒ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں۔ "میں تو وہ شریعت لیتا ہوں

جو علیؓ لائے ہیں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ یجری لہ من الفضل ما جری لمحمد۔ آپؓ کا وہی منصب و مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ درحقیقت وہ حضرت علیؓ کو حضورؐ سے بھی افضل مانتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے اور حضرت علیؓ سب انبیاءؑ سے شیعہ کے ہاں افضل ہیں۔ تو وہ حضورؐ سے کم رتبہ یا مساوی کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی نسبت صرف حضرت علیؓ کی طرف ہو اس کا احترام شیعہ زیادہ کریں گے بہ نسبت اس چیز کے جو صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو مثلاً

۱۔ امت محمدیہؐ کہلانے کے بجائے وہ شیعہ علی کہلاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں یعنی الامکان امت محمدیہؐ کی مذمت کرتے اور شیعہ علیؓ کی مدح کرتے ہیں۔ کافی میں حضرت جعفر صادقؒ کا فرمان موجود ہے۔ فما ھذہ الامۃ الملعونۃ۔ ھذہ الامۃ اشباہ الخنازیر۔ یہ امت خنزیروں جیسی ہے۔ یہ کیسی ملعون امت ہے۔ (اصول کافی ج ا ص ۳۳۷) نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے۔ "ہمارے شیعہ کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں" (روضہ کافی ص ۲۸۵)

۲۔ حضرت علیؓ کے والد جناب ابو طالب کو تو بلا دلیل اور خلاف قرآن مومن اور محترم مانتے ہیں، مگر حضور علیہ السلام کے محترم چچا حضرت عباسؓ کو ذلیل النفس اور ضعیف الایمان کہتے ہیں۔ (روضہ کافی ص ۱۸۹ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۶)

۳۔ حضرت علیؓ کے مسکن کوفہ کو حرم شریف قبۃ الاسلام وغیرہ کہتے ہیں، حالانکہ اسی شہر کے منافقوں نے حب اہل بیت کی آڑ میں اہل بیت رسول پر قیامت توڑی اور عزت و خون خاک میں ملایا۔ مگر مسکنِ نبوی و مسکن خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ کے متعلق ان کی احادیث یہ ہیں کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ مسلمان) رومیوں (عیسائیوں) سے بدتر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے بدتر ہیں اور اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اہل مکہ کھلے کافر ہیں اور مدینہ والے ان سے ستر گنا بڑے پلید ہیں۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اللہ شوستری نے لکھا ہے۔

دامادِ مکہ و مدینہ محبتِ ابوبکرؓ و عمرؓ   مکہ اور مدینہ کے باشندوں میں حضرت
ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت بہت ہے۔   برایشاں غالبست (مجالس المومنین ص۵۵)

۴۔ حضرت علیؓ کی ازواج کو محترم ماں کی طرح جانتے ہیں۔ مگر آیاتِ تطہیر کی مالکہ ازواجِ مطہراتِ نبویؐ کو اہلِ بیت سے خارج اور خصوصاً حضرت عائشہؓ و حفصہؓ و ام حبیبہؓ کو وہ مغلظات بکتے ہیں، قلم میں لکھنے کی تاب نہیں۔

۵۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادیوں کا احترام کریں گے مگر حضرت فاطمہؓ کے سوا باقی تین صاحبزادیوں حضرت زینبؓ، رقیہؓ و ام کلثومؓ کے تذکرہ سے چیں بجبیں ہونگے یا ان کا باپ العیاذ باللہ اور تجویز کریں گے۔

۶۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے دامادوں کا احترام کریں گے مگر حضورؐ کے دامادوں کو ایماندار بھی تسلیم نہ کریں گے۔

۷۔ حضرت علیؓ کو سب مومنوں کا پیر مانتے ہیں۔ مگر حضورؐ کے فیض سے پانچ افراد بھی مومن نہیں مانتے۔ ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ کرامؓ کو العیاذ باللہ ایمان سے خارج اور منافق (کافر) جانتے ہیں۔

۸۔ حضرت علیؓ و آئمہ اہلِ بیتؓ کے سب اصحاب محترم ہیں خواہ کیسے بھی ہوں، مگر حضورؐ کے ہر صحابی پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

۹۔ حضرت علیؓ کے جانشینوں کو تو واجب الاتباع جانتے ہیں مگر حضورؐ کے خلفاءؓ کو العیاذ باللہ سامری اور بتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

۱۰۔ حضرت علیؓ و آئمہ کی براہِ راست تعلیم کو تو کامیاب، مؤثر اور نتائج مانتے ہیں۔ مگر حضورؐ کی تعلیم براہِ راست کو ۵ آدمیوں میں بھی مؤثر نہیں مانتے۔

۱۱۔ حضرت علیؓ کے خطبات کے نام سے شریف رضی کی مرتبہ نہج البلاغۃ کو اور ابو جعفر کلینی کی مرتبہ اصول کافی کو سب سے مستند، واجب العمل اور تحریف سے پاک مانتے ہیں مگر حضور علیہ السلام پہ نازل شدہ کتاب اللہ کو محرف، ناقابلِ اعتبار اور بلا ضمیمہ قولِ امام ناقابلِ عمل مانتے ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۱۶ کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۹۶) چہ جائیکہ ارشاداتِ نبویؐ

پر مشتمل کوئی کتاب بتا سکی ہو یا اسے حجت قطعیہ جانتے ہوں۔

۱۲۔ عزاداری اہل بیت پر مشتمل جملہ بدعات و خرافات کو تو سب سے زیادہ مہتم بالشان سمجھ کر سب شیعہ انتہائی اجتماعات اور جلوس کی شکل میں ادا کرتے ہیں، مگر قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم نماز روزہ وغیرہ کو ۵ ٪ بھی ادا نہیں کرتے۔ رہی کتاب اللہ کی وحدت تو شیعہ سرے سے موجودہ قرآن کی صحت کے قائل ہی نہیں۔ نہ اس پر تعامل کے مفصل بحث گزر چکی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ کافی ہے حضرت باقرؒ اپنے شاگرد زرارہ و ابو بصیر کے اختلاف کے متعلق کہتے ہیں۔

"بلاشبہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلے تو اللہ کی کتاب کو مسخ و تبدیل کر ڈالا اور اس سے کچھ احکام مٹا ڈالے اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کی۔ آج سب لوگ (سنی شیعہ) جس مسئلہ پر بھی ہیں وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ پس اے زرارہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ جو تجھے کہا جائے مانتے جاؤ: تا آنکہ وہ شخصیت (مہدی) آجائے تو تمہیں از سر نو اللہ کے دین کی تعلیم دیں گے (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۴۵)

معلوم ہوا کہ حضرت باقرؒ کے پاس بھی اصلی خدائی تعلیم نہ تھی۔ نہ قرآن کو صحیح کر سکے۔ اور امام مہدی کے سپرد کر دیا۔

تیسری وحدت کلمہ طیبہ۔ کو بھی ختم کر دیا ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے والے کو شیعہ ہرگز مومن اور کامل مسلمان تسلیم نہیں کرتے جب تک وہ ان کے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفتہ بلا فصل کے خود ساختہ ضمیمہ پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ اب سکولوں کے نئے نصاب دینیات میں مسلمانوں کا کلمہ نہیں آنے دیا اور اپنا خود ساختہ کلمہ راہنمائے اساتذہ ص ۳۵ پر درج کرا دیا سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ کلمہ کی بحث آخر میں آئے گی۔

چوتھی وحدت۔ کعبۃ اللہ کا حشر تو سامنے ہے کہ شیعہ وہاں نماز بھی باجماعت نہیں پڑھتے۔ حالانکہ وہاں یہاں کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ایک

شیعہ شاعر حاجی پر چوٹ کر کے کہتا ہے ؎

بدن پہ جامہ احرام دل میں بغض علیؓ تیرے نصیب کا چکر ہے طواف نہیں

نوراللہ شوستری نے متقدین مسیب شیعہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے ایک حاجی کو وصیت کی تھی میری طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پہنچا کر کہنا کہ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ آپ کے ساتھ دفن نہ ہوتے تو یقیناً میں سر آنکھوں پر آپ کی زیارت کے لیے آتا ہمسایہ بد مباد کس را (مجالس المومنین ج ۲ ص ۲۴۳)

یہی وجہ ہے کہ ایران کے ہوں یا ہند و پاک کے شیعہ حج بیت اللہ و زیارت مدینہ کی بہ نسبت کربلا، بغداد اور نجف کی زیارات کے لیے زیادہ تر جاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں کیوں نہ ہو جبکہ ان مقامات کا حج حج بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔ مثلاً زیارت قبر حسینؓ کے متعلق امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں۔

ایما مومن اتی قبر الحسین علیہ السلام عارفا بحقہ فی غیر یوم عید کتب اللہ لہ عشرین حجۃ و عشرین عمرۃ مبرورات مقبولات و عشرین حجۃ مع نبی او مرسل او امام عادل۔ (فروع کافی ج ۲ ص ۵۸)

جو مومن حضرت حسینؓ کی قبر پر یوم عید کے علاوہ آپ کا حق پہچانتے ہوئے آئے اللہ اس کے لیے ۲۰ حج اور ۲۰ عمروں کا ثواب لکھے گا جو پاک اور منظور شدہ ہوں گے اور ان ۲۰ حجوں کا ثواب لکھے گا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔

پانچویں وحدت امت کو توان کا توڑنا واضح ہے کہ اصول و فروع میں پوری ملت سے الگ ہیں اور مسلمانوں کو غیر مومن اور منافق جانتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کی بہ نسبت ہمیشہ کفار سے رہی ہیں۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ان کے فاضل طوسی اور ابن العلقمی کے کارنامے ہیں۔ نادر شاہ رافضی کے ہاتھوں دہلی کی تباہی پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں انتشار اور سنی مسلمانوں کا قتل عام ان کا دل پسند مشغلہ ہے حالیہ سنہ ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب سب عالم اسلام نے بالاتفاق تیل کی سپلائی مغربی ممالک کو بند کر دی تھی تو صرف ایران کی شیعی ریاست نے روایتی غداری کر کے تیل کی سپلائی

جاری رکھی اور سیاست میں عیسائی فروغ کی بنا پر انڈونیشیا سے کیسی حماقت ہوئی تھی۔
اللھم قنا من شرہم

۱۹۷۹ء میں "اسلامی انقلاب کے عنوان سے جناب آیۃ اللہ خمینی ایران میں برسر اقتدار آئے تو تمام مسلم ممالک میں انتشار پھیلانے کے لیے یہ بیان جاری کیے کہ ہم ہر ملک میں بادشاہت کے خلاف ہیں، ہمارے پیروکاروں (شیعہ) کو چاہیے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی حکومتیں ختم کریں۔ چنانچہ عراقی شیعوں نے جب اپنے صدر صدام حسین کے خلاف تحریک چلائی تو وہ بالآخر عراق ایران جنگ پر ختم ہوئی۔ جو اب ایک عرصہ تک بند نہیں ہوئی۔ ایران ½ حصہ علاقائی اور جانی بھاری نقصان اٹھانے کے بعد بھی صلح نہیں کرتا۔ خود اندرون ملک وہ سنی کردوں کو اب تک سے زائد ایک دو سال کے عرصہ میں شہید کر چکے ہیں۔ جیسے نوائے وقت لاہور ۱۷ فروری ۱۹۸۱ء کے کالم ۸ میں یہ خبر چھپی ہے

"دو برسوں کے دوران دس ہزار سے زیادہ کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے (تہران ۱۶ فروری م ن) تہران کے ممتاز اخبار "میزان" کے مطابق کردستان کے ایک لیڈر عبدالرحمن نے انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران علماء کے حکم پہ دس ہزار سے زائد کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کردوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور انہوں نے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیے ہتھیار سنبھال لیے ہیں۔"

امید ہے اب شیعہ دوست کو تسلی ہو گئی ہو گی کہ مذاہب اہل سنت حکومت کی پیداوار ہیں یا خود شیعہ کا وجود ہی اس لقب کا حقدار یا کفر و جاہلیت کی یادگار ہے۔

کیا سنی شیعہ خارجی فرقہ بندی کے پیش نظر اسلام کو بھی جھوٹا اور حکومت کی پیداوار بتایا جائے گا یا شیعوں کے اصولی فرقوں اور آپس کے تضادات کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حضرت علیؓ کی شخصیت اور تعلیم خیالی اور افسانوی چیز ہے اور عجمی حکومتوں کی پیداوار ہے۔ اگر شیعہ کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی وجہ سے ایسا کہنا صحیح نہیں تو صرف ہم مصلے بچھانے یا اٹھانے سے وہ حکومت کی پیداوار کیسے ہو گئے؟

سوال ۱۹ لہ اگر حضرت بی بی عائشہؓ کو نہ ماننے والا جہنمی ہے تو اس بی بی کا قاتل

کیونکر رضی اللہ عنہ رہ سکتا ہے۔ مہربانی کر کے تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۲ نجیب آبادی ملاحظہ کر کے فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ بطور الزام پہلی عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کو نہ ماننے والے کو آپ جہنمی مان چکے ہیں۔ اس ام المومنین زوجۃ الرسول سے جنگ کرنے والے بیٹوں پر فتویٰ بھی آپ بتا دیں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ آپ کی جلالت شان کے پیش نظر آپ کا تذکرہ یہاں مناسب ہے۔

ام المومنین رضہ کا مقام

واقعی ام المومنین رضہ کو مومنہ نہ ماننے والا یا آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون اور جہنمی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (احزاب ۱۶)

نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ اختیار رکھنے والا ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

شیعہ مولوی مقبول صاحب نے تفسیر قمی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ بھی نازل ہوئے تھے و ھو اب لھم۔ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ نبی دین و دنیا میں امت والوں کا باپ ہے۔ دین میں تو اس طرح کہ ہر نبی اس جہت سے اپنی کل امت کا باپ ہوتا ہے کہ دائمی زندگی کی جڑ اسی کی ذات ہے اور اسی سے مومنین آپس میں بھائی ہوتے ہیں۔ (ترجمہ حاشیہ مقبول پ ۲۱ ص ۵۱۰)

اس سے قطعی معلوم ہوا کہ زوجۃ الرسول حضرت عائشہ صدیقہ رضہ (و حفصہ رضہ) ام المومنین ہیں۔ جیسے پیغمبر اکرم روحانی اور ایمانی باپ ہیں اسی طرح امہات المومنین رضہ روحانی اور ایمانی مائیں ہیں۔ یہ نسبی رشتہ نہیں کیونکہ پیغمبر نے مومنوں کے گھر میں خود شادیاں کیں اور امہات المومنین رضہ کا امت سے پردہ بھی کرایا۔ اب جو شخص امہات المومنین رضہ کو مومن نہ مانے وہ در اصل ایمانی رشتے کا منکر اور قرآن کا منکر ہے۔ عرف عام میں ایسا شخص ایمان سے محروم۔ ماں پر الزام لگانے کی وجہ سے حرامی اور مومن برادری سے خارج سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضہ وغیرہ ازواج مطہرات رضہ اہل بیت نبوی بھی ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ ۔ (احزاب ۴۷)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور دبرابر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسے پاک کرنے کا حق ہے اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو۔ (ترجمہ مقبول ص ۵۰۵)

یہ سب خطابات ازواج مطہرات کو ہیں اور منص قرآنی وہ اہل بیت نبوی ہیں۔ اس کا منکر قرآن کا ہی منکر ہوگا۔ جیسے حضرت سارہ رضی زوجہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اہل بیت کہلوایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (ھود ۶۷)

ان فرشتوں نے کہا اے عورت! کیا تو امر خدا سے تعجب کرتی ہے حالانکہ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سزاوار حمد و ثنا ہے (ترجمہ مقبول)

گویا ہم نماز کے درود میں۔ رحمت اور برکت کی جو دعا آل ابراہیم پر پڑھتے اور انک حمید مجید سے اس پر مہر لگانے میں وہ اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے۔

جیسے یہاں مونث کو مذکر کے صیغوں سے خطاب کیا گیا اسی طرح اوپر والی آیت میں لفظ اہل کی رعایت کے لیے مذکر کے صیغے ارشاد فرمائے گئے۔ اور یہ کلام عرب میں پایا جاتا ہے حماسی بیوی سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم لشیء ولا انی من الموت افرق

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان پ ۲۲ سے ازواج مطہرات کی افضلیت اور اہل بیت نبوی ہونا ملاحظہ فرمائیں۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں پر یہ فرما کر ظاہر فرمائی ہے اے

نبی کی بیویو! تم اور کسی بھی عورت کی طرح نہیں ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارا مرتبہ میرے ہاں اور نیک عورتوں جتنا نہیں ہے بلکہ تم میرے ہاں سب سے زیادہ معزز ہو۔ تمہاری توجہ الی اللہ زیادہ رحمت دلانے والی ہے اور ثواب تمہارا سب سے بڑا ہے کیونکہ تمہارا رسول اللہ سے رشتہ ہے ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الایۃ ۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں ، رجس سے شیطان کا کام اور خدا کا ناپسندیدہ کام مراد ہے ۔ بیت میں لام تعریف خصوصیت والا ہے ، یعنی نبوت اور رسالت کا گھر اور عرب رہائش گاہ کو گھر کہتے ہیں اس لیے انساب کو بھی بیوت کہا جاتا ہے ۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ہمارے نبی کے اہلِ بیت ہیں پھر تشریح میں اختلاف ہے ۔ ابنِ عباسؓ کے شاگرد ، عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں ازواج نبی مراد ہیں کیونکہ آیت کا آغاز انہی سے مخاطب ہے ۔ (شیعہ کے ہاں آلِ عبا ہیں)

بلاشبہ حضرت علیؓ ، فاطمۃ الزہراء اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اہلِ بیت قرار دے کر اس آیت میں مندرج فرمایا ہے ، لیکن دعا کی بدولت یہ شمول تبعی اور ضمنی ہے ۔ نزولِ خاص ازواج مطہرات کے حق میں ہوا ہے جیسے حضرت ابنِ عباسؓ (مفسرِ اہلِ بیت) اس پر مباہلہ کا چیلنج دیا کرتے تھے (تفسیر بالتصرف)

۳ ۔ کاملین بھی بد زبانوں کے حملہ سے نہیں بچ سکتے اور انجام کار ان کے حق میں مفید ہوتا ہے ۔ جیسے حضرت یوسفؑ ، حضرت مریم اور بنی اسرائیل کے راہب پر بدکاری کی تہمت لگی تھی ۔ اور ان کی برأت خاندانِ زلیخا کے بچے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نومولود بچے نے دی تھی ۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی تو سابقہ برأتوں سے بڑھ کر خود خدا تعالیٰ نے برأت کی اور سورت نور کے ۲ رکوع صرف اسی برأت کے لیے اتارے ۔ تمام مفسرین اور محدثین اس واقعہ پر متفق ہیں ۔ اللہ نے متنبہ کر کے فرمایا ۔

" اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ اس قسم کی (ایمان و کردار میں عیب لگانے والی بات) دوبارہ کبھی نہ کرنا اگر تم مومن رہنا چاہتے ہو ۔"

۴ ۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ

میں مناسبت و مطابقت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

(نور ع ۳)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ سب خاندان لوگوں کی تہمتوں سے پاک ہے ان کے لیے بخشش اور اچھا رزق ہے۔

یعنی اگر تمہارے اعتقاد میں پیغمبر اکرمؐ پاک ہیں تو ان کی بیویاں بھی پاک ہیں۔ ان کے ایمان و کردار پر شبہ کرنا روا نہیں اور اگر العیاذ باللہ آپ کی بیویاں ایمان و کردار کے لحاظ سے گندی ہیں تو پیغمبر اکرمؐ پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسی ازواج زوجات الرسولؐ بننے کے بجائے گندے لوگوں کے عقد میں آتیں۔ ازواج الرسول اور امہات المومنین کے دشمن ان چار آیات پر غور کریں۔ کیا وہ ان کے حق میں بدگوئی کر کے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہ کس قدر واضح بات ہے کہ بیوی کا رشتہ اس قدر محبوب اور اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس کے دفاع اور عزت کی خاطر قریب ترین رشتہ داروں سے بھی دشمنی ہو جایا کرتی ہے اور انسان کے جذبات نازک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ سخت ترین کفار کو بھی اس کمینگی کی جرأت نہ تھی کہ وہ حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کے متعلق نازیبا بات کہتے۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے دشمنی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پہ ایمان کا مدعی ایسا ٹولہ بھی ہے جو حضور پاکؐ کی پاک بیویوں کے ایمان و کردار پہ پاگل جانور کی طرح جھوٹ جھوٹ کر حملے کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی معمولی سی بات اگر ان کی بیویوں کے متعلق کوئی کہہ دے۔ خواہ وہ کتنے گھٹیا اور باشن قسم کے ہوں تو وہ لڑائی دنگے پر اتر آئیں۔ مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی عزت و حرمت پہ دونوں جہان قربان ہو سکتے ہیں۔ کی پاک حرم کے لیے وہ ہر قسم کی بدگوئی ایمان سمجھتا ہے۔ ہم اس پہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسے لوگ کمینگی میں کفار سے بھی بدتر ہیں اور خدا و رسولؐ کی لعنتیں ان

کے مذہب پہ اعمال پہ اور عقائد پہ پرستی رہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (احزاب ۵۷)	بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے ان پہ دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل

کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اسی طرح جو نام نہاد نعرہ بازی اور مرثیہ خوانی کے شوقین سنی ان لوگوں کی مجلسوں کی رونق کو دو بالا کرتے ہیں اور طنزاً و کنایۃً صحابہ کرامؓ و امہات المومنینؓ اہل بیت نبوی کے گلے سنتے ہیں وہ جوہر غیرت سے یکسر محروم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدگوئی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے جنگ کی۔ حالانکہ سبب قاتلان عثمان منافقوں کی سازش تھی۔ تو واضح رہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ کے بعد فرما دیا تھا۔ ولھا بعد حرمتھا الاولیٰ۔ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۹۳۔ اس کے بعد بھی ان کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی۔ گویا اس واقعہ کے بعد بھی بقول مرتضیٰؓ حضرت عائشہ رضؓ کے ایمان اور مقام میں فرق نہیں آیا۔ جیسے بیچ محسان علیؓ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جنگ جمل کے بعد دو شخصوں نے حضرت عائشہؓ کو برا بھلا کہا تھا تو حضرت علیؓ نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درے سزا دی۔ پھر رخصت کرنے کے لیے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا اور حضرت عائشہؓ مکہ سے ہوتی ہوئیں مدینہ تشریف لے گئیں۔ (طبری و ابن اثیر)

## حضرت عائشہؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں	بخاری شریف کی چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! یہ جبریلؑ کھڑے ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت! آپ جبریلؑ کو دیکھتے ہیں، میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت سے حضرات کامل ہو گزرے ہیں۔ مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران

اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی۔ ہاں عائشہ رضہ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی سب کھانوں پر۔

ثرید عرب کے اس مرغوب کھانے کا نام ہے جو گوشت اور روٹی سے چوری بنا کر کھایا جاتا ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں سب ازواج کے ہاں باری باری رہتے تو فرماتے میں کل کہاں ہوں گا، کل کہاں ہوں گا۔ حضرت عائشہ رضہ کے گھر کے شوق میں یہ کہتے۔ جب حضرت عائشہ رضہ کی باری پہنچی تو آپ مستقل یہیں ٹھہر گئے (اور وفات پائی اور اسی حجرہ کو روضہ اقدس بننے کا شرف حاصل ہوا)

۴۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہدایا اس دن زیادہ بھیجتے جس دن حضرت عائشہ رضہ کی باری ہوتی۔ ایک مرتبہ تمام ازواج کے مشورہ سے حضرت ام سلمہ رضہ نے آپ سے عرض کی حضرت لوگوں سے فرمائیں کہ وہ ہدیے جہاں بھی ہوں بھیج دیا کریں۔ حضورؐ نے بار بار اس بات سے اعراض فرما کر بالآخر یہ فرمایا۔

یا ام سلمۃ لا تؤذینی فی عائشۃ	اے ام سلمہ رضہ عائشہ رضہ کے بارے میں مجھے
فواللہ ما نزل علی الوحی وانا فی لحاف	مت ستا۔ خدا کی قسم اس کے سوا تم میں سے کسی
امرأۃ منکن غیرھا (بخاری ج۱ ص۵۳۲)	کے ساتھ بیٹھے ہوئے مجھ پر وحی نہیں اتری۔

ذاتی حالات و علمی خدمات

نسب یہ ہے۔ عائشہ صدیقہ رضہ بنت صدیق رضہ بن ابو قحافہ رضہ۔ آپ کی ماں ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس ہے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں اور حضرت ابوبکر رضہ عمر رضہ سعد بن ابی وقاص اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے لاتعداد صحابہ رضہ و تابعینؒ نے روایت کی ہیں۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضہ ابن عباس رضہ ابو موسیٰ اشعری رضہ، ابوہریرہ رضہ، عمرو بن العاص۔ سائب بن یزید عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

جب مسروق تابعیؒ آپ سے روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صدیقہ رضہ بنت صدیق رضہ حبیبۂ

حبیب اللہ تعالیٰ نے حدیث بیان کی جس کی سات آسمانوں سے برأت کی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے زبردست فقیہہ عالم صحابی کہتے ہیں۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مشکل مسئلے میں اٹکے اور عائشہ رضؓ سے جاکر ہم نے پوچھا۔ تو یقیناً اس کا جواب اور حل ہم نے ان کے پاس پایا۔ قبیصہ بن ذویب کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ صحابہؓ میں بہت بڑی عالمہ تھیں۔ سب سے چھوٹے بڑے صحابہ کرام رضؓ مسائل پوچھتے تھے۔ خصوصاً علم فرائض و میراث میں امام زہریؒ کہتے ہیں اگر تمام ازواجِ مطہرات اور دیگر سب عورتوں کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں صرف حضرت عائشہ رضؓ کا علم رکھا جائے تو حضرت عائشہ رضؓ کا زیادہ ہوگا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کون شخص پسند ہے۔ فرمایا۔ عائشہ رضؓ۔ میں نے کہا مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا اس کے والد ابوبکر صدیق رضؓ۔ آپ کی وفات رمضان ۵۸ھ میں ہوئی اور رات کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(تہذیب التہذیب مختصراً)

الغرض آپ کے فضائل و مناقب لاتعداد ہیں۔ ۹ سال کی عمر میں آپ کو شرف زوجیت الرسول حاصل ہوا اور ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی گود میں حضور علیہ السلام کا وصال ہوا۔ آپ نے آخری مرتبہ مسواک دانتوں سے چبا کر حضورؐ کو کروایا۔ آپ ہی کے حجرہ کو مدفنِ نبوی اور روضہ اقدس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے بعد سب صحابہ رضؓ سے بڑھ کر آپ سے ذخیرہ علم و احادیث ۲۲۰۰ کی تعداد میں مروی ہے۔ گویا ایک چوتھائی علم سے زائد فقط آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ اور اسم بامسمیٰ ام المومنین تھیں۔ کیونکہ جیسے باپ کماتا ہے اور ماں اس کمائی کو انتظام و سلیقہ کے تحت اولاد کو کھلاتی پلاتی اور پرورش کا حق ادا کرتی ہے۔ اسی طرح ام المومنین رضؓ نے حضورؐ کی احادیث و شریعت کو نہ صرف مومنین تک پہنچایا۔ بلکہ تفقہ۔ استنباط اور استدلال کا بہترین ذخیرہ تیار کر کے اپنی مومنین اولاد کے سامنے دسترخوان خوبی پر چن دیا۔ اب جو واقعی اولاد ہے وہ اپنے ماں باپ پر مطمئن ہو کر ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتی ہے اور جو لے پالک اور دعی قسم

کی ہے۔ وہ اس دسترخوان سے ناک بھوں چڑھاتی، ہاں پر اعتراض کرتی اور غیروں کے آگے دریوزہ گری کرتی ہے ۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔

قتل کا سانحہ غلط ہے

معترض صاحب نے تاریخ نجیب آبادی سے جو نشاندہی کی ہے کہ مروان بن حکم نے آپ کے لیے کھانے کی دعوت تیار کی۔ ایک کنواں کھدوا کر اس میں تلواریں اور تیر گڑے اوپر معمولی سا چھپر بنا کر ام المومنین رضؓ کو بٹھانے کا انتظام کیا جب آپ وہاں گئیں تو کنوئیں میں گر گئیں اور اسی سے وفات پائی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کسی مؤرخ اور صاحب علم کی بھی اس پر شہادت نہیں مل سکتی۔ نجیب آبادی صاحب زمانہؐ حال کے اردو مؤرخ ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے یہ قصہ کہاں سے لیا ہے۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔ سنسنی خیز اور تعجب انگیز ہونے کی وجہ سے بلا ردوقدح لکھ دیا۔ معترض صاحب کو کسی قدیم ماخذ کا حوالہ دینا چاہیے۔ ام المومنین، معلمہ امت اور حبیبہ حبیب رب العالمین ہیں۔ اگر یہ اچانک حادثہ ان کی وفات کا سبب ہوتا تو یقیناً تواتر سے منقول ہوتا جبکہ سانحہ کربلا کی طرح حضرت عائشہ رضؓ کا تذکرہ ہزاروں کتب میں پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سب مورخین اس کا ذکر کرتے اور قاتل پر لعنت بھیجتے۔ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ جاتا۔ اہل مدینہ مروان کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے اور واقعہ حرہ کا سا حشر بپا ہوتا۔ فرض کیجئے۔ مروان بن حکم سے یہ کمینگی ہوئی۔ تو خلیفہ وقت حضرت معاویہ رضؓ تو شیعہ کے خیال میں بھی ام المومنین رضؓ کے ساتھی اور حامی تھے۔ کیا وہ مروان کی گردن نہ کھینچ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان سے شیعہ کو جو ضد و عناد ہے۔ اسی نے ان کے اسلاف کو بے سروپا عقل و نقل کے خلاف قصہ گھڑنے پر مجبور کیا ہے۔ تاکہ حضرت عائشہ رضؓ کی بھی بدنامی ہو جو اسلام دشمنوں کا شروع سے شعار چلا آرہا ہے۔

مروان متفقہ طور پر صحابی نہیں بلکہ بیشتر اقوال میں تابعی ہیں۔ بعض نے ان پر نقد و جرح بھی کی ہے۔ مگر وہ ایسی ہی بے سروپا کہانیوں کے پروپیگنڈہ اور حقیقتِ حال سے بے خبری پر مبنی ہے۔ ان سے امام بخاری۔ امام ترمذی۔ ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہم جیسے محدثین مصنفین نے احادیث روایت کی ہیں۔ اور سہل بن سعد رضؓ جیسے بزرگ صحابی کے علاوہ عروہ بن زبیر، علی بن الحسین۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث جیسے فاضل تابعینؒ نے

احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰)

بعض مؤرخین نے یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت طلحہ رضؓ کو جنگ جمل میں اس نے شہید کیا تھا۔ ہماری تحقیق میں یہ الزام بھی غلط ہے۔ کیونکہ مروان کٹر عثمانی اور طالب قصاص حضرت عثمان رضؓ تھا حضرت طلحہ رضؓ اسی مقصد کے لیے کمان کر رہے تھے۔ ایک شخص عمداً ایسے موقعہ پر اپنے ہی سالار لشکر کو مار ڈالے عقل و نقل کے خلاف ہے۔ لیکن اس واقعہ کی صحت و غلطی سے قطع نظر مروان پر کسی نے اس الزام کا ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بھی قاتل ہے۔ تمام مؤرخین اور علماء رجال حضرت عائشہ رضؓ کے تذکرہ میں یا مروان کے ترجمہ میں اس کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب ص ۳۳۲ پر بغیر کسی تنقید کے یہ لکھتے ہیں ۶۴ھ کے آخر میں خلیفہ بنا اور ۶۵ھ میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں طبقہ ثانیہ کا تابعی ہے۔

اور ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۳ پر اسماعیلی کا قول قتل طلحہ رضؓ کا مروان پر الزام کا ذکر کیا ہے اور (بشرط صحت) اسے متاول قرار دیا ہے۔ لیکن قتل عائشہ رضؓ کا الزام اس پر نہیں لگایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۲ء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی سیرت پر تین صد صفحات کی مفصل علمی کتاب لکھی ہے اس کے صفحہ ۱۵۳ پر تذکرہ وفات کا عنوان باندھ کر طبقات ابن سعد ص ۵۱ جز النساء کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"۵۸ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں۔ چند روز تک علیل رہیں۔ کوئی خیریت پوچھتا تو فرماتیں ہیں اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے۔ بشارت دیتے تو فرماتیں (جیسے ہر متقی کہا کرتا ہے) کاش میں جنگل کی ایک بوٹی ہوتی"

اگر ایسی کوئی لغو افواہ ہوتی تو علامہ صاحب اس کا ضرور ذکر کرتے (اللہ تعالیٰ روافض کی زبان سے ہر مسلمان کو بچائے)

حق
چار یار

باب ہفتم

خلفاءِ راشدینؓ کے اوصاف کا تقابلی مطالعہ

سوال ۲۰۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگ مشرکوں سے ہوئے، مثلاً جنگ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، مکہ، تبوک وغیرہ تو ان تمام جنگوں میں نمایاں کارروائی کس بزرگ کی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ اگر کسی کا نام لینا چاہیں تو ارشاد فرمائیں۔ اس بزرگ نے بدر، احد، خندق، خیبر، حنین وغیرہ میں کتنے دشمن اسلام قتل کیے اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اشداء علی الکفار نے رسولِ خدا کے زمانے میں کتنے کافر قتل کیے اور اپنے دورِ حکومت میں اپنی تلوار سے کتنے مشرک مارے۔

الجواب۔ یہ سوال دراصل حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کی افضلیت اور استحقاقِ خلافت سے متعلق سنی شیعہ نزاع پر مبنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت اور اس پر کچھ دلائل ہم سوال ۳ کے تحت عرض کر چکے ہیں۔ مراجعت کر لی جائے۔ یہاں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اولاً۔ شیعہ کے ہاں افضلیت اور خلافت نص پر مبنی ہوتی ہے۔ اوصافِ خاصہ پر ہرگز نہیں۔ قتال، علم وغیرہ میں کمال کے باوجود اگر نص نہ ہو تو اسے خلیفہ یا افضل نہیں کہا

جا سکتا۔ مثلاً عہدِ مرتضوی کی جنگوں میں سب سے زیادہ کارروائی اشتر نخعی کی ہے اور حضرت علی رضؓ نے بروایت شیعہ اس کے حق میں فرمایا ہے۔

کہ اشتر از برائے من چناں بود کہ من از برائے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ ..... و اشتر در میان میمنہ و میسرہ چوں شیر زیان تیغ و سنان حملہ میکرد۔ (مجالس المومنین ص۲۸۹)	اشتر میرے حق میں ایسا تھا جیسے میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں۔ ..... اور اشتر لشکر کے دائیں حصے اور بائیں حصے میں نیزے اور تلوار کے ساتھ شیرِ ببر کی طرح حملے کرتا تھا۔

اور اہلِ سیرت و تاریخ کے اتفاق کی روشنی میں حضرت علی رضؓ کے تمام اصحاب اور طرفداروں میں جو مرتبہ علم و تفقہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا تھا۔ وہ حضرات حسنین رضؓ کا نہ تھا۔ اور نہ حسنین رضؓ کے ہاتھوں جمل و صفین و نہروان میں جیالے مقتول ہوئے۔ اس تفاوت کے باوجود حضرت علی رضؓ کے جانشین حضرت حسن و حسینؓ قرار پائے۔ کیونکہ شیعہ کے یہاں وہی منصوص تھے۔ اور اشتر و ابنِ عباس رضؓ کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ لہٰذا شیعہ کا حضرت علی رضؓ کے صحابیانہ کمالات و اوصاف سے استدلال کرنا اصولاً غلط ہوا۔ ان کو نص صریح کے ثبوت پر توجہ دینی چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر و عمر رضؓ کے لیے اس سے واضح اور جلی نص ہم پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ نے حضرت ام المومنین حفصہ رضؓ کو بشارت دی تھی۔

ان ابا بکر یلی الخلافۃ بعدی ثم ابوك فقالت من انباك قال نبانی العلیم الخبیر۔ (تفسیر قمی ص۳۵۴ مجمع البیان ج۵ ص۳۱۴۔ تفسیر صافی ص۵۲۳)	بے شک میرے بعد خلیفہ ابوبکر رضؓ ہوں گے پھر اس کے بعد تیرے والد (عمر رضؓ) ہونگے کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم و خبیر خدا نے بتایا۔

ثانیاً شیعہ اثنا عشریہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضؓ کو (العیاذ باللہ) مومن اور صحیح مسلم ہی نہیں مانتے۔ اسم تفضیل کا استعمال مفضل اور مفضل علیہ کا نوع و جنس میں اتحاد چاہتا ہے۔ خلفاءِ ثلاثہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے فضائل و اوصاف میں موازنہ چاہنا یا آپ کو ان پر فضیلت دینا اس بات کا اعتراف کر لینا ہے۔ کہ وہ حضرات بھی ایمان و اسلام میں

حضرت علی رضؓ کے ہم نوع وہم جنس ہیں اور بوجوہ (عند الشیعہ) حضرت علی رضؓ ان سے افضل ہیں۔ اس اعتراف واستدلال سے شیعہ اثنا عشریہ اپنے مذہب سے ہی خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ حق صرف شیعہ زیدیہ و تفضیلیہ کا ہے۔ اثنا عشریہ اس کے ہرگز مستحق نہیں۔ مگر افسوس کہ آج شیعہ تقریر و تحریر میں اور تمام مساعی میں زور صرف دو ہی چیزوں پر دیتے ہیں جن کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ نہ اس پر ان کی تقریر رنگین اور واہ واہ کی مستحق ہو سکتی ہے۔ ایک حضرت علی رضؓ کے صحابیانہ کارنامے۔ دوم جنگ حضرت حسین رضؓ بایزید۔ حالانکہ حضرت علی رضؓ شیعہ کے ہاں محبوب و مکرم صحابی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعد از پیغمبر امام و ہادی کی حیثیت سے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر صحابی ۹ اور افراد بھی حضرت علی رضؓ کی طرح شیعہ کو محبوب و مکرم ہیں شیعہ کو امام کی حیثیت سے بعد از پیغمبر ۳۰ سالہ زندگی کے اوصاف و کارناموں سے فقط استدلال کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس سے اس بناء پر کتراتے ہیں کہ اگر کھلے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کو دیانۃً بیان کریں تو ان کا مذہب باطل ہو جاتا ہے اور اگر تقیہ کے پردہ میں مستور و مخصوص لٹریچر سے بیان کریں تو حضرت علی رضؓ مسلمانوں سے الگ شخصیت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین رضؓ کا یزید کے مدمقابل ہونا شیعہ کے اصول تقیہ کے بالکل خلاف ہے۔ نہ سنت علوی و حسنی تھی نہ بعد والے کسی امام کی۔ حضرت جعفر صادق رحؒ کا فرمان واضح ہے۔

التقیۃ من دینی ومن دین	تقیہ میرا مذہب ہے اور میرے باپ دادے
آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہٗ	کا بھی اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین
(کافی باب تقیہ)	(غیر مسلم) ہے۔

میرے سنی بھائی اس نکتہ کو سمجھ لیں اور شیعہ کو اپنے مذہب کے خلاف اور غیر متعلقہ اصول سے گفتگو نہ کرنے دیں۔

ثالثاً: کسی جماعت میں سے ان کے افضل ترین فرد کا پتہ ۳ وجوہ سے معلوم ہو سکتا ہے ۱۔ خود مربی اس کا فیصلہ کر دے۔ ۲۔ مربی اس کو اس خدمت پر لگائے جو سب سے افضل سے لی جا سکتی ہے۔ جیسے استاد کسی کو جماعت کا مانیٹر بنا دے اور وہ استاد کی غیر موجودگی میں کلاس کو کام کرائے۔ ۳۔ پوری جماعت کے رجحان میں وہ شخص سب سے

زیادہ درجہ رکھتا ہو ۔ لہ ۔ تمام مضامین کے مجموعی نمبر سب سے زیادہ ہوں اگرچہ بعض مضامین کے انفرادی نمبر کچھ دوسروں کی بہ نسبت کم ہی ہوں ۔

ان چاروں اصول کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت حضرت علیؓ پر متحقق اور واضح ہے ۔

امر اول ۔ سب سے بڑے مربی اور شارع اللہ تعالیٰ شانہ ہیں ۔ اس نے سورۃ "واللیل" میں آپ کو " الاتقی " (سب سے بڑا پرہیزگار) بتایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہے ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ	بلاشبہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو بڑا متقی ہے ۔

سنی شیعہ تفاسیر سے آیت بالا کا حضرت ابوبکر رضؓ کے حق میں نزول سوال ۳ کے تحت بیان ہو چکا ہے ۔ سورت نور میں اللہ پاک نے آپ کو اولوالفضل فرمایا ہے ۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ	تم میں سے شان والے اور گنجائش والے اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں مسکینوں اور مہاجروں کو نہ دیں گے ۔

باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے قذف بر عائشہ صدیقہ رضؓ کی وجہ سے حضرت مسطح رضؓ کو مالی امداد نہ دینے کی قسم کھائی تھی یہاں آپ کو صاحب فضیلت فرمایا ہے ۔ جو مرتبہ عنداللہ میں افضلیت کا متقاضی ہے ۔ اور مالی لحاظ سے صاحب وسعت فرمایا ۔

آپ نے مغفرت خدائی کو پسند کیا تو اللہ پاک نے چند روزہ اعانت کی بندش کو بھی معاف فرما دیا ۔

سورت برأت میں آپ کو صاحبہ (صاحب پیغمبر) فرمایا جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ثانی اثنین فرمایا یعنی دونوں میں سے دوسرا ۔ اگر حضورؐ اول ہیں تو ابوبکر صدیق رضؓ ثانی ہیں ۔ قرآن کا فیصلہ واضح ہے ۔ اپنے مقام پہ تفصیل گزر چکی ہے ۔

امرِ دوم کے لحاظ سے بھی افضلیت واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ بعثت عبادت کا قیام ہی ہوتا ہے۔ نماز بالاتفاق سب سے افضل ہے اور امامت سے ہی کامل ادا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (سنی شیعہ احادیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں) آپ ہی کو امامِ نماز بنایا تو آپ ہی سب سے افضل ہوئے۔ دوسری اہم عبادت حج ہے جو مالی اور جسمانی عبادت سے مرکب ہے۔ اس میں بھی امیر و پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیرِ حج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رض ہی کو بنایا۔ احادیث و تاریخ سے یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے۔

"ابنِ اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ رمضان، شوال و ذی قعدہ کے پورے دو ماہ مقیم رہے۔ پھر ۹ھ کے لیے ابوبکر رض کو امیرِ حج بنا کر بھیجا کہ وہ جا کر مسلمانوں کے حج کا انتظام کریں۔ بہرحال ابوبکر رض اور وہ مسلمان جوان کے ساتھ جانے والے تھے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۳)

پھر سورت براءۃ نازل ہوئی۔ اس کی آیات پیش کرنے کے بعد اعلان برأت کے عنوان سے لکھا ہے۔

"ابنِ اسحاق نے کہا مجھ سے حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف نے ابو جعفر محمد بن علی رضوان اللہ علیہما کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورت برات نازل ہوئی اور اس وقت آپ ابوبکر رض کو حج کا انتظام کرنے کے لیے روانہ فرما چکے تھے۔ تو آپ سے کہا گیا۔ یا رسول اللہ! کیا اچھا ہو کہ آپ ابوبکر رض کے پاس کسی کو برات کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میری طرف سے یہ فرض کوئی انجام نہیں دے سکتا بجز میرے اہلِ خانہ میں سے ایک شخص کے۔ اس کے بعد علی رض بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا۔

اخرج بهذه القصة من صدر
براءة واذن في الناس يوم النحر
اذا اجتمعوا بمنى انه لا يدخل الجنة
كافر ولا يحج بعد العام مشرك ولا

شروع سورت برات سے اس قصہ کو لے
جاؤ اور عید کے دن لوگوں میں جب کہ وہ
منیٰ میں جمع ہوں یہ اعلان کر دو کہ کافر جنت
میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد مشرک

يطوف بالبيت عريان ومن كان له عند رسول الله صلى الله عليه وسلم عهد فهو الى مدته	حج نہ کرے گا اور بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے گا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہے وہ تا مدت بحال رہے گا۔

چنانچہ اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہ کیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ ابوبکرؓ اور علیؓ رسول اللہ کے پاس واپس آ گئے (سیرت ابن ہشام ۲ ص ۱۵۴)

کچھ آگے یہ بھی ہے کہ جب حضرت علیؓ ابوبکرؓ کو جا ملے تو آپ نے پوچھا امیر ہو کر آئے ہو یا مامور بن کر۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مامور ہو کر۔ ہاں سورت برأت نازل ہوئی ہے تو اعلانِ برأت حضورؐ نے میرے ذمہ لگایا ہے۔"

جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۱ کتاب التفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔

"کہ اس سال مجھے بھی حضرت ابوبکرؓ نے یوم النحر میں ان اعلان کرنے والوں میں منیٰ بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ننگے طواف کرے حمید کہتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ براءت کا اعلان کریں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ اہل منیٰ میں نحر کے دن برأت کا اعلان کیا (یعنی سورت برأت کا اول ربع سنایا) اور یہ بھی کہا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے نہ ننگے طواف کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ بدستور امیر حج رہے۔ ان کا منصب ان سے نہیں لیا گیا۔ البتہ قومی دستور کی بنا پر نقض معاہدہ کا اعلان حضورؐ نے اپنے بجائے حضرت علیؓ سے کروایا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو معزول کیا گیا یا ان میں سورت برأت کی تبلیغ کی بھی اہلیت نہ تھی۔ وہ بڑے بے انصاف اور حقائق کے منکر ہیں متعصب شیعہ بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو پوچھا یا رسول اللہ میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ تجھ میں بدستور نیکی ہی ہے لیکن مجھے یہ حکم ملا ہے کہ اس (نقضِ عہد) کی تبلیغ یا میں کروں یا جو میرا (رشتہ دار) ہو۔ (کشف الغمہ ص ۱۰۱)

امر سوم کے لحاظ سے بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں کیونکہ

سب صحابہ کرامؓ (کلاس ہیغمبرؐ کے طلباء) نے ان تینوں حضرات پر بالترتیب اتفاق کیا۔ شیعہ سنی حوالہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ عہدِ نبوی ہی میں اسی ترتیب سے ان کو دیکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ثانی اثنین کے لقب سے اور حضرت عمرؓ فاروق اور ناطق الملک علیٰ لسانہٖ کے لقب سے عہدِ نبوی میں ہی مشہور تھے (رجال کشی)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کو اسی ترتیب سے بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بحکمِ وحی حضرت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو اسی طرح بلایا۔

فانطلق فادع لی ابا بکر و عمر و عثمان و علیا و طلحۃ والزبیر و بعددھم من الانصار (کشف الغمہ ص۱۰۲)	جا اور میرے لیے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا لا اور اتنے ہی انصار حضرات کو بلاتے آ۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں ابوبکرؓ و عمرؓ اس قدر مقبول تھے کہ بطورِ مدح اگر کسی اور کا ذکر ہوتا تو صحابہؓ شیخینؓ مراد لیتے۔ مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے قریش یا تو باز آجاؤ گے یا تم پر اللہ اس شخص کو مسلط کر دے گا جس کا اللہ نے ایمان کے لیے دل آزما لیا ہے۔۔۔ بعض حاضرین نے کہا کیا حضرت ابوبکرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ کیا حضرت عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ جوتا مرمت کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔ (کشف الغمہ ص۲۸)

مجلسی نے اسی حقیقت کو یوں جل کر بدزبانی سے ادا کیا ہے "کہ سب قریش مسلمان اپنے دو بتوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ (حیات القلوب ج۲)

امرِ چہارم۔ خلفاءِ اربعہ کا اوصافِ حسنہ میں موازنہ

معترض کا یہ کہنا کہ جنگوں میں نمایاں کارروائی کس کی ہے۔ کیا حضرت علیؓ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی، امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ گو بے معنیٰ بات ہے کیونکہ جب قرآن پاک، عملِ پیغمبرؐ اور اتفاقِ صحابہؓ سے ایک بات ثابت ہو جائے تو اوصافِ حسنہ کے ایک ایک جزئیہ میں تقابل کرنا اور ایک کو کم دوسرے کو زیادہ دکھانا کوئی مستحسن بات

نہیں۔ خصوصاً ہمارے جیسے لوگ جو اُن کی خاکِ پا کے بھی برابر نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی امیدوار کے مجموعی نمبرات کے اضافے اور ممتحن کے فیصلے سے صرفِ نظر کر کے ہر سوال کے جواب کا جزوی طور پر دوسرے کمتر امیدوار کے ہر سوال سے مقابلہ کرے۔ پھر دو چار سوالوں کے فرق کو اہمیت دے کر یہ کہنے لگے کہ یہ ثانی بہتر کامیاب ہے اور پہلے کا نتیجہ غلط نکالا گیا ہے۔ تاہم اس خطرناک وادی میں ہم مجبوراً اترتے ہیں تاکہ شبہ کو عذر کا موقع نہ رہے۔

واضح رہے کہ مختصراً افضلیت کے اسباب تین ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ قوتِ ایمانی ۲۔ کثیر الہدایت ہونا ۳۔ ذاتی خوبیوں کا مالک ہونا۔ ہر ایک کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

قوتِ ایمانی ایمان ایسی دولت ہے کہ اس کی وجہ سے اعمال میں جان اور وزن ہوتا ہے اور جوں جوں اس کی کیفیت میں اضافہ ہو اعمال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اہلِ سنت کے اعتقاد کے مطابق انبیاء کی دو رکعت نماز امتی کے تمام عمر کے نوافل سے افضل ہے۔ صحیحین کی حدیث معتبر کے مطابق ایک صحابی کا تین پاؤ غلہ راہِ خدا میں صرف کرنا غیر صحابی کے احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ گو تمام صحابہ کرام رض کا ایمان کامل تھا تاہم اصحاب حدیبیہ، اہلِ احد، اہلِ بدر پھر مہاجرین، عشرہ مبشرہ اور خلفاءِ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بالترتیب سب سے افضل تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رض کی فوقیت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے صحابہ کرام رض سے فرماتے تھے۔

ما ابو بکر بصوم ولا صلوٰۃ ولکن بشئی وقر فی صدرہٖ۔ (مجالس المومنین ص ۲۰۶)	ابوبکر رض تم سے (صرف) روزے اور نماز کی وجہ سے افضل نہیں۔ بلکہ اس چیز (قوتِ ایمانی و اخلاص) کی وجہ سے جو ان کے دل میں مستحکم بنا دی گئی ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ جھجک اور تردد اور فکر ضرور پیدا ہوئی۔ سوائے حضرت صدیق اکبر رض کے کہ جیسے ہی میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی فوراً بلا تردد و تامل انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور

ذرا بھی دیر نہ لگائی (از ابن اسحاق حیاۃ الصحابہ ج ۱ ص۴۵)

مگر حضرت علیؓ کو جب آپ نے دعوت دی "میں تم کو بھی اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ لات و عزیٰ کو بالکل چھوڑ دو" حضرت علیؓ نے کہا یہ ایسی بات ہے کہ آج سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا جب تک کہ اپنے والد ابوطالب سے بیان نہ کر لوں۔ آپؐ کو حضرت علیؓ کا یہ فرمانا ناگوار گزرا۔ فرمایا اے علیؓ اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوشیدہ رکھنا۔ پھر حضرت علیؓ نے دوسرے دن از خود ایمان قبول کر لیا (بدایہ) اور اسلام لے آئے اور ابوطالب کے ڈر سے آپؐ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ ظاہر نہ ہونے دیا (بدایہ ج ۳ ص۲۴)

۳۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لاتے ہی ظاہر کر دیا اور کفار کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں۔ ابوبکرؓ مجھ سے چار باتوں میں بڑھ گئے پہلے اسلام آشکارا کیا۔ مجھ سے پہلے ہجرت کی نبی کے یار غار ہوئے۔ نماز قائم کی۔ جبکہ وہ اسلام ظاہر کرتے تھے میں چھپاتا تھا۔ (تنزیہہ المکانۃ الحیدریہ ص۲۷)

۴۔ سابقین الی الاسلام حضرت خدیجہؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت علیؓ و ابوبکرؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ ہی۔ آزاد مرد بالغ تھے۔ چنانچہ اپنے اثر و نفوذ سے جو حضورؐ کی اعانتِ اسلام کی وہ دوسروں سے نہ ہوئی۔

۵۔ اسلام قبول کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ کے مشن کے مبلغ بن گئے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ (اسلام لانے کے بعد) حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ حضرات بھی (آپ کی دعوت سے) مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ، حضورؐ کے پاس عثمانؓ بن مظعون ابوعبیدہ، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن الارقم کو لے کر حاضر ہوئے اور یہ سب بھی مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔ (بدایہ ج ۳ ص۲۹ عن حافظ ابوالحسن طرابلسی)

یہ سب صحابہؓ قدیم الاسلام ۔ عشرۂ مبشرہ جیسے مشاہیر ہوئے ہیں ۔ اس کے برعکس کسی کی زندگی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر یا آپ کی ترغیب سے کسی کا مسلمان ہونا کتب سیرت و تاریخ میں ہمیں نہیں ملا ۔ ہاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو ۔ جو از خود اسلام اور پیغمبرؐ کی تلاش میں آئے تھے ۔ آپؓ نے مہمانی کھلا کر اور آمد کا مقصد پوچھ کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیا تھا ۔

۶۔ قوتِ ایمانی سے حضرت ابوبکرؓ نے کفار سے بڑی تکلیفیں بھی دیکھیں ۔ باوجودیکہ آپ نہایت اونچے خاندان کے معزز اور رئیس تھے ۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں ۔

(ا)۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی ۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکرؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ...... حضرت ابوبکرؓ کو مارا بھی اور روندا بھی ۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق ان کے قریب آیا اور اپنے کئی تلے والے جوتے سے حضرت ابوبکرؓ کو مارنا شروع کیا ۔ چہرے پہ مارتا تھا اور آپؓ کے پیٹ پر بھی کودا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی ۔ خاندان بنو تیم کے لوگ بھاگ کر آئے اور آپ کو چھڑا لے گئے ۔ اور ان لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کی موت میں شک نہ تھا ۔ مگر جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلے حضورؐ کا حال پوچھا الخ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۱ ص ۲۹۱)

(ب)۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کی تکالیف میں سے سب سے زیادہ سخت تکلیف تم نے کون سی دیکھی ۔ فرمایا ۔ کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں کفار اپنے معبودوں کا تذکرہ کر رہے تھے ۔ اتنے میں حضورؐ آ گئے تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے ۔ حضرت ابوبکرؓ تک ان کے شور و غوغا کی آواز پہنچی ۔ حضرت ابوبکرؓ ہم لوگوں کے پاس سے اٹھے اور ان کے سر پر چار زلفیں تھیں اور فرماتے تھے ۔ تمہارا ناس ہو ۔ کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے ۔ مشرکین نے حضورؐ کو تو چھوڑا اور حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے ۔ حضرت ابوبکرؓ جب گھر واپس آ گئے اور شدت زد و کوب سے یہ حال تھا کہ سر کی جس مینڈھی کو ہاتھ لگاتے وہ بال ہاتھ لگاتے ہی جھڑ جاتے اور حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے ۔ تبارکت یا ذالجلال والاکرام (اخرجہ ابویعلیٰ)

ج۔ ابن دغنہ کو جب آپ امان واپس کر چکے تو ایک کافر نے بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے مغیرہ یا عاص بن وائل گزرا حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ تم نے دیکھا اس جاہل نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ تم نے خود اپنے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے۔ اے رب تو کتنا بردبار ہے۔ کتنا بردبار ہے (بدایہ جلد ۳ ص ۹۵)

د۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈالی اور مروڑی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چھڑایا اور روتے ہوئے کہا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔

ر۔ کشف الغمہ ۳۴۵ پر ہے کہ نوفل بن خویلد حضورؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اسی شخص نے حضرت ابوبکرؓ اور طلحہؓ کو ہجرت سے قبل رسی میں جکڑ دیا اور دن بھر رات تک عذاب دیتا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کو ان کی تلاش کرنی پڑی ؎

بجرم تو ام میکشند چہ غوغائیست — تو نیز بر سر بام آ چہ خوش تماشائیست

ایمان لانے اور قوتِ ایمانی کی بنا پہ یہ شدائد برداشت کرنے کی یہ صدیقی جھلک تھی۔

حضرت عمرؓ کا ایمان

اب حضرت عمرؓ کی ایمانی قوت کا حال بھی سن لو حضرت عمرؓ کو کچھ لوگ ۵ یا ۶ نبوت میں اسلام لائے۔ مگر آپ حضورؐ کی دعا کا مقصود اور مراد ہیں۔ آپؐ نے دعا مانگی تھی۔ اے میرے اللہ! اسلام کو عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ قوت عطا کر۔ اللہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کر لی چنانچہ ان کے اسلام لاتے ہی بت پرستی کی دیواریں منہدم اور اسلام کی بنیادیں قوی ہو گئیں۔ (طبرانی حیات الصحابہ ج ۱ ص ۵۷)

حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ حضورؐ نے میری قمیص پکڑ کر کہا خطاب کے بیٹے اسلام لے آ۔ اور ساتھ ہی یہ دعا کی۔ اے اللہ اسے ہدایت دے۔ فوراً میرے منہ سے نکلا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ۔ میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکے کی ہر گلی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔ (ابونعیم فی الحلیہ ج ۱ ص ۴۱)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں۔ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے گئے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام مسلمانوں کی قوت تھی، ہجرت اسلام کی فتح تھی اور خلافت اللہ کی رحمت و برکت تھی (بخاری)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہی مسلمانوں نے علی الاعلان کعبہ میں جاکر نماز پڑھی۔

حضرت عمرؓ جس رات اسلام لائے تو سوچا کہ جو شخص اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے اسے بھی بتا آؤں صبح ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلایا۔ اس نے کہا اے میرے بھانجے (حضرت عمرؓ ابوجہل کی بہن حنتمہ بنت ہشام بن المغیرہ کے فرزند تھے) تو سزاوار مقام پہ آیا ہے، کیوں آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بتلانے آیا ہوں کہ میں اللہ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور ان کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو ابوجہل نے وہ دروازہ میرے منہ پہ مارا اور کہا اللہ تجھے اور اس چیز کو جو تو لایا ہے برباد کرے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۱)

حضرت عمرؓ نے جمیل بن معمر الجمحی کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ وہ قریش کی طرف چل دیا۔ آپ اس کے پیچھے ہو گئے۔ اس نے اعلان کیا کہ اے گروہ قریش عمر بے دین ہو گیا حضرت عمرؓ اس کے پیچھے کہتے جاتے تھے اس نے جھوٹ کہا بلکہ میں نے اسلام اختیار کیا ہے۔ اور گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ بھی ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ان کے سروں پہ آ گیا آپ تھک کر بیٹھ گئے اور قریش آپ کے سر پہ کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا تم جو چاہو کر و میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم (مسلمان) تین سو مرد ہو جائیں تو پھر (ہم باقاعدہ لڑیں) پھر یا ہم مکہ کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لیے چھوڑ دو گے (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۹ والبدایہ ج ۳ ص ۸۲ وقال ہذا اسناد جید قوی)

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ سب شہر آپ کے قتل پہ تل آیا اور آپ کو گھر میں (غارِ ثور کی طرح) پناہ لینی پڑی۔ آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل سہمی آیا۔ اور یہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اسلام لے آیا اور تمہاری (کافر) قوم مجھ کو قتل کرتی ہے۔ عاص نے کہا، جاؤ میں نے تم کو امان دی وہ الیسا

نہیں کر سکتی۔ عاص چل دیا اور لوگوں سے ملا جن سے جنگل بھر گیا تھا۔ پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ابنِ خطاب کے پاس کہ وہ بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا اب تمہارے لیے سبیل نہیں کیونکہ میں پناہ دے چکا ہوں اور لوگوں کو لوٹا دیا (بخاری ج ا ص۵۴۵) یہ حضرت عمرؓ کے ایمانِ مضبوط کا ردِ عمل تھا کہ کفارِ قریش کہنے لگے کہ عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اور حمزہؓ بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اسلام قبیلوں میں پھیلنے لگا ہے۔ تو وہ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ایک کاغذ پر بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ لکھیں۔ (ابنِ ہشام ج ا ص۳۵۱)

یہی حال حضرت عثمانؓ کا بھی تھا۔ آپ کو اپنا چچا حکم بن ابو العاص ایک بڑی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا۔ محمد بن ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابو العاص نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا، کھولوں گا نہیں جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو نہ چھوڑوں گا۔ جب حکم نے دیکھا کہ یہ اپنے دین کے بارے میں انتہائی سخت ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔

(ابنِ سعد ج ۳ ص۳۷)

لیکن ہمیں تلاش کے باوجود سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ کے اسلام سے بھی کفار مشتعل ہوئے ہوں۔ یا آپ کو کسی قسم کی تکلیف دی ہو یا آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو یا آپ کو گرفتار کیا ہو۔ یا حضورؐ سے متعلق آپ سے باز پرس کی ہو۔ جبکہ ہجرت کے موقعہ پر حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے ابو جہل لعین وغیرہ نے حضورؐ اور صدیق اکبرؓ کا پتہ پوچھا جب اس نے نہ بتایا تو اس زور سے تھپڑ مارا کہ آپ کی بالی گر گئی (سیرت ابن ہشام ص۱۹۹) حتیٰ کہ باقر علی مجلسی جیسے شدید متعصب شیعہ بھی۔ جلاء العیون اور حیات القلوب میں ایک واقعہ بھی۔ تخلیق داستان کے ہنر کے باوجود ذکر نہ کر سکے۔ بجز اس بات کے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کو کفار نے زد و کوب کیا حضرت علیؓ و خدیجۃ الکبریٰؓ کو گھر میں پتہ چلا تو رونے لگے۔ ہو سکتا ہے اس کا سبب صغر سنی ہی ہو لیکن ۶ نبوت کے بعد تو حضرت علیؓ کی عمر ۱۲۔۱۶۔۱۴ سال کی علی اختلاف الروایات

ہو گی۔ ان مواقع پہ آپ کا ذکر ملنا چاہیے۔

نیز یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ہجرت کرنا ہی حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ بنا۔ ہجرت کی رات حضرت نبی کریم اور یارِ غار صدیق اکبرؓ کی تلاش میں ۱۰۰۰۱ اونٹ انعام مقرر کیا گیا تھا مگر حضرت علیؓ کو بلا خطر حضورؐ نے اپنے بستر پہ سلا دیا اور یہ تسلی بھی دی تھی کہ کفار ہرگز کچھ نہ کہیں گے۔

پھر حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہرا ایک دن بھی نہ چھپا اور اسی طرح پہ پھرتا رہتا تھا۔ امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں نے حضورؐ کے پاس پہنچنے کا راستہ اختیار کیا (کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۵) آخر کوئی بات تو حضرت پیغمبرؐ اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ میں نہ تھی کہ کفار ان کے خون کے پیاسے تھے اور حضرت علیؓ کو موقع ملنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات مکہ کے ضعفاء میں سے نہ تھے بلکہ معزز خاندانوں کے اصحابِ ثروت اور سردار و رئیس تھے۔ درحقیقت ان حضرات کا تمام منافع دنیوی اور عیش و سکون کی زندگی کو چھوڑ کر مکہ کے دریتیم محمد بن عبداللہ و رسول اللہ کی اتباع کر لینا اپنی جان و مال آپ پہ نثار کرنا۔ اور آپ کی دعوت کا مبلغ بن جانا ہی۔ جہاں حضورؐ کے دل میں ان کی قدر و منزلت کو سب سے افضل بنا رہا تھا۔ وہاں کفار کے غیظ و غضب کو بھی تیز کرتا تھا۔ اور وہ بھی حضورؐ کے بعد اسلام کے اہم ستون حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگِ اُحد کے خاتمہ پر ابوسفیانؓ نے قتلِ حضورؐ کی افواہ کی بنا پہ اپنی ہجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تھا جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹ میں بھی ہے۔ ابوسفیانؓ اونچی جگہ چڑھ کر مسلمانوں کو آواز دینے لگا۔ کیا مسلمانوں میں محمد (زندہ) ہیں حضورؐ نے فرمایا مت جواب دو۔ پھر کہا کیا ابن ابی قحافہؓ ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا جواب نہ دو۔ پھر پوچھا کیا عمرؓ بن الخطاب ہیں؟ (جب جواب نہ ملا) پھر کہنے لگا یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا۔ اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ نے تجھے رسوا کرنے کا سامان باقی رکھا ہے۔ پھر اس نے اُعلُ ہُبل (اے ہبل تو بلند ہو) کا نعرہ لگایا تو حضورؐ

؎ آج کل شیعی نعرہ یا علی مدد بھی اسی نعرہ کا چربہ ہے جب حضورؐ نے اسے شاکر اللہ مولانا و لا مولیٰ لکم (ہمارا مددگار اللہ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) سکھایا ہے تو ہم کو شیعہ نعرہ کے جواب میں یا اللہ مدد اور (باقی آئندہ)

نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ واجل (اللہ ہی بزرگ و برتر ہے) پھر اس نے کہا ہمارا عزیٰ تو مشکل کشا ہے تمہارا عزیٰ نہیں۔ تب صحابہؓ نے حضورؐ کے حکم سے جواب دیا۔ اللہ ہمارا مولا (ناصر و مددگار) ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ نے بلاشبہ مدنی زندگی میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے مگر اس وجہ سے کبھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے افضل نہیں بتایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے ایسا جانا۔ نہ حضورؐ نے اپنے قول و عمل سے اس کی تعلیم دی۔

دوم۔ کثیر الہدایت ہونا

ہدایت کی کثرت اور فیضان کی بہتات اور خیر کی اشاعت یقیناً ہادی اور مبلغ کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی متعدی نیکی ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال کا ثواب اسے بدستور ملتا رہتا ہے۔ اولادِ صالح جو والدین کی تربیت سے اچھے کام کرے اور والدین کے لیے دعاءِ رحمت کرتی رہے۔

صدقہ جاریہ۔ جیسے رفاہی کاموں پر خرچ کرنا جب تک وہ مدرسہ یا مسجد باقی رہے گی بنانے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

علم کی اشاعت یا تصنیف و تالیف۔ کہ جب تک اس علم یا کتاب کا وجود رہے گا عالم و مصنف کو ثواب ملتا رہے گا۔

انبیاء علیہم السلام اسی بنا پر سب خلائق سے افضل ہوتے ہیں کہ وہ منبع علم و ہدایت ہوتے ہیں۔ بنی نوعِ انسان میں علم کی حد وہی ہیں۔ کوئی امتی جس قدر انبیاءؑ کے علم و ہدایت کے مطابق اعمال بجا لائے گا یقیناً اس کا ثواب اپنے پیغمبر کو پہنچتا رہے گا۔ من سن سنة حسنة فله اجرها

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت بخشی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ آپ کی ہدایت۔ تمام اقوام۔ اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے اور اربوں انسانوں نے آپ ہی کے چشمۂ ہدایت۔ قرآن و سنت۔ سے اپنی پیاس بجھائی ہے یہ مقام کسی اور پیغمبر کو نہیں مل سکا۔ حالانکہ ان میں ہزار برس تبلیغ کرنے والے حضرت نوحؑ بھی ہیں۔ فرمون

(گذشتہ سے پیوستہ) اللہ اکبر کا نعرہ لگانا چاہیے جو مسلمان جنگوں میں لگاتے تھے۔ منہ

کو شکست دینے والے حضرت موسیٰؑ بھی۔ مقامِ خلت سے سرفراز حضرت ابراہیمؑ بھی۔ اور زہد و توکل کا سرچشمہ حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لیے آپ کے حق میں سراجاً منیرا۔ ہادیا و داعیا الی اللہ۔ اور و لکل قوم ہاد کے القابات قرآنِ حکیم نے صادر فرمائے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بعد از پیغمبر بڑے ہادی ہیں

یہ حقیقت اظہر من الشمس اور ناقابلِ انکار ہے کہ فیضانِ ہدایت اور اس کی اشاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی جانشین اور سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ بحدیثِ بالا کے بموجب تینوں قسم کے جاری و متعدی کام تا یوم قیام یادگار چھوڑے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی اشاعت

قرآن کریم حسب ضرورت حسن ترتیب سے اترا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے جدا ترتیب پہ۔ جو لوح محفوظ میں مقرر ہے۔ صحابہ کرامؓ کو پڑھا یا۔ لیکن مستقل مکمل کتابی شکل میں جمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ عہدِ صدیقی میں مرتدین اور مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگوں میں کافی قراء و حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تو مفکر امت و ملہم من اللہ حضرت عمرؓ کو خدشہ ہوا اور دربارِ صدیقی میں آکر عرض کی کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے۔ اولاً تو حضرت ابوبکرؓ نے توقف کیا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا میں کیسے کروں۔ پھر زمانے کا تقاضا بھانپ گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ جو مشہور قاری حافظ اور کاتب وحی تھے ان کی سرکردگی میں ایک جماعت کی جمع قرآن پہ ڈیوٹی لگادی۔ وہ فرماتے ہیں۔

فتتبعت القرآن اجمع من الرقاع والاکتاف والعسب وصدور الرجال (بخاری)	چنانچہ میں نے کاغذ و کپڑے کے ٹکڑوں، کندھے کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں اور حفاظ کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔ الخ

گویا انا لہ لحافظون۔ (ہم ہی قرآن کے محافظ ہیں) کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پہ پورا فرمادیا۔ آج ۱۴۰۰ سال سے مشرق و مغرب کے تمام مسلمان صرف ایک ہی کتاب اللہ کے عالم حافظ اور قاری ہیں جس کے ایک حرف و شوشہ میں بھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ پھر اسی قرآن کی نقلیں مزید کر واکر حضرت عثمانؓ نے اطرافِ اسلامیہ میں پھیلا دیں اور وحدتِ کتاب اللہ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ امت نہ ان کے بارِ احسان سے سبکدوش ہو سکتی

ہے۔ اور نہ ان کے درجات و ثواب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خود حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ قرآن پاک کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے بڑا درجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو ملیگا۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے دو گتوں کے درمیان قرآن کو جمع فرمایا (رواہ ابو یعلیٰ بحوالہ تاریخ الخلفاء ص ۶۴)

سنت و فقہ کی اشاعت | علم کا یہ شعبہ اور شجرِ طیبہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اقطارِ عالم میں پھیلا۔ آپ تمام مفتوحہ ممالک میں علماء اور حفاظ و قراء کو بھیجتے تھے جو وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرتے اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا تو فرمایا۔

بعثت الیکم ابن ام عبد و اثرتکم علی نفسی . میں نے تمہاری طرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے اور تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

اور ان کی کارکردگی کا یہ عالم تھا کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ میں وارد ہوئے تو چار ہزار کوفہ کے علماء تابعین نے آپ کا استقبال کیا جو سب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ شام میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی ڈیوٹی لگائی۔ بڑے بڑے فاضل صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کر دی تھی جس میں کثرت فتوحات اور حادثات نو کے پیش نظر ہر مسئلہ زیر بحث آتا اور صائب فیصلے سے مشرف ہوتا تھا یہی قضایا اور احکام سنت و فقہ کا وہ بہترین خزانہ ہیں جن پر فقہی مذاہب کا دار و مدار ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ اگر عمر کا علم میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں سب لوگوں کا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم زیادہ ہوگا۔ راوی نے جب یہ قول حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے ذکر کیا تو کہنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس سے بھی زیادہ آپ کی تعریف کی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمایا تھا۔

ذھبت تسعۃ اعشار العلم . حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے علم کے ۹/۱۰ حصے رخصت ہو گئے۔

(اسد الغابہ ج ۴ ص ۶)

کتاب الاموال لابی عبید اور مسعودی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تمام موذنین۔ مدرسین مبلغین خطباء اور قاریوں کے بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔

اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہبی اور انتظامی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو مختلف کاموں پہ لگاتے تھے ان کے حسن اعمال کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتا تھا تو اس کے نزدیک حضورؐ کے علمی و عملی جانشین حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان سب امور کا ثواب ملنا چاہیے۔ چونکہ روایت احادیث کے سلسلے میں شیخین بڑی احتیاط کرتے۔ قصہ گو واعظوں کی تو درہ سے تربیت کرتے تھے اور بسا اوقات حدیث پر شاہد بھی طلب کرتے تھے اور ان کے مختصر عہد میں تابعین کی روایت حدیث درجہ فروغ کو نہ پہنچی تھی اور امور خلافت و فتوحات میں بہت مصروفیت رہتی تھی۔ لہٰذا ان کے علم کی بہ نسبت روایۃ حدیث کم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ سے ۱۴۲، حضرت عمرؓ سے ۵۳۹ - اور حضرت علیؓ سے کچھ زائد ۵۸۶ احادیث مروی ہیں۔ حضرت عثمانؓ بھی احادیث نبوی کے ممتاز حافظ تھے وروی جملۃ کثیرۃ من العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۸) علم کا ایک کثیر حصہ روایت کیا ہے لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے اس لیے مرفوع روایات کی تعداد آپ سے کم مروی ہے۔ فقہ و استنباط میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ و علیؓ کے برابر نہ تھا لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے (بخاری کتاب الغسل و مسند احمد وغیرہ)

علم فرائض میں آپ جماعت صحابہؓ میں ممتاز تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عثمانؓ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخینؓ کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو یہی دونوں حل کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص۲ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص۲۴۱)

فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں حضراتِ خلفاءِ ثلاثہؓ کے زمانے میں باقاعدہ تبلیغی وفود بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس مختلف ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لیے جاتے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ہشام بن عاص اور نعیم بن عبداللہ اور ایک اور صحابی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بادشاہِ روم کے پاس بھیجے گئے تھے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جبلہ بن ایہم کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور ہر شے اس کے دربار کی سیاہی سے رنگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا لے ہشام کہو، ہشام نے اس سے گفتگو کی اور اللہ کے دین کی دعوت دی۔ (ابونعیم فی الدلائل ص۹)

علامہ شبلیؒ الفاروق ص۳۹۹ پر صیغہ مذہبی کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشادات سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ تو ایک ایک مسلمان سچائی سادگی پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ مثلاً شطا مصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

حُدودِ اسلام کی وسعت تکثیرِ ہدایت اور فیضانِ جاری کی تیسری قسم خلفاءِ ثلاثہؓ کی وہ عظیم فتوحات ہیں جن کی بدولت اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر تمام اقطارِ ارضی پر پھیل گیا۔ اس وقت موجود دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں کسریٰ و قیصر اسلام کی قلمرو میں آگئیں۔ تاریخی طور پر وہ پیغمبرِ اسلامؐ کی متواتر پیشینگوئیاں پوری ہوئیں جو آپؐ نے مسلم و کافر اور اپنے اور بیگانے کے سامنے اپنی صداقت پر بطورِ دلیل متعدد مرتبہ ارشاد فرمائیں۔ مثلاً عدی بن حاتم طائی کو

اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ بخدا مسلمان اس قدر مالدار ہوں گے کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس قدر ان کی تعداد اور قوت وافر ہوگی کہ ایک عورت تنہا قادسیہ سے حج کرنے آئے گی اور بخیریت واپس ہوگی۔ خلافت اور حکومت ان کو ایسی حاصل ہوگی کہ ارضِ بابل کے سفید محلات بھی ان کے ہاتھ پہ فتح ہو جائیں گے۔ عدیؓ کہتے تھے۔ میں نے دو باتیں تو دیکھ لیں۔ فراوانی دولت بھی دیکھ لوں گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۱ مختصراً)

فتح کا نام لینا آسان نہیں۔ ایک مربع میل کا رقبہ بھی کوئی نہیں دیتا۔ اور اس پر کتنے قضیے کرنے پڑتے ہیں لیکن بالکل غیر متمدن اونٹوں اور بکریوں کے چرواہوں نے جناب معلمِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یہ اسلام کی صداقت۔ پیغمبر کے اعجاز اور صحابہ کرامؓ کے ایمان پہ ایسی زبردست دلیل ہے جس کا کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ آج کا ایران اور ان کے ہم نوا اعداءِ صحابہ حضرت عمرؓ و فاتحینِ اسلام کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ ان کو حضرت عمرؓ وغیرہ کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے کہ ان کو کفر سے نجات دلا کر اسلام میں داخل کیا۔ فاتحینِ ایران صحابہ کرامؓ پر ان کا غضبناک ہونا اِس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کی آمد پہ نہ خوش ہیں نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ سابقہ کفار کی رسوم اور یادگاروں کو بھلا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ سہ ہزار سالہ قدیم کافرانہ تہذیب کے جشن پر کروڑوں ڈالر خرچ نہ کرتے۔ جیسے ۷۱ء میں منایا گیا۔

الغرض حضرت عمرؓ کے مفتوحہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ اِس میں شام مِصر عراق۔ جزیرہ خوزستان۔ عراقِ عجم۔ آرمینیہ۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ (الفاروق ص ۲۷۰)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں مغربی ممالک۔ شمالی افریقہ۔ روم قوقاز۔ جزیرہ قبرص اور روڈس کی فتوحات کا اضافہ ہوا۔ اور ان ممالک میں لا الٰہ الا اللہ کا جھنڈا ایسے لہرایا کہ آج تک سرنگوں نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان فتوحات سے کروڑہا انسانوں کے حلقہ بگوشِ ہدایت

ہونے کا ثواب حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے نامۂ اعمال ہی میں لکھا جائے گا۔ جیسے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم (صحیحین)	اگر اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

ہدایت کے ان تین شعبوں میں اول و ثالث میں تو حضرت علیؓ کی شرکت ہی نہیں۔ نہ آپ جمع و تدوینِ قرآن میں شریک تھے۔ نہ بقولِ شیعہ آپ کا جمع کردہ صحیفہ کسی مسلمان کو دیکھنا نصیب ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں کوئی علاقہ یا گاؤں فتح ہوا۔ آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے سرکاری سطح پر سابقہ تبلیغی سرگرمیاں بھی رک گئیں۔ ہاں سنت و فقہ کی انفرادی اشاعت میں حضرت علیؓ کا حصہ یقینی ہے اور آپ سے ہزاروں انسانوں نے فیضِ ہدایت پایا اور آج تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ میں یہ وصف بھی تاریخ وحدیث کے عام مروج سنی ذخیرہ پر اعتماد کی بدولت تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت علیؓ کو چہارم پیشوائے دین ماننے کا سہرا فقط اہلسنت کے سر پہ باندھا جائے گا۔ ورنہ شیعی مخصوص لٹریچر میں عمر بھر حضرت علیؓ تقیہ کے پابند رہے تھے۔ اسلام کی واقعی بات کا اظہار ایک وصیت کی وجہ سے ممنوع تھا۔ آپ کے مخلص شاگرد اور قابلِ اعتماد مومن چند نفری تھے آپ کے علم کا سمندر اندر ہی اندر خشک ہوگیا حتیٰ کہ شیعہ کو اپنا مذہب رسول اور وصی رسول کے بجائے دوسری صدی کے ایک تابعی بزرگ سے روایت کرنا پڑا۔ حد یہ ہے کہ ان کو یہ بھی کہنا پڑا کہ حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔ ہمیشہ خلفاءِ ثلاثہؓ کے معتقدین میں گھرے رہتے اور بے دستور قدرت کے فقدان اور ساتھیوں کی غداری اور بے وفائی کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ (الخ، مجالس المومنین ص۵۴)

معرکہ جنگ میں تبلیغی فرائض

حضرات خلفاءِ ثلاثہؓ کی فتوحات ملک گیری کے تحت نہ تھیں محض تبلیغِ اسلام کی خاطر تھیں۔ اپنے امراء اور کمانداروں کو تاکیدی وصایا کے ساتھ بھیجتے تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب شام

کی طرف لشکر روانہ فرمائے۔ جن پر امیر حضرت یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ وداعہ تک ان کے ساتھ پیدل چلے کہ ان قدموں سے اپنی خطائیں کو بخشوائیں۔ پھر وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ پاک سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین سے انکار کیا ہے ان سے جہاد کرنا۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ غداری نہ کرنا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ بزدلی نہ برتنا۔ زمین میں فساد نہ پھیلانا اور جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اس کے خلاف نہ کرنا۔ تمہارا اگر بتقدیر الٰہی مشرک قوموں سے سامنا ہو جائے تو انہیں تین باتوں کی دعوت دینا۔ اگر مان لیں تو جنگ سے رک جانا۔ اول ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر اسلام اختیار کر لیں تو ان کے اسلام کو قبول کرنا الخ (حیاۃ الصحابہ ج ۱ صفحہ ۲۱۹ از بیہقی و ابن عساکر ج ۹۶ صفحہ ۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کر لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دینا۔ جو شخص مسلمان ہو جائے اس کے لیے وہ تمام منافع ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہیں اور اسلام میں ان کا حصہ ہے اور جس نے تمہارے کہا لڑنے کے بعد یا شکست کھانے کے بعد مانا اس کے لیے مسلمانوں جیسا فے نہیں ہے۔ یہی میرا حکم ہے اور خط لکھنے سے غرض۔ (حیات الصحابہ رضی اللہ عنہم صفحہ ۲۲۳)

خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم کا ذاتی خوبیوں میں تقابل

شجاعت بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاع تھے۔ اور روایاتِ مغازی کی روشنی میں عہد نبوی کی سب جنگوں میں ڈیڑھ سو درجن کے قریب آپ کے ہاتھوں کفار مقتول ہوئے جو شیخین کے مقتولوں سے زیادہ ہیں۔ اپنی جگہ جہاد میں قتلِ کفار واقعی ثواب کا کام ہے لیکن ایک کافر کو کلمہ پڑھوا دینا اس سے زیادہ کارِ ثواب اور اسلام کی مفید خدمت ہے۔ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کلمہ پڑھتے ہی حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، ابو عبیدہ بن جراح، عثمان بن مظعون، ابوسلمہ، ارقم بن ارقم جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حلقہ بگوش اسلام کرا دینا اور مسلمانوں کی جماعت بنا دینا اس سے زیادہ

افضل نہ تھا؟ بقول سعدیؒ ؎

دگر خفیہ دہ دل بدست آوری   ازاں بہ کہ صد رہ بشبخوں بری

مدارِ فضیلت نو جنگوں میں شرکت ثابت قدمی اور جرأت ہے۔ بالفعل قتل کرنا تو اتفاقی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری۔ حضرت سلمان فارسی۔ ابوالدرداءؓ جیسے عند الشیعہ کامل الایمان صحابہؓ سے بھی اس کا ثبوت مشکل ہے۔ اور اشجع الناس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک شخص نیزہ نبوی سے خراش کی وجہ سے بطورِ معجزہ قتل ہوا۔

قزمان نامی ایک شخص نے احد میں بروایت ابن ہشام ۹ آدمیوں کو قتل کیا۔ مگر بالآخر خودکشی کرلی۔ حسب روایت بخاری ج ۲ صا۱۱ مرفوعاً حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے ہاتھ سے غزوہ موتہ میں فتح ہوئی اور مؤرخین کے بیان کے مطابق آپ کے ہاتھ میں ۹ تلواریں موتہ میں ٹوٹیں۔ اور بلاشبہ ان کے ہاتھوں کفار زیادہ قتل ہوئے۔ نحوہ از ابی عامر و در طبقات بن سعد ج۲ ص۱۳۰)

معلوم ہوا کہ مقتولوں کی کثرت مدارِ افضلیت نہیں۔ بلکہ مجموعی طور پر اوصافِ خاصہ ہیں۔ جرأتِ صدیقی کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ لوگو! میں تم سے بیان کروں کہ ہم سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں جب غزوہ بدر ہوا تو ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جھونپڑا بنایا۔ اور ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا؟ ایسا نہ ہو کہ مشرکین میں سے کوئی آپ کی طرف آئے پس خدا کی قسم اس کام کے لیے آپ کے قریب کوئی نہ آیا سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کہ یہ تلوار سونت کر آپ کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی آپ کی طرف آنے کا قصد کرتا یہ اس کی طرف جھپٹ کر جاتے۔ یہ تمام لوگوں میں سے زیادہ بہادر تھے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بدر کا پورا واقعہ بیان کیا۔ (کذا فی المنتخب ج ۵ ص۲۲۳)

اُحد کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کرنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا تلوار میان میں کرکے اپنی جگہ واپس آجاؤ اور اپنی ذات سے ہمیں نفع پہنچاؤ (کشف الغمہ ص۲۵۴)

مکی زندگی میں تنہا کفار کے نرغے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھڑانا اور تکالیف

سہنا پہلے مذکور ہو چکا ہے جو جرأت کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ ہجرت کے موقعہ پر بحکم خداوندی حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لینا اور رفاقتِ غار کے علاوہ سب سفر میں تنہا آپؐ کی حفاظت فرمانا۔ صدیقی جرأت ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا غلام رسول مہر "رسولِ رحمتؐ" میں رقم طراز ہیں۔

"کاشانۂ مبارک سے نکل کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جن کا مکان مکہ مکرمہ کے جنوبی حصے میں تھا۔ شہر سے جنوبی سمت میں چل پڑے۔ چھ میل کے فاصلے پر ثور نامی پہاڑ تھا جس کے اندر بہت اونچائی پر ایک بڑا غار تھا راستہ سخت پتھریلا اور کٹھن تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کیلئے تھوڑی دور تک کندھوں پر بٹھا لیا۔ چلتے وقت وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتے گویا چاہتے تھے کہ ہر سمت سے حضورؐ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دیں۔ غار کے دہانے پر پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ پہلے خود داخل ہوئے اور غار کو خوب صاف کیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ کر تمام سوراخ بند کیے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ اس غار میں رسول کریمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے تین دن اور تین راتیں گزاریں۔"

سانحہ وفات نبویؐ پر جب صحابہ کرامؓ فرطِ غم سے بے حال ہو رہے تھے۔ جرأت صدیقی نے وہاں بھی راہنمائی کی۔ جب مرتدین، منکرین زکوٰۃ، مسیلمہ کے پیروکار اور منافقوں کی سازشوں سے بڑے بڑے اکابر ہراساں ہو گئے تو جرأت صدیقی اور عزم صاحب رسول ہی نے تنہا مقابلے کی ٹھانی اور فرمایا خدا کی قسم اگر مجھے درندے نوچ ڈالیں تب بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو باہر جانے سے نہ روکوں گا۔ چنانچہ سب صحابہؓ کے حوصلے بلند ہو گئے اور تمام مشکلات پر مکمل فتح پائی۔ تاریخ۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کا بیان ہے کہ عہد نبویؐ میں ہم نے ابوبکرؓ کیساتھ کفار پر رات کو حملہ کیا اور ([illegible])

جرأت فاروقی

کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے بھی ہجرت کی جہاں تک مجھے علم ہے چھپ کر کی سوائے حضرت عمرؓ کے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور اپنے کندھے پر کمان رکھی اور اپنے ہاتھوں

میں نکال کر تیر لیے اور بیت اللہ کے پاس آئے۔ سردارانِ قریش اس کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے بیت اللہ کا پورا طواف کیا پھر مقامِ ابراہیمؑ پر نفل پڑھ کر ایک ایک مشرک کے پاس آئے اور کہا یہ چہرے ذلیل ہو جائیں گے جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے نابید کر دے اور اولاد یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی رانڈ ہو وہ مجھ سے اس وادی کے پرے ملے۔ ایک بھی ان میں سے حضرت عمرؓ کے پیچھے نہ گیا۔ (منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۳۸۷)

جنگِ بدر میں حضرت عمرؓ نے مشہور بہادر پہلوان اپنے ماموں العاص بن ہشام بن المغیرہ بن مغیرہ — برادر ابوجہل عمرو بن ہشام — کو قتل کیا (سیرت ابنِ ہشام ج ۱ ص ۴۷۵) پھر کوئی پہلوان آپ کے سامنے آتا ہی تھا۔ جنگ احد میں حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سالارِ لشکر کو صرف پتھروں سے مار بھگایا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۳۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ گھاٹی ہی میں تھے کہ اسی اثنا میں قریش کے کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھ آئے۔ بروایت ابنِ ہشام ان چڑھنے والے سالاروں کے سالار خالدؓ بن ولید تھے۔ آخر حضرت عمرؓ بن خطاب اور مہاجرین کی ایک جماعت نے زبردست مقابلہ کر کے انہیں پہاڑ سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ (ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۳ و طبری ص ۱۴۱۱)

احد میں چند اور صحابہؓ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت کر لیا تو آپ مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے اور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ اس وقت ابوبکر صدیقؓ عمر بن خطاب۔ علی بن ابی طالب۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن عوام۔ حارثؓ بن صمہ اور دوسرے مسلمانوں کا گروہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ (سیرت ابنِ ہشام ج ۲ ص ۵۰)

اور حیات القلوب مجلسی ج ۲ ص ۳۶۶ کی ایک طعن آمیز روایت سے شیخین کی ثابت قدمی کا اعتراف ہے۔ غزوۂ خندق میں حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے جس حصے پر متعین کیا تھا۔ اور آج وہاں ایک مسجد بھی آپ کے نام کی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی (طبری ص ۱۴۷۵ الفاروق ص ۹۵) اسی جنگ میں عرب کے مشہور پہلوان ضرار اسدی کا تعاقب کر کے حضرت عمرؓ نے

بھگا دیا۔ (سیرت النبیؐ ج ا ص ۴۲۹)

اس جنگ میں عمرو بن ود جو عرب کا مشہور پہلوان اور ۹۰ برس کا تھا حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے بطور تحقیر کہا تھا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں تو لڑوں گا۔ چنانچہ جوابی حملے میں اسے ڈھیر کر دیا۔

جرأت عثمانی حضرت عثمانؓ کا اسلام کی خاطر کفار مکہ سے مظالم سہنا۔ حدیبیہ کے موقع پر تنہا۔ سفارت کے فرائض سرانجام دینا۔ قید ہو جانا مگر حضورؐ کے بغیر طواف سے انکار کرنا۔ بلوائیوں کے ہاتھوں شہادت پا جانا مگر خلع خلافت نہ کرنا۔ اور باوجود حضرت معاویہؓ کے اصرار پر حرم مدینہ اور جوار نبوی کو نہ چھوڑنا آپ کی جرأت ایمان اور اخلاص پر کھلے دلائل ہیں۔

الغرض تمام غزوات میں ان حضرات نے شرکت کی۔ لیکن قتل کے واقعات کم پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات بہ نسبت حضرت علیؓ کے معمر تھے۔ حضور علیہ السلام ان سے سپاہیانہ خدمات لینے کے بجائے بطور وزیر و مشیر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور خصوصی محافظ بھی ہوتے تھے۔ جیسے خود حضرت علیؓ نے حضرت حسن و حسینؓ سے جنگ جمل و صفین میں جنگی خدمات کم لیں۔ ہر ممکن تحفظ کی کوشش کی۔ بدر میں حضرت ابوبکرؓ عریش میں آپؐ کے باڈی گارڈ رہے۔ حضرت عثمانؓ آپؐ کے فرمان کے مطابق حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مدینہ میں رہے۔ اور آپؐ نے ان کو غنیمت اور ثواب کا پورا حصہ دلایا۔ احد میں حضرت ابوبکرؓ کی محافظانہ حیثیت رہی اور حضورؐ نے تمام حملے سے روکے رکھا۔ ہاں حضرت عمرؓ نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ متعدد غزوات میں حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سپہ سالار بھی بنایا بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ کتاب المغازی میں سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ ۹ جنگی سرایا میں حضورؐ کے بھیجے ہوئے لشکر میں میں بھی تھا۔ علینا مرۃ ابوبکر و مرۃ اسامۃ۔ کبھی حضرت ابوبکرؓ کو امیر لشکر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو۔ "اشداء علی الکفار" قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں اور نصف معلوم دنیا کو فتح کر کے لا الٰہ الا اللہ کا جھنڈا گاڑ دیں۔ اس میں زیادہ کمال ہے یا بالفعل دو چار کافروں کو قتل کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ کیا بادشاہ، وزیر یا جرنیل

کی کامیابی صرف اسی میں ہے کہ وہ سپاہی کی حیثیت سے دو چار قتل خود کریں۔ خدا معترض کو عقل دے۔

شجاعت کے اثرات میں تقابل

حضرت علیؓ تلوار سے اس قدر رعب اور اصلاحی کام نہیں کر سکے جس قدر حضرت عمرؓ نے درہ ہاتھ میں رکھنے سے کیا۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت عمرؓ تلوار کے بجائے صرف درہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔ مگر آپ کے رعب و دبدبہ سے انتظام حکومت بھی ٹھیک تھا اور بڑے بڑے بادشاہ بھی تھراتے تھے۔ ادھر سیدنا علیؓ ذوالفقار ہاتھ میں لے کر جمل و صفین میں کشتوں کے پشتے لگا رہے ہیں مگر مخالف کو اپنے مقصد میں ناکام کر دینا تو کجا خود آپ کے فوجی بھی درست نہیں رہتے۔ نہ آپ کے کنٹرول میں رہ کر اطاعت و وفاداری کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش معاویہؓ میرے دس دس سپاہیوں کے بدلے میں ایک ایک سپاہی دے دیتا (نہج البلاغہ)

یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ چند ناموں کے سوا شیخین کا کسی سے مقابلہ یا قتل کا روایات میں نہ ملنا۔ بالکل نفی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا نام و پتہ ہم تک بھی پہنچے۔ حضرت علیؓ کے مقتولین کے بھی ابن ہشام نے دس سے کچھ زائد نام بتائے ہیں حالانکہ قتل ان سے کچھ زیادہ ہوئے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مشہور کلیہ کے مطابق عدم ذکرِ شئی عدم وجودِ شئی کو مستلزم نہیں۔ دراصل شیعہ حضرات کا مذہب ہی صحابہ کرامؓ پر طعن و تبرا بازی ہے وہ کسی طرح حملہ کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ ورنہ حضرت طلحہ۔ زبیر۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم رضی اللہ عنہم جرأت اور جنگی خدمات میں حضرت علیؓ کے ہمسر رہے ہیں۔ ان کے مقتولوں کی تعداد بھی بکثرت ہے۔ احد کے نازک موقعہ پر حضورؐ کی خدمت میں حضرت سعد، طلحہ اور ابو عبیدہ یقیناً حضرت علیؓ سے بھی آگے ہیں جیسا کہ سیرت کے طالب علم پر مخفی نہیں ہے۔ پھر کیوں شیعہ ان کی بہادری، خدمات بلکہ ایمان کا بھی اعتراف نہیں کرتے اور کوستے رہتے ہیں:

درحقیقت شیعہ کو صحابہ کرامؓ سے بعض یا چند حضرات سے دعویٰ الفت اس بنا پر ہے ہی نہیں کہ ان کی اسلام کی اشاعت اور نصرت پیغمبرؐ میں خدمات کم و بیش ہیں۔ بلکہ اس

کے برعکس وہ محبت و نفرت کا معیار حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کو بناتے ہیں۔ انکے خیال میں تین چار حضرات حضرت علیؓ کے خواہاں تھے۔ حالانکہ یہ وہم ہی ہے۔ وہ انہی کو مومن مانتے باقی سب کو بے ایمان (العیاذ باللہ) مانتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے کتنے بڑے خادم ہوں۔ یا پیغمبر اسلامؐ کے قریب ترین رشتہ دار ہوں۔

علم میں موازنہ بلاشبہ حضرت علیؓ صحابہ کرامؓ میں بلند پایہ عالم ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ بلکہ زائد تھے۔ اس پر چند شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

علم صدیقیؓ ۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے تو جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما ان کے علاوہ مجھے کسی دوسرے کا علم نہیں۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۱)

۲۔ قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (ایضاً ابن سعد)

۳۔ سہل بن ابی خیثمہ نے بیان کیا ہے۔ وہ حضرات جو حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ تین نفر مہاجرین میں سے تھے اور تین نفر انصار میں سے۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان حضرت علی۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (ابن سعد ج ۲ ص ۱۶۷)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں ہے اور انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے کسی نقطہ میں اختلاف کیا مگر میرا باپ اس کے میدان اور اس کی فصل تک ضرور اڑا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کیے جائیں گے۔ ہم نے کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے "کہ کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس کو کسی جگہ وفات دی گئی ہو مگر وہ اس کی وفات کی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی میراث کے بارے میں اختلاف کیا تو کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت میں ہمارا کوئی وارث نہیں

بنایا جاتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (حیات الصحابہ ج۲ ص۲۹۱ از البغوی و ابن عساکر)

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

مانعینِ زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے میں تنازعہ ہوا تو آپ نے نص کی روشنی میں حضرت عمرؓ پر اس کی حقیقت واضح کی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین اگر خدا نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کامل امن وامان سے داخل ہو گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضورؐ کے اس ارشاد کی تشریح کی حتیٰ کہ اپنے بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا و آخرت میں سے جسے چاہے پسند کر لے (کہ وہ حضورؐ کی ذات تھی) وکان ابوبکر اعلمنا حضرت ابوبکرؓ ہم سے زیادہ عالم تھے۔ (از انسؓ در بخاری)

حضرت ابوبکرؓ نے صحابہؓ کو بتایا کہ کلالہ کسے کہتے ہیں حضرت علیؓ نے بھی آپؓ سے استفادہ کیا تھا۔ بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اعلم الصحابہؓ تھے۔ منصور بن سمعانی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرو۔ (ترمذی)

۷۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضورؐ کے ساتھ دوران سفر بہت سے مسلمان تھے۔ آپ نے فرمایا اگر لوگ ابوبکرؓ و عمرؓ کی اطاعت کریں گے تو راہِ راست پر قائم رہیں گے۔ آنحضورؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں فرمایا۔ جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو جاؤ گے میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ جب وہ کتاب و سنت میں کوئی نص نہ پاتے تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (بحوالہ المنتقی ص۲۷۱-۲۸۰)

۸۔ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں (رکن کے لحاظ سے) فرق کریں گے۔" شیخ ابواسحاق الغزانی وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس مسئلہ کا حل صرف آپ نے بتلایا اور صحابہؓ نے اتفاق کیا۔

۹۔ حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو امامِ نماز بنانا افضلیت اور اعلم ہونے کی دلیل تھی کیونکہ آپؐ کا ارشاد ہے۔ لوگوں کو وہ نماز پڑھائے جو ان سے زیادہ کتاب اللہ پڑھنے والا ہو۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں ابوبکرؓ ہوں ان میں سے کسی اور کو جماعت کرانا مناسب نہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب سے زیادہ سنتِ نبوی کے عالم تھے جیسے صحابہ کرامؓ متعدد مواقع میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سنتِ نبوی ان پر ظاہر کرتے اور ایسے مسائل جانتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۹)

۱۰۔ آپؓ کا تفوقِ علمی اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سقیفہ کے دن اپنی فی البدیہہ تقریر میں کوئی چیز جو قرآن میں انصار کے فضائل میں اتری نہ چھوڑی اور نہ کوئی ایسی حدیث جو حضورؐ نے انصار کے بارے میں فرمائی تھی مگر سب کا تذکرہ کیا۔ (کنز العمال ج۳ ص۱۳۷ والہیثمی ج۵ ص۱۹۱)

۱۱۔ عہدِ جاہلیت کے علوم۔ علم الانساب۔ علم تعبیر الرؤیا اور خطابت میں جب آپ سب سے زیادہ عالم تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۴۱) تو علمِ شریعت۔ جو صحبتِ نبوی کا عکس تھا اور آپ کو شرفِ صحبت سب سے زیادہ ملا تھا۔ اس میں آپ سب صحابہؓ سے بڑے عالم کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کا علم

۱۔ بخاری ومسلم میں مرفوع حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا وہ میں نے پی لیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو بچ گیا وہ میں نے عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ نے اس کی کیا تعبیر ارشاد فرمائی۔ فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔

۲۔ ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

۳۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا امم سابقہ میں ملہم موجود تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ملہم ہوا تو وہ عمرؓ ہیں۔ (المنتقی ا صفحہ ۲۳)

۴۔ یہ اسی الہام اصابت رائے اور فراست ایمانی کا اثر تھا۔ کہ وہ دین کے قریب احکام اور قرآنی آیات اتریں۔ جیسے آپ نے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص ۹۰)

۵۔ بروایت ابو وائل حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم زمانہ کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمرؓ کا علم ان سب کے علم سے وزنی ہو گا۔ وکیع کہتے ہیں میں نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا خدا کی قسم حضرت عبداللہ نے اس سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔ کہ بے شک ۹ حصے علم کے اٹھ گئے جس دن سے حضرت عمرؓ نے وفات پائی۔ (طبرانی و ہیثمی جز ۹ و حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے بے شک حضرت عمر رضی اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کے پڑھنے والے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں ہم سب سے زیادہ سمجھدار تھے۔ (مجمع الزوائد جز ۹ ص ۶۹)

۶۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا گویا کہ لوگوں کا علم حضرت عمرؓ کے ساتھ قبر میں دفنایا گیا۔ (حیاۃ الصحابہ جز ۳ ص ۲۹۳ از ابن سعد)

۷۔ مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فقہا کا ان کے پاس بچوں جیسا حال تھا۔ ان سب پر حضرت عمرؓ فقہ اور علم میں غالب تھے۔ (ایضاً از ابن سعد)

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب نیکیوں کا ذکر ہو گا تو حضرت عمرؓ کو مبارک کہی جائے گی۔ بے شک عمرؓ ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے اور اللہ کے دین کے زیادہ سمجھ دار تھے۔ (طبرانی)

۹۔ حضرت علیؓ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ آپ میں پختگی۔ فراست و ہوشیاری علم اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۵)

۱۰۔ حضرت قبیصہؓ بن جابر فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نے حضرت ابوبکرؓ سے بہتر اور

رعایا پر شفیق کوئی نہیں دیکھا۔ اور میں نے حضرت عمرؓ کے سوا کتاب اللہ کا بڑا عالم۔ اللہ کے دین کا بڑا سمجھ دار۔ اللہ کی حدوں کو زیادہ قائم کرنے والا۔ اور لوگوں کے دلوں میں زیادہ بارعب نہیں دیکھا اور حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ حیا والا نہیں دیکھا (ابن الاثیر ج۷ ص۳۶)

علم عثمانی

۱۔ حضرت عثمانؓ بھی بڑے عالم تھے۔ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ آپ سے زیادہ تر احادیث حضرت زید بن خالد جہنی ابن الزبیر۔ سائب بن یزید۔ انس بن مالک۔ زید بن ثابت۔ سلمہ بن الاکوع۔ ابو امامہ باہلی۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ عبداللہ بن مغفل۔ ابو قتادہ اور ابو ہریرہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فاضل صحابہؓ نے روایات کی ہیں۔ اور تابعین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

۳۔ ابن سعد نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ کے صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ مکمل اور بہتر طریق پہ حدیثیں بیان کرنے والا نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حدیث بیان کرنے سے آپ ڈرتے بہت تھے۔ (مبادا الفاظ حدیث میں کمی بیشی ہو جائے)۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۱۶)

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ وغیرہ فقہاء صحابہ کی بہ نسبت آپ سے احادیث کم مروی ہیں۔ کم گوئی اور شدتِ حیاء کا ان چیزوں پہ اثر پڑ کر رہا۔ ورنہ علم میں آپ کم نہ تھے جیسے ۔ ۴۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مناسک و مسائل حج کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص۱۶)

۵۔ اور آپ کے فقہی فیصلے بدستور شیخینؓ کے ہم پلہ تھے۔ جیسے عبیدہ بن عبداللہ بن عتبہ حضرت ابن عباسؓ کی مدح میں فرماتے ہیں ۔ ۔ ۔ کہ میں نے کسی کو حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو جاننے والا نہ دیکھا (از ابن سعد ج۲ ص۱۸۴۔ حیات الصحابہؓ ج۳ ص۲۹۹)

۶۔ آپؓ کے علم میں کون شک و شبہ کر سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح یوں فرمائی ہے۔

"آیا وہ شخص جو رات بھر سجدے اور قیام میں اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا اور خدا کی رحمت کا امیدوار ہے۔ آپ فرمایئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بلاشبہ عقلمند ہی نصیحت پکڑتے ہیں (زمر ع ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عثمانؓ کے حق میں نازل ہوئی (اخرجہ الواحدی والحاکمی والفضائلی) (ریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ ص۱۳۶ حلیۃ الاولیاء ج۱ ص۵۶)

علم مرتضوی

حضرت علیؓ کے علم کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کر لیں۔

۱۔ آپ بھی حضورؐ کے زمانے میں مفتی تھے۔

۲۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تو یہ پایا کہ ان کا علم چھ حضرات پر ختم ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو الدرداءؓ، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سب کا مدار حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ پر ہے (حیات الصحابہؓ ج۳ ص۲۹۷)

۳۔ طبرانی کی ایک مرفوع مرسل حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی شکایات کے جواب میں ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا میں نے تیری شادی اس سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لانے والا اور بڑا عالم ہے اور بڑا بردبار ہے۔ (حیات الصحابہؓ ص۲۹۵)

۴۔ کوفہ کے باشندوں سے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اتری اور کہاں کن لوگوں کے متعلق اتری بے شک میرے رب نے مجھے سمجھدار دل اور فصیح زبان عطا فرمائی ہے۔

۵۔ یحییٰ بن سعید بن المسیبؒ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اس مشکل مسئلہ کے لیے پناہ مانگتے تھے جس کے لیے ابوالحسن (حضرت علیؓ) موجود نہ ہوں (اخرجہ ابن سعد حیات الصحابہ ج۳ ص۲۹۸)

(نوٹ) خلفاء اربعہؓ کے علم و فضل پر اور بھی کئی شہادتیں مل سکتی ہیں جو آدمی فیصلہ نہ کر سکے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور تمام صحابہؓ کو حکم مقرر کر لے جن حضورؐ نے جن کو امام نماز بنایا۔ اور اپنے بعد پیروی کا حکم دیا اور سب صحابہ کرامؓ نے ان پر اتفاق کیا۔ وہی افضل اور بڑے عالم ہیں۔

عبادت میں موازنہ

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے ایک لشکر بھیجا جو بڑی جلدی فتح پاکر بہت بڑی غنیمت لے کر واپس آگیا کسی نے کہا یا رسول اللہ اس سے زیادہ غنیمت والا اور جلدی لوٹنے والا ہم نے لشکر نہیں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جو لوٹنے میں ان سے بھی زیادہ سریع ہو اور غنیمت میں ان سے زیادہ۔ وہ وہ آدمی ہے جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر مسجد کا قصد کیا اور اس میں صبح کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد نماز چاشت ادا کی وہ لوٹنے میں زیادہ سریع رہا اور غنیمت میں بہت بڑا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۱۳۷)

۲۔ حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شروع رات میں وتر پڑھتے اور جب آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو دو دو رکعت کر کے پڑھتے۔ (ایسا پڑھنا افضل ہے)

(ابن ابی شیبہ)

۳۔ حضرت ابوبکرؓ کا مکہ میں گھر کے سامنے چبوترہ بنا کر نماز پڑھنا۔ سوز و گداز سے قرآن پڑھنا اور رونا جس کی مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا اور کفار کا شکایت کرنا۔ تکالیف دینا۔ پھر ابن دغنہ کا پناہ دینا مگر حضرت کا واپس کر دینا۔ کتب سیرت سے حوالہ کی حاجت نہیں۔

۴۔ حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ نماز میں اپنی کسی جانب التفات نہیں کرتے تھے۔ (منتخب الکنز)

۵۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب سورۂ مزمل کا پہلا حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ قریب قریب رمضان کے مہینے کے (تا سحر) قیام کرتے تھے۔ اور اس سورۃ کے شروع و اخیر میں سال بھر کا فاصلہ تھا

۶۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے حضرت عمرؓ کی ایک بیوہ سے محض اس لیے شادی کی کہ ان سے رات کی نماز کا پوچھیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز پڑھتے پھر حکم دیتے کہ ہم ان کے سرہانے پانی سے بھر کر چھاگل کا گھڑا رکھ دیں۔ وہ رات کو بیدار ہوتے تو اپنا ہاتھ پانی میں ڈالتے اور اپنے چہرے اور ہاتھ پہ پھیرتے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے رہتے جب تک

ذکر کرنا چاہتے۔ پھر اس طرح کئی دفعہ بیدار ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ ساعت آجاتی جس میں یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (طبرانی رجالہ ثقات)

۷۔ حضرت سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب رات کے جگر یعنی وسط میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ (کنز)

۸۔ حضرت اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب تک اللہ چاہتا کہ وہ نماز پڑھیں وہ نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوتی تو اپنے اہل کو نماز کے لیے بیدار کرتے پھر ان سے کہتے الصلوٰۃ اور یہ آیت پڑھتے۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ سے والعاقبۃ للتقوی تک (اخرجہ مالک والبیہقی)

۹۔ حضرت عبداللہ بن شداد نے فرمایا۔ میں نے صبح کی نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی۔ میں آخری صف میں تھا۔ آپ سورہ یوسف پڑھتے تھے اور اس آیت پر پہنچے انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ۔ میں تو صرف اللہ سے اپنے حزن وغم کی شکایت کرتا ہوں۔ (عبدالرزاق وابن ابی شیبہ)

۱۰۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان کے رونے کی آواز تین صفوں کے پیچھے سے سن لی۔ (ابونعیم فی الحلیہ)

۱۱۔ حضرت عثمانؓ تو گویا رئیس العابدین تھے۔ بروایت ابن عمرؓ آیت امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما الخ کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام میں عبادت کرتا ہے کا نزول حضرت عثمانؓ کی شان میں بیان ہو چکا ہے (وکذا فی حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶)

۱۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال بجا لائے پھر متقی رہے اور مومن رہے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی۔ اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۳۔ حضرت ابن عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ میری امت میں سب سے زیادہ حیا دار اور شریف ہیں۔ (ایضاً)

۱۴۔ نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ حسین، سب سے

زیادہ خوش اخلاق اور سب سے بڑے حیادار ہیں۔ اگر آپ سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں گے اگر آپ ان سے بات کریں تو آپ کو نہیں جھٹلائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضؓ۔ عثمان بن عفان رضؓ۔ ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ۔ (ایضاً)

۱۵۔ زمیمہ کہتی ہیں حضرت عثمان رضؓ عمر بھر روزے رکھتے تھے اور معمولی نیند کے سوا سب رات عبادت میں کھڑے رہتے۔

۱۶۔ عبدالرحمٰن تیمی کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں مقام ابراہیم پر قابض ہو کر عبادت کروں گا جب میں عشاء کی نماز پڑھ کر مقام ابراہیم پر گیا تو ایک شخص نے میرے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا۔۔۔ وہ عثمان رضؓ بن عفان تھے۔۔۔ فاتحہ شروع کی اور پڑھتے ہی پڑھتے سارا قرآن ختم کر دیا۔ پھر رکوع اور سجدہ کر کے اور رکعت پوری کیں اور جوتا لے کر چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں اس سے پہلے کچھ پڑھا یا نہیں۔

۱۷۔ حضرت انس رضؓ بن مالک رضؓ اور نائلہ زوجہ عثمان رضؓ بلوائیوں سے فرماتی تھیں۔ اگر تم ان کو قتل کر دیا چھوڑو بہرحال یہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے اور پوری رات جاگتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص۵۶)

۱۸۔ مسروق نے اشتر نخعی سے کہا تھا۔ کیا تم نے عثمان رضؓ کو قتل کیا؟ ظالمو! تم نے صائم الدہر اور قائم اللیل کو قتل کیا۔ (ایضاً)

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹ میں حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ ان لوگوں سے تھے۔ جو علم، عمل، روزہ، تہجد، استقامت، جہاد فی سبیل اللہ اور صلہ رحمی کے جامع ہوتے ہیں۔ اللہ روافض کا ستیاناس کرے۔

۲۰۔ حضرت علی رضؓ کے متعلق لوگوں کی شکایت کے جواب میں آپؐ نے فرمایا۔ لوگو! علی رضؓ کی شکایت نہ کرو۔ بخدا وہ اللہ کی ذات میں خوب ڈرنے والے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص۶۸)

۲۱۔ امام زہری حضرت زین العابدین سے بروایت حضرت حسین رضؓ راوی ہیں۔ میں نے حضرت علی رضؓ سے سنا ہے فرماتے تھے۔ میں اور فاطمہ رضؓ سحری کے وقت سوئے ہوئے تھے۔ تو حضورؐ ہمارے پاس آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟

میں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ کے قبضے میں ہے۔ جب وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا دیتا ہے۔ حضورؐ واپس ہو گئے اور جواب نہ دیا۔ میں نے سنا کہ جاتے وقت فرماتے تھے اور ہاتھ ران پہ مارتے تھے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۶۸)

۲۲۔ حکایات صحابہؓ ص ۶۹ پر ہے کہ حضرت علیؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور پہاڑوں پہ اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز آگئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

۲۳۔ ابو اسحاق ہمدانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب رمضان کی پہلی رات میں عبادت کے لیے نکلے۔ قندیلیں روشن تھیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کی جا رہی تھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تیری قبر کو منور کر دے جس طرح پہ کہ تو نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن سے منور کر دیا ہے۔ (کذا فی الکنز ج ۴ ص ۲۸۴)

سخاوت میں موازنہ

اس وصف میں بھی ہم بجا طور پر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بڑھ کر کسی کی سخاوت و فیاضی اور ایثار مالی نہیں ہے۔ حاتم طائی کے قصے ان کے مقابلے میں لاشے ہیں۔ ان کی فیاضی اور زہد و قناعت پہ ایک شیعہ عالم محقق جیلانی نے کیا خوب شہادت دی ہے۔

آنہا نفوسِ خود را از اموال باز داشتند و شیوۂ زہد در دنیا پیش گرفتند و رغبت بدنیا و زینت آن ترک کردند و قناعت با قلیل و اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در حالیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دنیا رو کردہ بود و آں را در میانِ قوم خود قسمت میکردند و خود را بآں اصلاً آلودہ نمی کردند (فتح السبل بحوالہ تفسیر آیات قرآنی ص ۱۳۸)

ترجمہ: تینوں خلفاءؓ نے اپنے آپ کو مالِ دنیا سے علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک کر دیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور موٹا کھانا اور ٹاٹ پہننا اختیار کیا جس وقت کہ مال ان کے لیے موجود تھے اور ان لوگوں پہ تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ نہ کرتے تھے۔

۱۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے آج کون روزہ سے ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا میں ہوں۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جنازہ کو الوداع کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا میں ہوں نے جنازہ پڑھا ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے ابوبکرؓ نے کہا میں نے صدقہ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وُہ جنتی شخص ہے۔

۲۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ کے مال سے جس قدر مجھے نفع پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ (صحیحین)

۳۔ بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صحبت اور رفاقت اور انفاقِ مال کے اعتبار سے ابوبکرؓ میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو سوائے اللہ کے مقامِ خلت سے نوازتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی اخوت و محبت قائم ہے مسجدِ نبوی کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں بند کر دی جائیں مگر ابوبکرؓ کی کھلی رہے۔" (۶۵۳)

۴۔ ترمذی و ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ان دنوں مال کافی تھا۔ میں نے کہا آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا چنانچہ میں نے آدھا مال لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا۔ میں نے کہا اس کے برابر۔ حضرت ابوبکرؓ گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ گھر میں کیا باقی چھوڑا؟ عرض کیا خدا اور رسولؐ کا نام ؂

پروانے کو شمع ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا اور رسولؐ بس

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اس کے بعد میں کبھی ابوبکرؓ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

۵۔ ابن عساکر عروہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جس دن ایمان لائے تو ۴۰ ہزار دینار یا درہم کے مالک تھے۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور غلاموں کے آزاد کرانے پر خرچ کر دیئے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے دن حضرت ابوبکرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جب ہجرت الی المدینہ کی تو صرف پانچ ہزار تھے جو سب ساتھ لے لیے تھے۔ اور یہ سب مال غلاموں کو آزاد کرانے اور خدمتِ اسلام میں صرف کیے۔

۶۔ ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات وہ غلام آزاد کرائے جو سبب اللہ کے رستے میں عذاب پاتے تھے (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۳۷) حضرت بلالؓ وغیرہ کی آزادی کا ذکر حیات القلوب، کشف الغمہ وغیرہ کتب شیعہ میں بھی ہے۔

۷۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے ذمہ کسی کا احسان نہیں ہے مگر ہم اس کا بدلہ اتار چکے ہیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے کہ ان کا ہم پر احسان ایسا ہے جس کا بدلہ اللہ قیامت کے دن دیں گے مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے (ایضاً ص ۳۸)

۸۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ہجرت کی رات ۵، ۶ ہزار درہم کا تمام مال آپ لے کر مدینہ چلے گئے۔ میں نے اس کی جگہ پتھر رکھ دیا اور دادا جان کا ہاتھ لگوا کر تسلی دی۔ وہ خوش ہوئے کہ تمہارے لیے خرچ چھوڑ گئے۔ حالانکہ آپ سب کچھ ساتھ لے گئے تھے (حیات الصحابہؓ ص ۱۹۴ از ابن اسحاق)

۹۔ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک دفعہ ۴ ہزار کا سب مال حضورؐ پہ خرچ کر دیا تھا اور حضرت جبریلؑ نے بواسطہ پیغمبرؐ آپ کو اللہ کا سلام پہنچایا اور یہ کہ آپ اس فقر پر راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں راضی ہوں (ابونعیم فی حلیہ ج ۷، ص ۱۰۵)

۱۰۔ عمیر بن سلمہ دؤلی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دیہاتی عورت آئی۔ اپنی مسکنت اور بچوں کا اظہار کیا۔ . . آپ نے آٹا سے بھری چھوٹی بوری اور تیل اس کو دیا۔ پھر فرمایا ہم سے خیبر میں ملنا چنانچہ وہ خیبر میں ملی تو آپ نے دو بوری اور منگوا کر دیں۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۹۰)

۱۱۔ اسلم مولی عمرؓ فرماتے ہیں۔ بازار میں حضرت عمرؓ کو ایک نوجوان چھوٹے بچوں والی بیوہ عورت ملی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ گھر گئے۔ اپنے مضبوط پیٹھ والے اونٹ پر دو بڑے بڑے تھیلے غلے کے بھر کر لادے اور ان کے بیچ میں اور سامان خرچ اور کپڑا رکھا پھر اس کی نکیل عورت کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا۔ اسے کھینچ لے جا ختم نہ ہو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بھیج دے گا۔ زیادہ دینے پر ایک شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا اس کا باپ حدیبیہ میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم میں نے اس عورت کے بھائی اور باپ کو دیکھا جنہوں نے ایک قلعہ کا عرصہ تک محاصرہ کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۹۱۔ بخاری و بیہقی)

۱۲۔ حضرت اسلم مولیٰ عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زیادہ پختہ کار اور فیاض و سخی حضرت عمرؓ سے بڑھ کر نہیں پایا۔ (بخاری ص ۵۲۱)

۱۳۔ امیر المؤمنینؓ ایک دفعہ رات کو شہر کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ایک جگہ معلوم ہوا کہ ایک عورت حالت زچگی میں کراہ رہی ہے۔ فوراً گھر آئے۔ اپنی اہلیہ حضرت ام کلثومؓ بنت فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا۔ اور تیل، گڑ، گھی، غلہ وغیرہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ام کلثومؓ نے زچہ و بچہ کو سنبھالا اور آپ نے ہانڈی میں کھانا تیار کیا۔ جب ام کلثومؓ سے بچہ پیدا ہونے کی بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے۔ سب کو کھلا پلا کر گھر واپس ہوئے تو مالک خانہ سے فرمایا کل آنا تمہارے لیے مستقل وظیفہ کا بندوبست کیا جائے گا۔ (حکایات صحابہؓ ص ۹۵)

۱۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جیش عسرہ (غزوہ تبوک) کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے سات سو اوقیہ سونا دیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (سواریوں کے متعلق) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں دی تھیں جس میں پچاس گھوڑے تھے (باقی اونٹ) حسن کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ساڑھے نو صد اونٹ اور پچاس گھوڑے دیئے۔ یا راوی نے اس طرح کہا ۹۷۰ اونٹ اور تیس گھوڑے غزوہ تبوک میں دیئے۔ (کذا فی المنتخب ج ۵ ص ۱۲)

۱۵۔ حیات الصحابہؓ ج ۲ ص ۱۹۲ پر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لشکر (۳۰ ہزار) کے تہائی سامان کا غزوہ تبوک میں خرچ برداشت کیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ لشکر والوں کی کوئی حاجت باقی نہ رہی جو انھوں نے پوری نہ کر دی ہو۔ اسی صفحہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار آپ کی خدمت میں بھیجے۔ حضورؐ ان کو ہاتھ سے الٹتے پلٹتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی پشت ظاہر ہوتی اور کبھی ہتھیلیاں۔ اور آپؐ دعا دیتے رہے تھے۔ اے عثمانؓ! اللہ تیرے ہر اس گناہ کو جو تو نے چھپ کر یا علانیہ یا باطن میں کیے ہیں

اور جو کچھ کر قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اللہ حضرت فرماتے عثمانؓ کو کوئی پرواہ نہیں اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کرے۔ (منتخب ج ۵ ص ۱۲)

۱۶ حضرت عثمانؓ کو چھ مرتبہ آپؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ۱۔ جب جیش عسرہ کو تیار کیا۔ ۲۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرائی۔ ۳۔ جب بیر رومہ یہودی سے خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ۴۔ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کرنی چاہی تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایسا ہی گھر بنائے گا۔
۵۔ جب آپؐ نے حضرت عثمان پر بلوے اور شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا، انہیں جنت کی بشارت ہو۔
۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد مرتبہ اصحاب عشرہ مبشرہ بالجنۃ میں تیسرے نمبر پر آپؓ کا نام لیا۔ (صحاح ستہ)

۱۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ طبعاً فیاض تھے۔ اور ناداری کے باوجود صدقہ کرنے اور غرباء کو کھانا کھلانے کے کئی واقعات ملتے ہیں لیکن خلفائے ثلاثہ ان مشترکہ اوصاف کے علاوہ گزشتہ بالا واقعات میں منفرد ہیں۔ خداداد کثیر مال سے جو خدمت اسلام اور اعانت پیغمبر ان کے مقدر میں آئی اور تحریک اسلام کو زبردست کامیابی ہوئی اس کا جواب نہیں۔ بے شک ایک غریب یا مزدور کا دن بھر کی کمائی ساری یا کچھ اللہ کی راہ میں دینا کمال فیاضی ہے لیکن ایک امیر کا سالوں کی سب کمائی یا نصف و ثلث کو اللہ کی راہ میں دینے کا حوصلہ کرنا اور راس المال بھی نہ چھوڑنا اس سے زیادہ فیاضی اور جگر گردے کا کام ہے۔ حضرت علیؓ شروع سے نادار تھے۔ آپ کے ذاتی و خانگی اخراجات بھی خود حضور علیہ السلام اٹھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔ ؎

نوشت است بر گور بہرام گور ۔ کہ دست کرم بہ نہ بازوئی زور

امانت بلاشبہ حضرت علیؓ امین تھے۔ اور کفار کی امانتیں، خواہ وہ متاع دنیوی کفار کی حلال کمائی تھی یا حرام کی۔ حضور علیہ السلام آپؓ کے سپرد کر گئے تھے۔ اور آپ نے مالکوں کو پہنچائیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ سے مقابلہ کی کیا نسبت۔ آپ کے پاس اللہ کی وہ عظیم ترین امانت تھی اور اس کی حفاظت فرما رہے تھے جس کے قدموں پہ ساری دنیا و مافیہا قربان کی جا سکتی ہے۔

اور وہ امانت انصار مومنین کے سپرد کی گئی جن سے محبت کرنا عین ایمان ہے۔ اور نفرت رکھنا نفاق وکفر ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۹ پر قصہ اہل نجران میں ہے۔ انہوں نے آپ سے کہا ہمارے ساتھ اپنا امین نمائندہ بھیجیں حضورؐ نے فرمایا میں ایسا امین بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کرے گا حق ادا کرے گا۔ صحابہ کرامؓ منتظر ہونے لگے تو آپ نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو کھڑا کر کے فرمایا ھذا امین ھذہ الامۃ۔ یہ اس امت کے امین ہیں۔ کفار عہد جاہلیت میں خلفاء ثلاثہؓ کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مکہ واپس لاتے ہوئے کہا تھا ابوبکرؓ تیرے جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے۔ نہ نکالا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نادار کو کما کر دیتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ مصائب آنے پر لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ واپس جائیں میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ الخ (بخاری ج ۱ ص ۵۵۲)

حضرت سیدہ خدیجہؓ نے۔ پہلی وحی کے دن حضور علیہ السلام کے بھی یہی اوصاف بیان کیے تھے۔ بخاری

قارئین کرام! ہم نے قدرے بسط سے مترجم کے ذکر کردہ اوصاف حسنہ میں نہایت احتیاط سے موازنہ کر دیا۔ اگر کسی کے متعلق فروگزاشت ہوئی تو اللہ معاف فرمائے۔ دراصل اس موازنہ کے ہم اہل ہی نہیں۔ یہ صرف اللہ و رسولؐ کا کام تھا انہوں نے جس کام اور منصب کا جسے مستحق جانا وہ کام لیا۔ اور خدا کی طرف سے ایمان۔ اخلاص۔ صداقت اور جنت و کامیابی کی سندیں پانیوالے صحابہ کرامؓ نے بالترتیب ان کے درجات پر اتفاق کیا۔ اور وہ حضرات خلفاء راشدینؓ کو ہم سے بہت بہتر جانتے تھے۔ تو انہی کا فیصلہ برحق ہوا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

ہم اس بحث کا خاتمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس اقتباس پر کرتے ہیں:

"رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے ولی عہد کا معاملہ کرنا تو اس کے دلائل یہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے سپرد امامت نماز کی جب تبوک کے موقعہ پہ آپ قبیلہ عمرو بن عوف میں گئے تھے اور مسلمانوں کی فوجیں شہر سے باہر آ گئی تھیں۔ اور اس موقعہ پہ نماز کے علاوہ لشکر کا نگران بھی حضرت ابوبکرؓ کو بنایا۔ نیز مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو امام نماز بنایا اور یہ متواتر بالمعنی ہے۔ اور ۹ھ میں ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا اور چند بار غزوات میں بھیجا مسلمانوں کے معاملات میں ہمیشہ حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو بعض غزوات میں سپہ سالار لشکر بنایا نیز مدینہ کے صدقات کا عامل ڈپٹی کلکٹر بنایا حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کی طرف حدیبیہ کے فوائد کے لیے سفیر بنایا حضرت

حق چار یار

باب ہشتم

عقیدہ امامت درپردہ ختم نبوت کا انکار ہے

سوال ۲۱۔ کیا کوئی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن داؤد، نسائی ان کے علاوہ مشکوٰۃ اور موطا امام مالک یعنی ان آٹھ کتابوں میں مل سکتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن امام حسین، امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری امام العصر والزمان علیہم السلام اہلسنت والجماعت کے بارہ امام ہیں اگر نہیں تو اپنے بارہ اماموں کے نام بتائیں جبکہ حضورؐ نے فرمایا۔

عن جابر بن سمرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش (مشکوٰۃ) کیا آپ کے بارہ امام وہی تو نہیں جن کا تذکرہ تاریخ الخلفاء ص۱ اور شرح فقہ اکبر ص۶ پر درج ہے۔ اور ان میں آٹھواں یزید بن معاویہ ہے۔ اس فرمانِ رسولؐ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ (منصب امامت ص۱۱۱) غور سے پڑھ اور سمجھ کر فیصلہ دیں۔

الجواب۔ ابن داؤد کسی کتاب کا نام نہیں۔ ابو داؤد نام ہے۔ جو صحاح ستہ اہلسنت میں شامل ہے۔ افسوس کہ جو شخص اہلسنت کی صحاح ستہ کے نام نہیں جانتا وہ اہلسنت پر اعتراضات کرتا ہے بلکہ سابق سنی عالم ہونے کا مدعی ہے۔ اس کے جھوٹے اور پرفریب دعویٰ کی حقیقت اسی سے نمایاں ہے

اہل سنت کا معیار امامت

اس حدیث کا مفہوم ا۔ ر۱۲ خلفاء کی تعیین سے قبل ہم اس حقیقت کو الم نشرح کرتے ہیں کہ لفظ خلافت پر مشتمل اس حدیث کو معترض اپنے فاسد مذہب اور عقیدہ امامت پر کیسے منطبق کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ حالانکہ سنی نقطہ نظر سے خلافت۔ اور عند الشیعہ تصور امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اہلسنت کے ہاں خلافت و

امامت ایک انتظامی عہدہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آپ کی جانشینی وحکمرانی کا نام ہے۔ خلیفہ نہ نبی سے افضل یا اس کے مساوی ہوتا ہے۔ نہ وہ مستقل مطاع اور نبی کی طرح مفترض الطاعۃ ہوتا ہے۔ نہ وہ حلال وحرام کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔ نہ اس پر وحی آتی ہے نہ وہ قرآنِ پاک اور سنت نبوی کے علاوہ کسی تیسری وحی یا آسمانی کتاب و ہدایت کا حامل ہوتا ہے نہ اس کے لیے عصمت شرط ہے۔ نہ اس سے اختلاف کفر ہے نہ اس کے نام کا کلمہ ہے۔ نہ اس کی تعلیم تعلیمِ نبویؐ کے متوازی ہے۔ نہ اس کے نام کی الگ امت بنام شیعہ فلاں ہوتی ہے۔ نہ اس کا نام بطور ورد و استعانت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ امام وخلیفہ کا منصب صرف اس قدر ہے کہ وہ شرائطِ خاصہ کے تحت اس کا اہل ہو۔ اشارۃ النفس استخلاف نبوی یا انتخاب عامہ کے تحت اس عہدہ کو سنبھالے۔ اور حکومت وطاقت کے ذریعے قرآن وسنت کو نافذ کرے۔ اور انتظام مملکت کو سرانجام دے۔ تمام جائز امور میں اس کی اطاعت ضروری ہے اور مخالفت وانکار حرام ہے۔ اہلِ سنت کے ہاں ایسے منظم شرعی خلیفہ متقدر کے لیے ۸ شرائط ہیں۔

۱۔ مسلمان ہو۔ ۲۔ عاقل وبالغ ہو۔ ۳۔ مرد ہو۔ ۴۔ متکلم اور سمیع وبصیر ہو۔ ۵۔ مجتہد ہو۔ ۶۔ بہادر اور صاحب الرائے ہو۔ ۷۔ عادل ومنصف ہو۔ ۸۔ قریشی النسب ہو۔ ۹۔ علیٰ قول الاصح کتابت بھی شرط ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

مذکورہ بالا سنی حدیث اسی قسم کے خلفاء کی پیشینگوئی پر مبنی ہے۔

شیعہ کے ۱۲ امام ہرگز مراد نہیں

اس حدیث کا شیعہ کے ۱۲ آئمہ کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہے نہ ان کی امامت کے تصور کی قرآن وسنت میں کوئی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ منصب رسالت کے متوازی اور ختم نبوت کے عین برعکس ہے۔ امامیہ حضرات کے اس عقیدہ کا حاصل یہی ہے کہ کوئی شخص قرآن وسنت کی شریعت سے آزادی حاصل کرکے امامی خود ساختہ شریعت پر عمل کا دعویدار بن جائے۔ اگرچہ وہ عملاً اس کا تارک اور ہوائے نفس کا پیرو کار ہو۔ ہم یہاں شیعہ کی سب سے مستند اور عظیم مذہبی کتاب۔ اصولِ کافی کے کتاب الحجۃ سے شیعی امامت کا تعارف کراتے ہیں۔ تاکہ ان کے ختم نبوت کے منکر ہونے پر شک وشبہ نہ رہے۔

۱۔ امام بھی نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے

باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث میں ہے۔

... . راوی نے پوچھا کہ امام کا مقام کیا ہے؟ تو امام باقرؒ نے فرمایا۔

یسمع الصوت ولا یری ولا یعاین الملك	امام فرشتہ سے وحی کی آواز سنتا ہے مگر مشاہدہ
ثم تلا هذه الاية وما ارسلنا من قبلك	اور معاینہ نہیں کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ ہم نے
من رسول ولا نبی ولا محدث (کافی ص۱۶۲)	تم سے پہلے کوئی رسول، نبی اور محدث (امام) نہیں

بھیجا۔

اس باب میں تین اور ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں "محدث" کے عنوان سے امام کو بھی مرسل من اللہ اور مہبط فرشتہ تسلیم کیا ہے اور سورۃ حج کی آیت محولہ میں "ولا محدث" کا اضافہ کر کے تحریف کی ہے۔

اہل حق شیعہ کے برخلاف ان احادیث سے یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ امامت نبوت سے کم تر رتبہ ہے کیونکہ نبی و رسول فرشتہ وحی کو دیکھتا بھی ہے اور امامت کو نبوت سے افضل کہنا قرآن کریم اور احادیث آئمہ کی بھی خلاف ورزی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (انعام ع ۱۰) ہر ایک پیغمبر کو ہم نے سب جہانوں پر فضیلت دی۔ س ص ط

۲۔ امام بھی پیغمبر کی طرح حجۃ اللہ ہے

باب ان الارض لا تخلوا من حجۃ میں ہے۔ امام علی رضاؒ فرماتے ہیں۔

ان الحجة لا تقوم لله على خلقه الا	امام کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر نہیں ہو سکتی
بامام حتی یعرف (کافی ص۱۰۰)	حتیٰ کہ اس کا پہچاننا ضروری ہے۔

حدیث ہذا میں حصر کے ساتھ حجۃ اللہ کو امام میں محدود کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ پاک یہ منصب صرف پیغمبروں کو عنایت فرماتے ہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ	ایسے رسول (بھیجے) جو خوشخبری دینے والے بھی تھے
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ع ۲۴)	اور ڈرانے والے بھی تاکہ ان کے آنے کے بعد
	کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ مقبول)

۳- امام پر ایمان اور تمام دینی امور اسکی طرف لوٹانا ضروری ہے

باب معرفۃ الامام والرد الیہ میں ہے

امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہم اہلبیت کے امام کو نہیں پہچانتا

فانما یعرف و یعبد غیر اللہ هکذا واللہ ضلالا۔ | بلاشبہ وہ غیر اللہ کو مانتا اور بجز غیر اللہ کی گمراہی سے عبادت کرتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (نساء ۸۶) | پھر اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اولی الامر سے اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول ہی فیصل آخری حجت اور مرجع عوام ہیں۔ اگر انکے بعد امام ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

۴- پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے

باب فرض طاعۃ الائمۃ میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ یقول نحن قوم فرض اللہ طاعتنا۔ امام ابوعبد اللہؑ فرماتے ہیں ہم وہ قوم ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کر دی ہے۔

حالانکہ قرآن پاک میں بیسیوں مقامات پر یہ جملہ آیا ہے۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی۔ صرف ایک مقام پر اولی الامر کی اطاعت کا ذکر ہے مگر وہ بھی ضمناً اور تبعاً ہے۔ کہ ان سے اختلاف کی صورت میں خدا اور رسول کی طرف رجوع اور ان کی اتباع کرنی ہوگی۔ ہر جگہ خدا و رسول کی اطاعت پر ہی جنت کا وعدہ اور مخالفت پر جہنم کی جگہ جگہ وعید سنائی گئی ہے۔ البتہ ایک مقام پر مخالفتِ رسول کے ساتھ سبیل مومنین کی مخالفت پر جہنم کی وعید سنا کر اجماعِ امت کی حقانیت پر دلیل دی ہے۔ نیز یہ ارشاد صرف اتباعِ نبوی کو فرض قرار دیتا ہے۔ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر ۱۰) جس بات کا تم کو رسول حکم دیں مانو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ

۵- آئمہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اسکے علم کا خزانہ ہیں

یہ کافی کے اس باب کا ترجمہ ہے۔ باب ان الائمۃ ولاۃ امر اللہ وخزنۃ علمہ۔ نیز امام جعفرؒ کی یہ حدیث ہے "ہم اللہ کی شریعت کے مالک۔ اس کے علم کا خزانہ اور اس کی وحی کا شاک ہیں"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے عبادت کرنے سے اللہ کی عبادت کی گئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔ ص ۱۹۳۔

حالانکہ یہ منصب صرف پیغمبروں کا ہے۔ اور ایسے واضح تعلی آمیز الفاظ انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک میں نہیں ملتے نہ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ .... أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ (انعام ۱۰۴)

وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ پھر اگر یہ کفار ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں تو کچھ پرواہ نہیں کیونکہ ہم نے تو یہ ان لوگوں کے سپرد کی ہیں جو ان کے منکر نہیں ہیں وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے۔ پس اے رسولؐ تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول ص ۱۹۵)

مذکورہ بالا دعاوی اور متکبرانہ الفاظ منصب نبوت میں شرکت کے دعویٰ اور نخوت و خود پسندی پر صریح دال ہیں مرزا غلام احمد قادیانی تو ایسے لفظ بول سکتا ہے۔ مگر ہم آئمہ اہلبیتؓ کی طرف انہیں ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔

۶- آئمہ اللہ کا نور ہیں

اس نام کے باب میں ہے کہ امام ابوالحسن سے اللہ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا گیا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ (توبہ ۴۶)

کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو مونہوں سے بجھادیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور یعنی امامت کو پورا کرنے والا ہے اور امامت ہی نور ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا

کہ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کے نازل کردہ نور امامت علیؑ پر ایمان لاؤ۔ (کافی ص ۱۹۶)

حالانکہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں نور اللہ سے مراد اللہ کی توحید ہے۔ اس کے اتمام اور غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر شیعہ نے اس سے وہ امامت مراد لے لی جسے عہد رسولؐ میں بھی بقول شیعہ کسی نے تسلیم نہ کیا۔ بعد از رسولؐ تو صراحت سے غصب کر لی گئی اور اس نورِ خدا امام کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔ (جلاء العیون ص۱۴۵) اور اس منصب کو آپ کی اولاد سے ایسے دور رکھا گیا کہ وہ نورِ خدا آج ۱۲۵۰ سال سے ایک نامعلوم غار میں غروب ہو چکا ہے اور وعدہ خدائی آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ (والعیاذ باللہ)

یہ تو نورِ وصفی کا بیان ہوا۔ اگر آئمہ کے نور اللہ ہونے سے ان کی ذوات کا غیر بشر اور نور من نور اللہ ہونا مراد ہو جیسے عامہ شیعہ کا آج کل یہ عقیدہ ہے۔ تو یہ شرک صریح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ اعلان کروائیں ﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ نہیں ہوں میں مگر ایک انسان رسول ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ فرمائیے بلاشبہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے تو آپ کی بشری اولاد میں سے ۱۲ حضرات کیسے غیر بشر اور نور اللہ بن جائیں؟

۷۔ آئمہ نبوت کا درخت اور مہبطِ ملائکہ ہیں

کافی ص۲۲۰ میں ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الائمۃ معدن العلم وشجرۃ النبوۃ ومختلف الملائکۃ۔ امام جعفر صادقؒ نے اپنے شاگرد خیثمہ سے فرمایا۔ ہم نبوت کا درخت ہیں۔ رحمت کا گھر ہیں، حکمت کے خزانے ہیں۔ علم کی کان ہیں۔ رسالت کی جگہ ہیں۔ فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ اللہ کے بھید کی جگہ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں اس کی امانت ہیں۔ ہم اللہ کا حرمِ اکبر ہیں اللہ کا ذمہ۔ اللہ کا عہد ہیں جس نے ہم سے عہد پورا کیا اس نے اللہ سے عہد پورا کیا جس نے ہم سے بدعہدی کی اس نے اللہ سے بدعہدی کی۔

۸۔ آئمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں

کافی باب النوادر ص۱۴۵ میں ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں۔ ہم ہی اللہ کی حجت ہیں۔ اس کا دروازہ ہیں۔ اس کی زبان ہیں۔ اس کا چہرہ ہیں۔ اس کی آنکھ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں معاملات کے سرپرست ہیں۔ اور ایک روایت میں امیر المؤمنین علیؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کی آنکھ ہوں۔ اس کا ہاتھ ہوں۔ اس کا پہلو ہوں۔ اس کا دروازہ ہوں۔

"اپنے منہ میاں مٹھو بننا" اسی کو کہتے ہیں۔ ہم تو پیغمبروں کی ذات و صفات میں شرکت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ بجبر سے خدا بھی وحدہٗ لاشریک لہٗ نہ رہا اور اس کے بھی ہاتھ۔ آنکھ، پہلو زبان وغیرہ اعضاء تسلیم کر کے آئمہ ان پر قابض ہو گئے۔ حالانکہ اس کا ارشاد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ اس کے مانند کوئی شئی نہیں۔ تعجب ہے اگر الگ وجود فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانا جائے تو اللہ پاک "وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ"۔ کفار نے اللہ کے بندوں کو اس کا جزو بنا لیا۔ بلاشبہ انسان کھلا کافر ہے۔ سے کفر کا کھلا فتویٰ دیں اور آئمہ کو خدا کے اجزاء مانا جائے تو اسلام بن جائے؟

۹۔ آئمہ عالم الغیب ہیں کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ آئمہ جب علم غیب جاننے ہیں غیب معلوم کر لیتے ہیں۔ ایک کا عنوان یہ ہے۔ "آئمہ ما کان و ما یکون یعنی گزشتہ و آئندہ تمام باتوں کا علم جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔" م۲۶۱ اور اس میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ میں ضرور جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے جو کچھ دوزخ میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا قول اور ایسا عقیدہ قرآن کی بیسیوں آیات کی تردید اور خاصۂ خداوندی میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ جیسے اس کا ارشاد ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پ۱۲۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ کو ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ پ۷۔ غیب کے خزانے اور کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پ۲۶ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ پ۲۰۔ آپ فرمائیں آسمان و زمین کی کوئی مخلوق علم غیب نہیں جانتی سوائے اللہ کے۔

۱۰۔ آئمہ موت و حیات میں مختار ہیں اور اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اس عنوان کے باب م۲۵۸ میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا جو امام یہ نہ جانے کہ اسے کیا تکلیف آئے گی اور اس کا کیا انجام ہوگا تو وہ خدا کی مخلوق پر اس کی حجت اور امام نہیں ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ غیوب خمسہ میں فرماتے ہیں ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (لقمان)
کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ (کب) کس زمین میں مرے گا نیز ارشاد ہے ﴿فَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا
جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الاعراف ع ۴)
ارشادِ قرآنی کے مطابق جب کوئی اپنے انجام اور موت کا وقت نہیں جان سکتا تو اعتراف
امام کے مطابق۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بندوں پر حجتِ خداوندی نہیں۔

۱۱۔ آئمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں۔

باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء ص ۲۲۳ پر ہے۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث بنے اور حضرت محمدؐ
سلیمانؑ کے اور ہم حضرت محمدؐ کے وارث بنے اور ہمارے پاس تورات، انجیل، زبور اور الواح
موسیٰؑ کی تبیان کا بھی علم ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدمؑ سے تا حضورؐ
سب پیغمبروں کی سنتیں یعنی انبیاء کے تمام علوم عطا فرما دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صیر ذلک کلہ عند امیر المؤمنین علیہ السلام (۲۲۲) تمام حضرت امیر المؤمنین کے سپرد کر دیئے۔
(یعنی حضرت علیؓ بمعہ لوازم نبی بن گئے)

۱۲۔ آئمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں

باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ علیہا السلام میں ہے۔

کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہمارے پاس جامعہ ہے۔ جس کا طول حضورؐ
کے ذراع سے ۷۰ گز ہے۔ اس میں تمام مخلوق کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں حلال و حرام کا بیان
ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی ضرورت امت کو ہوگی حتیٰ کہ خراش اور طمانچے سے زخم کی
بھی دیت مذکور ہے۔ جفر کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک بڑا مخزن ہے جس میں تمام انبیاء اوصیاء
اور بنی اسرائیل کے علماء کے علوم ہیں اور یہ اتنے معتبر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہمارے پاس مصحفِ
فاطمہؓ بھی ہے۔ وہ ایسا قرآن ہے جس میں تمہارے اس قرآن جیسے سہ گنا احکام ہیں خدا کی قسم
اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ ص ۲۳۹۔

عیاں راچہ بیان۔ شیعہ کے آئمہ نے کتاب اور سنت کے برعکس مذکورہ بالا خیالی کتب پر ہی اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور قرآن سے اس قدر جدائی ہے کہ اپنی طرف اس کی نسبت بھی نہیں کرتے۔ مخاطبین کی طرف (قرآنکم) کی نسبت کرتے ہیں اور جس مصحف کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اس میں قرآن کے ایک حرف نہ ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں سبحان اللہ

۱۳۔ آئمہ حلال وحرام میں مختار ہیں

باب مولد النبی ص ۴۳۹ میں ہے۔

وفوض امورھا الیھم فھم یحلون مایشاؤن ویحرمون ما یشاءون ولن یشاءوا الا ان یشاء اللہ

اللہ پاک نے اہلبیت کو پیدا فرما کر تمام مخلوق کے امور ان کے سپرد کر دیئے پس وہ حلال کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہے۔

حضور خاتم الشریعت والنبیین کے بعد اس منصب کا کسی کو مختار ماننا شریعت محمدی پر خط کھینچنا ہے۔ نیز قرآنی تعلیم میں یہ عہدہ حقیقۃً پیغمبروں کا بھی نہیں بلکہ شارع ومحلل ومحرم صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کی طرف مجازاً صرف بایں معنیٰ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ وحی جلی یا خفی کے ذریعے منجانب اللہ حرمت وحلت کو بیان فرماتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ

اے نبی آپ کیوں وہ چیز حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی۔ (تحریم آیت ۱)

اور اصول کافی باب الشرک ص ۳۹۸ پر آیت اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا۔ کہ نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنالیا۔ کے متعلق ہے کہ بخدا انہوں نے نصاریٰ کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا۔ ولکن احلوا لھم حراما وحرموا علیھم حلالا فعبدوھم من حیث لا یشعرون۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے کئی چیزیں از خود حلال اور حرام کر دیں اور وہ غیر شعوری طور پر ان کے گویا عبادت گزار بن گئے۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۵۵)

۱۴۔ آئمہ درجہ میں حضورؐ کے مساوی یا افضل ہیں۔

کتاب الحجۃ کے ایک باب میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ماجاء بہ علی

امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو شریعت علیؓ لائے

أخذ به وما نهى عنه انتهى عنه جرى له من الفضل ما جرى لمحمد ولمحمد الفضل على جميع من خلق الله عز وجل المتعقب عليه كالمتعقب على الله ورسوله والراد عليه في صغيرة او كبيرة على حد الشرك بالله كان امير المؤمنين باب الله الذي لا يؤتى الا منه وسبيله الذي من سلك بغيره هلك وكذلك يجري الائمة الهدى واحد بعد واحد۔

(اصول کافی ص۱۹۶ طبع لکھنؤ۔ اردو ص۲۲۵ طبع کراچی)

ہیں میں وہ لیتا ہوں جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ آپ کا وہی مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے آپ کو تمام مخلوق پر برتری ہے حضرت علیؑ پر اعتراض کرنے والا خدا ورسولؐ پر اعتراض کرنیوالا ہے کسی چھوٹی بڑی بات کو آپ پر رد کرنے والا اللہ کے ساتھ گویا شرک کرتا ہے۔ امیر المومنینؓ ہی وہ دروازہ ہیں جس کے ذریعے اللہ تک پہنچا جاتا ہے اور وہ راستہ ہیں جو اس کے خلاف چلے گا ہلاک ہوگا اسی طرح یکے بعد دیگرے آئمہ ہدایت کی شان ہے۔

۱۵۔ حق صرف آئمہ کے پاس ہے

کافی ص۳۹۹ میں ایک باب یہ ہے "کہ سب لوگوں کے پاس کچھ بھی حق نہیں ہے بجز اس کے جو آئمہ سے نکلے اور جو چیز ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔" اس میں امام باقرؒ کی کئی احادیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس سے قرآن پاک بھی باطل ٹھہرا کیونکہ بالاتفاق وہ ان آئمہ سے نہیں نکلا۔ نہ وہ اس کے راوی ہیں۔ نہ جامع و ناقل بقولِ شیعہ ان کا قرآن تاہنوز لوگوں کے پاس آیا ہی نہیں۔ وہ امام مہدی صاحب الغار کے پاس ہے۔ تمام سنن محمدیہ اور احادیثؐ یہ بھی باطل ہوئیں کیونکہ ان کو براہِ راست حضورؐ سے نقل و روایت کرنے کا حق صرف حضرت علیؓ و حسنینؓ کو تھا۔ کیونکہ یہی زیارت و صحبت نبویؐ سے مشرف ہوئے تھے۔ مگر تمام شیعہ لٹریچر گواہ ہے کہ ان بزرگوں نے حضورؐ کے ارشادات بہت ہی کم۔ دو چار فیصد ہی نقل کیے۔ باقی سب ارشادات نبویؐ صحابہ کرامؓ نے ہی نقل کیے۔ علاوہ ازیں امام باقرؒ و جعفرؒ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے بمشکل پانچ فیصد ہی اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان کی روایات کا مصدر و منبع غالباً۔ وہی جفر، جامعہ۔ صحیفہ مصحفِ فاطمہؓ۔ اور ۱۲ طلائی مہروں والے صحیفے ہیں۔ جو خود ساختہ اور وہمی ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ سے ان کو ذرا بھی تعلق نہیں۔

معہذا آپ تابعی ہیں۔ تابعی کی مرسل روایات مطلقاً حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ آپ سے روایت کرنے والے اصحاب بشیعہ علم جرح وتعدیل کی روشنی میں نہایت مجروح۔ بلکہ کذاب وملحدین ہوں پر کیا اعتماد کیا جائے۔ الغرض اس اصول سے تمام شریعت کا صفایا ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ آئمہ کا منکر ومخالف بھی کافر ومرتد ہے

حیات القلوب ج ۲ ص ۶۸۴ پر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا

یا علی ہر کہ منکر امامت تست بعد از من چناں است کہ انکار رسالت من کردہ باشد در حیات من	اے علیؓ میرے بعد جو تیری امامت کا منکر ہے (یعنی خلیفہ بلافصل نہیں مانتا) وہ میری زندگی میں میری رسالت کے منکر کی طرح (کافر) ہے

نیز اسی کتاب میں ج ۲ ص ۶۲۳ پر یہ فتویٰ بھی موجود ہے۔

وہ مہاجرین وانصار (جو بیعت علیؓ نہ کرنے سے) مرتد ہو گئے اور (امیر المؤمنین کی خلافت) نزی کی اور اس کے دشمنوں (ابوبکرؓ وغیرہ) کی مدد کی وہ تمام کفار سے بدتر ہیں (العیاذ باللہ)

نیز ملا باقر علی مجلسی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ "کہ جو علیؓ کو (حسب عقائد شیعہ) پہچانے وہ مومن ہے اور جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو کوئی دوسرے کو آپ کی جنت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۵۱۲

۱۷۔ آئمہ سب انبیاءؑ سے بھی افضل ہیں

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر و سائر آئمہ افضل اند از سائر پیغمبراں وحدیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از آئمہ خود دریں باب روایت کردہ اند رحیات القلوب ج ۲ ص ۳	اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیر اور سب آئمہ افضل ہیں اور سارے انبیاء علیہم السلام سے اور اپنے آئمہ سے اس پر مشہور بلکہ متواتر احادیث روایت کرتے ہیں

عصر حاضر کے شیعی حجۃ الاسلام سید محمد کاظم شر لعتمدار نہج البلاغہ مترجم کے دیباچہ ص ۲ طبع شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور پر لکھتے ہیں۔

"الغرض بعد از کلام ربانی سعادت علم ودانش کا سرچشمہ اگر ہے تو خطبات علی علیہ السلام کیوں

نہ ہو؟ ہمارے لیے حضرت علی علیہ السلام کی ذات والاصفات سرمایہ حیات ہے۔ جو منصوص من اللہ ہے۔"

معلوم ہوا کہ شیعہ کے ہاں قرآن کے بعد ارشاداتِ رسول کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف خطباتِ علیؓ ہی سرچشمۂ علم و دانش ہے۔

قارئین کرام! بخوفِ طوالت یہ سلسلہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ آپ کو یقین ہو چکا ہو گا کہ شیعہ اصل ختم نبوت کے منکر اور امامت کے پردہ میں۔ اپنے بزرگوں کو نبی مانتے ہیں۔ آخر جب وہ مرسل من اللہ۔ حجۃ اللہ۔ آخری مرجع مفترض الطاعۃ۔ شجرۂ نبوت۔ مہبطِ ملائکہ۔ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں۔ تمام پیغمبروں کا علم رکھتے ہیں۔ مرتبہ میں ان سے افضل ہیں۔ مستقل آسمانی کتب اور وحی والہام کے مالک ہیں۔ شریعتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کا واحد مصدر۔ منبع اور خزانہ ہیں۔ حلال و حرام میں خود مختار ہیں۔ معصوم ہیں۔ بعد از قرآن صرف ان کا کلام ہی علم و دانش کا سرچشمہ ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔ ان اوصاف کے باوجود وہ کیسے نبی نہیں ہیں۔ آخر نبوت و رسالت کس عہدہ یا وصف کا نام ہے جس سے حضرات آئمہ محروم ہیں۔ خدارا کوئی شیعہ مجتہد و فاضل اس نکتہ کو حل کر دے۔

امامی عقیدہ کے موجدین اور صاحب کافی کو انکارِ نبوت کا یہ الزام مدِ نظر آ رہا تھا ان ابواب کے بعد فوراً یہ باب باندھا " کہ آئمہ گزشتہ پیغمبروں جیسے ہیں مگر ان کو نبی کہنا مکروہ ہے۔" پھر یہ حدیث امام جعفرؒ سے نقل کی کہ حلال و حرام پر اطلاع تو ہم سے حاصل ہو گی مگر نبوت ہم میں نہیں۔ نیز یہ فرمان بھی۔ کہ آئمہ رسول اللہ کے مرتبہ و منصب پر ہیں مگر وہ پیغمبر نہیں ہیں اور ان کو اتنی بیویاں جائز نہ تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز تھیں بس کے علاوہ وہ تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ تھے ص۲۷۰۔

اللہ اللہ! کس قدر وضاحت کے ساتھ ختمِ نبوت کا انکار اور اپنی نبوت کا اعتراف ہے۔ چار سے زائد ازواج کا امام کے لیے حلال نہ ہونے کا عذرِ لنگ بھی عجب ہے کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ یہ بات نبوت کی حقیقت یا لوازم میں سے نہیں بلکہ خصائص میں سے ہے۔

شیعہ درباطن آئمہ کو نبی مانتے ہیں

خود مستند علماء شیعہ نے ائمہ کو درپردہ صراحۃً پیغمبر و نبی تسلیم کیا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

۱۔ مرتبہ امامت نظیر مرتبہ نبوت و مثل آنست بلکہ چنانچہ نبوت رسالتے است از جانب خدا بوساطت ملک امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بوساطت نبی۔ (حیات القلوب ج ۳ ص ۸۱)

امامت کا مرتبہ نبوت کا مقابل ہے اور اس کی مثل ہے بلکہ جیسے خدا کی جانب سے بواسطہ فرشتہ پیغمبری ہے۔ امامت بھی فی الحقیقۃ بواسطہ نبی ایک نبوت ہے۔

۲۔ بالضرورت نص تعیین امام راکہ فی الحقیقت نبوتے است بحسب معنیٰ البتہ باختیار امت نخواہد بود (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۳)

یقیناً امام کا مقرر کرنا کہ در حقیقت بحسب معنیٰ یہ ایک نبوت ہے۔ امت کے اختیار میں نہ ہوگا۔

۳۔ منصب امامت نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دو ریاستے عام است برہمہ مکلفین در جمیع امور دنیا (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۲ بحوالہ مقدمہ حدیث ثقلین ص ۱۲)

امامت کا منصب نبوت کی نظیر و مثل ہے۔ کیونکہ دونوں میں تمام مکلفین پر تمام دنیا کے امور میں سرداری و حکومت ہوتی ہے۔

علامہ طوسی شیخ الطائفہ تہذیب الاحکام کتاب المزار ص ۳۳ پر رقم طراز ہیں۔

هم مختلف الملائکه ومهبط الوحی

کہ وہ فرشتوں کے آنے جانے کا مقام اور وحی کے اترنے کی جگہ ہیں۔

ملا حسن الملقب بملا فیض منہاج النجات ص ۲۹ طبع ایران میں لکھتے ہیں۔

کل ما شرط فی النبی من الصفات فهو شرط فی الامام ما خلا النبوۃ قال الصادق علیه السلام کل ما کان لرسول الله فلنا مثله الا النبوۃ

جو صفات نبی میں شرط ہیں وہی امام میں شرط ہیں سوائے نبوت کے۔ امام صادقؒ نے فرمایا جو منصب رسول اللہ کا تھا اسی کا ہم نے دعویٰ کیا سوائے نبوت اور نکاح کے۔

والمزواج۔

الغرض شیعہ کی ایسی تصریحات کی کمی نہیں جن میں لفظاً ائمہ کی نبوت کے انکار و اعتراف میں اختلاف ہے مگر باطنا بالاتفاق نبوت کا اعتراف اور ختمِ نبوت کا انکار ہے۔ آخر شیعہ کا یہ جملہ معمول تقیہ اس فریب دہی میں کام نہ دے گا تو کہاں دے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ الیسے الحاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

اوقال ان النبی خاتم النبوة ولکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمّی بعده احد بالنبی - واما معنی النبوة و هو کون الانسان مبعوثا من الله تعالٰی الی الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فهو موجود فی الائمة بعده فذلک هو الزندیق (المسوی شرح موطا ج ۲ ص۱۱۰ دہلی)

یا کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے لیکن نبوت کا معنیٰ۔ یعنی ایک انسان کا منجانب اللہ مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور واجب الاطاعت گناہوں سے معصوم اور بقاء علی الخطاء سے محفوظ ہونا۔ آپ کے بعد آئمہ میں موجود تھا تو ایسا شخص زندیق ہے۔

نیز تفہیمات الٰہیہ ص۲۴۴ میں بھی عقیدۂ امامت کو ختمِ نبوت کے منافی بتاتے ہیں۔

اما باصطلاح ایشاں مفترض الطاعة منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز میکنند در حقیقت ختمِ نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء مے گفتہ باشند۔

لیکن ان شیعہ کی اصطلاح میں وہ امام مفترض الطاعت مخلوق کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور وحی باطنی امام کے لیے جائز کہتے ہیں پس یہ در حقیقت ختمِ نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ دو حوالے مقصدِ بالا کی وضاحت اور ہمارے استدلال کے مؤید ہونے کے علاوہ ان سادہ لوح علماء و عوام اہلسنت کے لیے بھی سرمۂ بصیرت ہیں جو شیعی لٹریچر اور ان کے عقائد سے یکسر غافل ہیں۔ ان کو اپنے جیسا مسلمان اور ختمِ نبوت کا قائل جانتے

ہیں۔ اور مرزائیوں کے متعلق ان کے سیاست باز لیڈروں کے بیانات سے دھوکہ میں آجاتے ہیں حالانکہ یہ ہر سانپ سے بیہ مارِ آستین زیادہ موذی اور خطرناک ہیں۔

شیعہ آئمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری معائنہ

ہم بزرگان اہلبیت کو مذکورہ بالا تمام دعاوی سے مبرا اور انہیں تقیہ باز مفسد دین گروہ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ مگر واضح ہونا چاہیے کہ دجل و تلبیس اور اخفاء و اسرار میں۔ اہل باطل یکساں اصول سے اپنی تحریکیں چلاتے ہیں۔ شیعہ حضرات نے تعلیمات نبوی اور قرآن سے گلو خلاصی کے لیے جہاں قرآن پاک کی صحت و سالمیت کا انکار کیا۔ آپ کے تمام شاگردوں کو مرتد اور منافق کہا۔ نبوت کے انکار کے لیے "عقیدہ امامت" کو آڑ بنایا۔ چونکہ یہ عقیدہ پورے اسلام کی بیخ کنی کرتا تھا اور اسے آشکارا کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ لہذا عقیدہ تقیہ کو ایجاد کیا۔ اور تمام مذہب کے 9/10 حصے اس کے حوالے کیے۔ جیسے امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔

ان تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له (باب التقیة ج ۲ ص ۲۱۷ من الکافی)	بلاشبہ دین کے 9 حصے تقیہ یعنی مذہب کو چھپانے اور جھوٹ بولنے ہی میں ہیں جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

یعنی مذہب شیعہ کا صرف دسواں حصہ ظاہر و باطن میں یکساں ہے گو وہ بھی قرآن و سنت کے مخالف ہو۔ ورنہ 9/10 حصے ظاہر و باطن میں مخالف ہیں۔ شیعہ جو ظاہر کریں گے وہ مراد نہ ہوگی بلکہ اس کے خلاف ہوگی اور جو باطن مراد ہوگی اسے لفظوں میں کبھی ظاہر نہ کریں گے اس کے خلاف کہیں گے۔ تمام عقلاء اسے جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ عقیدہ امامت بھی زیر زمین تحریک سے پیدا ہوا چنانچہ امام باقرؒ فرماتے ہیں۔

ولایة الله اسرها الی جبریل علیه السلام واسرها جبریل الی محمد صلی الله علیه وسلم واسرها محمد الی علی واسرها علی الی من شاء الله ثم انتم تذیعون ذلک الی	اللہ نے حضرت علیؓ کو امام بنانا بطور راز جبریلؑ کو بتایا جبریلؑ نے یہ راز حضور ﷺ کو بتایا حضور محمد ﷺ نے یہ راز صرف حضرت علیؓ کو بتایا حضرت علیؓ نے یہ راز مشیت خداوندی سے کسی کو بتایا

ان قال ولا تذیعوا حدیثنا
(اصول کافی ص۴۴۵)

(اب وہ آشکارا ہوگا) تم اس کو مشہور کرتے ہو....
تم ہرگز ہماری امامت اور باتوں کو شہرت مت دو

سبحان اللہ عقیدہ امامت کیا ہی راز تھا کہ حضرت جبریلؑ و پیغمبرؐ و علیؓ کو معلوم ہوا اور باقی فرشتے، انبیاءؑ اور حضرت فاطمہؓ و حسنینؓ بھی اس سے محروم رہے۔ پھر قرآن میں یہ کیسے ذکر ہو سکتا تھا۔ یہ راز سربستہ خاندان نبوت کے لوگوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ اصول کافی ص۱۷۴ میں ایک لمبی حدیث ہے کہ امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے حضرت زیدؒ شہید کے سامنے احول نامی شخص نے مسئلہ امامت بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے باپ مجھے ایک دسترخوان پر کھانا کھلاتے لقمے ٹھنڈے کر کے دیتے تاکہ میرا منہ نہ جلے۔ گرم ہڈی سے تو مجھے بچایا مگر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوئی فکر نہ کی کہ مجھے مسئلہ امامت بتایا اور مجھے نہ بتایا!

ایک حدیث میں امام نے فرمایا۔ تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا مذہب ہے جو تقیہ نہ کرے وہ لا مذہب (کافر) ہے۔ ہماری امامت کو ظاہر کرنے والا منکر امامت کی طرح ہے (ص۴۸۴ باب الکتمان)

ہم ان روایات سے اس مسئلہ کے درپے نہیں ہیں کہ آج شیعہ اپنے آئمہ کے ارشادات کی کھلی مخالفت کر کے علی الاعلان یا کسی نہ کسی رنگ میں جو امامت کے عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے آئمہ کے فتویٰ کی رو سے کھلے بے دین اور امامت کے منکر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جیسے شیعہ نے تقیہ کی آڑ میں رفتہ رفتہ الحاد پھیلایا اور حسب اعتراف مجلسی امامت بواسطہ نبی نبوت ہے۔ کا فتنہ نکالا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی رفتہ رفتہ دعاوی کیے اور نبوت کی سیٹ تک بایں دلیل جا پہنچے۔ کہ خاتم الانبیاء کی مہر سے ایک شخص مثیل نبی اور بروزی نبی بن سکتا ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جا سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ملفوظات مرزا ج۵)

دعوائے نبوت

آئمہ شیعہ کی طرح مرزا کے کلام میں اسقدر تعناد ہے کہ لاہوری گروہ کو نبی کے بجائے مجدد ماننا پڑا۔ ایک طرف یہ کہتا ہے "وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۳)

دوسری طرف یہ کہتا ہے ؎

آدمم نیز احمد مختار
در برم جامۂ ہمہ ابرار

آنچہ داد است ہر نبی را جام ‏ داد آں جام را مرا بتمام (نزول المسیح ص۹۹)

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا ‏ منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد (تریاق القلوب ص۳)

جو شخص مجھ میں اور نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں جانا اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص۱۷۱)

محدثیت کا دعویٰ جیسے شیعہ ائمہ نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اسی طرح مرزا نے بھی کیا۔

"اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام، توضیح المرام۔ ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ ہیں کہ محدث ایک معنیٰ میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مجھے حقیقی نبوت کا ہرگز دعویٰ نہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص۹۱ از میاں محمود احمد)

باطن نبوت کا اعتراف پھر شیعہ علماء کی طرح باطن نبوت کا اقرار بھی ہے۔

"ان (بروزی و ظلی) معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں اس لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا ہے اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص۳)

شیعہ آئمہ کی طرح تشریع سازی اور تحریم و تحلیل بھی کی۔ رسالہ اربعین ص۶ میں لکھتا ہے۔

" یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

منکر جہنمی ہیں آئمہ شیعہ کی طرح مرزا اپنے منکروں کو کافر اور جہنمی کہتا ہے

(۱۔ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

ب۔ اے مرزا جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور بیعت میں داخل نہ ہو گا وہ خدا اور

رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (رسالہ معیار الاخیار ص۹)

لفظی ختم نبوت کا اقرار

آمذ شیعہ کی طرح لفظی ختم نبوت کا قائل تھا۔

"... نہ مجھے دعویٰ نبوت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ آں جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا ... ہاں محدث آئیں گے جو اللہ سے ہی ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک میں ہوں۔" (شہادۃ الملہمین ص۲۸)

مسلمانوں سے قطع تعلق

مرزا کہتا ہے تمہیں دوسرے

فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص۲۷)

"یہ اجنبیوں سے دینی امور میں الگ رہو" (تبلیغ رسالت ص۳۸۲)

میں تم کو تاکید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو (الحکم فروری ۱۹۰۳)

شیعہ

شیعہ بھی کہتے ہیں تمام مسلمانوں سے ان کا الگ خاص مذہب ہے۔ کلمہ نماز روزہ حج تمام دینی امور میں ان کے طریقے اور مسائل الگ الگ ہیں۔ متن قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اصول، عقاید اعمال غرض ہر شعبہ میں لٹریچر بھی الگ ہے۔ وہ کسی عام مسلمان سے نہ قرآن و سنت سیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز پڑھتے ہیں۔ ملت قادیانیہ کی طرح ملت شیعہ علی کہلاتے ہیں۔ امت محمدیہ کہلانے پر کبھی فخر نہیں کرتے۔

معاملات میں قطع تعلق

قادیانی کسی مسلمان کو رشتہ نہیں دیتے۔ نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں دیکھیے انوار خلافت ص۹۲،۹۰)

شیعہ بھی مسلمانوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے نہ ان کا جنازہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی تقیہ کر کے سنی کا جنازہ پڑھے تو یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔

کلمہ میں علیحدگی شیعہ تو صدیوں سے اپنا کلمہ الگ پڑھتے ہیں۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل۔ مگر قادیانیوں نے ۱۹۷۴ء میں نائیجیریا میں ایک مسجد پہ یہ کلمہ لکھا۔ لا الٰہ الا اللہ احمد رسول اللہ (بحوالہ چٹان ۱۰ دسمبر ۱۹۷۴ء)

تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں۔ مرزا کہتا ہے۔
ہر مسلمان مجھے مانتا ہے اور میری دعوت قبول کرتا ہے الا ذریۃ البغایا۔ مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی۔ (آئینہ کمالات اسلام)
شیعہ کے امام جعفر صادقؒ بھی فرماتے ہیں۔

واللہ یا ابا حمزۃ ان الناس	اے ابو حمزہ خدا کی قسم سب لوگ کنجریوں کی
کلھم اولاد البغایا ما خلا شیعتنا	اولاد ہیں۔ سوائے ہمارے شیعہ کے

(روضہ کافی)

تمام مسلمان سور خنزیر اور لعنتی ہیں مرزا کا یہ شعر مشہور ہے۔

ان العدیٰ صاروا خنازیر الفلا ونساءھم من دونھن الاکلب
میرے دشمن جنگلوں کے سور ہیں اور انکی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (نجم الہدیٰ ۱۰)
شیعہ کے امام صادق امت محمدیہ (غیر شیعہ) کے متعلق فرماتے ہیں۔

ھذہ الامۃ اشباہ الخنازیر	یہ امت خنزیروں جیسی ہے۔ اور اسی باب
وفیہ فما ھذہ الامۃ الملعونۃ	میں ہے کہ یہ کیسی ملعون امت ہے۔

(اصول کافی ج ۳ ص ۳۳)

تمام مخالفین مسلمانوں کو قتل کرنے کے منصوبے خلیفہ قادیان کہتا ہے۔
"اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا۔ مگر اب مسیح اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ (عرفان الٰہی ص ۹۳)
شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمت کے لیے بھیجا ہے مگر قائم آل محمد

(مہدی) کو عذاب کے لیے بھیجا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۱۶) چنانچہ آپ ۳۱۴ مومنوں کو ساتھ لے کر تمام امت محمدیہ سے جنگ کریں گے اور امام حسینؓ کا انتقام لیں گے حتیٰ کہ روضہ محمدیہ کو گرا کر (العیاذ باللہ) شیخینؓ کی نعشوں کو باہر نکالیں گے اور انتقام لیں گے (اصول کافی) حضرت عائشہ رضؓ کو بھی قبر سے نکال کر حد لگائیں گے اور حضرت فاطمہؓ کا بدلہ لیں گے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۱۶)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین

مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت حسینؓ تک کی توہین کی ہے۔ مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد۔ نہ حق کا پرستار۔ متکبر۔ خود بین خدائی کا دعویٰ کرنے والا (مکتوبات احمدیہ ص ۲۷)

اے شیعو! تم مردہ حسینؓ کا ماتم کیوں کرتے ہو۔ تم میں ایک زندہ حسین (مرزا) موجود ہے۔

؎ صد حسینم در گریبانم (العیاذ باللہ)

شیعی احادیث میں یہ بہت طویل اندوہناک موضوع ہے۔ مختصر یہ کہ پنج تن۔ مزعومہ بارہ آئمہ اور ان کو شرکا فی النبوۃ و اجزائے محمد ماننے والے شیعہ کے سوا امت کا ایک فرد بھی نہیں جس پر خصوصاً یا عموماً لعنت اور تبرا نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر جملہ صحابہ کرامؓ۔ امہات المومنینؓ خصوصاً حضرت عائشہ و حفصہؓ۔ بنات رسولؐ (العبوت انکارہ و ملعن در نسب) دامادگان رسولؐ آپکے چچا۔ خالو جان۔ چچا زاد و پھوپھی زاد برادران تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کو نام بنام یا عموماً لعنتیں کی گئی ہیں۔ یا ان کو ماننے والی تمام امت کو کافر ملعون اور دوزخی کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمارؓ۔ ابوذرؓ۔ حذیفہؓ سلمان فارسیؓ اور مقدادؓ کے ایمان میں بھی کیڑے نکالے گئے ہیں جن کے متعلق ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف ابو الانس والانبیاء حضرت آدمؑ کی توہین کا حوالہ کافی ہے۔

اصول الکفر ثلاثۃ الحرص	کفر کے اصول تین ہیں۔ لالچ، تکبر اور حسد۔
والاستکبار والحسد فاما الحرص	لالچ تو حضرت آدم علیہ السلام نے کیا جب
فان آدم علیہ السلام حین نھی عن	درخت سے روکے گئے تو لالچ نے ان کو کھانے

الشجرۃ حملۃ الخصاص علی ان اکل پر آمادہ کیا۔ (اور گمراہ کر بیٹھے)
منہا الخ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۸۹)

مکہ و مدینہ کی توہین

(مرزا محمود حقیقۃ الرؤیا ص ۴۶ پر لکھتا ہے۔
"قادیان تمام بستیوں کی ماں ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے کوئی کاٹا نہ جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہیگا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔"

مکہ اور مدینہ کی توہین اور اہل مکہ کے کافر، خدا کے کھلے منکر اور یہودی عیسائیوں سے بدتر و پلید ہونے پر امام جعفر کی شہادت اصول کافی ج ۲ ص ۴۰۹ پر مفصل گزر چکی ہیں۔ مراجعت کر لیجائے۔

مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج

خلیفہ قادیان لکھتا ہے۔ ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا حج ہے۔ (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۲ء) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے۔ (برکات خلافت ص ۵)

شیعہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص حضرت حسینؓ کی زیارت کو جائے ایسا ہے جیسے حج کرنے گیا ہو اور عمرہ بجالایا ہو۔ ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؒ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص شہادت حسینؓ کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کرے حق تعالیٰ میرے ایک حج کا ثواب اس کے لیے لکھیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے تعجب کیا تو فرمایا۔ ایک دو چار نہیں بلکہ میرے ۹۰ حجوں کا ثواب ملے گا۔ (جلاء العیون ص ۳۲۶)

نیز فروع کافی ج ۲ ص ۵۸۰ پر ہے کہ جو غیر عید کے دن حضرت حسینؓ کا حق پہچان کر زیارت کرنے آئے اس کو ۲۰ حج مبرورہ ۲۰ عمرہ مقبولہ اور ۲۰ نبی مرسل کے ہمراہ حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

نوٹ۔ عشرہ محرم میں تعزیوں کی ساخت اور گلی گلی پھرانا ان نبوی ۹۰ حجوں کے ثواب کمانے کا سستا طریقہ ہے۔

قارئین کرام! مسئلہ امامت کی حقیقت اور اس کے مضرات میں جا کر ہم نے تفصیل اس لیے

کی کہ شیعہ اسی مایہ ناز مسئلہ سے عوام کو گمراہ کرتے اور مسلمانوں کو خارج از ایمان قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کا حاصل ختمِ نبوت سے انکار، مسلمانوں سے علیحدگی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے آپ قادیانیت کے ساتھ موازنہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ شیعہ چونکہ قادیانیوں سے زیادہ پرمکر اور ہوشیار ہیں۔ اور تقیہ کی آڑ میں بالکل سیدھے مسلمان بن جاتے ہیں۔ اس لیے انکارِ ختمِ نبوت کی وجہ سے تکفیر سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے مسلمانانِ پاکستان کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا جو مبارک دن نصیب ہوا اور قادیانیوں کو قومی اسمبلی نے بالاتفاق کافر قرار دے کر آئین میں جو نئی دفعہ شامل کی وہ امامت کے متعلق ایسا غالی عقیدہ رکھنے والوں کو بھی شامل ہے۔ ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ سابقہ ستر عنوانات متعلقہ امامت کو اس پر جانچ لیں۔

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۲ کے بعد نئی دفعہ یہ ہے۔

" جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اسی قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں۔" اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں یہ تشریح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ

" جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے، عمل کرے یا پرچار کرے اسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جا سکے گی۔" (نوائے وقت راولپنڈی ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء)

شیعہ کے آئمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل

سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ حدیث زیرِ بحث میں شیعہ کے مزعومہ ۱۲ ابزرگ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی امامت نبوت سے بھی افضل ہے اور انہیں ماننے پر ختمِ نبوت کا انکار ہے۔

اب ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث میں عزتِ اسلام اور اس کے غلبہ کی جو پیشینگوئی ہے وہ بالاتفاق ان بزرگوں کے زیرِ خلافت پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رض کے سوا

باقی الحضرات کو منصب خلافت و امامت عطا ہی نہیں ہوا۔ جو حدیث ہذا میں مذکور ہے۔ مثلاً صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲ پر ہے یکون اثنا عشر امیرا۔ اسی طرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۳ پر ہے۔ یکون من بعدی اثنا عشر امیرا۔ کہ میرے بعد ۱۲ امیر و حاکم ہوں گے۔ خلافت معہودہ کے لیے بالاتفاق حکومت اور رعایا پر حکمرانی شرط ہے۔ چنانچہ شیعہ کی اصول کافی ج ۱ ص ۴۰۶ پر یہ باب ہے۔

باب ما یجب من حق الامام علی الرعیۃ وحق الرعیۃ علی الامام۔	یعنی۔ رعایا پر خلیفہ کے اور خلیفہ پر رعایا کے حقوق۔

اس میں یہ حدیث ہے کہ امام باقرؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا امام پر کیا حق ہے؟

قال یقسم بینھم بالسویۃ و یعدل فی الرعیۃ	کہ انصاف سے لوگوں میں مال تقسیم کرے اور رعایا میں عدل برقرار رکھے

امام باقرؒ سے ایک دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ امامت اس آدمی کی ہی درست ہو سکتی ہے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں۔ جسے تقویٰ گناہوں سے روکے جس کا حلم و حوصلہ غصے پر غالب ہو جو اپنے ماتحتوں پر اچھی حکومت کرے۔

حتی یکون کالوالد الرحیم و فی روایۃ اخری یکون للرعیۃ کالاب الرحیم (۱۷۰ ص ۱)	یہاں تک کہ مہربان والد کی طرح ہو اور دوسری روایت میں ہے کہ رعیت کے لیے مہربان باپ کی طرح ہو۔

اسی طرح ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الارض کلھا للامام۔ سب زمین پر حکومت امام کا حق ہے۔ اور اس میں یہ ہے کہ "جو مسلمان بنجر زمین آباد کرے اس کا خراج امام اہل بیت کو ادا کرے۔"

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے ظاہری حکومت۔ رعایا کے لیے فیصلے کرنا اور ان کے معاملات میں تصرف کرنا۔ خراج لینا اور مال تقسیم کرنا شرط ہے۔ اور مرفوع حدیث نے تو شیعہ کی "منصوص امامت" کا بھی ابطال کر دیا ہے۔ کہ ارشادِ نبوی کے مطابق ہر وہ شخص جائز خلیفہ اور امام ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ اور عصمت بھی شرط نہیں۔

بلکہ تقویٰ کے زور سے گناہوں سے بچنا یعنی عدالت ضروری ہے۔

اصولِ کافی ص۱۲۰ طبع لکھنؤ میں یہ صراحت ہے۔ "کہ بیشک امامت (خلافت) دین کی باگ مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت درختِ اسلام کی بڑھنے والی جڑ ہے اور اس کی بلند شاخ ہے۔ بے شک امام کے ساتھ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج اور جہاد کے فرائض ادا ہوتے ہیں۔ فے اور صدقات کی کثرت ہوتی ہے اور حدود و احکامِ شرعیہ کا جاری کرنا۔ ملکی سرحدوں اور بلادِ اسلامیہ کی حفاظت ہے۔ وہ اللہ کے حلال کو حلال بتاتا ہے حرام کو حرام اور قائم کرتا ہے حدودِ خدا کو اور دفع کرتا ہے دشمنوں کو دینِ خدا سے اور بلاتا ہے دینِ خدا کی طرف لوگوں کو۔" (کافی اردو ج ا ص ۲۲۳)

جب خلافت و امامت کے لیے اقتدار۔ اجراءِ حدود۔ جہاد وغیرہ کا بھی مشروط ہونا ظاہر ہو چکا تو ان شرائط پر حضرت حسن و علی المرتضیٰ رض بھی بمشکل پورے اترتے ہیں۔ حضرت حسن رض نے تو خلافت حضرت امیر معاویہ رض کے سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی۔ اور حضرت علیؓ نے تقریباً ساڑھے چار سال حکومت کی مگر کافی کے یہ اوصاف وہاں نظر نہیں آتے۔ آپ کے دورِ خلافت میں نہ مسلمان منظم تھے۔ نہ دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت نظر آتی ہے نہ اسلام بڑھنے والی جڑ اور بلند شاخ کی صورت پیدا کر سکا۔ افراتفری کے دور میں مقبوضہ علاقوں کو سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا تھا اور حضرت معاویہ رض ان پر قابض ہوتے گئے۔ جیسے پہلے کتبِ شیعہ و تاریخ سے مسطور ہو چکا ہے۔

حدود و احکامِ شرعیہ کے نفاذ نہ کر سکنے کے متعلق خود حضرت علی رض روضہ کافی کی ایک لمبی تقریر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ "کہ مجھ سے پہلے خلفاء نے ایسے کام کیے جن میں عمداً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی

ناقضین لعهده مغیرین لسنته	آپ کا عہد توڑنے والے اور سنت بدلنے والے
ولوحملت الناس علی ترکها وحولتها الی	تھے۔ اگر میں لوگوں کو ان باتوں کے چھوڑنے
مواضعها والی ماکانت فی عهد رسول	پر آمادہ کروں اور سب کام اپنی جگہ درست
الله صلی الله علیه وسلم لتفرق عنی	کر دوں جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

جندی حتی ابقی وحدی او قلیل من شیعتی | عہد میں تھے تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے۔ اور تنہا رہ جاؤں یا پارٹی کے چند آدمی ساتھ ہوں

پھر مثالیں دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اگر فاطمہؓ کے وارثوں کو فدک واپس کر دوں جعفرؓ کا صاع (غلہ ماپنے کا پیمانہ) جاری کر دوں۔ رسول اللہ کی دی ہوئی جاگیریں حقداروں کو دیدوں ظلم کے فیصلے رد کر دوں۔ ناحق مردوں سے عورتیں چھین کر خاوندوں کو دے دوں۔ خیبر کی تقسیم رد کر دوں۔ عطیات کے (مبنی بر فضیلت) کم و بیش دیوان ختم کر دوں اور برابر تقسیم کر دوں کفو کی شرط اڑا کر نکاح میں مساوات جاری کر دوں خمسِ رسولؐ کو نافذ کر دوں۔ رسول اللہ کی مسجد کو گرا کر پہلی بنیادوں پر کر دوں۔ (یعنی تنگ کر دوں) مسح علی الخفین حرام کر دوں۔ نبیذ (کھجوروں کا میٹھا پانی) پر حد لگاؤں۔ متعہ کی حلت کا فتویٰ دے دوں۔ جنازہ پر پانچ تکبیریں کہوں۔ لوگوں پر بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا لازم کر دوں۔ ..... لوگوں کو قرآن کے فیصلے اور طلاق سنت پر آمادہ کر دوں۔ تمام صدقات وصول کر دوں۔ وضو۔ غسل اور نماز اپنے وضو اور وقت پر لوٹا دوں۔ فدک اہلِ نجران کو واپس کر دوں۔ فارس کی باندیاں واپس کر دوں اور تمام قوموں کو سنت نبویؐ اور کتاب اللہ کی طرف لوٹا دوں تو اس وقت سب لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ماہِ رمضان میں صرف فرض کے لیے جمع ہوں اور بتلایا کہ نوافل (یعنی تراویح) میں اجتماع بدعت ہے۔ تو لوگوں میں شور و غوغا بلند ہوا کہ حضرت عمرؓ کی سنت بدلی جا رہی ہے الخ اردو منہ کافی ص۵۹ طا برابر خطبہ فی الفتن والبدع)

حضرت امیرؓ پر شیعہ کے اس افتراء ـــ جو خلفاءِ ثلاثہؓ کی دشمنی پہ تصنیف کیا گیا ـــ سے معلوم ہوا کہ العیاذ باللہ خلفاءِ ثلاثہؓ نے تمام شریعت کا ستیاناس کر دیا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے صرف حکومت چھن جانے اور لشکر و احباب کے جدا ہونے کے خوف سے کسی ایک مسئلہ کو بھی قرآن و سنت کی طرف نہ لوٹایا۔ نہ امامت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسے کہتے ہیں۔ پرائے شگون کی خاطر اپنی ناک کٹوانا۔

خلفاءِ ثلاثہ راشدینؓ کی دشمنی میں شیعہ نے حضرت علیؓ کو امامت۔ غیرت اور عقل و خرد سے بھی محروم ثابت کر دکھایا کہ مسجد نبوی کی توسیع پر بھی ناخوش ہیں اور رمضان کی تکثیر عبادت پر بھی

ناراض ہیں۔ عورتیں غیر مردوں کے تحت دیکھ رہے ہیں۔ مگر خاوندوں کو واپس نہیں کرتے۔
حالانکہ خلفاء ثلاثہ رضہ کے اگر کوئی کام خلاف شرع ہوتے تو ضرور ان کو بدلتے کیونکہ امام کا سب سے بڑا فریضہ ہی یہی تھا۔ جیسے اصول کافی ص۱۷۸ میں ہے کہ زمین پر ہر صورت امام ہوتا ہے تاکہ اگر مسلمان دین میں کچھ اضافہ کریں تو وہ رد کردے اگر کوئی بات کم کر دیں تو وہ تکمیل کرے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ حلال وحرام کو پہچانے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ خلفاء ثلاثہ رضہ ان کے کارناموں سے الفت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضہ باوجود فقیہہ ہونے۔ اختلاف کا حق رکھنے اور خلافت کی بدولت خود مختار ہونے کے قضاۃ کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہی پہلے فیصلے جاری رکھو۔

اقضوا بما کنتم تقضون حتی یکون الناس جماعة او اموت کما مات اصحابی۔ (مجالس المؤمنین ص۵۲)	جیسے پہلے فیصلے تم کرتے تھے اسی دستور پر فیصلے کرتے رہو حتی کہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں۔ یا اپنے اصحاب (خلفاء سابقین) کی طرح میں فوت ہو جاؤں۔

صحیح بخاری ج۱ ص۵۲۶ پر یہ لفظ بھی ہیں۔ فانی اکرہ الاختلاف میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔

تعجب ہے کہ شیر خدا حضرت علی رضہ پر یہ بزدلی۔ موقع پرستی اور مداہنت کا الزام شیعہ نے خود آپ ہی کے خطبات میں نہیں لگایا بلکہ ہر زمانہ میں شیعہ علماء — اس سوال کے جواب میں کہ حضرت علی رضہ نے پھر شیعوں کا مسلک کیوں نہ ظاہر کیا۔ متعہ کو کیوں نہ رائج فرمایا وغیرہ — یہی کہتے آئے ہیں چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری بھی لکھتے ہیں۔

دیگر آنکہ چوں حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق میدانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد...... تا آنکہ	دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت امیر نے اپنے ایام خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ (بلکہ سب ہی) حضرت ابوبکر و عمر رضہ کی حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں تو قدرت اس بات پر نہ پائی کہ آپ ایسا کام کریں جو

حضرت بنابر مصلحت وقت ایشاں را بحال خود در نماز تراویح واشت حاصل کلام آنکہ ایشاں را دراں ایام نام خلافت بیش نبود (مجالس المومنین ص ۵۲)

ان کی خلافت کے فساد پر دال ہو.... حتی کہ حضرت امیرؓ نے مصلحت وقت کی خاطر ان کو (نماز تراویح میں) بہ حالہ خود رکھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی خلافت ان دنوں (بھی) برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔

اور ہمارے معاصر محمد حسین ڈھکو نے بھی حامد حسین وغیرہ کی اتباع میں "تجلیات صداقت" میں یہی کچھ لکھا ہے۔ حالانکہ حضرت امیر المومنینؓ اگر اپنے نظریہ کے خلاف کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کرتے یا مصلحت وقت کی خاطر مداہنت کو گوارا کرتے تو حضرت معاویہؓ کو معزول نہ کرتے۔ آپ کے مطالبہ کے باوجود حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر نہ کرتے۔ پھر کبھی جمل و صفین میں ۷۰ ہزار مسلمانوں کے خون کی ندیاں نہ بہتیں جس کے نتیجہ میں رائے عامہ بالآخر آپ سے بدظن و متنفر نہ ہوتی۔ منظم حکومت۔ عراق و حجاز کے سوا آپ کے ہاتھ سے نہ جاتی۔ حضرت امیر معاویہؓ کبھی برسراقتدار نہ آسکتے۔ اور امت میں تاہنوز ختم نہ ہونے والی تفرقہ بازی کبھی پیدا نہ ہوتی۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ دل و زبان میں ایک مردِ مومن حضرت علیؓ المرتضیٰ نے یہ سب نقصانات۔ معائب۔ مخالفین کے طعنے حتیٰ کہ جانِ عزیز تک کی قربانی منظور کر لی مگر اپنے نظریہ کے خلاف کرنا جوانمردی اور جرأت کے خلاف جانا۔ اور زبان و دل کے تغایر اور تقیہ بازی کو کسی صورت میں منظور نہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ "ظاہر میں کچھ باطن میں کچھ" کا آپ پر منافقانہ الزام ہمیں سننے کا حوصلہ نہیں۔ اگر شیعہ حضرات یہ واقعی اور سیدھی بات مان لیں کہ حضرت علیؓ صاف گو پاک باطن اور نڈر تھے جو کچھ قولاً و فعلاً تاریخ و نقولِ کثیرہ کی روشنی میں آپ نے کیا وہی آپ کا مذہب برحق اور عقیدہ تھا جو آج تک جمہور اہلِ اسلام کا مذہب چلا آرہا ہے۔ تو ہم بھی اپنے مفاد کے خلاف یہ کہہ دیں گے کہ طبعاً از خود حضرت علیؓ اہل شام کے حق میں کشیدگی اور غیر دوستانہ جذبات رکھتے تھے زندگی میں اسی پر عمل ہوا۔ ان کے متعلق احکم الحاکمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ ہم حضرت معاویہؓ کی بہ نسبت حضرت علیؓ سے زیادہ الفت و محبت رکھتے ہیں۔ اور حتی الامکان اتباع کر کے کسی کی بدگوئی نہیں کرتے۔

الحاصل ۱۲ حضرات آئمہ اہل بیت شیعہ مذہب میں کبھی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک سیاسی حاکم حضرت علیؓ کے عہد میں بھی اسلام عزیز و غالب نہ رہا تھا۔ تاہم بجز اں بجہ رسد۔ مذہب اہلسنت میں آپ چوتھے امام تھے۔

آئمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل

تیسری دلیل انکے مراد نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ انکی امارت کبھی بھی امت میں مسلم اور مجمع علیہ نہ ہوئی اور حدیث کا مصداق وہ ہیں جو کلهم تجتمع علیه الامة (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۹) کے امتیاز سے موصوف ہوں۔ رابعاً اس حدیث کا مصداق اگر یہ بارہ آئمہ ہوتے تو انہیں متقسم قریب کے عنوان سے ذکر کیا جاتا۔ یعنی کلهم من بنی هاشم کہا جاتا یا کلهم من ذریتی کہا جاتا۔ کلهم من قریش سب قریش سے ہونگے۔ کے عنوان سے متقسم بعید کا ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ دو چند چیزوں کی وحدت یا اشتراک ذکر کرنا ہو تو اسے قریبی وحدت وجنس سے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کی خاندانی قربت کو بیان کرنا ہو تو بنو ہاشم بلکہ بنو عبد المطلب سے اس کا تعارف صحیح ہوگا۔ اور بنو اسمٰعیل کا عنوان بلاغت و مفاد کے خلاف ہوگا۔ اب آیئے حدیث کے اصل مفہوم و مصداق کی طرف جس کی وضاحت معترض کو درکار ہے۔

حدیث کا مفہوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں خلافت علی منہاج النبوت کے حاملین مراد نہیں بلکہ خلفاء سے مراد مطلق امراء ہیں جن میں اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ یہ صرف ایسے بارہ امراء و حکام کی خبر دی جا رہی ہے جن کی حکومت تمام قلمرو اسلامیہ میں مسلم ہوگی اور ان ۱۲ احکام تک ایک ہی بیک وقت خلیفہ۔ ایک دار الخلافہ اور ایک ہی جھنڈا ہوگا تو انہیں خلیفہ کہنا حکومت کے لحاظ سے ہے۔ جیسے ترمذی و بخاری کے حوالہ سے اثنا عشر امیراً کے لفظ گزر چکے ہیں۔ صرف حضورؐ کی جانشینی کے لحاظ سے ہرگز نہیں۔ حقیقی خلافت اور مجازی خلافت ہر دو کے سربراہان اس مطلق خلافت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ سنن ابی داؤد شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حکومت پہ پوری امت کا اتفاق ہوگا۔ کلهم تجتمع علیه الامة (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۹) اس قید سے معلوم ہوا کہ خلفاء بنو عباس میں سے کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے دو تھے

کہ اس وقت سپین میں بھی خلفاءِ بنو امیہ بالکل خود مختار تھے۔ عصرِ حاضر کے حکمران بھی اس کے ماتحت نہیں آسکتے کیونکہ یہ بھی بجائے ایک حکومت یا جھنڈے کے ماتحت ہونے کے بجائے متعدد مستقل و آزاد و خود مختار حکومتوں میں منقسم ہیں۔ یہاں صرف تین اشکال باقی ہیں۔

(ا) حضرت علی رضی اللہ عنہ ان بارہ افراد میں کیسے شامل ہوسکتے ہیں جبکہ آپ کے عہد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی امیر تھے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس وقت خلافت کا جھنڈا صرف ایک یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا ان کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے مدعی ہرگز نہ تھے۔ بلکہ ان کی حیثیت خلیفہ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر کی تھی۔ اور وہ اپنی اسی حیثیت پر قائم تھے جب تک کہ نئے خلیفہ انہیں شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے جملہ شبہات سے مطمئن نہ کردیں۔ حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنۃ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہی تصریح نقل کی ہے — جیسے طبری وغیرہ کے حوالے سے ہم بھی سوال ۱۱۰ کے تحت بیان کرچکے ہیں —— پس جب وہ اس عبوری دور میں ایک مستقل خلافت کے مدعی نہ تھے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت دو خلیفہ تھے۔ خلیفۂ برحق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عبوری طور پر ایک اجتہادی غلط فہمی سے اس چوتھی خلافت کو تسلیم کرنے سے رکے ہوئے تھے۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد یہ اختلافات بھی ختم ہوگئے اور جمہور اہلِ سنت نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حکومت کے برحق ہونے پر اجماع کرلیا اور اسی طرح یہ چوتھی خلافت بھی کلھم تجتمع علیہ الامۃ کے ماتحت آگئی اور یہ اجماعِ عام ہے کہ وقتِ حکومت ہو یا بعد الحکومت بہرحال حکومت مجمع علیہ ہونی چاہیے۔

(ب) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان بارہ حکام میں کیسے شامل ہوسکتے ہیں جبکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت بارہ میں معدود ہیں۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت بھی ان کے سپرد کردی اور اس وقت تمام مسلمانوں کا جھنڈا ایک ہوگیا تھا۔ اس دور میں سے تا وفات ۲۰ سال تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کلھم تجتمع علیہ الامۃ کا یقینی مصداق تھے۔ (بحوالہ عبقات ص۳۴۳ از علامہ خالد محمود)

(ج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید جس کے مقابل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خود مختار حکومت کے مدعی

تھے۔ ان بارہ میں شمار ہو گا یا نہیں۔ جواباً گزارش یہ ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک یزید ان بارہ میں شامل نہیں۔ علامہ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک قول اور ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں بے شک اس کو شمار کیا ہے مگر یہ ایک قول کی حکایت یا ان کی ذاتی رائے ہے۔ اجماعی مسلک نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں۔

ویزید بن معاویہ خود ازیں میاں ساقط است بجہت عدم استقرار و مدت متندبہا و سوء سیرت او۔ (قرۃ العینین ص ۲۹۸ مجتبائی دہلی)	یزید بن معاویہ اس شمار سے باہر ہے کیونکہ معتد بہا مدت تک اسے استقرار نہ رہا، اور اس کی سیرت بری تھی۔

مگر شیعہ حضرات کو شرح فقہ اکبر و تاریخ الخلفاء کے بیان سے اتنا جز بز نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے چوتھے امام نے تو یزید کے ساتھ ۵ ادن دسترخوان پر کھانا کھایا۔ ہدایا اور مالی نقصانات وصول کیے۔ حرہ میں یزید کی مخالفت نہ کی۔ بلکہ روضہ کافی ص ۲۳۴ کے بیان کے مطابق خود کو یزید کا مجبور غلام کہا اور عملاً بیعت کر لی۔ یزید کے نامبارک دور میں حادثہ کربلا و واقعہ حرہ جیسے عظیم حادثات پیش آئے مگر ان کی زیادہ تر ذمہ داری ماتحت عملہ اور فوج پر ہی آتی ہے اور براہ راست اس کی طرف نسبت نہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ عہد مرتضوی میں جمل و صفین میں اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی عزت اور جانوں کا نقصان ہوا۔ جبکہ براہ راست کمان آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بلاشبہ حضرت مرتضیٰؓ و یزید میں تقابل کا سوال نہیں مگر امت میں فرقہ بندی کے پیش نظر ایک ناصبی یزید کے خلاف مواد کو حضرت علیؓ کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ جیسے حادثہ کربلا کی ذمہ داری بیشتر اہل کوفہ، ابن زیاد اور شمر پر ہے اور حرہ کی چند سیاسی شاطروں اور درندہ صفت فوجیوں پر ہے۔ اسی طرح جمل و صفین کے خونی ڈرامے۔ بلوائیان عثمان اور سبائیوں کے (باتفاق مؤرخین) رہین منت ہیں گو وہ حضرت علیؓ کے فوجی ہیں۔ اسی طرز ادا سے یزید سے دفاع مقصود نہیں بلکہ حضرت علیؓ سے دشمنوں کی زبان بند کرنا ہے۔ ان بارہ میں مروان بن حکم کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شمار کرنا زیادہ موزوں ہے۔ یہی حضرت امام مالکؒ کی رائے ہے اور یہی محدث ابن جوزیؒ کا فیصلہ ہے۔

اس حدیث کی تفہیم کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے کسی طریق میں ان بارہ خلیفوں کی کوئی دینی ثنا منقول نہیں ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ۔

لم یروا الحدیث لمدحھم والثناء علیھم بالدین وعلی ھذا فاطلاق اسم الخلافۃ فی ھذا الحدیث بالمعنی المجازی ولما حدیث الخلافۃ من بعدی ثلاثون سنۃ فالمراد خلافۃ النبوۃ ۔

یہ حدیث ان خلفاء کی دینی مدح و ثنا میں مروی نہیں ، بنابریں خلافت کے لفظ کا اطلاق اِس حدیث میں مجازی معنٰی کے طور پر ہے ۔ ہاں اِس حدیث میں خلافت سے مراد حقیقی معنٰی خلافت نبوت ہے ۔ " خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی ۔ " فتح الباری

یہ بے شک صحیح ہے کہ بارہ امراء کی اس روایت میں لا یزال ھذا الدین عزیزا آیا ہے کہ یہ دین ان بارہ امراء کے زمانے تک ضرور غالب رہے گا لیکن اس غلبے سے مراد دین کا داخلی غلبہ نہیں کہ ان کے زمانے میں تمام لوگ بڑے نیک اور دین دار ہوں گے بلکہ مراد دین کا خارجی غلبہ ہے کہ کوئی غیر مسلم بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکے گی ۔ اور رقبہ اسلام ہر مخالف سلطنت کے لیے ارض منیع و محفوظ ہوگا جس کی طرف ہر غیر مسلم طاقت کو رُخ کرنے میں رکاوٹ ہوگی ۔ جیسے کتب تاریخ میں ہے کہ جب خلافت مرتضوی میں اندرونی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر روم کے بادشاہ نے مقبوضات علوی پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اسے للکارا " او رومی کتے ! میں اور علیؓ بھائی ہیں ۔ اگر تو نے ان کے علاقہ کا رُخ کیا تو میں ان سے صلح کر کے ان کی طرف سے تمہارا ایسا مقابلہ کروں گا کہ اینٹ سے اینٹ بجادوں گا ۔ " چنانچہ شاہِ روم سہم گیا اور حملہ کی جرأت نہ کی ۔ عزیز کا معنٰی دین کا خارجی غلبہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منقول ہے ۔

لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفۃ (مسلم ج ۲ ص ۱۱۹)

یہ دین غالب اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہیگا جب تک بارہ خلفاء ہوں گے ۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ یہاں عزیز ہونا دین کی صفت ہے ۔ ان بارہ امراء کی صفت نہیں ۔ اگر ان بارہ میں بعض ظالم اور غلط کار بھی ہوں مگر عوامی سطح پہ دین غالب رہے تو ایسا بسا اوقات ہوا ہے ۔ دیگر پہلوؤں سے اللہ نے دین کی خدمت لے کر اسے مضبوط کیا ہے ۔

حدیث کے مصداق کونسے بارہ افراد ہیں

ان کی تعیین میں واقعی ابہام اور اختلاف ملتا ہے مطلب کہتے ہیں۔ میں کسی کو بھی نہ ملا جو اس کی قطعیت کا دعویٰ کرتا ہو۔ چند اقوال یہ ہیں۔

۱۔ ان بارہ میں سے کچھ ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ گنتی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

۲۔ اس وقت تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔ جب تک مسلمان حکومتوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہو گی۔

۳۔ یہ بارہ حضرات وہ ہوں گے جو امام مہدی کی وفات کے بعد ولایت سنبھالیں گے۔ کتاب دانیال میں ہے کہ امام مہدی کی وفات کے بعد پانچ افراد ان کے بڑے بیٹے کی نسل سے پھر پانچ چھوٹے کی اولاد میں سے فائز بہ حکومت ہوں گے۔ ان پانچ کے بعد پھر بڑے بیٹے کی نسل میں سے ایک شخص والی حکومت ہوگا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوگا (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲) اس صورت میں یہ حدیث خالص اشراط الساعۃ کے سلسلے میں شمار ہوگی۔ الغرض محدثین نے تمام مختلف اقوال ذکر کر دیئے مگر عند الشیعہ ۱۲ ابنہ رگوں کو کسی نے شمار نہیں کیا۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں جن بارہ حکمرانوں کی خبر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔ ۲۔ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ۔ ۳۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ۔ ۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ۔ ۵۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ۔ ۷۔ عبدالملک۔ ۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ ۱۱۔ یزید بن عبدالملک۔ ۱۲۔ ہشام بن عبدالملک۔

ہشام بن عبدالملک آخری خلیفہ ہیں جن کے عہد تک مسلمانوں کا جھنڈا ایک رہا بعد میں ولید بن یزید کے دور سے بنو امیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ قاضی عیاض۔ خلافت کی عزت قوتِ اسلام اور اجتماعی امور کی درستی خلیفہ واحد پر سب کا اتفاق مراد لے کر ولید سے خلل مانتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر قاضی عیاض کے قول کو بہتر اور راجح کہتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۶) علامہ سیوطیؒ متعدد اقوال اس بحث میں نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کا وجود بلا تسلسل تا قیامت مراد ہے جو اپنے عہد

میں عمل بالحق کریں گے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو محدث مسدد نے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے۔

لا تهلك هذه الامة حتى يكون منها اثنى عشر خليفة كلهم يعمل بالهدى ودين الحق منهم رجلان من اهل بيت محمد صلى الله عليه وسلم۔

یہ امت اس وقت تک ہلاک نہ ہوگی جب تک بارہ خلیفے رہیں گے ہر ایک ہدایت اور دینِ حق کے مطابق عمل کرے گا۔ ان میں سے دو خلیفے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے ہونگے۔

بنابریں ۱۲ میں سے ۸ خلیفے تو گزر چکے ہیں خلفائے اربعہ راشدینؓ، حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت ابن الزبیرؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ۔ بنو عباس میں سے مہتدی باللہ کو اس میں شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ایسا نیک تھا۔ جیسے عمر بن عبد العزیزؒ بنو امیہ میں نیک تھے۔ اسی طرح طاہر بالله بھی عدل و انصاف والا تھا۔ اب دو کی انتظار ہے ایک ان میں مہدی ہیں جو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۲)

حدیث من مات کی بحث

اب آپ نے حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاہلیة "منصب امامت" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ منصب امامت میں اسی سیاق سباق میں کہ امام وقت کی اطاعت ضروری ہے ورنہ رب قدیر کی دائرہ وگیرہ سے خلاصی نہ ہو سکے گی۔ یہ جملہ یعنی منقولہ تو ہے۔ مگر اسے نہ حدیث نبوی بتایا۔ نہ اثر موقوف علی الصحابی بتایا۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ ہمارے علم میں بھی اس کا صحیح حدیث نبوی ہونا نہیں ہے جب تک اس کے ماخذ اور سند کا پتہ نہ چلے۔ اور نہ معترض بتائے۔ اصولاً ہمیں اس کا جواب دینا لازم نہیں۔ ہاں اس کے قریب المعنیٰ ایک اور حدیث حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صلوا خمسكم وصوموا شهركم وادوا زكوة اموالكم واطيعوا اميركم اذا امركم تدخلوا جنة ربكم (منصب امامت ص۱۴۴)

پانچ نمازیں پڑھو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اور حاکموں کی فرمانبرداری کرو جب وہ جائز بات کا حکم دیں، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس حدیث سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے حاکموں اور امراء کی اطاعت

کرو۔ سو الحمد للہ اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے۔ وہ نظامِ خلافت کے قائل اور خلیفہ کی تمام جائز باتوں میں اطاعت واجب کہتے ہیں۔ اور یہ بات لاتعداد احادیث سے ثابت ہے۔

شرعی احکام استطاعت سے واجب ہوتے ہیں۔ اور کئی احکام کا وجوب۔ زمان۔ مکان۔ اور خاص حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ اور شرط یا قید کے فقدان سے اس حکم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ انقلاباتِ زمانہ اور مرورِ دہر سے نظامِ خلافت پہ اثر پڑا اور مسلمان متعدد حکومتوں اور ریاستوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کو باضابطہ خلیفہ مل نہ سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب سب لوگ مرتد سمجھے جائیں گے اور عہدِ جاہلیت کے احکام ان پر مرتب ہوں گے۔ اور اس کے برعکس یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کی سیاسی حکومت قائم ہو اور اس کا سربراہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے اوصاف و شرائط پہ پورا نہ اترے تو اس کی جائز باتوں میں بھی اطاعت نہ کی جائے یا علمِ بغاوت بلند کیا جائے کیونکہ یہ دونوں باتیں افراط و تفریط کے ذیل میں آئینگی۔ ایسی صورت میں اسلامی سیاست و قوانین کو سامنے رکھ کر یہی قدرِ مشترک نکالا جائے گا کہ تمام مسلمان اس کوشش میں ضرور رہیں کہ سب دنیا میں ان کا مرکزِ خلافت ایک ہو اور تمام حکومتیں آزاد اور خود مختار ریاستیں ہونے کے باوجود عالمی طور پہ ایک ایسا سربراہ ضرور بنالیں جو شیخ بھائی کی طرح ان کی حکومتوں کی نگرانی کرے ان کے سرحدی جھگڑوں کا تصفیہ کرے اور تمام ممالک اسلامیہ کا یہ متحدہ بلاک غیر مسلم قوتوں کے ساتھ بھی معاہدے اور خارجہ پالیسی اختیار کریگا اور جب تک ایسی صورت میسر نہ آئے ہر ملک کے باشندے اپنی حکومتوں سے صحیح تعاون کریں۔ اطاعت کریں اور شرعی احکام نافذ کرنے کے لیے حکومت کو مجبور کریں۔ فرض کیجئے کہ ان تمام تر کوششوں کے باوجود۔ حکومت شرعی قوانین جاری نہیں کرتی جیسے پاکستان وغیرہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ خلیفہ شرعی کی اطاعت سے باوجود تمنا کے محروم ہیں۔ تو اس کا وبال ان حکومتوں پہ ہوگا یا ان قومی نمائندوں پہ جو اسمبلیوں میں جا کر اپنے فرائض سرانجام نہیں دیتے بلکہ ظالموں کا ترلوالہ بن کر قوم سے خیانت کرتے ہیں ایسی صورت میں کسی شرعی دفعہ سے یا عقل و آئین کی رو سے ان تمام عاصی مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کی طرح ایمان و نجات اخروی سے محروم مانا جائے گا۔ مجبوری کے تحت ان حالات میں مقامی حکام کی جائز باتوں میں اطاعت ایسی ہوگی جیسے ایک شرعی خلیفہ کے

عمال اور نمائندوں کی ہوتی ہے اور اطیعوا امیرکم کے فرامین بلاشبہ ان چھوٹے چھوٹے سرکاری افسروں اور نمائندوں کو بھی حاوی ہوں گے۔

اصول کافی جزء ص ۴۰۳ پر یہ باب ہے ۔ باب ما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین واللزوم بجماعتہم ۔ پھر ایک حدیث میں حضورؐ کا یہ فرمان ہے۔

ثلاث لا یغل علیہن قلب امرء مسلم اخلاص العمل للہ والنصیحۃ لائمۃ المسلمین واللزوم بجماعتہم فان دعوتہم محیطۃ من ورائہم۔

مسلمان کے دل میں تین باتوں کے متعلق کھوٹ نہیں ہوتا۔ خالص خدا کے لیے کام کرنا مسلمان حاکموں کا خیر خواہ (و مطیع) ہونا ان کی جماعت میں شامل رہنا کیونکہ ان کی دعوت سب کو شامل ہوتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال من فارق جماعۃ المسلمین قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ چلے اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے نکال دیا۔

یہ شیعی احادیث وضاحت سے اس امر پہ دال ہیں کہ اجتماعی نظم و نسق کے لیے حکام اور ان کے ماتحت نمائندوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے جب سب مسلمان یا ان کی اکثریت جائز امور میں اس سربراہ کی اطاعت کرنے لگے تو وہ سیاسی حاکم والامام ہے تو اب کسی کو بلا مسئلہ شرعی کے اس سے انحراف و مخالفت جائز نہیں۔ اور جماعت مسلمین سے بالشت بھر انحراف گویا اسلام سے انحراف ہے۔ اب اس کی خیر خواہی لازم ہے، کیونکہ ایسے آئمہ و حکام کی دعوت سب کو شامل ہے۔ گویا اس مسئلہ میں سنی شیعہ کا اختلاف نہیں ہے۔

اگر کسی صاحب کو شبہ ہو کہ اس سے مخصوص عند الشیعہ بارہ آئمہ مراد ہیں۔ تو سیاق والفاظ اس کے متحمل نہیں۔ اور نہ وہ حضرات سیاسی سطح پہ ابھر کر اطاعت کا مقام حاصل کر سکے

حدیث من مات کے معانی

اب مذکورۃ الصدر حدیث اگر ثابت ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری

ہے اور بلاوجہ اس کی اطاعت نہ کرنا یا مخالفت کرنا گویا زمانہ جاہلیت کا دستور اپنانا ہے۔ اگر
یہ حدیث ثابت ہے تو خود شیعہ پر عظیم حجت ہے کیونکہ ان کی تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ
مسلمان سیاسی حکام و پیشواؤں کی انہوں نے کبھی اطاعت نہیں کی۔ بلاوجہ مخالفتیں روحِ
اسلام کے خلاف مقاصد کے لیے بغاوتیں کیں۔ خود بھی کئی مصائب و محن میں الجھے اور حکومتوں
کو بھی پریشان کیا اور مسلمانوں کے مسائل کو حتی الامکان الجھایا اور حکام کا گھیرا ہی کیا ہے۔
خود خلیفہ راشد رابع سیدنا علی المرتضیٰؓ کی مخالفت کی اور پریشان کیا۔ جیسے نہج البلاغہ، روضہ کافی
کے بکثرت خطبات ان کی شکایت و مذمت میں بھرپور ہیں حضرت معاویہؓ سے مصالحت اور
بیعت کی وجہ سے حضرت حسنؓ پر انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا مذل المومنین بتایا۔ برسوں تک
حضرت حسنؓ کے اس عمل و فیصلہ پر اطمینان و ایمان کا اظہار نہ کیا۔ سیدنا حسینؓ سے جو سلوک
ان لوگوں نے کیا وہ کسی کو معلوم سے مخفی نہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے تمام شیعوں سے
دل گرفتہ ہو کر یزید سے مصالحت و حمایت کی ٹھانی اور یزید سے عطیات لیتے رہے۔ واقعہ حرہ
میں کوئی شرکت نہ کی یزید نے بھی حضرت زین العابدینؒ اور ان کے متعلقین کی حفاظت کا
خصوصیت سے حکم دیا۔ حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے سیاست کو طلاق دے کر صرف علمی مشغلہ اختیار
کیا اور مدینہ منورہ کو ہی جمگھٹا گیا۔ مگر کافی باب الکتمان کی روایت کے مطابق آپ کے سترہ حمایتی
شیعہ بھی نہ تھے ورنہ آپ شاہِ وقت کا ضرور مقابلہ کرتے۔ بعد والے ائمہ کو تو مزید قحطِ رجال
شیعہ کا شکار ہونا پڑا۔ اور موجود چند بوالہوسوں کو خوب سنائیں۔ اور حضرت صاحب العصر
مہدی تو ساڑھے گیارہ سو سال سے نامعلوم غار میں ۳۱۳ مومنوں کے انتظار میں چھپے ہوئے
ہیں۔ یہ تمام امور با حوالہ ہم سابق ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں بطورِ مثال و اشارہ کافی ہے
الغرض امام زمانہ سے مراد کچھ بھی ہو شیعہ نے یقیناً ان کی مخالفت کی اطاعت سے انحراف
کیا اور زمانہ جاہلیت کی موت ۔ قتل و غارت ۔ ان کو نصیب ہوئی۔
۲۔ بیشتر شیعہ اس حدیث کو حضرت مہدی منتظر پر چسپاں کرتے ہیں اور ان کا لقب ہی
امام عصر و امام زماں مشہور کیا ہے بایں ہمہ کئی یہ حدیث شیعہ کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ معرفت
امام زمان سے اگر یہ نام پہچان اور رویت ہی مراد ہو تب بھی تمام شیعہ ۱۱۵۰ سال سے ان کی

معرفت سے محروم ہیں۔ آخر کس نے امام کو دیکھا کس نے ان کی عملی زندگی مشاہدہ کی کون جانتا ہے کہ امام موصوف۔ نماز روزہ کیسے ادا کرتے ہیں۔ ان کے عبادت کے دیگر معمولات کیا ہیں۔ ان کی معاشرتی زندگی کیسی ہے۔ ان کی عائلی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ وہ امامت کے فرائض کیسے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کس کو اور کیوں کر ادا کرتے ہیں۔ ان کی ظاہری منبع قطع اور شیعہ کے لیے اسوہ حسنہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ کا کوئی فرد یا کوئی جماعت نہ ان باتوں کو معلوم کر سکتی ہے نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ اگر نائب امام یا سفیر و ترجمان امام کا کوئی فرضی و خلاف شرع امامیہ عہدہ ہے تو پھر پہچان صرف اسے ہی ہوگی اور تو کسی کو نہیں۔ پھر ان کو بھی نہ زیارت کا شرف حاصل ہوا نہ ہی ہاتھ ملانے کا۔ کیا معلوم ان کے کان میں جو آواز گونجتی تھی وہ کسی ناری مخلوق کے اس فرد کی ہو جس کی اسلام و انبیاء سے روزِ اول سے دشمنی ہے۔ کیا معرفت امام ایسی جہالت کا نام ہے؟ اگر معرفت سے مراد اطاعت ہے اور حدیث کا بھی یہی مطلب و تقاضا ہے۔ ورنہ محض پہچان، معرفت یا کلام، بلا اطاعت و ایمان ——— تو کفار کو انبیاء علیہم السلام سے بھی حاصل رہا ہے پھر اس معرفت نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ تو شیعہ اثنا عشریہ سب سے زیادہ مسکین اور قابل رحم فرقہ ہے جن کا امام خود دشمنی کے خوف سے بعمر ۱۲۰۰ سال سے غار سر من رای میں جا چھپا ہے اور تا ہنوز باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہے۔ حالانکہ شیعہ کے بقول ان کے ہم مذہب ایران جیسی حکومت بھی قائم ہے۔ شیعہ "امامت" کا منشا و مقصد تو صرف یہ تھا کہ امام زمان تازہ بتازہ احکام دے اور زمانے کے تقاضے کے مطابق شیعہ کی راہنمائی کرے۔ بدعات کا خاتمہ کرے۔ قوانین اسلام کا نفاذ کرے اور لوگوں کو ان پر عمل کروائے۔ مشکلات میں ان کا ساتھ دے۔ دینی اختلافات رفع کر دے۔ یہ مقصد تو از خود دفن ہو گیا۔ اور شیعہ امامِ زمانہ کی اطاعت اور تعلیم و تربیت سے یکسر محروم ہو گئے۔ آج ان کے پاس منسوخ شدہ اماموں کے کچھ ارشادات ہیں وہی ان کے مذہب کا ڈھانچہ ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ بھی "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور" کا مصداق ہیں۔ اور شیعہ آج حضرت جعفر و باقر کے سینکڑوں ارشادات کی کھلی خلاف ورزی کر کے۔ غیر معصوم۔ خاطی۔ بشر لاتعداد ان نام نہاد مجتہدوں بلکہ فاسق و فاجر ذاکروں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو مسائل آج امامیہ کا شعار ہیں اور ان کی ترویج پر ہی سب کوششیں مرکوز ہو رہی ہیں۔ مثلاً

کلمہ۔اذان ۔ترکِ تقیہ۔ اشاعت مذہب عزاداری بجمیع اقسام وغیرہ تمام تر آئمہ کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اصولِ شیعہ کے مطابق ایک امام کے اقوال صرف اس کی زندگی تک حجت اور معمول بہا ہیں۔ بعد از وفات امام بھی نیا۔ احکام بھی نئے۔ تبھی تو ہر زمانے کا امام جدا مانا گیا۔ ورنہ ایک امام ہی کافی تھا۔ جیسے شیرِ خدا، اقضی الامۃ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ کے ارشادات حجتِ دائمہ ہوتے تو آپ کی وفات سے ۔ لوگوں کے ذہن سے از خود مٹ تو نہ گئے تھے رہتی دنیا تک آپ کے ماننے والوں کے ذریعے راہنمائی کا کام دے سکتے تھے پھر کیوں امام حسنؓ، پھر امام حسینؓ الخ کو یکے بعد دیگرے امام مانا گیا۔ اور ایک کی زندگی میں دوسرے کو کبھی امام و حجت نہ مانا گیا۔ اگر ایک امام کی سنت اور ارشادات دائماً حجت ہوتے تو پھر آئمہ میں اختلاف نہ ملتا۔ حضرت علیؓ کا خلفاءِ ثلاثہؓ سے تعاون۔ حضرت حسینؓ کا یزید سے مقابلہ۔ حضرت علیؓ کی حضرت معاویہؓ سے جنگ۔ حضرت حسنؓ کی مصالحت و بیعت۔ حضرت حسینؓ کی یزید سے جنگ اور حضرت زین العابدینؒ کی بیعت و مجبورانہ غلامی علی ھذا القیاس کس تضادات نہ ملتے یہ تمام حقائق اس بات پہ دال ہیں کہ ہر امام اپنے زمانے کا منتقل ہوتا ہے۔ سابقہ امام کے اقوال و افعال اس کے ہاں منسوخ ہوتے ہیں۔ ایک پیغمبر وقت کی طرح وہ زمانے کے مسائل حل کرتا اور لوگوں سے اتباع کرواتا ہے۔

اگر امام سابق کے ارشادات۔ اس کی وفات کے بعد بھی حجت اور واجب العمل ہیں تو پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں پھر عقیدہ امامت کے اختراع کی ضرورت ہی کیوں ہوئی۔ کیا آخری دین کے علمبردار۔ شریعت ابدیہ کے تاجدار۔ سید و آقا، نامدار، سید الرسل محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال زندگی کے تمام مسائل کے لیے کافی نہ تھے۔ یا کیا وہ حضورؐ کی وفات سے ہی آپ کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ ہزاروں صحابہ کرامؓ کو ہزاروں ارشادات یاد تھے اور وہ ان پہ عمل کرتے اور دوسروں کو تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ایک شیعہ کے نزدیک وہ تمام حضرات۔ دین۔ علم اور ایمان سے اس لیے کورے تھے کہ انھوں نے از سر نو حضرت علیؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا اور ان سے علم و شریعت کا سررشتہ تعلیم استوار نہ کیا۔ اس کا مطلب واضح تر ہے۔ کہ ارشاداتِ محمدیہؐ بھی عند الشیعہ ہدایت کے حامل اور دائمی راہنما نہ تھے۔ یہ سیٹ حضرت علیؓ نے لی۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ سے یکے بعد دیگرے حضرت مہدی تک پہنچی۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا

حاصل ہوا کہ شیعہ حضرات کو بہت پیچھے جا کر پانچویں یا چھٹے امام سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے ارشادات سے تمسک اب ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیغمبر آخر الزمانؐ کا امتی حضرت ابراہیم و موسیٰؑ کے ارشادات سے تمسک کرے۔ کیونکہ شیعہ کے نزدیک امامت نبوت کی طرح ہے۔ اور ایک امام کا دوسرے سے اختلاف۔ ایک پیغمبرِ وقت کے دوسرے پیغمبرِ وقت سے اختلاف کی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا۔ شیعہ کو معرفتِ امام اس کی اطاعت سے ہی مفید ہے۔ اور اطاعت کے لیے ارشادات و اعمال کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اور حضرت مہدی غائب سے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ تو معرفت امام سے جہالت اور اطاعت سے محرومی میں سنی شیعہ برابر ہو گئے۔ شیعہ کو الزام دہی کا موقعہ نہ رہا۔

کچھ شیعہ نے اس مشکل کو بھانپ کر یہ عذر لنگ ضرور تراشا ہے کہ کافی حضرت مہدی کی مصدقہ ہے اس پر عمل گویا حضرت مہدی کی تعلیمات پر عمل ہے۔ مگر یہ بوجوہ مردود ہے۔

اولاً۔ تمام شیعہ علماء کو اس پر اتفاق نہیں۔ بھلا امام معصوم۔ ایک غیر معصوم شخص کی تمام مرویات کو بلا رد و قدح کیسے تصدیق کر گئے بذا کاف لشیعتنا کہہ سکتا ہے یہ جملہ تو اس کے بھی نے دو صد سال بعد پیدا ہوا ہے۔

ثانیاً۔ اگر ایسا ہو تو یہی کتاب کافی سمجھی جائے۔ مگر شیعہ تین اور اہم کتابوں کو بھی اصولی اور واجب الاتباع ملنتے ہیں۔ اور مزید دسیوں کتب کو جزوِ مذہب اور قابلِ اطاعت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کھلا شرک ہوا۔ یا فرمانِ امام کی تکذیب و تردید ہو لی۔

ثالثاً۔ شیعہ علماء کو بلا چون و چرا کافی کی تمام روایات ماننی چاہییں۔ مگر وہ اس کی ہزاروں روایات سے آج گریزاں ہیں اور غلط ماننے پر مجبور ہیں۔ جیسے کلام اللہ کی تحریف والی روایات بعض کے نزدیک یا جو روایات بھی آج ان کے رواجی مذہب کے خلاف ہوں۔

جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟

امامِ زمان کو پہچاننے اور عدم پہچان پر جاہلیت کی موت کی وعید تنبیہ کے طور پر بطور تغلیظ ہے کہ جیسے عہدِ جاہلیت میں لوگوں کا اجتماعی نظام نہ تھا۔ ہر قوم و قبیلہ خود مختار تھا اور مسلسل لڑائیاں اور فتنے رونما ہوتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں اجتماعی نظام کی وحدت نہ ہو کوئی منتظم حکومت اور سربراہ

مملکت نہ ہو تو گویا جاہلیت کا دور ہے۔ انتخاب خلیفہ کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز کی سازش اور مصطفےٰ کمال کے خونی انقلاب سے جب ترکی سے خلافت کا خاتمہ ہوا تو تحریک خلافت کے نام سے تحریکیں مختلف ممالک میں بیدار ہوئیں۔ متحدہ ہند میں بھی اس کا زور رہا۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی جیسے حضرات اس حالت کو عہدِ جاہلیت کی یادگار ہی جانتے تھے۔ گویا یہ حدیث خبر بمعنیٰ انشاء ہے کہ مسلمان نظامِ خلافت کو ضرور قائم کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایسا متحدہ نظامِ خلافت حاصل نہ ہو سکے تو سب لوگ عہدِ جاہلیت کی طرح کافر سمجھے جائیں گے۔ اور سارتداد کا فتویٰ ان پر لگے گا کیونکہ عہدِ جاہلیت میں بھی "امتِ مسلمہ" کے تحت شیعہ ایک قریش کی جماعت کو مومن مانتے ہیں اور کتبِ تاریخ و سیرت بھی محدود افراد کا رسومِ جاہلیت سے پاکدامن ہونے کا پتہ دیتی ہیں جیسے زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل متعدد راہبان وغیرہم۔

امامِ زمان کا ایک اور مصداق

یہ بھی مطلب بعض علماءِ کرام بتاتے ہیں۔ جیسے امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے النجم دورِ قدیم میں زیرِ بحث حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ کا لیا تھا کہ امامِ زمانہ سے مراد آسمانی کتاب ہو اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے اور اس کی اتباع نہ کرے۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور امام کا اطلاق کتاب اللہ پر ہوا جیسے

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰىٓ اِمَامًا وَّرَحْمَةً (ھود ۲۶)

اور اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی کتاب (شاہد تھی) جو کہ امام اور رحمت تھی۔

جب تورات امام و رحمت ہے تو قرآن مجید بدرجہ اتم امام و رحمت ہے۔ اور نوشتہ کتاب پر امام کا اطلاق اور آیات میں بھی آیا ہے جیسے سورۃ یٰسٓ میں ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۔ (پ ۲۲ یٰسٓ)

بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو آثار ان کے پیچھے رہ جاتے ہیں ان سب کو ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں (از روئے علم و شمار) جمع کر لیا ہے۔

روشن امام سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا اعمالنامہ۔ سورۃ سبا میں اعمالنامہ کی تائید ہوتی ہے
وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ اور نہ اس ذرے سے چھوٹی چیز پوشیدہ ہے اور نہ بڑی۔ مگر یہ کہ کھلی کتاب میں سب مذکور ہے۔

الغرض لغت وشرع کی رو سے امام زمان قرآن مجید کو کہنے پر کوئی امتناع نہیں جب شیعی امام زمان کی اتباع ناممکن ہے۔ سنی آئمہ کو شیعہ نہیں مانتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ بالاتفاق قرآن کو امام زمانہ تسلیم کرکے اس کی اتباع سے جنت اور رضائے مولیٰ کی سند حاصل کی جائے۔ اور نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔

باب نہم

دین میں بدعات کا موجد کون ہے؟

سوال ۲۲۔ کیا کسی آدمی کو دینِ مصطفیٰ میں کمی بیشی کرنے کا اختیار یا حق ہے۔ اگر نہیں تو حضرت عمرؓ کا اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" نمازِ تراویح باجماعت۔ چار تکبیر ول پر نمازِ جنازہ کا اتفاق کرانا۔ متعہ کو حرام قرار دینا۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دینا اور قیاس کو اصول قائم کرنا کہاں تک درست ہے اور کیا یہ صراحتہً مداخلت فی الدین نہیں جو ناجائز اور حرام ہے۔

اہل سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں

الجواب۔ اہل السنت والجماعت کثرہم اللہ کے مذہب حق میں دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی شخص کو ترمیم وتنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے بعد کسی آسمانی وحی اور نزول کتاب کے قائل نہیں۔ خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی شریعت سازی، تحریم و تحلیل میں خود مختار، مہبطِ وحی اور معصوم دینی پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں جیسے خداوند تعالیٰ کے بعد کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، غیب دان اور رازق نہیں مانتے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کے علاوہ کسی جگہ کو قبلہ عبادت نہیں مانتے نہ کسی بقعہ کی زیارت کو حج یا اس سے افضل مانتے ہیں گویا ایک قرآن ایک پیغمبر، ایک معصوم پیشوا اور ایک کعبہ کی وحدت پر یقین راسخ رکھتے ہیں سے

عقائد و اعمال کا شیعی اضافہ ایک نظر میں

یہ صرف اور صرف شیعہ مذہب کا خاصہ ہے کہ جہاں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب عمر کی محنت شاقہ سے تیار کردہ و تعلیم یافتہ مسلمان جماعت کے ایک ایک فرد کو خارج از ایمان قرار دیا۔ مثلاً اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۴ باب قلۃ عدد المومنین میں ہے۔ حمران بن اعین نے امام باقرؒ سے کہا کہ ہم کس قدر تھوڑے ہیں کہ ایک بکری بھی نہیں کھا سکتے۔ فرمایا میں اس سے زیادہ عجیب تم کو بتاتا ہوں۔

المهاجرون والانصار ذهبوا الا — واشار بيده — ثلاثة۔ کہ تمام مہاجرین و انصار مرتد ہو گئے تھے۔ پھر ہاتھ کے اشارہ سے تین افراد کو مستثنیٰ کیا۔

یہاں محشی رجال کشی کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ امام باقرؒ نے فرمایا۔ تین کے سوا سب صحابہؓ مرتد ہو گئے تھے۔ سلمانؓ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ راوی نے عمارؓ کا پوچھا تو فرمایا۔ وہ بھی حق سے پھر گیا تھا پھر لوٹا۔ نیز فرمایا۔ اگر تم ایسا صحابی پوچھو جس نے شک (فی الامامۃ) نہ کیا ہو اور اس کے دل میں (کفر کی بات) داخل نہ ہوئی ہو تو وہ صرف مقداد ہیں۔ پھر حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ پر بھی تنقید کی ہے۔ انتہیٰ۔ معتبر سند کیساتھ حضرت صادق نے مرفوعاً یہ روایت بھی کی ہے کہ اے سلیمانؓ اگر تیرے علم کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد اگر تیرے صبر کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۲۲-۶۲۴ بحوالہ رجال کشی و کتاب اختصاص)

—— وہاں حضورؐ کی شریعت کے ایک ایک مسئلہ کو ختم کر کے متوازی شریعت اپنے خود ساختہ مثل پیغمبرؐ و معصوم آئمہ سے تصنیف کرا دی۔ کیونکہ وہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ تھے۔ (کافی ص ۱۹۳) اور یحلون ما یشاءون و یحرمون ما یشاءون۔ دین مصطفیٰؐ کے جس حرام کو چاہیں حلال کر دیتے ہیں اور جس حلال کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں کے منصب کے مالک تھے۔ (کافی ص ۱۸۴) اور مذہب شیعہ کے مؤسس حضرت صادق المتوفی ۱۴۸ھ نے تو صراحۃً ارشاد قرآنی اور حدیث رسولؐ کے برعکس فرما دیا تھا۔

ماجاء به علی اخذ به و مانهی عنه انتهی جری له من الفضل ماجری لمحمد (اصول کافی ص ۱۱۷ لکھنو)

جو احکام علیؓ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکتا ہوں۔ آپ کو وہی فضیلت ملی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملی ہے۔

جیسے تفصیل ۲۱۳ کے تحت گزر چکی ہے چنانچہ اس منصب کی رو سے (بقولِ شیعہ) آئمہ اہلِ بیت کی جو نئی شریعت وجود میں آئی اس میں حضور پاک کی ازواج مطہرات و امہات المومنین پر لعنت بھیجنا کارِ ثواب ہوگیا۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۴۲) آپ کے خسرانِ محترم۔ داماد اول اور جانثاروں پر تبرا جزوِ مذہب بن گیا۔ (روضہ کافی ص ۲۲۵، ۲۴۶) انبیاء سے آئمہ کو افضل ماننا ایمان بن گیا (حیات القلوب ج ۲ ص ۵) آئمہ موت و حیات اور آسمان و زمین کے بھی مالک ہوگئے۔ (حق الیقین ص ۳۴۱) بداء کے عنوان سے خدائے علام الغیوب کو بھی مستقبل سے جاہل بتایا گیا (اساس الاصول ص ۴۱۹) دینِ اسلام کو چھپانا اور جھوٹ بولنا کافی کے باب التقیہ اور باب الکتمان کی تعلیم سے واجب ہوگیا۔ عقل و غیرت اور تمام ملل کے اتفاق سے حرام زنا کو بھی متعہ کے نام سے سب سے افضل بتایا گیا۔ متعہ کے چند فضائل بطورِ نمونہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت سید عالم ؐ نے فرمایا (العیاذ باللہ) جو شخص مومنہ (شیعہ) عورت سے متعہ کرے گویا اس نے خانہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی (عجالہ حسنہ ص ۱۶ ترجمہ رسالہ متعہ)

۲۔ حضرت صادق ؓ نے فرمایا جو شخص متعہ کر کے غسل کرے۔ ہر ہر قطرے کے بدلے اللہ تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک اسی کے لیے مغفرت مانگتے ہیں (و لعنت میکنند) اجتناب کنندہ ازاں را، اگر متعہ سے پرہیز کرنے والے (شیعہ) پر تا قیام قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۴۸)

بلکہ سیدزادیوں کی عصمت بھی محفوظ نہ رہی کہ تہذیب الاحکام طوسی میں ہے لاباس بالمتعۃ بھاشمیۃ ج ۲ ص ۱۹۳ کہ ہاشمی عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ متعہ نہ کرنے والا ناقص الایمان ٹھہرا۔ وروی ان المومن لا یکمل حتی یتمتع (العقبہ ص ۳۳) حدیث ہے کہ مومن متعہ کیے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ تفسیر منہاج الصادقین ج ۱ ص ۱۶۹ میں صراحت کر دی۔

من تمتع مرۃ کان درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع مرتین فدرجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع ثلاث مرات کان درجتہ کدرجۃ علی بن	جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ حضرت حسین ؓ کی طرح ہے اور جو دو مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسن ؓ کی طرح ہے۔ اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ علی ؓ بن ابی طالب کے درجہ کی

ابی طالب ومن تمتع اربع مرات فدرجتہ طرح ہے اور جو چار مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ
کدرجتی (زیر آیت والمحصنات پ۵) میرے درجہ کی مانند ہے۔ والعیاذ باللہ الف مرتبہ

غیر شیعہ اولادِ علی پر لعنت بھیجنا جائز ہو گیا۔ شیعہ کے شہیدِ ثالث نے بڑے فخر سے یہ اشعار لکھے ہیں۔

اذ العلوی تابع ناصبیاً بمذہبہ فما ہو من ابیہ

حضرت علیؓ کی اولاد کا جو فرد ناصبی مذہب کی تابعداری کرے وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔ (ناصبی وہ ہوتا ہے جو امیر المومنینؓ پر غیر کو مقدم کرے (مجالس المومنین ص ۳۸۲)

وکان الکلب خیرا منہ طبعاً لان الکلب طبع ابیہ فیہ

اس سے تو کتا بھی طبیعت میں بہت بہتر ہے کیونکہ کتے میں اپنے باپ کی خصلت پائی جاتی ہے۔ اور مشہور شیعہ حمران بن اعین (از اصحابِ باقرؒ) خلوص واعتقاد سے کہا کرتا تھا۔

رشتہ امامت شما تا صاحب العصر ممتد است تمہاری امامت کا سلسلہ صاحب العصر (مہدی)
وہر کہ ازاں تجاوز کند خواہ علوی باشند یا غیر تک پھیلا ہوا ہے جو اس سے آگے بڑھے خواہ
علوی ازاو بیزارم۔ (مجالس المومنین ج ا ص ۳۴۶) علوی ہو یا غیر علوی۔ میں اس سے تبرا کرتا ہوں

بلکہ حق الیقین ص ۲۳۶ پر ملا باقر علی مجلسی نے لکھا ہے۔ "کہ خلفاءِ ثلاثہ، معاویہ، یزید اور دیگر مخالفین اہل بیت سے بیزاری کے علاوہ خلفاءِ اسماعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب ہے۔ کیونکہ انھوں نے امامت کا جھوٹا دعوی کیا۔

حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؒ کی نسل سے جو شیعہ ہوئے وہ اسماعیلی کہلاتے ہیں اور حضرت زید بن امام زین العابدینؒ کی نسل سے جو شیعہ واہل بیت کے تتبع چلے وہ زیدیہ کہلاتے ہیں۔ الغرض اثنا عشریہ نے اپنے ان سادات بھائیوں کو بھی نہ چھوڑا۔ —

صوفی ورند دونوں تیرے غمزہ سے تباہ خانقاہ گر ہے ویراں تو خرابات خراب

حضرت عمرؓ کا دامن بدعت سے پاک ہے

آمدم بر سرِ مطلب۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ پر چین مسائل کی کمی بیشی کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ مذہب اہلسنت کے مطابق صریح غلط ہے۔ افسوس کہ شیعہ حضرات تحقیق ودانش سے ذرا کام نہیں لیتے حضرت عمرؓ

یا دیگر صحابہ کرامؓ کی دشمنی میں آکر مطاعن تضعیف کر دیتے ہیں۔

سوال میں مذکور مسائل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

۱۔ ابوداؤد ص۷۲۔ نسائی ص۷۵۔ موارد الظمآن ص۸۵۔ طحاوی ص۸۲ میں حضرت ابو محذورہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر کی آذان دو تو حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہو دکر نماز نیند سے بہتر ہے)

فقل بعد حی علی الفلاح الصلوٰۃ خیر من النوم۔

قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص۴۲ میں لکھتے ہیں صححہ ابن خزیمہ۔

شیعہ بھی یہ جملہ کہنے کے قائل ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتاب الفقیہ ص۵۹ باب الاذان میں ہے کہ کوئی حرج نہیں الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ بطور تقیہ کہا جائے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آذان میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جاتا تھا۔ (طحاوی ج ۱ ص۸۲ نیل الاوطار ج ۲ ص۴۲ از طبرانی و بیہقی)۔

ابن سید الناس یعمری کہتے ہیں۔ ہذا اسناد صحیح اور حافظ ابن حجر تلخیص الخبیر ص۷۵ پر لکھتے ہیں۔ سندہ حسن۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں سنت میں سے یہ ہے کہ فجر کی آذان میں حی علی الصلوٰۃ کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جائے۔ (طحاوی ج ۱ ص۸۲ نیل الاوطار ج ۲ ص۴۲ از دار قطنی و بیہقی، ابن سید الناس اور ابن حجر تلخیص الخبیر میں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ از افادات شیخ محترم علامہ صفدر مدظلہ)

شیعہ کو مغالطہ مؤطا امام مالکؒ ص۲۸ کی اس روایت سے لگا ہے کہ مؤذن نے صبح کو حضرت عمرؓ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ فامرہ عمر ان یجعلہا فی اذان الفجر مگر سنت نبوی سے قطعی ثبوت کے بعد حضرت عمرؓ کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اس کلمہ کا استعمال صبح کی اذان کے بغیر نہ کیا جائے۔

تراویح کا ثبوت

بخاری شریف جو اُمّت پر حضرت زید بن ثابت رضؓ سے روایت ہے۔
"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک الگ جگہ نماز کے لیے بنا دی۔ میرا گمان ہے کہ وہ چٹائی کا ایک چھپر تھا۔ آپ نے کئی راتیں اس میں نماز پڑھی آپ کے صحابہ رضؓ نے بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

اسی معنی پر حضرت عائشہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس حجرہ یا چھپر میں) دیکھا تو لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ یہ دو یا تین راتیں عمل ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھے رہے اور باہر نہ نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل	مجھے خوف ہوا کہ تمہارے شوق کے پیش نظر نمازِ شب (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ نفسِ تراویح کا ثبوت با جماعت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔ فرضیت کے اندیشہ سے آپ نے مداومت نہ کی۔ عہد صحابہ رضؓ میں جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمر رضؓ نے سب صحابہ کرام رضؓ کے اتفاق اور موجودگی میں اس سنت نبوی بالجماعت کو التزاماً منعقد فرما دیا۔ چونکہ یہ التزام دوام نیا تھا تو بطور لغوی استعمال اسے "نعمت البدعۃ ہذہ" کیا ہی یہ نیا اچھا کام ہے۔ سے تعبیر فرمایا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

فصلی فیہا لیالی۔ اس جملہ میں اصل تراویح کا ثبوت ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز رمضان کی راتوں میں پڑھی۔ یہ ۲۰ رکعتیں ہیں۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ۹ ترویحے ۳۶ رکعتیں ہیں وتر کے ماسوا۔ آپ کا استدلال اہل مدینہ کے عمل سے ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ۔ شافعیہ۔ حنبلیہ کا استدلال بیہقی کی باسناد صحیح اس روایت سے ہے۔

عن السائب بن یزید الصحابی قال کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین	حضرت سائب بن یزید صحابی رضؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان حضرت عمر رضؓ کے عہد میں اور اسی طرح حضرت

ركعة وعلى عهدا عثمان وعلى رضی اللہ	عثمانؓ و علیؓ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ۲۰ رکعت
عنهما مثله (بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۲۰۱)	تراویح پڑھتے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ و علیؓ نے بھی اسی پر عمل کیا اور کرایا اور کسی نے حضرت عمرؓ کے قول و فعل پر نکیرؓ کی بلکہ تحسین و تائید فرما کر حضرت عمرؓ کے فقیہ و تبع سنت ہونے پر گویا شہادت دی تو اس کے جواز پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں نور اللہ قبر عمر کما نور مسا جدنا اللہ حضرت عمرؓ کی قبر کو روشن کرے جیسے ہماری مساجد کو روشن کیا۔ (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۔ فضائل عمرؓ) کتب شیعہ میں رمضان میں بعد از نماز عشاء ۲۰ رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے آئمہ کی طرف سے اور حضورؐ کا رمضان میں بعد از عشاء صحابہؓ کو تراویح پڑھانا منقول ہے۔

(فروع کافی ج ۲ ص ۲۹۹ از افادات تونسوی)

چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت

بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ پر یہ باب ہے۔ باب التکبیر علی الجنازة اربعاً پھر پہلی حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے۔ فخرج بهم الی المصلی وکبر علیه اربع تکبیرات۔ کہ نجاشیؓ کی موت کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز گاہ کی طرف چلے۔ صف بنائی اور ۴ تکبیروں سے ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے ہے کہ حضورؐ نے اصحمہ نجاشیؓ پر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ کتب اہلسنت میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں سلف و خلف ۴ تکبیروں پر اتفاق رکھتے ہیں۔ شاید کسی صاحب نے فعل نبوی سے بے خبری کی وجہ سے اس کے خلاف کہا سنا ہو تو حضرت عمرؓ نے اس کی تردید فرما کر اس سنت نبوی کو قانونی شکل دے دی ہو تو شیعہ نے بغض و دشمنی کی وجہ سے اسے ایجاد عمرؓ قرار دے دیا ہو۔

بلکہ کتب شیعہ سے بھی فعل نبوی سے چار تکبیریں ثابت ہیں۔

فروع کافی ج ۱ ص ۱۸۱ پر امام جعفر صادقؒ کی ایک حدیث میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا تو آپ یوں نماز پڑھتے تھے۔

کبر وتشهد ثم کبر وصلی علی النبیین	تکبیر کہتے اور خدا اور رسولؐ کی گواہی دیتے پھر تکبیر
صلی الله علیهم ثم کبر ودعا للمومنین	کہتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر چوتھی تکبیر

ثم کبر الرابعة وانصرف ولم یدع للمیت | پھر تکبیر کہتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر نماز سے باہر آجاتے اور میت کے لیے دعا نہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ اہلسنت کے ہاں مطلقاً اور عند الشیعہ حضورؐ کا پچھلا تعامل (آیت ولا تصل علی احد کے بعد) ۴ تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھانا اور بعد از سلام دعا نہ کرنا تھا۔

متعہ کی حرمت خود حضورؐ سے ثابت ہے

اب شیعہ کے مایہ ناز دل پسند اور محبوب فعل متعہ کی باری بھی آگئی کہ مطاعن فاروقی میں کسی اور بات کا ذکر کریں یا نہ کریں۔ متعہ کا ذکر ضرور کریں گے۔

متعہ کے عند الشیعہ فضائل بطور نمونہ گزر چکے ہیں۔ متعہ کی تعریف ملاحظہ کرلیں۔

کوئی مرد و عورت مقررہ وقت اور مقررہ اجرت سے بغیر گواہوں اور ولی کی اجازت کے ایجاب و قبول (رضامندی) کرکے تعلق قائم کریں۔ شیعہ کے ہاں اسی کا نام متعہ ہے۔ مسلمان اسے زنا بالرضا سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ہند و پاک میں شاہانِ روافض کی یادگار "بازار حسن" میں ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بے دین حکومتیں رضامندی سے اس فعل شنیع کو قابلِ گرفت و تعزیر نہیں مانتی ہیں۔

سنی شیعہ کے اتفاق سے ممتوعہ عورت ایک بازاری و کسبی کا حکم رکھتی ہے۔ کوئی بھی اس میں زوجہ کے شرائط تسلیم نہیں کرتا۔ نہ زوجیت کے حقوق دیتا ہے اور نہ اسے باندی مانتا ہے۔

ممتوعہ عورت کی "بازاری" اور بیوی نہ ہونے کی حیثیت پر کتب شیعہ سے دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ولیس فی المتعة اشھاد ولا اعلان | متعہ میں نہ گواہ ہوں گے نہ اعلان ہوگا۔

(تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۹)

۲۔ ادنی ما یتزوج به قال کف من (ایضاً) | امام جعفرؒ سے پوچھا گیا کم از کم کتنی اجرت پر زواجِ متعہ ہوگا۔ فرمایا۔ گندم کی ایک ہتھیلی۔

حالانکہ بیوی کے مہر میں معین معقول رقم شرط ہے۔

۳۔ متعہ کے ارکان پانچ ہیں۔ مرد[1]۔ عورت۔ مہر[2]۔ وقت مقررہ[3]۔ ایجاب و قبول کا لفظ[5]

(گواہ شرط نہیں)، تفسیر منہج الصادقین ص۳۵۷)

۴. عن ابی عبد الله قال ذکر له المتعة اهی من الاربع قال تزوج منها الفا فانهن مستاجرات .

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا زنِ متعہ چار میں سے ہے فرمایا (نہیں) ہزار سے عقد کر لو. کیونکہ یہ کرایہ دار (پیشہ ور) ہیں.

۵. وقال ابو جعفر لیس من الاربع لانها لا تطلق ولا ترث وانما هی مستاجرة (تہذیب ج۲ ص۱۸۸)

امام باقرؑ نے فرمایا یہ چار عورتوں میں سے نہیں، کیونکہ نہ طلاق پاتی ہے نہ وارث بنتی ہے بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔

۶. سئل ابو الحسن علیه السلام عن المتعة اهی من الاربع فقال لا و فی روایة ولا من السبعین وانما هی مستاجرة (کافی ابواب المتعة ص۱۴۴)

امام ابو الحسن (رضا) سے پوچھا گیا زنِ متعہ چار (منکوحہ) عورتوں میں سے ہے۔ فرمایا نہیں ایک روایت میں ہے کہ یہ ۷۰ (باندیوں) میں سے بھی نہیں۔ یہ کسبی ہے۔

۷. وصاحب الاربع النسوة یتزوج منهن ماشاء بغیر ولی ولا شهود فاذا انقضی الاجل بانت منه بغیر طلاق و یعطیها الشئی الیسیر (صدق الامام الصادق، فروع کافی ابواب المتعة ص۱۵۱)

اور چار بیویوں کا خاوند متعہ والی عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہے بغیر ولی اور گواہوں کے عقد کر لے۔ جب مدت مقررہ ختم ہوگی تو بلا طلاق یہ جدا ہو جائے گی۔ مرد اسے کچھ پیسے دے دے۔ (امام صادقؑ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

۸. عن ابی عبد الله قال لا تکون متعة الا بامرین اجل مسمّی واجر مسمّی (ایضاً ص۱۵۵)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا متعہ صرف دو باتوں سے ہوگا۔ وقتِ مقررہ ہو اور اجرت مقرر ہو۔

۹. کئی آدمی ایک ہی عورت سے بار بار متعہ کر سکتے ہیں۔ زرارہ نے امام باقرؑ سے پوچھا ایک آدمی متعہ کرے اور شرط مدت ختم ہو جائے پھر دوسرا اس سے متعہ کرے جب وہ اس سے جدا ہو تو پہلا متعہ کرے اور اس سے جدا ہو اسی طرح تین دفعہ ہو اور (بیک وقت) وہ تین

مردوں سے متعہ کرے۔ کیا اب بھی پہلے کے لیے حلال ہوگی۔ فرمایا ہاں۔ جتنی دفعہ چاہے۔ یہ آزاد عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔ اور یہ باندیوں کے قائم مقام ہے۔ «الغیلمہ» (۱۰ ۴) ۱۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عقد متعہ میں عورتوں کی تعداد معین نہیں ہے اور نفقہ۔ کھانا پینا مکان۔ لباس مرد پہ لازم نہیں ہے۔ نیز اس جوڑے میں وراثت بھی نہ ہوگی یہ تمام امور دائمی عقد نکاح میں ضروری ہوتے ہیں۔ (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵۶)

شیعہ عبارات سے یہ تفصیل ہم نے اس لیے دی تاکہ متعہ کے زنا ہونے کا آپ کو یقین ہو جائے۔ اس رضامندی طرفین میں نہ گواہ ہیں نہ اعلان۔ نہ نفقہ ہے نہ وراثت نہ طلاق ہے نہ اس کی عدت بلکہ یہ ایک کرایہ دار عورت ہے جس کے ساتھ گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے بھی یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۱۹) امام نے ان کو باندیاں بھی نہیں فرمایا بلکہ دوامی سبعین کہہ کر صراحتہ تردید کر دی۔ ہاں بعض روایات میں بمنزلۃ الاماء فرمایا۔ یعنی چار سے زائد رکھنے میں باندیوں کے قائم مقام ہیں۔

اس انتہائی فحش و حیا سوز فعل کی حرمت پہ تمام ملل وادیان کی عقل و نقل سوا فرقہ شیعہ متفق ہیں۔ بلکہ جن بزرگان اہل بیت کی طرف ان شہوت پرستوں نے اس کی نسبت کی ہے وہ بھی اپنے گھر کا ذکر سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ اگر نکاح کی طرح متعہ بھی واقعی جائز ہوتا تو ناراض کیوں ہوتے۔

امام باقرؒ سے عبداللہ بن عمیر نے کہا آپ کی بیویاں۔ بیٹیاں۔ بہنیں اور چچا کی بیٹیاں یہ کام کرتی ہیں؟

فاعرض ابوجعفر حین ذکر نساءہ و بنات عمہ (تہذیب الاحکام طوسی ج ۲ ص ۱۸۶)

امام باقرؒ نے منہ پھیر لیا جب اپنی عورتوں اور چچا زاد بیٹیوں کا ذکر ہوا۔

بلکہ شیعہ کے ذمہ دار علماء و مجتہدین جب متعہ کی مدح و مصالح میں۔ منبر و محراب جہنی پر رطب اللسان نظر آتے ہیں اور مستقل کتابیں لکھتے ہیں وہ بھی اپنے گھر میں اس فعل شنیع کو کبھی جائز نہیں سمجھتے نہ برداشت کرتے ہیں۔ تو پھر ایسے لوگ عوام شیعہ خصوصاً غرباء کی بہن بیٹیوں کے حق میں اس کے جواز کا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ کیا وہ اس دورخی پالیسی پر خدا کا ذرا خوف نہیں

کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اللہ کے ہاں بڑی ناراضی کی یہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔

پھر کیا شیعہ امیروں۔ نوابوں۔ جاگیرداروں، مسٹنڈے ذاکروں۔ بے دین و نام نہاد سیدوں کی ہوس رانی ہی کے لیے یہ شرمناک مسئلہ ایجاد کر لیا گیا ہے تاکہ شیعہ مذہب زندہ رہے۔ کیونکہ اس مذہب کی بقا کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ اور ان کی روح یہی مسئلہ ہے۔ بے غیرتی کا طرۂ امتیاز صرف شیعہ کا یہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ وہ مقام مخصوص کو بطور عاریت مانگنے پر کسی دوست جائی وغیرہ کو بھی دینے کے قائل ہیں۔ الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۹ پر ہے کہ حسن عطار نے امام صادق سے مانگی ہوئی شرمگاہ کے متعلق پوچھا۔ قال لا بأس بہ۔ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ بیوی سے در دبر لواطت جائز کہتے ہیں۔ امام باقر نے فرمایا لا بأس اذا رضیت۔ جب بیوی راضی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (استبصار ج ۳ ص ۲۴۳) کچھ لوگ خوف خدا پس پشت ڈال کر اور دیانت کا لبادہ اوڑھ کر یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ یہ متعہ عہد نبوی میں رائج تھا اور فلاں فلاں اس کی مثالیں ہیں حالانکہ بالفرض یہ بے حیائی۔ عہد جاہلیت کی یادگار عہد نبوی میں ابتدائی عرصہ کے لیے تسلیم کی بھی جائے تو اس سے اس کی ابدا حلت کیسے ثابت ہو جائے گی۔ قرآن کریم نے رفتہ رفتہ مصالح کے پیش نظر مسلم معاشرہ کی قوت کے مطابق۔ برائیوں کا ازالہ کیا اور حرمت نازل فرمائی ایک وقت میں نماز روزہ حج زکوٰۃ نہ تھی اور شراب جوا وغیرہ رائج تھا۔ تو کیا بعد والی فرضیت یا حرمت سے قطع نظر کرکے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں یہ عبادات فرض نہیں اور شراب و جوا حلال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آخری دور حلت و حرمت ہی کو دیکھا جائے گا جب اللہ پاک نے بار بار یہ ارشاد فرمادیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (مومنون، معارج)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی ازواج کے یا اپنے ہاتھ کے مال (لونڈیوں) کے کہ اس صورت میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔

اور حضرت ابنِ عباسؓ جیسے حبرِ امت و ترجمان قرآن نے اس کی تفسیر میں یہ فرما دیا۔
"متعہ شروع اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا وہاں جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اقامت کی مقدار شادی کرتا وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے کام درست کرتی حتی کہ جب آیت اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں ہر فرج اس کے سوا حرام ہے۔ (ترمذی ص ۲۴۳)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زنِ متعہ نہ بیوی ہے ورنہ اس سے عقد کے لیے گواہ۔ اعلان، میراث نفقہ۔ تعداد۔ طلاق۔ عدت وغیرہ ہوتی۔ نہ باندی ہے ورنہ بیع، ہبہ، آزادی وغیرہ اس میں نافذ ہوتی۔ تو اس آیت نے صراحۃً متعہ کو حرام کر دیا۔

اور بروایت سیدنا علی المرتضیٰ رضؓ حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا۔

۱۔ قال نهى عن متعة النساء يوم خيبر وعن اكل لحوم الحمر الاهلية (مشکوٰۃ ص ۲۷۲)	فتح خیبر کے دن حضورؐ نے عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے روک دیا۔
۲۔ ان عليا قال لابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة وعن لحوم الحمر الاهلية زمن خيبر (بخاری ج ۲ ص ۶۰۶)	حضرت علیؓ نے ابنِ عباسؓ سے فرمایا بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے خیبر کے دنوں میں ممانعت فرما دی۔
۳۔ عن علی علیه السلام قال حرم رسول الله لحوم الحمر الاهلية ونكاح المتعة (استبصار ج ۳ ص ۱۴۲)	حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھے اور عقدِ متعہ کی حرمت کر دی ہے۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ اولاً متعہ میں رخصت کے قائل تھے۔ آپ کو آپ کے غلام نے کہا یہ تو انتہائی مجبوری کی حالت اور عورتوں کی قلت وغیرہ کی وجہ سے تھا۔ فقال ابن عباس نعم (بخاری ج ۲ ص ۷۶۷)۔ (یعنی رجوع تسلیم کر لیا)
مزید کئی روایات بھی متعہ کی حرمت اور ابنِ عباسؓ کے رجوع پر صریح دال ہیں۔

قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ رض سے اس کی تحریم کے بعد کیا اب بھی اس کو جائز کہا جائے گا پھر تو گدھے بھی حلال ہوں گے؟ چہ خوب۔

علاوہ ازیں۔ یہ کسی صورت میں قابل تسلیم نہیں کہ بلا شہود و اعلان یہ خفیہ متعہ شیعہ۔ اور متعہ دوریہ عہدِ نبوی میں واقع ہوا تھا کیونکہ یہ انتہائی بے غیرتی اس وقت نہ تھی وہ صرف نکاح متعہ تھا۔ یعنی گواہوں کی موجودگی میں مدت مقررہ کے لیے باقاعدہ نکاح ہوتا تھا جسے متعہ یا نکاح مؤقت کہا جاتا تھا۔

"امام جعفرؒ سے پوچھا گیا۔ کیا عہدِ نبوی میں لوگ بغیر گواہوں کے عقدِ متعہ کرتے تھے؟ قال لا۔ فرمایا نہیں۔ شیعہ علامہ طوسی اس پر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں گواہ کے بغیر متعہ کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بلا گواہ نکاح متعہ نہ کرتے تھے۔ انهم ماتزوجوا الابينة وذالك هو الافضل انہوں نے کبھی نکاحِ متعہ نہ کیا بسوائے گواہوں کے اور یہی افضل ہے۔ (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۶ استبصار ج ۳ ص ۱۴۸)"

کتب اہلِ سنت کے مطابق تو اس نکاح مؤقت میں نفقہ اور سُکنیٰ بھی لازم تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ کچھ لوگ آیتِ نکاح "والمحصنات" کے جملہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ" سے اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّی کی قید قرأت شاذہ یا منسوخہ نکال کر حلت متعہ ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اثباتِ احکام کے لیے قرأت شاذہ و منسوخہ سے استدلال ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مفید مطلب بھی نہیں ہے کیونکہ جار مجرور استمتاع (جماع) سے متعلق ہے۔ عقد کے متعلق نہیں اور عقدِ متعہ میں تو تعین مدت شرط ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب منکوحہ سے نفع اٹھا لو یعنی جماع کر لو۔ تو مکمل مہر ادا کرو۔ بایں طور ٹال مٹول نہ کرو کہ پوری عمر کے بعد مہر ادا کریں گے۔ اگر الیٰ اجل عقد سے متعلق ہو تو لازم آئے گا کہ متعہ عمر بھر کے لیے جائز نہ ہو حالانکہ شیعہ عمر بھر کے لیے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ لفظِ استمتاع متاع بمعنی نفع سے نکلا ہے۔ عقدِ متعہ کے لیے صریح نہیں جیسے دوسری آیات میں ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ كَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ۔ (پ ۱۰، ۱۵۶) — پس انہوں نے اپنے حصے سے نفع اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے ویسے ہی نفع اٹھایا۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اور جن کو طلاق دی گئی ہے ان کو بھی نیکی کے ساتھ نفع پہنچانا ہے۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ البتہ ان کو نیکی کے طور پر کچھ نفع پہنچا دو دیہ نفع پہنچانا صاحبِ مقدور پر اس کی حیثیت کے موافق لازم ہے۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ تم کہہ دو کر (چند روزہ) نفع اٹھا لو کر تمہاری بازگشت تو یقیناً جہنم ہی کی طرف ہے۔ (تراجم مقبول)

الغرض اس تفصیل سے جب یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ حرمتِ متعہ پر قرآن کریم کتب فریقین سے سنتِ نبوی اور اعلانِ مرتضوی متفق ہیں۔ تو بعض کتب تاریخ میں حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کا معنی صرف یہ ہے کہ آپ نے اس کی حرمت کو نمایاں اور شائع کیا اور کسی کے لیے اخفا نہ رہا۔ تجارت باز لوگوں کے لیے سخت قانون بنا دیا۔ تعزیراً خلیفہ کو ایسا حق حاصل ہے۔

طلاق ثلاثہ معاً بائن ہیں

۱۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۱ پر یہ باب باندھا ہے۔ باب من اجاز طلاق الثلاث لقول اللہ تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو بند رکھنا ہے یا اچھی طرح چھوڑنا ہے۔

امام بخاریؒ کے اس استدلال کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ پس اگر تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے بعد حلال نہیں تا آنکہ کسی اور مرد سے نکاح اور جماع کرے۔ تینوں طلاقوں کے وقوع اور حرمتِ مغلظہ پر دلالت کرتی ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ ظاہر مفہوم اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی بھی دی جائیں تو وہ عورت اس خاوند کے لیے حرام ہے اکٹھی سے مراد یہ ہے یعنی ایک مجلس میں دے دے۔ انتِ طالق انتِ طالق پھر کہا انتِ طالق جو فان طلقها من بعد کا مفہوم ہے۔

۲۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۳ اور بخاری ج ۲ ص ۷۹۱ اسی باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔

ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلقت فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتہا کما ذاق الاول

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا پھر طلاق پائی۔ تو حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوئی فرمایا نہیں یہاں تک کہ اس کا مزہ ثانی خاوند چکھے جیسے پہلا چکھ چکا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ طلقہا ثلاثا کا جملہ اس کو چاہتا ہے کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں اور یہی مطلب علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۳۶ میں بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۱ اور سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۴ اور مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶ اور نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۲ پر بسند صحیح حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالتِ حیض ایک طلاق دے دی ہے آپؐ نے فرمایا طلاق ہو گئی لیکن رجوع کرے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ تبلائیں لو انی طلقتہا ثلاثا کان یحل لی ان اراجعہا قال لا کانت تبین منک وتکون معصیۃ اگر میں اس کو تین طلاقیں دوں تو کیا مجھے حلال ہے کہ رجوع کر لوں؟ فرمایا نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جائے گی اور تو گنہگار ہی ہوگا۔

۴۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۱۔ ابوداؤد ص ۳۰۰۔ طیالسی ص ۱۶۴ ابن ماجہ ص ۱۴۹۔ دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۹ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۹ پر حضرت رکانہ کی روایت ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق بائن دے کر حضورؐ سے پوچھا تو آپ نے دو مرتبہ قسم دے کر پوچھا کیا تو نے ایک ہی کا ارادہ کیا؟ قلتُ واللہ۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداؤد وحاکم ابن حبان وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (تلخیص الحبیر ص ۳۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقوں کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قسم نہ دیتے۔ (از افادات استاذیم معقدہ مدظلہ)

اس مسئلہ میں بہت معمولی اختلاف ہے۔ آئمہ اربعہ اور جمہور محدثین امام بخاریؒ سے لے کر حافظ ابن حجر صاحب بلوغ المرام تک اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں تین ہیں۔ حضرت عمرؓ۔ ابن عباسؓ۔ عائشہؓ۔ روایت عن علیؓ فقہاء و تمام جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ (سبل السلام

للیمانی ج ۳ ص ۲۱۵)

ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور دورِ حاضر کے اہلِ ظاہر غیر مقلدین تین کو ایک شمار کرتے ہیں۔ شاید شیعی مفاد بھی اسی میں ہے۔ ان کی اہم دلیل مسلم ج ۱ ص ۴۷۷ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۶ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر تھی۔ کیا بہتر ہو کہ ان کی تین طلاقوں کو تین شمار کریں تو آپ نے تین جاری کر دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو راوی کو نسخ کا علم نہیں جیسے علامہ حازمی کتاب الاعتبار ص ۱۸۰ پر امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں دے کر رجوع کا حق پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔

۲۔ امام نسائی ج ۲ ص ۸۳ پر اس حدیث کو باب طلاق الثلاث المتفرقۃ قبل الدخول بالزوجۃ میں پیش کر کے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ غیر مدخول بہا سے متعلق ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کوئی شخص ایک مجلس میں یوں کہے۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق تو ایک طلاق ہو گی۔ باقی دو کا وہ عورت محل ہی نہیں۔

۳۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی آثار المطبوعہ میں مصنف عبد الرزاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پہلے لوگ بجائے تین طلاقوں کے ایک ہی دیتے تھے۔ عدت گزر جاتی تو عورت جہاں چاہتی نکاح کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دو سال حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کر دیں تب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لوگ جلد بازی پر اتر آئے ہیں۔ پہلے لوگوں کو ایک طلاق کے بعد سوچنے سمجھنے اور رجوع کا موقع تھا۔ مگر اب لوگوں نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تین دے دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی تین نافذ کریں گے۔

اہلحدیث عالم مولانا محمد صدیق اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔ "تین طلاق کو جو ایک ساتھ دی جائیں۔ طلاق بائن قرار دینا خلیفہ ثانیؓ کا ایک تعزیری اقدام ہے اور امام کو حدود تعزیر میں زیادتی کا اختیار ہے کمی کا نہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جلا دیا تھا جو الوہیتِ علی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اسلام میں کسی جرم کی سزا جلانا نہیں ہے (کشف الاسرار ص ۱۲۵

یہ جواب شیعہ کے مقابلے میں ایک توجیہ یا قدرے مسکت ہے۔ ورنہ صحیح جوابات وہی پہلے ہیں۔

قیاس شرعی حجت ہے

قیاس کو اصول قائم کرنے کا حضرت عمرؓ پر مخصوص الزام بھی حضرت عمرؓ سے دشمنی کا آئینہ ہے۔ ورنہ چند اہل ظاہر کے سوا تمام صحابہؓ، تابعین اور آئمہ دین اس کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ اور اس کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

جیسے ارشادِ سبانی ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل ۶۲) اور تمہاری طرف ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دو اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

فَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء ۱۱)

اور اگر وہ اس کو اپنے رسولؐ اور والیان امر کے سامنے پیش کر دیتے تو ان میں سے جو بات کی تہ تک پہنچ جانے والے ہیں وہ اس کی حقیقت کو سمجھ لیتے۔ (ترجمہ مقبول)

قرآن پاک میں غور و فکر اور مخفی احکام تک رسائی پانا۔ صاحبانِ علم و خرد کا کسی امر میں سوچنا اور قرآن و سنت میں چھان بین کر کے اس کا حکم نکالنا ہی "قیاس" کہلاتا ہے۔

سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت احکام نہیں ہے۔ مظہر احکام ہے۔ چونکہ تاقیامت رہنے والی نسل انسانی کے لیے ہزاروں نئے مسائل کے احکام کی ضرورت ہوگی۔ قرآن و سنت میں ہر ہر جزی کا حکم مذکور نہیں ہو سکتا۔ نصوص متناہی ہیں اور حادثات و وقائع غیر متناہی۔ لہذا شرعی قیاس واجتہاد کی گنجائش تکمیلِ دین کی ایک ضرورت ہے۔ (کذا فی الملل والنحل ج ۲ ص ۲)

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویہ کے ہیں اور اصطلاح میں قیاس اس چیز کا نام ہے۔

انما القیاس ان تخرج العلة من الحکم المنصوص ویدار علیه الحکم (حجۃ اللہ ۱ ص ۱۲۴)

قیاس یہ ہے کہ تو کسی منصوص حکم سے علت نکالے اور پھر اس پر حکم دوہرایا جائے۔

یعنی قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکام میں غور کر کے ہر حکم کی وجہ دریافت

کی جائے اور جب ایسی وجہ غیر منصوص وشئے احکام میں پائی جائے تو ان کو احکام منصوصہ پر بذریعہ علت قیاس کرکے ان پر حلت یا حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے ۔ یہاں چار چیزیں ہوں گی ۔

مقیس علیہ ۔ حکم ۔ علت ۔ مقیس ۔ مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے یہ مقیس علیہ ہے ۔ اس کی علت نشہ آور اور مخرب عقل ہونا اور حکم حرام ہونا ہے ۔ اب بھنگ ، چرس وغیرہ کو بھی قیاس بر شراب حرام کہا جائے گا کیونکہ علتِ حرمت یعنی نشہ آور ہونا ان میں پایا جاتا ہے ۔

اصول قیاس سنتِ نبوی سے بھی ثابت ہے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن میں بھیجتے وقت آپؐ نے فرمایا ۔

كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال اقضى بكتاب الله قال فان لم تجد بكتاب الله قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فى سنة رسول الله قال اجتهد رائى ولا آلوا قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدرہٖ وقال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله (رواه الترمذى وابوداؤد والدارمى بحواله مشكوٰة ص ۳۲۴)

تو کیسے فیصلے کرے گا جب مقدمات پیش ہوں گے تو فرمایا اللہ کی کتاب سے کروں گا ۔ آپؐ نے پوچھا اگر تو اللہ کی کتاب میں وہ بات نہ پائے تو فرمایا اللہ کے رسول کی سنت سے کروں گا ۔ پوچھا اگر تو رسول اللہ کی سنت میں بھی وہ بات نہ پائے تو فرمایا اپنی رائے غور سے استعمال کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا ۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ نے اس کے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے رسولؐ کے قاصد کو بھی اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ کو پسند ہے ۔

قیاس کی حجیت اور جواز پر یہ صحیح حدیث بڑی اہم اور واضح ہے ۔

ممکن ہے کہ قیاس سے عند شیعہ کو اس بنا پہ ہو کہ ان کے آئمہؒ کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ وہ ان کے بقول مہبطِ وحی تھے ۔ اور وحی ان پہ آتی تھی ۔ ان پہ منزلہ صحائف میں تمام مسائل کی تفصیل موجود تھی ۔ لیکن اپنے پیروکاروں کے لیے انہوں نے عقل و قیاس کی بحث صراحۃً بیان فرمائی ہے ۔

شیعہ کی اصول کافی جیسی اہم اور معتبر کتاب کا آغاز ہی کتاب العقل والجہل سے ہوا ہے ۔

جبکہ ہماری کتب کا آغاز کتاب الایمان۔ بدء الوحی۔ کتاب الطہارت سے ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وحی الٰہی کا تبع کون ہے اور محض عقل کا غلام بے دام بلکہ اپنے قرآن و سنت کیخلاف مسائل کو ڈھکو سلوں سے ثابت کرنے والا کون ہے۔

ساتویں امام موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے شیعہ ہشام سے فرمایا۔

ان للہ علی الناس حجتین حجۃ ظاہرۃ وحجۃ باطنۃ فاما الظاہر فالرسل والائمۃ علیہم السلام واما الباطنۃ فالعقول	لوگوں پر اللہ کی دو حجتیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی۔ ظاہری تو انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام ہیں اور باطنی عقولِ سلیمہ ہیں۔

(اصول کافی ص۱۶)

اب تو عقل و قیاس کی حجیت میں کوئی شک نہ رہا۔ بلکہ وہ انبیاء و آئمہ کے بالمقابل حجتِ باطنہ ہے۔ اگر دنیوی امور میں عقل کی راہنمائی حجت ہے۔ تو نصوص کے تعاون سے غیر منصوص احکام میں عقل قیاس سے راہنمائی حاصل کرنا بدرجہ اولیٰ حجتِ باطنہ ہوگا۔

علماء امت بھی قیاس کو اصولِ شرعی مانتے ہیں اور اس سے مستنبط مسائل کو بدعت نہیں کہتے۔ خود شیعہ علماء کو قیاس سے ظاہری انکار کے باوجود مفر نہیں۔ کیونکہ زندہ سلسلہ امامت ماننے کے باوجود وہ اجتہاد کی ضرورت کے قائل ہیں اور اجتہاد بغیر قیاسِ شرعی کے ہو نہیں سکتا۔ جن مسائل میں ان کو قولِ امام نہیں ملتا وہ قیاس و اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ گویا جسے حرام کہتے ہیں، اسے ہی کھاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے ہاں مجتہد کے مرنے سے اس کے اجتہادات و فتاویٰ باطل ہو جاتے ہیں تو ایک مسئلہ میں وسیوں متضاد اقوال مل جاتے ہیں۔

سوال ۲۳۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی ایک نبی کی بھی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ نبی کی وفات پر امت نے اپنے پیغمبر کا خلیفہ اجماع سے بنایا اگر ہو تو نام ارشاد فرمائیں۔

الجواب۔ یہ وہی سوال ۹ والا لقمہ ہے جسے پھر قے کر دیا گیا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں سلسلہ نبوت جاری تھا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا تھا۔ سیاست کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں تھی۔ بالفرض اگر اجماع و شوریٰ سے وہاں

استخلاف نہ ہو تو اس کی وہاں ضرورت ہی نہ تھی۔ امت محمدیہ میں سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے وحی الٰہی بند ہو چکی تو خلیفہ کے تعین کی ایک صورت اجماع و شوریٰ سے ہو گی۔ جیسے اس امت کے متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ ع ۵)	اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے (طے) ہوتا ہے۔ (ترجمہ مقبول)

لہٰذا اس امت کا سابقہ امم پر قیاس مع الفارق ہے اور اصول قرآن سے کھلا انحراف ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ شیعہ بدستور اجراء نبوت (بنام امامت) کے قائل اور ختم نبوت کے منکر ہیں تبھی تو مسئلہ خلافت کو سابقہ انبیاء کی خلافت پر قیاس کرتے ہیں۔ سابقہ امم میں سے بھی شیعہ کے پاس صرف ایک مثال ہے کہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ وصی تھے جو حضرت موسیٰؑ کے نامزد کردہ تھے۔ امت کا انتخاب میں دخل نہ تھا وہ صرف ماننے پر مامور تھی تو حضورؐ کا وصی و جانشین بھی اسی صفت میں چاہیے تھا۔

حالانکہ یہی قصہ شیعہ عقیدہ امامت کا استیصال کر دیتا ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار یا عم زاد برادر نہ تھے۔ وہ امت کے صالح نوجوان تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور جانشینی کلیم اللہ سے سرفراز فرمایا اگر امامت کا شیعی تصور درست ہوتا۔ تو حضرت موسیٰؑ کے بھتیجے حضرت ہارونؑ کے دو صاحبزادے ہی آپ کے بعد وصی و جانشین بلافصل بنائے جاتے۔ یا حضرت موسیٰؑ کے داماد کالوب بن یوقنہ یا کلاب بن یاقنہ نامزد خلیفہ بلافصل ہوتے۔ (طبری ص۴۳۰)

مستند سب مؤرخین و مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ یوشع بن نونؑ پیغمبر تھے۔

فحولت النبوة الی یوشع بن نون (طبری ج ۱ ص۴۳۰) نبوت حضرت موسیٰؑ سے حضرت یوشعؑ کی طرف منتقل ہو گئی۔

ثم ان اللہ عز وجل لما انقضت الاربعون — پھر جب ۴۰ سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے

سنة بعث يوشع بن نون فاخبرهم بانه نبي وان الله قد امره ان يقاتل الجبابرة فبايعوه وصدقوه فهزم الجبابرة واقتحموا عليهم فقتلوهم الخ
(طبری ج۱ ص۲۳۶)

حضرت یوشع بن نونؑ کو مبعوث کیا۔ انہوں نے قوم موسیٰؑ کو بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے ان کو جبارین کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے تو سب امت نے آپ کی بیعت کی اور تصدیق کی تو حضرت یوشعؑ نے جبارین کو شکست دی انہوں نے کفار پر خوب حملہ کیا اور ان کو تہ تیغ کیا۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین پیغمبر تھے۔ حضور خاتم النبیینؐ کا جانشین پیغمبر با ۱۰۰٪ پیغمبرانہ اوصاف کا حامل نہیں ہو سکتا۔ رہے باقی اوصاف۔ یعنی امت کا ان کی بیعت کرنا۔ ان کے ماتحت ہو کر جہاد کرنا۔ کفار جبابرہ کو شکست دینا۔ ان کو قتل کر کے ان کے ممالک پر قابض ہونا وغیرہ اللہ کے فضل وکرم سے نبی آخر الزمان کے جانشینان حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ میں کماحقہ پائے گئے۔ سب قوم نے بالاتفاق ان کی بیعت کی اور تصدیق کی ــــ اسے ہی اجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ اس بیعت وتصدیق سے ان کی خلافت اظہر من الشمس ہو گئی تو مجازاً اجماع کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ ورنہ حقیقۃً خلیفہ بنانے والے صرف اللہ ہیں۔ جیسے آیت استخلاف در سورہ نور میں اپنی طرف نسبت کی ہے۔ لیستخلفنهم في الارض۔ جب وہ ایسے حالات ووسائل کا سلسلہ بنا دیتے ہیں جن سے خلافت ظاہر ہو جاتی ہے تو کبھی وسائل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ جیسے رازق بمعطی بدل ممیت محی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ مگر اسباب کی طرف مجازاً نسبت عرف میں جائز ومشہور ہے تبھی تو رزق عطیہ حیٰوۃ کا سبب بننے والوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور ذلت وموت کا سبب بننے والوں کی مذمت کی جاتی ہے ــــ سب امت محمدیہ نے ان خلفاء راشدینؓ کے ماتحت ہو کر جہاد کیا جابر کفار کو شکست دی۔ انہیں قتل کیا اور ان کے ممالک کو ختم کر کے دعوت محمدی کو خوب پھیلایا۔

الحاصل یہ قصہ اور شیعہ کی یہ دلیل۔ اہلسنت کی زبردست برہان اور مذہب شیعہ پر سیف براں ہے کہ ان کے خیال میں وصی پیغمبر آخر الزمانؐ ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔ امت نے ان کی بیعت وتصدیق نہ کی۔ ان کے ماتحت ہو کر کبھی کفار سے جہاد نہ کیا۔ نہ کافروں کا گز بھر رقبہ ہی فتح ہوا۔ بلکہ علی العکس بقول شیعہ ان کے ہاتھوں یہ مغلوب ہوئے۔ ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا (جلاء العیون ص۱۴۱)

ان کے حقوق تلف کیے گئے اور ان کی دعوت ہی تقیہ و خفا کی نذر ہو گئی اور جابر ان پر غالب ہوئے یہی وجہ ہے کہ تا ہنوز شیعہ کا ماتم و شیون ختم نہ ہوا۔ شیعہ بھائیوں کو اگر مزید اصرار ہے تو ہم تاریخ کے بطون سے یہ امر بھی واشگاف کر دیتے ہیں کہ امم سابقہ میں بھی غیر نبی اگر خلافت کے منصب سے سرفراز ہوتا تو باقاعدہ شوریٰ و اجماع سے ہوتا۔

علامہ ابن خلدون حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے بادشاہ طالوت تک بنی اسرائیل کے سیاسی نشیب و فراز کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وكان امرهم شورىٰ فيختارون للحكم في عامتهم من شاءوا ويعنون للحرب من يقوم بها من اسباطهم ولهم الخيار مع ذلك على من يلي شيئا من امرهم و تارة يكون نبيا يدبرهم بالوحي واقاموا على ذلك نحوا من ثلثمائة سنة لم يكن لهم ملك مستفحل والملوك تنازعهم من كل جهة الى ان طلبوا من نبيهم شمويل ان يبعث عليهم ملكا فكان طالوت ومن بعده داؤد فاستفحل ملكهم يومئذ وقهروا اعداءهم.

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۶۸)

ان کا سیاسی نظام شوریٰ و اجماع پر مبنی تھا وہ حکومت کے لیے عام لوگوں میں سے جسے چاہتے منتخب کرتے اور جنگ کے لیے اپنے اسباط و اولاد میں سے کمانڈر بناتے اور انہیں اپنے حاکموں پر معزولی کا اختیار بھی تھا کبھی ان کا حاکم پیغمبر ہوتا جو وحی کے ذریعے انتظامِ مملکت کرتا وہ اس طرز پر ۳۰۰ سال تک رہے۔ اس مدت میں ان کا مضبوط بادشاہ نہ ہو سکا۔ گرد و نواح کے بادشاہ ان پر جھپٹتے تھے تا آنکہ انہوں نے اپنے پیغمبر شمویل سے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت طالوت بنے۔ پھر حضرت داؤد بادشاہ ہوئے۔ اس وقت ان کی بادشاہی مضبوط ہو گئی اور یہ دشمنوں پر غالب ہو گئے۔

کیا یہ ۳۰۰ سال کا نظام مبنی بر شوریٰ سب باطل سمجھا جائے گا؟ حالانکہ کبھی پیغمبر وقت بھی اس منصب پر آتے رہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم بھی شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں۔

۱۔ کیا سابق کسی پیغمبر کی مثال مل سکتی ہے کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس کی سب محنت ضائع اور امت مرتد ہو گئی ہو۔

۲۔ کیا کسی امت نے اپنے پیغمبر کے جانشین کا بھی انکار کیا اور اس پر غصب و ظلم کا الزام لگایا۔

۳۔ کیا کسی سابق امت نے بھی اپنے پیغمبر کے سب اصحاب و تلامذہ کو بے دین اور برا بھلا کہا۔

۴۔ کیا کسی سابق پیغمبر کا جانشین بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور مظلوم و مقہور رہا اور اس کی دعوت و صداقت تقیہ کے پردوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

۵۔ کیا کسی پیغمبر کے رشتہ داروں اور امت میں بھی خلافت کے مسئلہ پر سر پھٹول ہوا یا تفرقہ بازی وجود میں آئی۔ اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے۔ تو کس قدر حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ امم سابقہ تو اپنے پیغمبر کی تعلیم کی لاج رکھیں۔ سابقین امت کو مرتد و منافق کہہ کر اسے ضائع نہ کریں جانشین پیغمبر کا انکار نہ کریں۔ اس پر غصب و ظلم کا الزام نہ لگائیں بلکہ ان کی بیعت و تصدیق کر کے ان کے ماتحت ہو کر جہاد کریں۔ ممالک فتح کریں۔ اپنے پیغمبر کی دعوت و تعلیم کو تقیہ کے خلاف میں چھپانے کے بجائے علی الاعلان تبلیغ کریں۔ اپنے پیغمبروں کو کامیاب و مطاع کہیں۔ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ مگر شیعہ اپنے پیغمبر کی تعلیم کو ناکام بتائیں۔ پیغمبر کے تمام اصحاب و تلامذہ کو منافق و مرتد کہیں۔ واقعی خلفاء پیغمبر کی بیعت و تصدیق کے بجائے افتراق و بغاوت کی طرح ڈالیں یا بقول خود سچے جانشین کو اپنے مقاصد میں ناکام اور دعوت کو مستور و مکتوم کہیں۔ انصاف سے آپ ہی بتلائیں کہ ان مسائل میں یہود و نصاریٰ کی فکر بہتر تھی یا شیعہ حضرات کی؟

ع ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

باب دہم

کلمہ طیبہ اور چند فروعی مسائل

سوال ۲۴۔ عام ملاں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ علی ولی اللہ قرآن سے ثابت کریں۔ ارشاد فرمائیں کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات سبحانک اللھم۔ درود دیکھی۔

دروو تاج - نماز میں ہاتھ باندھنا - اٹھا وضو - قوالی - قبروں پہ دھمال کھیلنا - طبلے کی سر تال پہ سر مارنا گیارھویں شریف عرس شریف بہشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ کس پارے اور رکوع سے ثابت ہے - علی ولی اللہ کو آیتِ ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پہ بیان فرمایا ہے۔
اور حدیثِ مصطفےٰ اس کی تصدیق کرتی ہے - عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتوب علی باب الجنة لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ اخو رسول اللہ قبل ان یخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالفی عام - مودة القربی - ریاض النضرة -
ینابیع المودة ص ۲۵ - تذکرة الخواص ص ۲۸ -

اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے -

الجواب - اسلام میں کلمہ طیبہ کی جو اہمیت ہے وہ کسی عقلمند سے مخفی نہیں ہے کلمہ شہادت ہی وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ایک کافر مسلمان ہوتا ہے - مستحق دوزخ مستحق بہشت بنتا ہے دشمنِ خدا علی خدا بن جاتا ہے - بے گانہ اپنا ہو جاتا ہے - مباح الدم محفوظ الدم ہو جاتا ہے - بلکہ پوری زندگی میں انقلاب آجاتا ہے - فکر کا رُخ اور احکام کی لائن ہی بدل جاتی ہے - کلمہ پڑھنے سے وہ کفار کی برادری سے نکل کر مسلمان برادری کا فرد بن جاتا ہے - سابقہ بیوی اس سے جدا ابر بنظر انکار از کلمہ ہو جائے گی اور عزت مآب مسلمان خاتون کا اس سے نکاح درست ہو جائے گا - اس کی نابالغ اولاد بھی مسلمان سمجھی جائے گی - اس کی جان مال - عزت وغیرہ ہر چیز کا محافظ کلمہ ہوگا مرنے پر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور تا قیامت اس پر مومنین اور ملائکہ رحمت کی دعائیں بھیجتے رہیں گے
چونکہ کلمہ انتہائی انقلابی پیغام ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحید اور مشن اصلی اسی کی تبلیغ تھی - باقی سارا دین اسی کے ضمن میں آجاتا تھا - کفار نے سب سے زیادہ ایذائیں انبیاء و مومنین صادقین کو اسی کلمہ کی بنا پر پہنچائیں اور تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا - اسی کلمہ کی بدولت مسلمانوں نے کفار سے جہاد کر کے انہیں تہ تیغ کیا - خود عہدِ نبوی کے ابتدائی مکی دور میں صرف کلمہ طیبہ ہی کی تبلیغ و تلقین جاری رہی - بجز اس کے کہ کلمہ کے ماننے اور انکار کرنے والوں کو "عقیدہ آخرت" سنا کر انجام سے باخبر کیا جاتا تھا - دس سال کے بعد لیلۃ معراج میں صرف نماز پنجگانہ کی فرضیت ہوئی - پھر جہاد - زکوٰۃ - روزہ - حج - قربانی وغیرہ اسلام کے شعار تو مدینہ طیبہ

بھی میں اتر سے۔

جیسے عقیدہ توحید میں کمی بیشی مسلم وکافر کی تفریق پیدا کرتی ہے۔ عقیدہ رسالت میں حک و اضافہ کفر واسلام کی جنگ برپا کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کلمہ طیبہ میں ترمیم واضافہ اور نقص وکمال سے جو دو فرقے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک مسلمان ہوگا ایک کافر ہوگا کیونکہ جب توحید و رسالت کی طرح کسی کا وحدت کلمہ پر ایمان واتفاق نہیں وہ مسلم برادری کا فرد کیسے بنے کلمہ طیبہ میں اختلاف کو ماننا یا ایسے جملہ کا اضافہ کرنا جو قرآن وسنت اور سبیل مومنین سے ہرگز ثابت نہ ہو۔ اپنے کفر کا کھلا اعتراف کرنا ہے یا پھر ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے۔ اس قدر اہم کفر واسلام کے مابہ الامتیاز۔ اور تعلیمات نبویہ کی روح۔ کلمہ طیبہ کو ان مذکورہ فی السوال باتوں سے مشابہت کیسے دی جاسکتی ہے۔ یا موازنہ درست ہے جو فی نفسہا سنت یا مستحب ہیں اور ان کے ترک یا اظہار پر کفر واسلام کے احکام متفرع نہیں ہوتے۔

ع۔ فرقِ مراتب گر نکنی زندیقی۔

کفر واسلام میں فارق کلمہ طیبہ ہو اور قرآن اس کا ذکر نہ کرے۔ یا سنت نبوی اسے نہ بتائے یا اس میں اختلاف کی گنجائش ہو؟ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ مدارِ کفر واسلام کلمہ طیبہ وہی ہے جس کا قرآن پاک نے بار بار اعلان کیا۔ پیغمبر خاتم النبیینؐ نے عمر بھر اس کی تبلیغ کی اور ہزاروں کفار کو براہِ راست پڑھا کر حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ اور سب مسلمان تاہنوز اس پر اسی طرح متفق اور ایمان رکھتے ہیں جیسے توحید رسالت۔ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب آیئے اور معلوم کیجیے کہ خدا و رسولؐ اور تمام مسلمانوں کا مصدقہ کلمہ کون سا ہے جس سے فرقہ شیعہ کو اختلاف ہے اور اسے ناقص مانتے ہیں۔

کلمہ اہلسنت ہی قرآن نے سکھایا

متفقہ کلمہ اسلامؐ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی قرآن نے سکھلایا ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔ توحید کا اقرار جسے لا الٰہ الا اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور رسالت محمدیہ کا اقرار جسے محمد رسول اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

متعدد الفاظ وتعبیرات میں قرآن پاک نے سینکڑوں آیات میں اس کلمہ کو بیان فرمایا ہے مثلاً توحید کے سلسلہ کی آیات کا نمونہ مع ترجمہ مقبول یہ ہے۔

۱- وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (بقرہ ۲/۱۹)

اور تمہارا معبود معبودِ یکتا ہے۔ سوائے اس رحمان رحیم کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔

۲- اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نساء ۲۳)

اللہ تو وہی یکتا معبود ہے۔

۳- لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (نحل ۶/۷)

دو خدا نہ بناؤ، سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ معبودِ یکتا ہے۔

۴- وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (آل عمران ۶)

اور سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔

۵- تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران ۶/۷)

ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے کہ ہم سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ اسکا کسی کو شریک بنائیں۔

۶- قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص ۶/۴)

تم کہہ دو میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور سوائے خدا یکتا و زبردست کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔

۷- لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر ۱/۶)

سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جاتے ہو۔

۸- اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ (یونس ۹/۶)

جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

۹- لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اعراف ۶/۳)

سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

۱۰- هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (حشر ۶/۳ تین مرتبہ)

وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔

۱۱- لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ (انبیاء ۶)

سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے۔

۱۲- اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (طٰہٰ ۱/۶)

یقیناً خدا میں ہی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

۱۳۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (صافات ۳۵)
جب ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑا ہی کرتے تھے۔

۱۴۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ (آیۃ الکرسی)
اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم ہے۔

۱۵۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (پ۲۶/۶)
اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رسالت محمدیہ پر نمونہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (بقرہ ۲۵۲)
اور بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔

۲۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (یٰس ۱)
حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ یقیناً تم ان رسولوں میں سے ہو۔

۳۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف ۲۰۲)
اے آدمیو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لانے والا ہوں۔

۴۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (منافقون)
اور اللہ بھی یہ جانتا ہے کہ تم بے شک اس کے رسول ہو۔

۵۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ (آل عمران ۹۶)
پھر ایک رسول تمہارے پاس والی چیزوں کی تصدیق کرتا آئے گا۔ تم ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

کہا جاتا ہے کہ اسم محمدؐ کی صراحت کے ساتھ کیا تذکرہ دکھانا چاہیئے، تو وضاحت یہ ہے کہ پارہ ۲۶ میں "محمدؐ" نام کی مستقل سورت موجود ہے، اس کی دوسری آیت میں رسالت محمدؐ کو یوں ذکر فرمایا ہے

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ
(اور وہ نیک لوگ) ایمان لائے جو کچھ کہ محمد (مصطفیٰؐ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار

کی طرف سے حق ہے۔

اور دوسرے رکوع میں توحید کا اعلان یوں کیا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — پس یہ سمجھ لو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔

اور اس سے متصل سورت فتح میں کلمہ رسالت یوں سکھلایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ — محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی حقیقتاً ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اپنے اپنے موضوع میں یکجا ذکر اظہر من الشمس ہے۔

بلکہ کئی آیات میں یکجا ذکر فرمایا ہے مثلاً۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ — اور ہم نے تم سے پہلے ایک رسول بھی ایسا نہ بھیجا کہ اس کی طرف ہم یہ وحی نہ کرتے رہے ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اعراف) — تم کہہ دو کہ اے آدمیو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لانے ہوں۔ وہی خدا جس کا اختیار آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں۔

الغرض سینکڑوں آیات صرف کلمہ توحید و کلمہ رسالت کی ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایک آیت بھی قرآن پاک میں ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی امامت کا ذکر ہو۔ یا لفظِ علی کو مبتدا بنا کر۔ ولی اللہ اس کی خبر بنائی گئی ہو۔ یا وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کے خود ساختہ الفاظ کا اشارہ بھی ملتا ہو جو شیعہ کا مخصوص کلمہ ہے اور اسی کے اقرار پر ایمان و کفر کی ان کے دارالافتاء سے سند ملتی ہے۔

اگر شیعہ عقیدۂ امامت اصولِ دین میں سے ہوتا تو توحید و رسالت کے برابر سینکڑوں

آیات کریمہ میں اس کا ذکر ملتا ۔ امنوا باللہ ورسولہ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے اسماءِ گرامی بھی ملتے۔ جیسے ایک ہی آیت میں علی ولی اللہ کی صراحت ہی مل جاتی۔ اگر امامت اصولِ دین سے ہوتی تو ہر پیغمبر اس کے ساتھ مبعوث ہوتا۔ ان کے کلموں کے ساتھ امام کا کلمہ بھی ہوتا۔ مگر تاریخ کا ایک ایک ورق اس کے خلاف کہتا ہے۔ مثلاً پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلمے صرف اسی قدر تھے۔

لا الہ الا اللہ آدم صفی اللہ۔ لا الہ الا اللہ نوح نجی اللہ۔ لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ۔ لا الہ الا اللہ اسماعیل ذبیح اللہ۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ۔ لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔

گویا لا الہ الا اللہ سب انبیاء کا متفقہ کلمہ تھا جز وِ ثانی میں رسالت کے بجائے دوسرے اوصاف کا ذکر فرمایا۔ اور آخری پیغمبر کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرما کر قصرِ رسالت کی تکمیل اور متوازی عقیدہ امامت کی بیخ کنی کر دی۔ اگر امامت اصولِ دین میں سے ہوتی یا جزو کلمہ بننے کی صلاحیت رکھتی تو کبھی اس کے اخفاء اور تقیہ و کتمان کا حکم نہ ملتا۔ حضرت جبریل کے سوا سب فرشتے حضورؐ کے سوا سب انبیاء کرام حضرت علیؓ کے سوا سب اہلِ بیت اس رازِ سربستہ سے بیخبر نہ رکھے جاتے۔ اور ظاہر کرنے والوں کو اصحابِ غدر و مکر بے وقوف بلکہ بے دین ذلیل اور نورِ آخرت سے محروم نہ کہا جاتا۔ جیسے کہ اصول کافی باب الکتمان ص۴۲۱ سے ان سب امور کی صراحت سابقاً ذکر ہو چکی ہے۔ بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرح بچہ بچہ کی زبان سے اس کا اعلان کرایا جاتا۔

شیعی شبہات کا ازالہ

شیعہ معترض کا یہ جملہ کہ علی ولی اللہ کو آیتِ ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے صریح جھوٹ ہے۔ آیتِ ولایت مع شیعی ترجمہ یہ ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (مائدہ ۸۶)	سوائے اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھے گا وہ گروہ خدا میں داخل ہیں اور گروہ خدا

ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اگرچہ مولوی مقبول المترجم نے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہم راکعون کا ترجمہ اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں کیا حالانکہ رکوع و زکوٰۃ دو مختلف حکم ہیں۔ ایک میں انہماک دوسرے کی طرف توجہ سے مانع ہے۔ نماز و رکوع میں توجہ صرف الی اللہ چاہیئے۔ سائل کے سوال کی طرف توجہ خشوع کے منافی اور ادائیگی عمل کثیر کی بنا پر مفسد نماز ہے۔ یہاں وہم راکعون کا جملہ مندرجہ ذیل آیات کی طرح ہے۔

۱. يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ (حج)	اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔
۲. يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ	اے مریم اپنے رب کے آگے جھک جا، سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔
۳. وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ.	اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

دوم یہ کہ والذین امنوا کا ترجمہ ہی ہضم کر گئے جس سے حضرت علیؓ کی مراد لیتے ہیں تاہم الفاظ قرآنی اور ترجمہ میں شیعہ کا کلمہ علی ولی اللہ الخ کا اشارہ بھی نہیں ہے۔

شیعہ بڑی چالاکی سے اس آیت کا شانِ نزول حضرت علیؓ کے حق میں مانتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی زکوٰۃ میں دینے کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ بوجوہ باطل ہے۔

اولاً یہ قصہ ضعیف قسم کی تفسیروں میں ثعلبی کی روایت سے بتایا جاتا ہے۔ ثعلبی اور اس کا شاگرد واحدی اور اسی طرح فقیہ ابوالمغازلی حاطب لیل اور کمزور ہیں۔ ان کی مؤلفات موضوعات واکاذیب کا پلندہ ہیں۔ (المنتقی ص ۲۱۲) ان کے علاوہ کسی سندِ صحیح سے حضرت علیؓ کے حق میں شانِ نزول مذکور نہیں بلکہ سیاق و سباق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں شاہد ہے۔ یا عام مومنین مراد ہیں جن میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں۔ جیسے عبدالملک نے امام باقرؒ سے اس کی تفسیر میں پوچھا تو فرمایا اس سے سب مومن مراد ہیں۔ اس نے کہا بعض لوگ حضرت علیؓ مراد لیتے ہیں یہ سن کر امام باقرؒ نے فرمایا۔ اہلِ ایمان میں علیؓ بھی شامل ہیں۔ ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ بلی

بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے ناقل ہیں کہ سب مومن و مسلم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں (المنتقی ص۶۱۲)
ثانیاً والذین امنوا وغیرہ جمع کے صیغوں سے حضرت علیؓ کو مراد لینا بداہۃً غلط ہے ورنہ حضرات حسنینؓ، فاطمہؓ اور ابوذرؓ وغیرہ مومنین کاملین اس سے خارج ہوں گے اور ان سے دوستی شرعاً واجب نہ ہوگی کیونکہ انما کا کلمہ حصر تخصیص چاہتا ہے۔
ثالثاً عہد نبوی میں باتفاق مؤرخین حضرت علی المرتضیٰؓ صاحب نصاب نہ تھے نہ آپ پر زکوٰۃ فرض تھی۔ پھر وہ علی الخصوص یؤتون الزکوٰۃ کا مصداق کیسے بنے؟
رابعاً۔ اگر صرف حضرت علیؓ مراد ہوں اور ولایت و محبت صرف ان سے واجب ہو تو فانّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ بلاشبہ اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے کی پیشینگوئی باطل ہو گی کیونکہ تاہنوز ولایت علیؓ کے مدعی شیعہ حضرات غالب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے اعتراف کے مطابق قرونِ ماضیہ میں ان پر وہ عذابات (خداوندی) ٹوٹے جن کا اثر آج تک محو نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ والذین امنوا سے مراد تمام صحابہ کرامؓ ہیں جن کی کامیابی غلبہ اور نجات کی اس آیت میں پیشینگوئی دی ہے اور انہیں حزب اللہ فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔ سنو اللہ کا لشکر ہی (دنیا و آخرت میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

جو بالاتفاق عہدِ مرتضوی تک تمام دنیا پر غالب و حکمران بنے اور ان کے پیروکار آج تک غالب ہیں اور شیعہ کا دعویٰ ہے کہ شہادت عثمانؓ تک سب امت نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ حضرت علیؓ کا معاون تھا۔ دوسرا مخالف۔ تیسرا غیر جانبدار تھا۔ شیعہ کا یہ بھی اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا معاون گروہ (شیعہ) مغلوب و مقہور رہا۔ اور مخالف و غیر جانبدار گروہ غالب رہے۔ اگر آیت ہٰذا سے شیعہ کا استدلال اور تفسیر درست ہوتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ الغرض اس آیت کریمہ کو کلمہ طیبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی سینہ زوری سے کشید کرے تو یوں بنے گا۔ لا ولی لکم الا اللہ و رسولہ و المومنون۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ شیعہ کا کلمہ ہے نہ اس سے کلمہ کی غرض و غایت شہادتین کا اعتراف حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیت اولی الامر سے بھی کلمہ ثابت نہیں ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ الخ (نساء ۸)	اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی۔ اور اپنے میں سے صاحبانِ اختیار کی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے خدا و رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر پہلے گزر چکی ہے آخر اس میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل کا کون سا جملہ ہے یا کون سا لفظ اس پر دال ہے۔ کیا یہ صراحۃً افتراء علی اللہ نہیں ہے جو صرف کفار کا شیوہ تھا جیسے ارشاد ہے۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر بھی جھوٹ بولے۔ اگر اپنی موضوع روایات کے پیش نظر اولی الامر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شامل مانا جائے تو قطع نظر اس سے کہ وہ روایات اور ایسا استدلال ہرگز اہل سنت کے لائق توجہ نہیں۔ یہاں سے کلمہ یہ بنے گا۔ لاطاعۃ الا اللہ ولرسولہ ولاولی الامر منکم۔ ظاہر ہے کہ اسے کلمہ طیبہ اور اس کے مفہوم سے ذرہ تعلق نہیں نیز اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔ ان سے اختلاف ممکن ہے۔ تنازع کی صورت میں ان سے اعراض کر کے خدا و رسول کی طرف لوٹنا اور فریقین کی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا واجب ہے حالانکہ صاحب کلمہ وہ ہستی ہوتی ہے جس کی بات مطلقاً حجت ہو اور اس سے اعراض و انکار کی ذرہ گنجائش نہ ہو۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا خاصہ ہے لہٰذا انہی کے نام پر یہ کلمہ چلے گا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

کلمہ طیبہ پر کتب شیعہ سے ۵۱ شہادتیں

کلمہ اہلسنت ہی رسول اللہؐ نے سکھلایا | قرآن کے بعد اب سنت نبویؐ کو دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین پر مشتمل یہی کلمہ سب دنیا کو پڑھایا سکھایا تھا۔

۱۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسلام لاتے وقت حضورؐ و حضرت علیؓ نے یہ پڑھایا۔

تشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ فقلت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔
(روضہ کافی ص ۲۹۸)

تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔ اللہ نے پھر وحی کی کہ اے محمد لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں۔ (حیات القلوب ج ۱ ص ۳)

۳۔ جب اللہ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اجازت دی تو حضور نے یوں اعلان کروایا۔

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ و رسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ و حج البیت وصیام شہر رمضان۔
(اصول کافی ج ۲ ص ۲۱)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ ۱۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ دینا۔ ۴۔ حج بیت اللہ کرنا۔ ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا

یہاں نہ شیعی امامت کا ذکر ہے نہ خمس وغیرہ شیعہ کے مخصوص احکام کا جس سے معلوم ہوا کہ اصلی اسلام وہی ہے جو اہلسنت کا ہے۔ اور حدیث جبریل کے عنوان سے اسی طرح ارکانِ اسلام کا ذکر بخاری و مسلم وغیرہ کتب اہلسنت میں متواتر ہے۔

۴۔ جب آپ خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر غار حرا سے گھر پہنچے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔

بگو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے اور قریش کو بھی شہادتین کی دعوت دی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۳)

۵۔ اسعد نامی مدینہ کے ایک شخص سے حضور نے فرمایا۔

شمارا میخوانم لبسوئے شہادت بوحدانیت خدا و بپیغمبری من (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۵)

میں تم کو خدا کے ایک ہونے کی گواہی اور پیغمبری کی گواہی کی دعوت دیتا ہوں۔

۶۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے حضرت ابوسفیانؓ والد معاویہؓ کو شہادتین کی تلقین کی تو وہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

فقال اشهد ان لا اله الا اللہ و اشهد ان محمدا رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۴)

تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۷۔ ایک سفر میں ایک لاغر اعرابی کو آپؐ نے اسی کلمہ کی تلقین کی۔
بگو اشهد ان لا اله الا اللہ و اشهد ان محمدا رسول اللہ (حیات القلوب ص ۵۶۵)

۸۔ ایک یہودی لڑکے نے حضورؐ سے گفتگو کی اور پھر شہادتین کا کلمہ پڑھنے لگا (ایضاً)

۹۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من کن فیہ کان فی نور اللہ عز وجل من کان عصمۃ امرہ شہادۃ ان لا اله الا اللہ وانی رسول اللہ۔
(من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس میں چار باتیں ہوں گی وہ اللہ عز وجل کے نور میں ہوگا۔ جس کے عقیدہ کی ڈھال خدا کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی ہو۔

۱۰۔ سید الشہداء حمزہؓ کو حضورؐ نے اسی کلمہ کی ترغیب دی تو وہ بول اٹھے۔
اشهد ان لا اله الا اللہ وان محمد الرسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵۷)
سنت نبوی کی دس شہادتوں کے بعد صحابہ اہل بیتؓ کی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ اہل بیتؓ نے بھی یہی سنی کلمہ پڑھا پڑھایا

وفات کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ کلمہ پڑھا۔

۱۱۔ اشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریک له واشهد ان محمدا عبدہ ورسوله (حیات القلوب ص ۶۵۵)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۱۲ حضرت علیؓ نے خندق کے موقعہ پر عمرو بن ود کو اسی کلمہ کی دعوت دی تھی (کشف الغمہ ص ۱۶۲)
نیز اپنے اور اہل شام کے درمیان اسی کلمہ کی وحدت کا ذکر فرمایا تھا۔

والظاهر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدهم

حالانکہ ظاہر ہے ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا نبی ایک ہے، ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے

فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ و لا یستزیدوننا الامر واحد (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۲۵)

ہم ان سے خدا و رسولؐ پہ ایمان لانے میں زیادتی کا مطالبہ نہیں کرتے نہ وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں (بجز دم عثمانؓ کے اختلاف کے) ہر بات میں ہم متفق ہیں۔

آپ نے یہاں امامت کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوا یہ خود ساختہ عقیدہ ہے۔

۱۳ جب ابو سفیانؓ شفاعت کرانے کے لیے اہل بیتؑ کے ہاں پہنچا تو حضرت حسنؓ ہم اماہ کے بچے نے کہا۔

بگو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تا من شفاعت کنم نزد جد خود (حیات القلوب ص ۲۴۵)

تو یہ کلمہ پڑھ لے تاکہ میں تیری اپنے نانا کے ہاں سفارش کروں۔

۱۴- ایک شخص نے حضرت حسنؓ سے پوچھا اسلام کیا ہے تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت فرمود بگو اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ (ایضاً ص ۲۴۸)

تو حضرت حسنؓ نے فرمایا تو کہہ دے کہ میں اللہ کی توحید اور حضرت محمدؐ کی عبدیت و رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

حضرت باقرؒ و جعفرؒ نے بھی یہی کلمہ سکھلایا

۱۵- لان اصل الایمان انما ہو شہادتان فجعل شہادتین کما جعلہ فی سائر الحقوق شاہدان فاذا اقر العبد للہ عز وجل بالواحدانیۃ واقر لرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ فقد اقر بجملۃ الایمان (من لا یحضرہ الفقیہ ص ۳۰ ج ۱ بحوالہ منہاج التبلیغ)

کیونکہ ایمان کی جڑ خدا اور رسولؐ کے وجود کی شہادت ہے جیسے سب حقوق میں دو گواہ معتبر ہیں اسی طرح ایمان میں یہ دو گواہیاں معتبر ہیں جب بندہ خدا کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ تمام ایمان کا اقرار کر لیتا ہے۔

۱۶- قال الصادق علیہ السلام لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۴۲)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے مردوں کو یہ کلمہ یاد دلایا کرو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۱۷۔ عن ابی عبد اللہ قال کان ذٰلک الکنز لوحا من ذھب فیہ مکتوب بسم اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (تفسیر قمی ج ۲)	امام جعفر فرماتے ہیں ان (یتیموں) کے خزانے میں ایک سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ کے ساتھ یہ کلمہ لکھا تھا۔

ائمہ ولادت و وفات کے وقت اہلسنت کا کلمہ پڑھتے تھے

۱۸۔ حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور یہ کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ (تحفۃ الابرار ص ۲۸)

۱۹۔ حضرت علیؓ نے وفات کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ (کاروان اسلام ص ۱۹۹ از رئیس احمد جعفری)

۲۰۔ بروایت جلاء العیون ص ۵۱۵ حضرت صادقؒ نے ولادت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے (چودہ ستارے ص ۲۵۲)

۲۱۔ امام موسیٰ کاظمؒ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا جیسے حضورؐ نے پڑھا تھا (جلاء العیون ص ۲۷۰)

۲۲۔ امام نقی نے بھی یہی کلمہ تیسرے دن آنکھیں کھول کر پڑھا (جلاء العیون ص ۳۰۷)

۲۳۔ امام العصر حضرت مہدی نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔

حضرت صاحب العصر ہمچوں دیگر آئمہ شہادتین فرمود (جلاء العیون ص ۵۹۶)	حضرت امام مہدی نے دیگر آئمہ کی طرح خدا و رسولؐ کی گواہی والا کلمہ پڑھا۔

۲۴۔ حضرت مہدی کی ماں پہلے مشرکہ تھی۔ پھر اہلسنت کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی چنانچہ جلاء العیون کی روایت ہے کہ وہ حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو خواب میں ملیں اور شکایت کی کہ امام حسن عسکری مجھ پر ظلم کرتا ہے اور مجھے دیکھنا نہیں چاہتا پس حضرت فاطمہؓ نے فرمایا وہ تجھے کیسے دیکھے حالانکہ بخدا شرک بیاوری و بر مذہب ترسائی پس بگو اشھد ان لا الہ الا اللہ وان ابی رسول اللہ۔ حالانکہ تو خدا کے ساتھ شرک کرتی ہے۔ اور عیسائی مذہب پر ہے۔ تو گواہی دے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میرے باپ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یہی خاتون حضرت حسن عسکری کی بیوی اور صاحب الامر امام زمان کی ماں ہیں (جلاء العیون ص ۵۸۲)

یہاں تک ۲۲ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ مکلفین کا یہ مقدس ترین گروہ جو عند الشیعہ حجۃ اللہ ہیں، سب اہل سنت کا مذہب رکھتے تھے۔ یہی کلمہ شہادتین پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اسی پر جیتے اور مرتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا مشن تھا اگر یہ کلمہ ناقص یا ادھورا ہوتا تو وہ کبھی یہ کلمہ نہ پڑھتے پڑھاتے۔ بلکہ شیعہ کا مکمل کلمہ پڑھتے پڑھاتے۔ کلمہ اہلسنت پر اعتراض اور اس سے اعتراض دراصل خدا اور رسولؐ سے انکار اور مذہب اہلبیتؓ سے دشمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی نصیب کرے۔

سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے

اب کائنات کی دیگر اشیاء کی شہادات بھی ملاحظہ ہوں۔

۲۵۔ ایک فرشتہ غیب نے آواز دی کہ اے گرجوں اور صوامع والو، یہود و نصاریٰ۔

ایمان آورید بخدا و رسولؐ او محمدؐ کہ نزدیک شد بیرون آمدن او (حیات القلوب ص۵۸)

ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر جب کے دنیا میں آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

۲۶۔ حضورؐ کی بشارت دینے والے دس ہزار فرشتوں کی قندیلوں پہ لکھا ہوا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ص۵۸)

۲۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام چار جھنڈے زمین پہ لائے۔ سبز علم زمین پہ گاڑا اس پر سفیدی سے دو سطروں میں لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص۵۹ بحوالہ منہاج التبلیغ)

۲۸۔ زمانہ طفولیت میں پہاڑوں اور جنگلوں نے آپ پہ یوں سلام کیا۔

السلام علیک یا صاحب القول العدل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(حیات القلوب ج ۲ ص۷۲)

۲۹۔ تخلیق آدم کے وقت حضرت اسرافیلؑ نے ایک مہر نکالی جس کی دو سطروں میں یہی کلمہ لکھا تھا اور وہ مہر حضور (حضرت آدمؑ) کے کندھوں پر نقش فرمادی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص۱۲۴)

۳۰۔ بعثت محمدی سے قبل تمام پرندوں، فرشتوں اور درختوں نے کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص۱۰۰)

۳۱۔ حضورؐ کی چاندی کی انگوٹھی پر یہی کلمہ لکھا تھا اور ایک دوسری پر صدق اللہ لکھا تھا۔
(ایضاً ص۱۰۹)

۳۲۔ عرش الٰہی پر یہی کلمہ لکھا ہوا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا (حیات القلوب ص۱۴۱)

۳۳۔ شب معراج میں اسی کلمہ شہادتین کی آپ نے ملاء اعلیٰ میں گواہی دی (حیات القلوب ص۲۹۱)

۳۴۔ مہر نبوت پر یہی کلمہ تھا جو آپ کے کندھوں کے مابین تھی۔ ایک سطر میں لا الٰہ الا اللہ دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ (حیات القلوب)

۳۵۔ بہشت سے کچھ لالٹینیں لائی گئیں۔ اور ہر قندیل پر نوشتہ تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (ایضاً ج۲ ص۵۹)

۳۶۔ گرگوں نے آپ کو گزرتے دیکھا تو یہی کلمہ شہادتین پڑھا۔ (حیات القلوب ص۲۱۵)

۳۷۔ تقدیر کی قلم نے بھی بحکم وحی یہی کلمہ رقم فرمایا۔

وحی بسوئے قلم وحی نمود کہ بنویس توحید مرا پس قلم ہزار سال مدہوش گردید از شنیدن کلام الٰہی و چوں بہوش باز آمد و گفت پروردگارا چہ چیز بنویسم فرمود کہ بنویس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج۲ ص۲)

اللہ نے قلم کو وحی کی کہ میری توحید لکھ پس قلم یہ کلام الٰہی سننے سے ہزار سال بیہوش رہا جب ہوش میں آیا تو پوچھا اے پروردگار کیا چیز لکھوں۔ اللہ نے فرمایا لکھ۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

۳۸۔ براق کی پیشانی پر یہی کلمہ لکھا تھا۔

مکتوب بین عینیہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد رسول اللہ۔
(احتجاج طبرسی ص۲۸)

۳۹۔ جب آپ کسی سنگریزے کو ہاتھ لگاتے تو وہ گواہی دیتا۔
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (تاریخ الآئمہ ص۱۴ بحوالہ منہاج التبلیغ ص۲۶۰)

۴۰۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں بخدا میں نے جنگلوں میں ہرن دیکھے۔
کہ تسبیح و ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مے گفتند۔ (حیات القلوب ج۲ ص۲۲۶)

اذان واقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ

رسالت محمدیہ کا ذکر ہر اس چیز میں ہے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ حیات القلوب میں کیا خوب لکھا ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے تیرا ذکر تیرے لیے بلند کر دیا بس کوئی آدمی اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی آواز بلند نہیں کرتا مگر وہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی بھی آذان میں، اقامت میں، نماز میں، عیدوں میں جمعہ میں، اور قنات حج میں اور خطبہ نکاح میں ضرور آواز بلند کرتا ہے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۳۵)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورفعنا لک ذکرک کے تحت آذان، اقامت خطبہ، کلمہ تشہد وغیرہ میں صرف توحید و رسالت کی شہادت ہوگی۔ امامت وغیرہ کا ذکر خالص بدعت اور حرام ہوگا چنانچہ تیسری چوتھی صدی میں جب غالی دین دشمنوں نے آذان میں شہادت رسالت کے بعد اشہد ان علیا امیر المؤمنین الخ سے اضافہ کیا تو معتبر شیعہ علماء نے ان پر لعنت و پھٹکار برسائی چنانچہ شیعہ کی معتبر اور اصح کتاب من لا یحضرہ الفقیہ باب الآذان میں اہلسنت کی طرح آذان ذکر کرکے یہ لکھا ہے والمفوضة لعنهم الله زاد وافي الاذان اشهد ان عليًا امير المومنين و خليفته بلا فصل الخ کہ مفوضہ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے یہ الفاظ اذان میں بڑھا دیے اور فروع کافی باب بدء الاذان والاقامة میں ہے کہ جو شخص مؤذن کو اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله کہتے سنے اور پھر یہی کلمہ دہرائے اور ان پر ہی اکتفاء کرے (یعنی تیری شہادت امامت کا ذکر نہ کرے)، تو اس کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس باب میں شیعہ کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ضمناً نفی کی گئی ہے۔

شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے

۴۲۔ جمیل بن دراج نے ایمان کے متعلق حضرت صادقؒ سے پوچھا

فقال شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله قال اليس هذا عمل قال بلى قلت فالعمل من الايمان قال لا يثبت له الايمان الا بالعمل والعمل

تو آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی۔ راوی نے پوچھا کیا یہ عمل نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا عمل بھی ایمان سے ہے تو فرمایا ایمان ثابت نہیں ہوتا بغیر عمل

الآمنه (کافی ج ۱ ص۵۰) کے اور عمل ثابت نہیں ہوتا بغیر ایمان کے۔

۴۳۔ ایک دن حضرت جبریلؑ بصورت اعرابی خدمتِ رسولؐ میں آئے۔ حضرت سلمان کو نہ پہچانا۔ انہوں نے پوچھا۔ اے محمدؐ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا اللہ۔ یوم الآخرت۔ ملائکہ۔ کتب۔ انبیاء۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ کہا سچ کہتے ہو۔ اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ و محمد عبدہ و رسولہ زبان پر جاری کرنا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ جبریلؑ نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ (تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار از ابنِ بابویہ قمی ص۵۸)

اس حدیثِ جبریلؑ میں جو باتیں مذکور ہیں وہی اہلِ سنت کا مذہب ہیں۔ شیعہ کی مخصوص باتیں اس میں ہرگز نہیں۔ معلوم ہوا مذہب اہلِ سنت اور ان کا کلمہ خدا کی تعلیم پر قائم ہے۔

۴۴۔ حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت آئے جب وہ آگ میں پھینکنے کے لیے منجنیق میں رکھے ہوئے تھے تو کہا کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے فرمایا خاص تم سے کوئی حاجت نہیں پروردگارِ عالم سے ضرور حاجت ہے اس وقت جبریل امینؑ نے ایک انگشتری ان کے حوالے کی جس میں یہ لکھا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الجأت ظہری الی اللہ وفوضت امری الی اللہ۔ (میں نے اپنی پشت اللہ کی پناہ میں دی اور معاملہ اسی کے سپرد کر دیا) پس خدا نے آگ کو حکم دیا۔ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (حاشیہ ترجمہ مقبول ص۴۹۲)

معلوم ہوا۔ اسی کلمہ اہلِ سنت کی برکت سے اللہ نے مہربانی فرمائی غیر اللہ سے مدد مانگنا اور یا علی مدد کے نعرے لگانا ملتِ ابراہیمی میں شرک ہوا۔

۴۵۔ تفسیر عیاشی اور الخصال میں جناب رسولِ خدا سے یہ حدیث مروی ہے کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں گی اس کو خدا کے سب سے بڑے نور میں جگہ ملے گی اس کے ایمان کی سپر یہ کلمہ ہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ترجمہ مقبول ص۵۴)

۴۶۔ حضرت علیؓ قیامت میں بھی کلمہ پڑھیں گے۔ یقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (کشف الغمہ ص۱۱۹)

۴۷۔ قیامت کے دن حضورؐ کے ہاتھ میں جو لواء الحمد ہوگا اس کی تین سطروں میں بسم اللہ۔ الحمد

للہ رب العٰلمین اور لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ (کشف الغمہ ص۲۳۴)

شیعہ علما کا اعتراف حقیقت

۴۸۔ قاضی نور اللہ شوستری ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول آنکہ اسلام مبنی است بر اصل شہادتین شہادت واحدانیت وشہادت رسالت.... ودیا اینکہ ہر یکے از کلمات لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ دوازدہ حرف است (مجالس المومنین ص۲۱۲)

پہلا یہ کہ اسلام مبنی ہے دو گواہیوں کی جڑ پہ۔ توحید کی گواہی اور رسالت کی گواہی۔... اور یا یہ کہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ حروف ہیں۔

۴۹۔ خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے اپنے رسالہ عقاید کے آغاز میں لکھا ہے۔

اعلم ایہا الاخ الصالح العزیز ان افل مایجب اعتقادہ علی المکلف ھو ما ترجمۃ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

اے نیک بھائی جان لے کہ کم از کم جس چیز کا اعتقاد رکھنا مکلف پر فرض ہے وہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا معنیٰ ہے۔

(مجالس المومنین ج ۲ ص۳۰۵)

۵۰۔ مشہور شیعہ لیڈر حسن بن صباح نے کہا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دین و مذہب نیا نکالا ہے۔ نعوذ باللہ اس سے کہ میں نیا مذہب نکالوں۔ اور جو دین میں رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ رض کا یہی دین و مذہب تھا اور تاقیامت سچا مذہب یہی ہے اور رہیگا۔

واکنوں دین من دین مسلمانی است اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ (مجالس المومنین ج ۲ ص۳۱۲)

اور اب میرا دین مسلمانوں والا دین ہے۔ میں خدا کی توحید اور حضرت محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

گو اسے مبنی بر تقیہ ہی مانا جائے دین مسلمانی کی بنیاد صرف شہادتین کو تسلیم کیا۔

۵۱۔ شیعہ کے موجودہ شریعتمدار محمد کاظم ایرانی لکھتے ہیں۔

واگر کافر شہادتین بگوید یعنی بگوید اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ مسلمان میشود (توضیح المسائل)

اگر کافر کلمہ شہادتین پڑھے یعنی کہ دے کہ میں اللہ کی توحید کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں تو مسلمان

ہو جاتا ہے۔

"قصہ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم" کے تحت کلمہ طیبہ کا کتب معتبرہ شیعہ سے ہم نے اثبات کیا ہے۔ شیعہ کے آئمہ ہوں یا علماء و مجتہدین سب کلمہ اہلسنت ہی کے قائل ہیں۔ اس میں اختلاف صرف متاخرین دورِ حاضر کے ذاکروں، نیم ملاؤں اور مفاد پرست لیڈروں کو ہی ہو جاتا ہے۔ ان تمام دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ آج کے شیعہ ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر لیں اور خدا اور رسول ﷺ کی خلاف ورزی کر کے نئی راہ کفر و ضلالت نہ نکالیں۔ اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب عام مسلمان اور حکومت مجبور ہو کر کلمہ طیبہ کی حفاظت اور دفاع میں ان سے وہی سلوک کرے جو ختم نبوت کے دفاع میں قادیانیوں سے کیا گیا۔ کیونکہ جیسے مشرک خدا کے انکار سے نہیں بلکہ ایک اور الٰہ و حاجت روا کے اضافے سے خارج از اسلام ہے۔ قادیانی حضرت محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ ایک نئے پیغمبر کے اضافے سے خارج از اسلام اور کافر ہے۔ اسی طرح امامی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ اس پر ایک نئے کلمے کے اضافے سے خارج از اسلام قرار پائے گا۔

شیعی شبہات کا ازالہ شیعہ کا غیر معتبر اور رطب و یابس لٹریچر سامنے رکھنے سے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ عقیدہ امامت کا رسالت کے ساتھ تذکرہ نہیں ملتا۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ امامت و ولایت کو جزوِ کلمہ بنانے کی تعلیم آئمہ نے نہیں دی اور نہ ہی اسلام کی صحت و صداقت کو اقرارِ امامت سے مشروط قرار دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقیدہ امامت ایمان کا جزو ہے اسے ماننے بغیر کوئی شخص عند الشیعہ کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ جیسے اصول کافی "باب ان الاسلام یحقن بہ الدم" میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر سے اسلام و ایمان میں فرق کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اسلام وہ ظاہر مذہب ہے جس پر سب لوگ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی اور حضرت محمد ﷺ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا بس یہی اسلام ہے اور ایمان اس کے ساتھ امر امامت کی معرفت کا نام ہے اور اگر اسلام کا اقرار کرے اور امامت کو نہ پہچانے وہ مسلمان گمراہ ہوگا۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

ہم اہلسنت پر بہمہ وجوہ یہ روایت حجت نہیں۔ شیعہ پر بایں معنیٰ حجت ہے کہ وہ صرف معرفت امام

گے کلمہ میں جو فعل قلبی ہے۔ اسے اسلام کے برابر اقرار نہیں لانا یا کلمہ کا جزو بنا! مرگز روا نہیں ہے لہٰذا ان ارشاد امام کی رو سے ہر ایسی روایت مردود ہوگی جس سے امامت کا رسالت کے ساتھ اقرار میں تلازم مترشح ہوتا ہو خواہ مناقب کی ہو یا عقاید کی۔

۲۔ جب قرآن و سنت صرف شہادتین کے اقرار پر ہی متفق ہیں تو ایسی روایت مردود ہوگی جو اس کے خلاف تیسری شہادت کا ضمیمہ لگائے۔ کیونکہ امام صادق کا فرمان ہے۔

۱۔ لاتقبلوا علینا خلاف القرآن فانا ان تحدثنا حدثنا بموافقۃ القرآن و السنۃ (کتاب الحدائق)

قرآن کے برخلاف حدیثیں ہمارے ذمے نہ لگاؤ کیونکہ اگر ہم حدیث بیان کریں تو قرآن و سنت کے موافق بیان کرتے ہیں۔

۲۔ کل شیء مردود الی الکتاب و کل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

ہر چیز کتاب اور سنت نبویؐ کی طرف لوٹائی جائیگی اور جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔

۳۔ مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف (اصول کافی ص۶۹)

جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ ملمع سازی ہے

اس سے ہر قسم کی رطب و یابس روایات کا جواب ہو چکا جن سے دھوکہ کھا کر شیعہ کلمہ بدل دیتے ہیں۔ اب مشہور کی حدیث مصطفےٰ بروایت از حضرت جابرؓ کی حقیقت ملاحظہ ہو اس پر ایک حوالہ ریاض النضرۃ کا ہے جو اہلسنت کے محب طبری کی تالیف ہے۔ مناقب عشرہ مبشرہ میں عمدہ کتاب ہے۔ مگر عام کتب مناقب کی طرح ضعیف روایات سے خالی نہیں ہے۔ کلمہ طیبہ کے لیے نصوص قرآنیہ اور احادیث معتبرہ متواترہ درکار ہوتی ہیں۔ کتب مناقب سے استدلال تو استہزاء کے مترادف ہوتا ہے۔ ہم بھی اس کتاب سے چاروں خلفاء کے نام سے کلمے دکھا سکتے ہیں۔ مثلاً ریاض النضرہ ج ا صلام پر ہے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق عثمان الشہید علی الرضا۔ عرش الٰہی پر یہ کلمہ لکھا ہے۔ چونکہ عرش الٰہی جنت سے افضل ہے۔ تو یہ کلمہ بہ نسبت جنتی کلمہ کے بہت افضل اور واجب الایمان ہوگا۔ شیعہ جب اسے نہ مانیں تو ان کا کلمہ ہم کیسے مان لیں۔

علاوہ ازیں ریاض النضرہ ص۔ کا یہ حوالہ صریح خیانت ہے کیونکہ وہاں انور رسول اللہ کے لفظ ہیں۔

علی ولی اللہ کے نہیں حضرت علیؓ کے چچازاد برادر نبوی ہونے کا کوئی بھی منکر نہیں۔

رہی ینابیع المودۃ، تذکرۃ الخواص اور مودۃ القربیٰ کے حوالے تو یہ کتابیں نہایت مجروح اور غیر معتبر ہیں نایاب ہونے کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہ سکے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ریاض النضرہ کی طرح ان کا حوالہ بھی غلط اور محض مرعوب کرنے کے لیے مشتہر نے تو نہیں دیا۔

سبط ابن جوزی کی کتابیں واہی ہیں

واضح رہے کہ تذکرۃ الخواص جسے اعلام الخواص بھی کہتے ہیں اور ینابیع المودۃ، مودۃ القربیٰ، سیرت حلبیہ وغیرہ — جن سے شیعہ اہل سنت کے خلاف استدلال کرتے ہیں اور ایسا مواد ان کو انہی کتب میں ملتا ہے۔ یہ سبط ابن جوزی کی تالیفات ہیں۔ جو مشہور علامہ ابو الفرج ابن جوزیؒ کا نواسہ تھا مگر برائے نام سنی تھا باطن شیعہ تھا اور اپنی تالیفات سے شیعہ ہی کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نام یوسف بن قزعلی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ ہے۔ میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۴۷۱ میں ہے۔ یوسف بن قزعلی المتوفی سنہ ۶۵۴ھ واعظ مورخ تھے۔ کتاب مرأۃ الزمان لکھی۔ اس میں منکر کہانیاں لکھتا ہے۔ میں اسے نقل کردہ مواد میں ثقہ نہیں جانتا بلکہ جانبداری اور مثلبات سے کام چلاتا ہے۔ پھر وہ رافضی ہو گیا اس پر ایک کتاب لکھی۔ شیخ محی الدین سوسی نے کہا میرے دادا کو جب سبط ابن جوزی کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا اللہ اس پر رحم نہ کرے وہ رافضی تھا۔

اس کی کتاب تذکرہ خواص الامۃ ص ۳۶ طبع نجف اشرف باہتمام شیعہ میں اس نے یہ عقیدہ لکھا ہے۔

قلت فی شرط الامام ان یکون معصوما لئلا یقع فی الخطاء	میں کہتا ہوں امام کا معصوم ہونا شرط ہے تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑے۔

اسی طرح لسان المیزان ج ۶ ص ۳۲۸ اور جواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ ص ۲۳۱ پر اس پہ جرح موجود ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۴۳ پر اس طرح جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ شخص اپنی تالیفات میں قسم قسم کی محتاجی اور قحط سالی کا ذکر کرتا ہے اپنی اغراض کے لیے گمزدہ بلکہ موضوع احادیث سے استدلال کرتا ہے۔ لوگوں کے حسب منشاء و مرضی کتابیں لکھتا تھا تاکہ ان کی مرضی درست ہو اور وہ اس کو اس کا دنیوی فائدہ دیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پہ بھی کتابیں لکھتا تھا تاکہ بادشاہوں سے اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ اس کی عادت صرف وعظ گوئی تھی اس سے پوچھا گیا

تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا کون سے شہر میں؟ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض کتابوں میں خلفاء راشدین وغیرہم کبار صحابہ کی بدگوئی پائی جاتی ہے اور بطور تقیہ ان کے مذہب میں تلبیس کرتا ہے اور بعض میں خلفاء راشدین کی تعلیم بھی پائی جاتی ہے۔

یہ ہے شیعہ حوالہ جات کی حقیقت جن کی وجہ سے قرآن وحدیث کے متفقہ کلمہ طیبہ کو بدلا گیا اور اہل سنت کو الزام دیا گیا۔

التحیات وثنا بھی ثابت ہے

شیعہ کا یہ کہنا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات۔ سبحانک اللھم۔ درود ابراہیمی۔ تاج۔ نماز میں ہاتھ باندھنا۔ الٹا وضو کرنا۔ مسح پانے اور رکوع سے ثابت ہے ایک لغو بات ہے کیونکہ یہ امور کلمہ طیبہ کی طرح اہم اور مدار کفر و اسلام نہیں ہیں کہ لفظاً قرآن ہی میں مذکور ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "رسول کی اطاعت کرو۔ جو وہ تمہیں دیں لے لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔ تو جو حکم ارشاد نبوی سے ہوگا وہ بھی قرآن سمجھا جائے گا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کا ثبوت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تراویح پر بھی مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ کتب شیعہ سے مزید سنت نبوی ملاحظہ ہو۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل شھر رمضان زاد فی الصلوٰۃ فانا ازید فازیدوا (استبصار ج ۱ ص ۴۶۲)

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اضافہ فرماتے ہیں بھی زیادہ پڑھتا ہوں تم بھی زیادہ پڑھا کرو۔

۲۔ امام جعفر صادقؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں ہر رات کو نفل اس سے زیادہ پڑھتے جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اول رات سے بیسویں رات تک ۲۰۔۲۰ رکعات روزانہ پڑھتے تھے۔ (استبصار ص ۴۶۲)

۳۔ عن ابی جعفر صلی فی اول شھر رمضان فی عشرین لیلۃ عشرین رکعۃ (استبصار ص ۴۶۲)

امام باقرؒ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یکم رمضان سے بیسویں تک ۲۰۔۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

۲۰ رکعت کی اس نماز کو نفل سے تعبیر کرنا صرف لفظی اختلاف ہے۔

اب تشہد والتحیات کے متعلق بھی سنیے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے تشہد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات الخ دوسرے تیسرے دن بھی پہلے دن والا جواب دیا کہ التحیات للہ والصلوات الخ۔ زرارہ کہتا ہے کہ جب میں نکلنے لگا تو امام کی داڑھی پہ ہاتھ مارا اور کہا کہ یہ امام کبھی کامیاب نہ ہوگا (رجال کشی صہ ۱۰۶ ازافادات تونسوی)

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کو روز اول اس تشہد نبوی سے جو خدا کی ثنا صلوٰۃ وسلام بر پیغمبر واصحاب وشہادتین پر مشتمل ہے۔ عناد ہے۔ نواسۂ رسولؐ سے اس کے خلاف کہلوانا چاہتے ہیں۔ وہ جب سنت نبوی چھوڑ کر ان کی بات نہیں مانتے تو یہ شیعہ ناراض ہو کر امام کی داڑھی نوچتے گستاخی کرتے اور بد دعا دے کر مجلس سے نکلتے ہیں۔ واقعی ان محبان اہل بیت کی دشمنی اور ایذا رسانی کا جواب نہیں

میرے سامنے "دینیات کی دوسری کتاب" برائے جماعت سوم ایک رسالہ ہے جسے سررشتہ تعلیم نے ۱۹۵۳ء سے تمام پنجاب کے لیے منظور فرمایا تھا۔ اس میں شیعہ کی نماز میں قعدے اور سلام کا طریقہ کے عنوان سے تشہد کا یوں ذکر ہے۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں جو اکیلا اور لاشریک ہے اور گواہی دیتا ہوں
واشہد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ	
کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔	
پھر درود کے بعد یہ بھی ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ	سلام ہو آپ پہ اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ سلام ہو ہم پہ اور اللہ کے
السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین[۴۳]	تمام نیک بندوں پہ۔

ترتیب کے اختلاف کے ساتھ یہی اہلسنت کا تشہد والتحیات ہے۔ ایک جملہ میں بھی کمی بیشی نہیں اور تشہد کا ہر کلمہ بطور مفہوم قرآن ہی سے ثابت ہے۔ التحیات کی ثنا۔ سورۃ فاتحہ سے ثابت ہے۔ شہادتین پہ دلائل کا انبار مذکور ہو چکا ہے۔ حضورؐ پہ درود وسلام صلوا علیہ وسلموا تسلیما سے ثابت ہے۔ عباد اللہ الصالحین صحابہ کرام پہ درود وسلام کے متعلق یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو ھو الذی۔

يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اے نبی کے صحابہؓ ... !) وہ خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں تاکہ تم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور اللہ مومنوں پر خوب مہربان ہے۔

کیا تشہد سے اس قدر شیعہ کو ضد ہے کہ اب بھی اسے ثابت عن القرآن نہ مانیں گے۔

نماز کے اول میں ثناء کے متعلق ثبوت یہ ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك پڑھتے تھے (عینی حاشیہ بخاری ص۱۰۳ ج۱ نیز مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۷ مستدرک حاکم ج۱ ص۲۳۵ زاد المعاد ج۱ ص۵۲ پر بھی یہ ثنا ثابت ہے۔

اب بالترتیب ان جملوں کا ثبوت قرآن پاک سے ملاحظہ ہو۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (احزاب)	صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل)	ہر چیز سبحانک اللهم وبحمدک پڑھتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (الرحمن)	تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے۔
اِنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا (الجن)	بلاشبہ ہمارے رب کی شان بلند ہے۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (انبیاء)	تیرے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔

رہے درود لکھی اور درود تاج۔ تو واضح رہے کہ یہ تو وہ از پیغمبرؐ و صحابہؓ نہیں ہیں بلکہ بعد کے بزرگوں نے عشق نبوی سے سرشار ہو کر عربی میں جو آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور رحمت کی دعا کی ہے، ان کا نام درود پڑ گیا۔ محققین اہلسنت کے نزدیک درود تاج کے بعض الفاظ موہم شرک ہیں ان سے احتراز بہتر ہے۔ ان کی اسناد اور فضائل بھی کچھ معتبر نہیں ہیں۔ تاہم عشق نبوی سے ان کو پڑھا جائے اور کوئی لفظ خلاف شرع نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حضورؐ کی مدح و توصیف میں نعت پڑھی جائے۔ جو ہر زبان میں جائز ہوتی ہے۔ اگر حضرت علیؓ و حسینؓ کی مدح میں قصائد جائز ہیں تو آپؐ کی مدح میں آپؐ کے لیے دعاء ترحم کے اضافہ کے ساتھ ایسے کلمات بدرجہ اولیٰ جائز

ہیں۔ اگر شیعہ میں محبت نبوی کا جذبہ ہوتا تو ایسا احتراض نہ کرتے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے

سورۂ کوثر میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر کریں۔

نحر کے معنی جس طرح قربانی کرنے کے لغت میں آئے ہیں اور مفسرین اس سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح لغت میں "دست راست را بر چپ گذاردن" (قاموس) بھی آیا ہے۔ نماز کے ساتھ ذکر اس پر قرینہ ہے۔

نیز وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ۔ اللہ کے آگے عاجز ہو کر کھڑے ہو۔ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ سے قنوت اور خشوع پیدا کرنے کا حکم واضح ہے۔

قنوت و خشوع ظاہر و باطن میں لازمی ہے۔ ظاہری خشوع نماز میں آداب سے ہاتھ باندھنے سے ہوگا۔ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کرتا۔ عرفِ عام میں ادب اور عاجزی کو دست بستہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً محاورہ ہے "میرے والدین کی خدمت میں دست بستہ سلام و آداب عرض کریں۔" علاوہ ازیں قنوت سکون کے ساتھ لازم ہے۔ وضع یدین کی حالت عین سکون یا اس سے قریب تر ہے اور ارسال یدین سکون سے بعید ہے۔ فطری بات ہے کہ بندش سے سکون ہوگا اور ارسال و کھلے رکھنے سے حرکت ہوگی۔ بالفعل حرکت نہ بھی کی جائے مگر یہ کیفیت قریب الحرکت ہے جو منافی سکون ہے۔ فتدبر۔

شیعہ مذہب میں عورتوں کو تو ہاتھ باندھنے کا حکم ہے حالانکہ مردوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ساکن و خاشع ہوتی ہیں۔ تو مردوں کو بدرجۂ اولیٰ ہاتھ باندھنے چاہئیں تاکہ اس کیفیت سے وہ سکون کا کامل درجہ حاصل کریں۔ جو عادۃً ان کی متحرک اور فعال زندگی کی ضد ہو اور وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ کا آئینہ دار ہو۔

تحفۃ العوام ص۳۰ میں ہے کہ "اگر زن باشد دست بر سینہ گذارد۔" اگر عورت نماز پڑھے تو ہاتھ سینے پر رکھے۔ فروع کافی ج ا ص۱۹۸ پر بھی عورتوں کو سینہ پہ ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ ص۱۰۳ باب آداب المرأۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔

فاذا قامت المرأۃ فی صلوٰتہا	جب عورت نماز پڑھنے لگے تو پاؤں اکٹھے رکھے
جمعت بین قدمیہا ولم تفرج بینہا	کشادہ نہ کرے۔ اور ہاتھ سینے پر پستانوں
ووضعت یدہا علی صدرہا مکان	کی جگہ رکھے۔
ثدییہا۔	

اگر عورت کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا ادب ہے تو مرد کے لیے ناف پر باندھنا کیوں ادب نہیں۔ (الفرق بینہما)

اہل سنت والجماعت کی وضع یدین پر اپنی دلیل یہ ہے۔

۱۔ عن قبیصۃ بن وہب عن ابیہ	قبیصہ بن وہب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں امامت کراتے
یؤمنا فیأخذ شمالہ بیمینہ رواہ الترمذی	تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے۔
وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص۷۶	

۲۔ مؤطا امام مالک ص۵۵ پر باب وضع الیدین علی الاخریٰ فی الصلوٰۃ موجود ہے جس کی ایک روایت یہ ہے۔

من السنۃ وضع الیدین احدٰہما	نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا سنت
علی الاخری فی الصلوٰۃ وتعجیل الفطر	ہے۔ افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں
والاستیناء بالسحور۔	تاخیر بھی سنت ہے۔

ان روایات کے راوی خود امام مالک ہیں معلوم ہوا کہ آپ کا عمل بھی یہی تھا۔ آپ کی طرف جو متاخرین فقہاء مالکیہ نے ارسال یدین کی نسبت کی ہے۔ وہ مرجوع ہے۔

ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے

افسوس کہ شیعہ حضرات اہلسنت سے بغض کی وجہ سے قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو بھی "الثاؤ مئو" سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود قرآنی مخالفت کرتے ہیں۔
سے برعکس زنگی نام ہند کافور۔ آیت وضو مندرجہ ذیل ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (پ ۶)

اے مومنو! جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

اس ترتیب قرآنی میں منہ دھونا۔ بازو دھونا۔ سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا ہے۔ اہلسنت اسی مذہب پر ہیں۔ اور یہ ترتیب سنت بھی ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے۔ مگر شیعہ نے تو مخالفت قرآن کی حد کر دی کہ پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور پھر اس پر مسح بھی کرتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ دھونے میں کیا نقص رہ گیا تھا کہ پھر مسح سے اس کی تکمیل کی۔

بازو بھی الٹے دھوتے ہیں کہ کہنیوں سے شروع کرتے اور انگلیوں سے پانی بہاتے ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن کا منشا یہ ہوتا تو ایدیکم من المرافق کہا جاتا۔ کہ کہنیوں سے ہاتھوں تک دھوؤ مگر قرآن پاک نے ایدیکم الی المرافق کہا کہ ہاتھوں سے شروع کر کے کہنیوں تک دھوؤ۔

اعتقاداً شیعہ پاؤں دھونے کے قائل ہی نہیں، مسح واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ قرأت ستہ میں تو ارجلکم بفتح لام پڑھا جاتا ہے کیونکہ فاغسلوا پر معطوف ہے اور ایک قرأت میں کسرہ جر جوار کے طور پر ہے۔ عقلاً بھی پاؤں کا دھونا واجب ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ یہی عضو گرد و غبار سے بلکہ گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے جس کا ازالہ دھوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ برخلاف سر کے کہ بالاتفاق اس پر مسح فامسحوا کے تحت فرض ہے۔ کیونکہ سب سے کم تر وہ گرد و غبار سے متاثر ہوتا ہے۔ بالوں کی وجہ سے عادتاً پانچ دفعہ دھونا اور خشک کرنا دشوار تھا۔ شریعت نے آسانی کی بنا پر دھونے کے قائم مقام مسح رکھ دیا۔ ان ربك حكيم عليم۔

سنی بدعات کی وجہ

رہیں نام نہاد سنیوں کی بدعات۔ قوالی۔ قبروں پر حال کھیلنا طبلے کی سر تال پر سر مارنا۔ گیارھویں شریف۔ عرس شریف بہشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ۔ تو ان کا حکم علماء اہلسنت کے نزدیک وہی ہے جو شیعہ کی بدعات۔ عزاداری۔ ماتم سینہ کوبی۔ زنجیر زنی۔ دوہڑے خوانی۔ سوز خوانی۔ ضریح۔ تعزیہ۔ تکیہ پرستی۔ ماتمی جلوس ماتمی مجالس سیاہ پوشی وغیرہ کا ہے۔

کوئی سنی مستند عالم خواہ بریلوی ہو یا دیوبندی و اہلحدیث۔ ان بدعات کو سنت یا کارِ ثواب نہیں جتلا سکتا۔ یہ صرف عوام یا نیم ملاں خطرۂ ایمان کے افعال ہیں جو مذہبِ اہلسنت سے ہرگز نہیں دراصل یہ اس بات کا ردِ عمل ہے کہ سنیوں کا یہ جہلا طبقہ شیعہ کے ماتمی جلوسوں اور رسومات میں شرکت کرتا ہے تو بدعت کے اثرات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ جو عوام اہلسنت اہلِ تشیع کے ماحول اور پروپیگنڈے سے دور رہتے ہیں وہ بہت کم ان بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو ان بدعات سے پاکدامن ہیں وہ شیعہ کی رسوم و بدعات سے بھی دامن کشاں رہتے ہیں۔ میرے سادہ سنی بھائی اگر اس نکتہ پر غور کر لیں۔ اپنے مذہب و اعمال پر پختہ ہو جائیں شیعہ کو غیر سمجھ کر ان کی کسی محفل و رسم میں شرکت نہ کریں تو وہ نہ صرف شیعہ کا تر لقمہ بننے سے بچ جائیں گے۔ بلکہ رفض و تشیع کا زور ٹوٹ جائے گا اور ان کا وہ علادی گھمنڈ خاکستر ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ نصاب تعلیم الگ کر کے تمام احکام و شعائرِ اسلامیہ کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

۱۰ مئی ۱۹۷۶ء بروز پیر

کاتب: محمد یونس حنیف بمقام و ڈاکخانہ خاص کالی صوبہ خاں ضلع گوجرانوالہ۔

حق
چار یار